خطباتِ محمود

(خطباتِ جمعہ)

1958-59ء

فرمودہ

سیّدنا حضرت مرزا بشیر الدّین محمود احمد المصلح الموعود

خلیفۃ المسیح الثانی

جلد 39

KHUTBAT-I-MAHMUD

by HADRAT MIRZA BASHIR-UD-DIN MAHMUD AHMAD
KHALIFATUL MASIH II

Published by:

Printed by:

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ　　　　نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان سے فضل عمر فاؤنڈیشن کو حضرت مصلح موعود کے خطبات کی انتالیسویں جلد احباب کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت نصیب ہو رہی ہے۔ اَلۡحَمۡدُلِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ۔ اس جلد میں 59-1958ء کے 44 خطبات جمعہ شامل ہیں۔

حضرت فضل عمر سلطان البیان کے خطبات علوم و معارف کا انمول خزانہ ہیں اور پیشگوئی کے الہامی الفاظ ''وہ علوم ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائے گا'' پر شاہد ناطق ہیں۔ حضرت مصلح موعود کا دورِ خلافت جو کم و بیش 52 سال پر محیط ہے ایک تاریخ ساز دَور تھا۔ اس نہایت کامیاب طویل دَور میں حضور کے خطبات نے جماعت کی علمی و روحانی ترقی اور تعلیم و تربیت میں نہایت اہم کردار ادا کیا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ فرماتے ہیں:۔

> ''حضرت مصلح موعود کے خطبات آپ کے قریب بیٹھ کر سننے کا موقع ملتا تھا۔ تمام دنیا کے مسائل کا آپ کے خطبات میں مختلف رنگ میں ذکر آتا چلا جاتا تھا۔ دین کا بھی ذکر ہوتا اور دنیا کا بھی۔ پھر ان کے باہمی تعلقات کا ذکر ہوتا تھا۔ سیاست جہاں مذہب سے ملتی ہے یا جہاں مذہب سے الگ ہوتی ہے غرضیکہ ان سب مسائل کا ذکر ہوتا تھا۔ چنانچہ قادیان میں یہی جمعہ تھا جس کے نتیجہ میں ہر کس و ناکس، ہر بڑے چھوٹے اور ہر تعلیم یافتہ و غیر تعلیم یافتہ کی ایک ایسی تربیت ہو رہی تھی جو بنیادی طور پر سب میں قدر مشترک تھی۔ یعنی پڑھا لکھا یا اَن پڑھ، امیر یا غریب اس لحاظ سے کوئی فرق نہیں رکھتا تھا کہ بنیادی طور پر احمدیت کی تعلیم اور احمدیت کی تربیت کے علاوہ دنیا کا شعور بھی حاصل ہو جایا کرتا تھا۔ چنانچہ بہت

سے احمدی طلباء جب مقابلہ کے مختلف امتحانات میں اپنی تعداد کی نسبت زیادہ کامیابی حاصل کرتے تھے تو بہت سے افسر ہمیشہ تعجب سے اس بات کا اظہار کیا کرتے تھے کہ احمدی طلباء میں کیا بات ہے کہ ان کا دماغ زیادہ روشن نظر آتا ہے ان کو عام دنیا کا زیادہ علم ہے۔‘‘

(خطباتِ طاہر جلد نمبر 7 صفحہ 10)

ہمارا یہ روحانی وعلمی ورثہ سلسلہ کے لٹریچر میں بکھرا پڑا تھا اور جماعت کے دوستوں کو اس سے استفادہ کرنا مشکل تھا۔ فضل عمر فاؤنڈیشن اس جماعتی ضرورت کو پورا کرنے کیلئے ان خطبات کو کتابی شکل میں شائع کر رہی ہے۔

یہ جواہر پارے اب آپ کے ہاتھوں میں ہیں۔ ان کی زیادہ سے زیادہ اشاعت سے جہاں ادارہ کے لئے اس کام کو جلد پایۂ تکمیل تک پہنچانا آسان ہوگا وہاں نئی نسل کی تربیت کے لئے بھی یہ بہت مُمد ومعاون ہوں گے۔

اس جلد کی تیاری کے سلسلہ میں جن دوستوں نے ادارہ کی عملی معاونت فرمائی ان میں مکرم عبدالرشید صاحب اٹھوال، مکرم حبیب اللہ صاحب باجوہ، مکرم فضل احمد صاحب شاہد، مکرم عبدالشکور صاحب باجوہ، مکرم عدیل احمد صاحب گوندل، مکرم ظہور احمد صاحب مقبول، مربیان سلسلہ قابل ذکر ہیں۔ خاکسار ان سب کا دلی شکریہ ادا کرتا ہے اور دعا گو ہے کہ خدا تعالیٰ ان کے علم وفضل میں برکت عطا فرمائے اور اپنے فضلوں اور رحمتوں سے نوازے۔ آمین

فہرست مضامین خطباتِ محمود جلد 39

(خطبات جمعہ 1958ء، 1959ء)

خطبہ نمبر	تاریخ بیان فرمودہ	موضوع خطبہ	صفحہ
1	3 جنوری 1958ء	وقفِ زندگی کی نئی تحریک جماعت کی ترقی کے لیے نہایت ضروری ہے۔ جماعت کے نوجوانوں کو چاہیے کہ وہ آگے آئیں اور اس تحریک کے تحت خدمتِ دین کے لیے اپنے آپ کو پیش کریں	1
2	10 جنوری 1958ء	ہمّت کے ساتھ آگے بڑھو اور وقفِ جدید کی تحریک کو کامیاب بنانے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لو۔ نوجوان اپنی زندگیاں وقف کریں، احمدی زمیندار دس دس ایکڑ زمین پیش کریں اور دیگر احباب زیادہ سے زیادہ چندہ دیں	13
3	17 جنوری 1958ء	وقفِ جدید کی تحریک بھی ایک اعلیٰ درجہ کی نیکی ہے تمہارا فرض ہے کہ اسے کامیاب بنانے کی پوری کوشش کرو	23
4	21 فروری 1958ء	ہماری جماعت کے ہر فرد کو یہ عہد کر لینا چاہیے کہ وہ دین کی خاطر کسی قربانی سے بھی دریغ نہیں کرے گا اسلام کی ترقی اور اشاعت کے لیے وقفِ جدید کی تحریک خاص اہمیت رکھتی ہے	29

خطبہ نمبر	تاریخ بیان فرمودہ	موضوع خطبہ	صفحہ
5	28فروری1958ء	آثار بتا رہے ہیں کہ تحریک وقف جدید کا مستقبل اِنْشَاءَ اللّٰہُ بہت شاندار ہوگا۔ دوست اس تحریک کی کامیابی کے لیے دعائیں کریں اور ایک دوسرے کو اس میں شامل ہونے کی تحریک بھی کرتے رہیں	38
6	7مارچ1958ء	تحریک وقفِ جدید لوگوں کو اسلام کی حقیقی تعلیم سے روشناس کرنے اور ان میں ایک نئی زندگی اور بیداری پیدا کرنے کے لیے جاری کی گئی ہے	43
7	14مارچ1958ء	اپنے فرائض کو انتہائی خوش اسلوبی، پوری توجہ اور محنت کے ساتھ ادا کرو	46
8	21مارچ1958ء	رمضان اللہ تعالیٰ کی بڑی رحمتوں اور برکتوں والا مہینہ ہے اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھاؤ۔ اس مہینے میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی دعاؤں کو خاص طور پر سنتا اور قبول کرتا ہے	49
9	28مارچ1958ء	شریعت کے احکام کی پیروی اور خداتعالیٰ پر کامل توکّل کے ذریعہ انسان اپنے آپ کو خداتعالیٰ کی معیّت کا مستحق بنا سکتا ہے	56
10	11راپریل1958ء	اگر تم صحیح معنوں میں ذکرِ الٰہی کرو گے تو یقیناً اس کے نتیجہ میں کفر کو شکست ہوگی اور اسلام کو غلبہ حاصل ہوتا چلا جائے گا	70
11	18راپریل1958ء	جماعت احمدیہ کا مقصد دنیا میں توحیدِ حقیقی کا قیام ہے۔ توحید محض زبانی اقرار کا نام نہیں ہے۔ تمہارا ہر فعل اور ہر عمل توحیدِ الٰہی کا مظہر ہونا چاہیے	82

خطبہ نمبر	تاریخ بیان فرمودہ	موضوع خطبہ	صفحہ
12	25 اپریل 1958ء	اِس زمانہ میں اسلام کو دنیا میں غالب کرنے کی تڑپ سب سے پہلے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دل میں پیدا ہوئی	97
13	9 مئی 1958ء	جو لوگ صحیح معنوں میں رضائے الٰہی کے حصول کے لیے کوشش کرتے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ یقیناً ہر میدان میں کامیابی بخشتا ہے	116
14	16 مئی 1958ء	اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے محبت رکھتا ہے۔اسی لیے وہ ہمیشہ ان کے لیے رحمت و برکت کے سامان مہیا فرماتا ہے انسان متواتر اس کی نافرمانی اور ناشکری کا مرتکب ہوتا ہے لیکن وہ پھر بھی ہمیشہ اسے ہدایت کی راہوں کی طرف بلاتا چلا جاتا ہے	120
15	23 مئی 1958ء	حقیقی طور پر اللہ تعالیٰ کا موحّد بندہ وہی ہے جو شرک فی الذات اور شرک فی الصفات دونوں سے بچے	123
16	30 مئی 1958ء	اسلام نے قُرب الٰہی کا راستہ اتنا آسان کر دیا ہے کہ اگر مومن ذرا بھی کوشش کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کو پاسکتا ہے۔ دیگر مذاہب نے خدا سے ملنے کی اُمید تو دلائی لیکن راستہ اتنا کٹھن بتایا کہ انسان مایوس ہو جاتا ہے	128
17	6 جون 1958ء	سچا مومن وہی ہے جو قرآن کریم اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اطاعت اور فرمانبرداری اختیار کرے۔تمہارا فرض ہے کہ پردہ کے متعلق خدا اور اس کے رسولؐ کے حکم کی پابندی کرو اور مداہنت سے کام نہ لو	139

صفحہ	موضوع خطبہ	تاریخ بیان فرمودہ	خطبہ نمبر
152	اللہ تعالیٰ کے حضور گرو اور اُسی سے مدد مانگو کہ یہی ہماری کامیابی اور ترقی کا اصل ذریعہ ہے۔خدائی جماعتیں اگر کثرت سے ذکرِ الٰہی کریں تو اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کے فرشتے آسمان سے اُتر کر اُن کی مدد کرتے ہیں۔	13جون1958ء	18
160	مسئلہ کشمیر کے متعلق پاکستانی عوام کی بے چینی اور حکومت کا فرض۔بے شک حکومت جتھوں کو جنگ بندی کی سرحد عبور کرنے سے روک سکتی ہے لیکن اس کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ عوام کو بتائے کہ اُس کے پاس اِس مسئلہ کو حل کرنے کا کیا ذریعہ ہے	27جون1958ء	19
168	جماعت کے نوجوانوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت کا مقصد عیسائیت کا استیصال ہے۔تمہارا فرض ہے کہ جدوجہد اور اپنے نیک نمونہ کے ذریعہ ہمیشہ اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے کوشاں رہو	11جولائی1958ء	20
174	قرآن کریم کی رو سے اسلام کی تبلیغ صرف چند افراد کا نہیں بلکہ ساری جماعت کا فرض ہے۔جماعت کو تبلیغ کی طرف خاص طور پر توجہ کرنی چاہیے اور اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرنی چاہییں کہ وہ ہماری زبانوں میں اثر پیدا کرے	8/اگست1958ء	21

خطبہ نمبر	تاریخ بیان فرمودہ	موضوع خطبہ	صفحہ
22	15راگست1958ء	اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے کہ سچا توکّل رکھنے والوں کو ہمیشہ میری تائید ونصرت حاصل رہے گی۔ جوشخص اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھتا ہے نہ آسمان اُسے ضرر پہنچا سکتا ہے اور نہ زمین، اور خدا تعالیٰ کے فرشتے اس کی حفاظت کرتے ہیں	184
23	22راگست1958ء	دلائل کے ساتھ اسلام کو دنیا پر غالب کرنا وہ عظیم الشان کام ہے جو اللہ تعالیٰ نے اِس زمانہ میں ہمارے سپرد کیا ہے۔اس کام کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھو اور اس کے لیے صحیح کوشش اور جدوجہد کرتے چلے جاؤ	196
24	29راگست1958ء	سینما اور گانا بجانا شیطان کے ہتھیار ہیں جن سے وہ لوگوں کو ورغلاتا ہے۔تاریخ بتاتی ہے کہ اکثر مسلمان حکومتیں محض گانے بجانے کے شوق کی وجہ سے ہی تباہ و برباد ہوئیں	202
25	5 ستمبر 1958ء	دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ ہم میں اور ہماری آئندہ نسلوں میں ہمیشہ اعمالِ صالحہ اور نُورِ ایمان کو قائم رکھے۔ جو لوگ اپنی اولاد کی نیک تربیت سے غافل ہو جاتے ہیں اُن کی نسلیں روحانی لحاظ سے تباہ ہو جاتی ہیں	208
26	12 ستمبر 1958ء	اللہ تعالیٰ سے ہی دعائیں کرنی چاہییں کیونکہ سب طاقت خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے نہ گورنمنٹ اس بارہ میں کوئی مدد کرسکتی ہے اور نہ کوئی انسان مدد کرسکتا ہے	227

خطبہ نمبر	تاریخ بیان فرمودہ	موضوع خطبہ	صفحہ
27	19 ستمبر 1958ء	اس سال جلسہ سالانہ پر زیادہ سے زیادہ تعداد میں ربوہ آؤ اور یہاں آ کر اپنا وقت دعاؤں اور ذکرِ الٰہی میں گزارو۔ اہلِ ربوہ کا فرض ہے کہ وہ مہمانوں کی رہائش کے لیے زیادہ سے زیادہ مکانات پیش کریں اور پھر تندہی سے ان کی خدمت کریں	230
28	3/اکتوبر 1958ء	دعاؤں میں لگے رہو کہ اللہ تعالیٰ اسلام کی مضبوطی کے زیادہ سے زیادہ سامان پیدا کرے۔ عیسائیت کا مقابلہ کرنا ہمارا سب سے مقدّم فرض ہے	241
29	31/اکتوبر 1958ء	ہمیں چاہیے کہ ہم ہر وقت اللہ تعالیٰ ہی کی طرف توجہ رکھیں اور اُسی سے مدد مانگیں	246
30	7 نومبر 1958ء	ہمیشہ جائزہ لیتے رہو کہ تمہارے اعمال قرآن کریم کی بیان کردہ تعلیم کے مطابق ہیں یا نہیں۔ مسلمانوں کے لیے ہر معاملہ میں مقدّم قرآن کریم ہے۔ اس کے بعد سنت اور پھر حدیث کا درجہ ہے۔	252
31	21 نومبر 1958ء	توحیدِ کامل کے بغیر کبھی انسان کو حقیقی ایمان اور اطمینان نصیب نہیں ہو سکتا۔ توحیدِ کامل کا سچا نمونہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ نے دکھایا	259
32	28 نومبر 1958ء	اذان کے الفاظ کو صحیح تلفظ کے ساتھ اور سمجھ کر ادا کرنا چاہیے۔ ربوہ کے دوستوں کو چاہیے کہ وہ جلسہ سالانہ کے مہمانوں کے لیے زیادہ سے زیادہ مکانات پیش کریں	273

صفحہ	موضوع خطبہ	تاریخ بیان فرمودہ	خطبہ نمبر
281	سورہ فاتحہ اسلام کی بہترین دعاؤں میں سے ایک دعا ہے اگر ہم پورے اخلاص کے ساتھ اسے پڑھتے رہیں تو یقیناً اللہ تعالیٰ اسلام کو تمام دیگر اَدیان پر کھلا کھلا غلبہ عطا کرے گا	5 دسمبر 1958ء	33
291	جلسہ سالانہ پر آنے والے دوست سردی سے بچاؤ کے لیے پورا بستر اور کپڑے ہمراہ لائیں۔ جلسے کے موقع پر کھانے کے سلسلے میں اگر دوستوں کو کوئی تکلیف ہو تو اُسے ثواب سمجھ کر برداشت کریں۔	12 دسمبر 1958ء	34
297	ہماری جماعت کا فرض ہے کہ وہ خواتین کی دینی تعلیم کی طرف خصوصیت کے ساتھ توجہ کرے۔ جمعہ اسلام کے نہایت اہم ارکان میں سے ہے عورتوں کو اس امر میں ضرور شریک ہونا چاہیے۔	26 دسمبر 1958ء	35
303	اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ باوجود شدید بارشوں کے جلسہ سالانہ کے دوران موسم بہت اچھا رہا۔ ہماری جماعت کو اس لیے قائم کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزّت کو دنیا میں قائم کیا جائے	2 جنوری 1959ء	36
307	بھارتی اخبار ''پرتاپ'' نے میری جلسہ سالانہ والی تقریر کو نہایت بگاڑ کر پیش کیا ہے۔ جماعت احمدیہ خدا تعالیٰ کی قائم کردہ جماعت ہے وہی اس کی حفاظت کرے گا۔	9 جنوری 1959ء	37

خطبہ نمبر	تاریخ بیان فرمودہ	موضوع خطبہ	صفحہ
38	16 جنوری 1959ء	ہمارا خدا زندہ خدا ہے وہ پہلے کی طرح اب بھی اپنے نشانات دکھا رہا ہے اور آئندہ بھی دکھاتا رہے گا۔ معجزات اور نشاناتِ سماوی کے بغیر ایمان محض رسم اور قصہ کہانی بن کر رہ جاتا ہے	317
39	23 جنوری 1959ء	نکاح دنیوی لحاظ سے سب سے بڑا عقد ہے جو مرد اور عورت دونوں پر بعض اہم ذمہ داریاں عائد کرتا ہے۔ اِس عقد میں خاوند اور بیوی دونوں کے والدین اور عزیزوں کے ساتھ حُسنِ سلوک کا عہد بھی شامل ہے۔	325
40	30 جنوری 1959ء	اسلام دنیوی اور دینی دونوں معاملات میں زیادتی کو ناجائز قرار دیتا ہے۔ اپنے کاموں میں ہمیشہ عدل و انصاف کو ملحوظ رکھو اور گناہ اور بدی کے امور میں ہرگز تعاون نہ کرو۔	331
41	6 فروری 1959ء	ہماری جماعت کے زمینداروں کو چاہیے کہ وہ محنت اور ہمت سے کام لیتے ہوئے اپنے ملک کی زرعی پیداوار بڑھانے کی کوشش کریں۔ ہر جگہ ایک سیکرٹری زراعت مقرر کیا جائے جو مرکز میں باقاعدہ رپورٹ بھیجا کرے کہ اُس کے علاقہ میں اِس سلسلہ میں کیا کوشش ہو رہی ہے	337
42	13 فروری 1959ء	دوست تحریک جدید اور وقفِ جدید کے وعدے جلد سے جلد بھجوائیں۔ اپنے وعدوں کو بڑھا کر پیش کرنا دنیا میں اسلام کی ترقی اور خدا تعالیٰ کی خوشنودی کے حصول کا موجب ہے	344

خطبہ نمبر	تاریخ بیان فرمودہ	موضوع خطبہ	صفحہ
43	20فروری1959ء	اللہ تعالیٰ کے فضل کو دائمی طور پر حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہماری جماعت ہمیشہ دعاؤں میں لگی رہے	348
44	17اپریل1959ء	جمعہ اور مجلس شوریٰ کے اجتماع کی برکتوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے زیادہ سے زیادہ دعائیں کرو۔ مجلس شوریٰ میں نمائندگی ایک بہت بڑا اعزاز ہے اس میں شمولیت خاص اہمیت رکھتی ہے	358

☆......☆......☆

(1)

وقفِ زندگی کی نئی تحریک جماعت کی ترقی کے لیے نہایت ضروری ہے

جماعت کے نوجوانوں کو چاہیے کہ وہ آگے آئیں اور اس تحریک کے تحت خدمتِ دین کے لیے اپنے آپ کو پیش کریں

(فرمودہ 3 جنوری 1958ء بمقام ربوہ)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''میں نے پہلے بھی ایک خطبہ میں بیان کیا تھا اور پھر جلسہ سالانہ کے موقع پر اپنی 27 دسمبر کی تقریر میں بیان کیا تھا کہ جماعت کے وہ دوست جنہیں سلسلہ کی تبلیغ سے لگاؤ ہو یا تعلیم و تدریس کا شوق رکھتے ہوں وہ جماعت کی ترقی کے لیے اپنے آپ کو نئے وقف کے ماتحت پیش کریں۔ سلسلہ اُن کی مدد کرے گا اور خود بھی اُن کو کمائی کرنے کی اجازت دے گا۔ اِس طرح اُن کا عمدگی سے گزارہ ہوتا رہے گا۔ چار پانچ سال تک امید ہے کہ مدرسہ احمدیہ جدید جو قائم ہوا ہے اس کی چار پانچ جماعتیں نکل آئیں گی اور چونکہ یہاں اردو میں پڑھائی ہے اس لیے وہ نوجوان پرائمری تک اردو میں تعلیم دے سکیں گے اور ساتھ ہی وہ واعظ اور مبلغ بھی ہوں گے لیکن اس کے درمیان جو وقفہ ہے اُس کو پُر کرنے کے

لیے ہمیں واقفین کی ضرورت ہے۔

مجھے افسوس ہے کہ جلسہ سالانہ سے پہلے تو بعض نوجوانوں کی درخواستیں آتی رہیں کہ ہم اپنے آپ کو اس سکیم کے ماتحت وقف کرتے ہیں لیکن جب میں نے وقف کی شرائط بیان کیں تو پھر ان میں سے کسی نے بھی نہیں کہا کہ ہم اپنے آپ کو وقف کرتے ہیں۔ پس میں جماعت کے دوستوں کو ایک بار پھر اس وقف کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ ہماری جماعت کو یاد رکھنا چاہیے کہ اگر وہ ترقی کرنا چاہتی ہے تو اس کو اس قسم کے وقف جاری کرنے پڑیں گے اور چاروں طرف رُشد و اصلاح کا جال پھیلانا پڑے گا یہاں تک کہ پنجاب کا کوئی گوشہ اور کوئی مقام ایسا نہ رہے جہاں رُشد و اصلاح کی کوئی شاخ نہ ہو۔ اب وہ زمانہ نہیں رہا کہ ایک مربی ایک ضلع میں مقرر ہو گیا اور وہ دورہ کرتا ہوا ہر ایک جگہ گھنٹہ گھنٹہ، دو دو گھنٹہ ٹھہرتا ہوا سارے ضلع میں پھر گیا۔ اب ایسا زمانہ آ گیا ہے کہ ہمارے مربی کو ہر گھر اور ہر جھونپڑی تک پہنچنا پڑے گا۔ اور یہ اُسی وقت ہو سکتا ہے جب میری اس نئی سکیم پر عمل کیا جائے اور تمام پنجاب میں بلکہ کراچی سے لے کر پشاور تک ہر جگہ ایسے آدمی مقرر کر دیئے جائیں جو اُس علاقہ کے لوگوں کے اندر رہیں اور ایسے مفید کام کریں کہ لوگ اُن سے متأثر ہوں۔ وہ انہیں پڑھائیں بھی اور رُشد و اصلاح کا کام بھی کریں۔ اور یہ جال اتنا وسیع طور پر پھیلایا جائے کہ کوئی مچھلی باہر نہ رہے۔ کنڈی ڈالنے سے صرف ایک ہی مچھلی آتی ہے لیکن اگر مہا جال ڈالا جائے تو دریا کی ساری مچھلیاں اس میں آ جاتی ہیں۔ ہم ابھی تک کنڈیاں ڈالتے رہے ہیں۔ ان کی وجہ سے ایک ایک مچھلی ہی ہمارے ہاتھ میں آتی رہی ہے لیکن اب مَہا جال ڈالنے کی ضرورت ہے اور اِس کے ذریعہ گاؤں گاؤں اور قریہ قریہ کے لوگوں تک ہماری آواز پہنچ جائے بلکہ ہر گاؤں کے ہر گھر تک ہماری پہنچ ہو۔ پہلے لڑکوں اور لڑکیوں تک ہماری پہنچ ہو، پھر لڑکوں اور لڑکیوں کے ماں باپ تک ہماری پہنچ ہو اور اس کے بعد سارے گاؤں تک ہماری پہنچ ہو جائے۔ پھر گاؤں سے نکل کر چار چار، پانچ پانچ میل تک کے دیہات میں ہماری پہنچ ہو جائے اور پھر یہ دائرہ دس دس پندرہ پندرہ میل تک وسیع ہو جائے۔ اس کے بعد اَور ترقی کرے اور یہ دائرہ تیس تیس میل تک چلا جائے۔ پھر اَور ترقی کرے اور یہ دائرہ پینتالیس میل تک چلا جائے۔ پھر اَور ترقی کرے اور یہ دائرہ ساٹھ میل تک چلا جائے۔ پھر اَور ترقی کرے اور یہ دائرہ پچھتّر میل تک چلا جائے۔ پھر اَور ترقی کرے اور یہ دائرہ نوّے میل تک چلا جائے۔ پھر اَور ترقی کرے اور یہ دائرہ

ایک سَو پانچ میل تک چلا جائے۔ پھر اَور ترقی کرے اور یہ دائرہ ایک سَو بیس میل تک چلا جائے۔ گویا اگر ہم صرف بیس اسکول کھول دیں اور پندرہ پندرہ میل کے دائرہ میں ایک اسکول رکھیں تو تین سَو میل تک ہمارا دائرہ بڑھ جاتا ہے۔ اور اگر بیس سکول ایک طرف ہوں اور بیس سکول دوسری طرف ہوں تو تین سَو میل اِدھر اور تین سَو میل اُدھر ہمارا دائرہ بڑھ جاتا ہے جس کے معنے یہ ہیں کہ ہمارا دائرہ نوّے ہزار مربع میل تک وسیع ہو جاتا ہے اور سارے پنجاب کا رقبہ باسٹھ ہزار مربع میل ہے۔ غرض اگر ہم اس تجویز پر عمل کریں تو رفتہ رفتہ سارا مغربی اور مشرقی پاکستان اس کے احاطہ میں آ جاتا ہے۔ پس جب تک ہم اس مہا جال کو نہ پھیلائیں گے اُس وقت تک ہم کامیاب نہیں ہو سکتے۔

تین چار سال تک جیسا کہ میں نے بتایا ہے مدرسہ احمدیہ سے فارغ ہونے پر ہمیں ایسے نوجوان مل جائیں گے جو دین کی خدمت کے لیے آگے آ جائیں گے اور ان کے لیے بظاہر اَور کوئی کام نہیں ہو گا کیونکہ ہم نے مولوی فاضل کی ڈگری کو اُڑا دیا ہے۔ پہلے لڑکے مولوی فاضل پاس کر کے گورنمنٹ سروس میں چلے جاتے تھے۔ اس لیے اب ہم نے مولوی فاضل کو اُڑا دیا ہے۔ ہم انہیں اپنے ہی امتحان پاس کرائیں گے تا کہ وہ فارغ ہو کر دین کی خدمت کریں۔ آخر کوئی وجہ نہیں کہ ہم ہزاروں روپیہ خرچ کر کے فارغ التحصیل نوجوان گورنمنٹ کو دے دیں اور وہ انہیں اپنے سکولوں میں لگا لے۔ اب جو نوجوان تعلیم حاصل کریں گے وہ مجبور ہوں گے کہ دین کی خدمت کریں۔ بیشک سلسلہ بھی مجبور ہو گا کہ اُن کے کھانے پینے کا مناسب انتظام کرے لیکن وہ بھی مجبور ہوں گے کہ اپنے کھانے پینے کا سامان سلسلہ سے آ کر لیں اور اپنی خدمات سلسلہ کے لیے وقف کریں۔ باہر جا کر اُن کو کچھ نہیں ملے گا اور ان کو نہ رکھ کر سلسلہ کو کچھ نہیں ملے گا۔ گویا دونوں ایک دوسرے کے گلے میں رسّی باندھے ہوئے ہوں گے۔ مدرسہ احمدیہ کی تعلیم سے فارغ ہونے والے نوجوانوں نے صدرانجمن احمدیہ اور تحریک جدید کے گلے میں رسّی باندھی ہوئی ہو گی کہ اگر ہم سے کام نہیں لو گے تو تم کو مبلّغ نہیں ملیں گے اور صدرانجمن احمدیہ اور تحریک جدید نے اُن کے گلے میں رسّی باندھی ہوئی ہو گی کہ اگر تم ہمارا کام نہیں کرو گے تو تم کو بھی روٹی نہیں ملے گی۔ اِس طرح دونوں فریق مجبور ہوں گے کہ ایک دوسرے کا کام کریں اور اِن دونوں کے ملنے سے لاکھوں میل کے رقبہ میں تبلیغ کو وسیع کیا جا سکے گا۔

جہاں تک چندے کا سوال ہے میں سمجھتا ہوں کہ چونکہ ہماری جماعت چندہ دینے کی عادی

ہے اس لیے آہستہ آہستہ رقم آنی شروع ہو جائے گی۔ جو رقم میں نے تجویز کی ہے وہ بہت معمولی ہے یعنی صرف چھ روپیہ سالانہ ہے۔ تحریک جدید میں اِس وقت بیس بائیس ہزار آدمی چندہ دے رہے ہیں۔ اگر زور دیا جائے تو کوئی بعید نہیں کہ اِس سکیم میں ایک لاکھ آدمی چندہ دینے لگ جائیں۔ تحریک جدید کی رقم بہت زیادہ ہوتی ہے۔ اس میں بعض لوگ پچاس پچاس، ساٹھ ساٹھ بلکہ سَو سَو روپیہ بھی دیتے ہیں۔ یہ رقم چونکہ کم ہے اس لیے کوئی بعید نہیں کہ اس سکیم میں حصہ لینے والے ایک لاکھ ہو جائیں۔ اور اگر ایک لاکھ احمدی چھ روپیہ سالانہ کے حساب سے چندہ دے تو چھ لاکھ روپیہ آ جاتا ہے اور زیادہ سے زیادہ خرچ جو ایک واقفِ زندگی پر اس سکیم کے ماتحت کیا جائے گا وہ ساٹھ روپیہ ماہوار ہے۔ گویا دس واقفینِ زندگی پر سات ہزار دوسَو روپیہ سالانہ خرچ آئے گا بلکہ اگر کم سے کم رقم دی جائے یعنی چالیس روپیہ ماہوار تو دس واقفین پر چار ہزار آٹھ سَو روپے سالانہ خرچ آئے گا اور سو واقفین چار لاکھ اسّی ہزار روپے میں رکھے جا سکتے ہیں۔ بلکہ میں سمجھتا ہوں اگر پورے طور پر اس سکیم پر توجہ دی جائے تو اس میں حصہ لینے والوں کی تعداد ڈیڑھ لاکھ تک بھی پہنچ سکتی ہے۔ اور اگر ڈیڑھ لاکھ آدمی چھ روپیہ سالانہ کے حساب سے چندہ دے تو نو لاکھ روپیہ سالانہ آمد ہوتی ہے۔ جس کے معنے یہ ہیں کہ ماہوار پچھتّر ہزار روپیہ آ جائے گا۔ میں نے جو سکیم پیش کی ہے وہ یہ ہے کہ فی الحال صرف دس واقفین لیے جائیں اور انہیں چالیس سے ساٹھ روپیہ تک ماہوار گزارہ دیا جائے۔ اگر نو لاکھ روپیہ سالانہ آمد ہو جائے تو اس سے کئی گُنا زیادہ واقفین رکھے جا سکتے ہیں کیونکہ ہر ایک واقفِ زندگی کو اگر ساٹھ روپے ماہوار دیں تو پچھتّر ہزار میں بارہ سَو پچاس مبلغ رکھے جا سکتے ہیں۔ اور جب صحیح رنگ میں کام شروع ہو جائے گا تو ڈیڑھ لاکھ تو کیا میرا خیال ہے پانچ چھ لاکھ احمدی اس سکیم میں چندہ دینے لگ جائیں گے اور پھر ممکن ہے کہ وہ چندہ بڑھا کر دینے لگ جائیں۔ اگر ہر ایک آدمی میرے بتائے ہوئے چندہ سے دو گُنا یعنی بارہ روپیہ سالانہ دے اور جماعت کے چھ لاکھ افراد چندہ دیں تو بہتّر لاکھ روپیہ سالانہ آمد ہو جاتی ہے یعنی چھ لاکھ روپیہ ماہوار۔ اور اس میں ہم دس ہزار مبلّغ رکھ سکتے ہیں۔ اور دس ہزار مبلّغ رکھنے سے ملک کی کوئی جہت ایسی نہیں رہتی جہاں ہماری رُشد و اصلاح کی شاخ نہ ہو۔ پھر یہ بھی ممکن ہے کہ مشرقی بنگال والے اپنا بوجھ خود اُٹھالیں اور وہ خود اس سکیم کے لیے رقم جمع کر لیں۔ ایسٹ بنگال کا رقبہ صرف چون ہزار مربع میل ہے۔ اگر ایک لاکھ آدمی اس سکیم میں حصہ لے تو اُن کا کام چل سکتا ہے بلکہ

پچاس ہزار آدمی بھی حصہ لے تو ایسٹ پاکستان اپنے کام کو سنبھال سکتا ہے۔

پس میں جماعت کو اِس خطبہ کے ذریعہ پھر تحریک کرتا ہوں کہ نوجوان اس وقف میں اپنے نام لکھائیں اور آگے آنے کی کوشش کریں تا کہ جلد سے جلد انہیں مختلف جگہوں پر بٹھا دیا جائے اور دکانیں اور مدرسے کھول دیئے جائیں اور احمدیت کا پھل نکلنا شروع ہو جائے۔ یہ یاد رکھو کہ مذہب کی تبلیغ پھل کی طرح ہوتی ہے اور پھل ایک دن میں نہیں نکلا کرتا۔ اگر تم کسی زمین میں گندم بو دو تو تمہیں چھ ماہ میں پھل مل جائے گا لیکن باغ کا پھل بعض اوقات آٹھ سال میں بھی نہیں مل سکتا۔ اگر تم باغ لگانا شروع کر دو اور پھر ایک ایک باغ باری باری لگاؤ تو ایک باغ کا پھل تمہیں آٹھ سال بعد ملے گا، دوسرے کا سولہ سال بعد ملے گا، تیسرے کا چوبیس سال بعد ملے گا، چوتھے کا بتّیس سال بعد ملے گا، پانچویں کا چالیس سال بعد ملے گا، ساتویں سال کا چھپّن سال بعد ملے گا، آٹھویں کا چونسٹھ سال بعد ملے گا، نویں کا بہتّر سال بعد ملے گا، دَسویں کا اسّی سال بعد ملے گا، گیارھویں کا اٹھاسی سال بعد ملے گا، بارھویں کا چھیانوے سال بعد ملے گا اور تیرھویں کا ایک سَو چار سال بعد ملے گا۔ اور تم میں سے کون ہے جو کہہ سکے کہ وہ ایک سَو چار سال تک زندہ رہے گا۔

پس میں جماعت کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ جلد اِس وقف کی طرف توجہ کرے اور اپنے آپ کو ثواب کا مستحق بنالے۔ یہ مُفت کا ثواب ہے جو تمہیں مل رہا ہے۔ اگر تم اسے نہیں لو گے تو یہ تمہاری بجائے دوسروں کو دے دیا جائے گا۔ دیکھو! جب یہاں کے لوگوں نے احمدیت کی طرف توجہ نہ کی تو اللہ تعالیٰ ایسٹ اور ویسٹ افریقہ کو آگے لے آیا۔ اِسی طرح اَور کئی ملک احمدیت کی طرف توجہ کرنے لگے۔ خدا تعالیٰ نے جو کام کرنا ہوتا ہے اُس کے لیے وہ کوئی نہ کوئی ذریعہ نکال دیتا ہے۔ اب ایسے ایسے ملک ہیں جن میں دس دس پندرہ پندرہ ہزار احمدی ہیں۔ اگر باہر کے سارے احمدیوں کو ملا لیا جائے تو وہ پاکستان کے احمدیوں کے برابر ہو جاتے ہیں اور اس کی وجہ یہی ہے کہ جب یہاں کے لوگوں نے احمدیت کو قبول کرنے میں سُستی کی تو خدا تعالیٰ نے دوسرے ملکوں کے لوگوں کو احمدیت میں داخل کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ اگر غانا، سیرالیون، نائیجیریا اور ایسٹ افریقہ کے علاقوں کینیا، ٹانگانیکا، یوگنڈا اور امریکہ کے علاقوں ٹرینیڈاڈ، ڈچ گی آنا، برٹش گی آنا، فرنچ گی آنا، یو۔ ایس۔ اے اور دوسرے تمام یورپین اور ایشیائی ممالک کو جہاں جہاں احمدی پائے جاتے ہیں ملا لیا جائے تو پتا لگ جائے گا کہ ان

کی مشترکہ احمدی آبادی مغربی پاکستان کی احمدی آبادی سے کم نہیں۔ خدا تعالیٰ کو اِس بات سے کوئی غرض نہیں کہ سارے احمدی ایک ہی ملک میں پائے جائیں بلکہ وہ جہاں چاہتا ہے احمدیت کو پھیلا دیتا ہے۔ پہلے مغربی پاکستان نے احمدیت کی طرف توجہ دی تو خدا تعالیٰ نے مغربی پاکستان میں احمدیوں کی تعداد کو بڑھا دیا۔ پھر ایسٹ پاکستان نے اس طرف توجہ کی تو خدا تعالیٰ نے وہاں ایک بہت بڑی تعداد احمدیوں کی پیدا کر دی۔ پھر اس نے احمدیت کو سیرالیون، غانا، نائیجیریا، ٹرینیڈاڈ، برٹش گی آنا، فرنچ گی آنا، ڈچ گی آنا، یُو۔ایس۔اے، ویسٹ اور ایسٹ افریقہ اور دوسرے علاقوں میں پھیلانا شروع کر دیا۔ ان سارے علاقوں کی احمدی آبادی کو ملا لیا جائے تو غالباً وہ مغربی پاکستان کی احمدی آبادی سے کم نہیں ہوگی۔ پھر بیرونی ممالک میں تو بیس تیس سال سے تبلیغ ہو رہی ہے اور یہاں ستّر سال سے تبلیغ ہو رہی ہے اور پھر جتنے مبلّغ اِس ملک کو ملے ہیں دوسرے ممالک کو نہیں ملے۔

مثلاً حافظ روشن علی صاحب تھے، مولوی ابوالعطاء صاحب اور مولوی جلال الدین صاحب شمس ہیں اور پھر اَور بہت سے مبلّغ ہیں جن کے نام اِس وقت ذہن میں نہیں آ رہے یہ سب اِسی ملک میں تبلیغ کرتے رہے۔ پرانے زمانہ میں قاضی امیر حسین صاحب تھے، مولوی سید سرور شاہ صاحب تھے، مولوی برہان الدین صاحب تھے اور شیخ غلام احمد صاحب تھے۔ یہ لوگ باہر جاتے تھے اور تبلیغِ احمدیت کرتے تھے۔ پھر پروفیسر عبدالقادر صاحب کے چچا مولوی حسن علی صاحب بھاگلپوری تھے۔ ان کی تعلیم صرف مڈل تک تھی مگر انگریزی زبان میں انہیں اتنی مہارت تھی کہ ایک دفعہ مدراس میں ان کا لیکچر ہوا تو گورنر ان کا لیکچر سننے کے لیے آیا اور بعد میں اس گورنر نے کہا کہ ہم بھی اتنی اچھی انگریزی نہیں بول سکتے جتنی اچھی انگریزی مولوی صاحب نے بولی ہے۔ انہوں نے ایک کتاب "تائیدِ حق" بھی لکھی ہے جو نہایت اعلیٰ درجہ کی کتاب ہے۔ میں نے ایک دفعہ اس کتاب کو پڑھنا شروع کیا تو میں اُس وقت تک سویا نہیں جب تک کہ میں نے اس ساری کتاب کو ختم نہ کر لیا۔ مولوی صاحب شروع شروع میں ایمان لائے۔ پھر احمدیت کی تبلیغ کے لیے ملک کے مختلف علاقوں میں پھرتے رہے۔ ان کی تعلیم معمولی تھی مگر ذاتی مطالعہ سے انہوں نے اپنی لیاقت بڑھا لی تھی۔ اِسی طرح دوسرے لوگ بھی ذاتی مطالعہ سے اپنی قابلیت بڑھا سکتے ہیں مگر شرط یہ ہے کہ ہمت ہو۔ جب ہمّت گِر جاتی ہے تو انسان سمجھ لیتا ہے کہ میں کچھ نہیں کر سکتا۔ لیکن اگر کوئی تھوڑا سا کام کرنے والا آدمی بھی ہو تو میں نے دیکھا ہے کہ وہ دوسروں

سے بہت آگے نکل جاتا ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ کئی بی۔اے، بی۔ٹی ہوتے ہیں مگر جب ان کے سپرد کوئی کام کیا جائے تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ ہم سے یہ نہیں ہوسکتا، ہماری طبیعت کا اس کام سے کوئی لگاؤ نہیں لیکن مولوی حسن علی صاحب صرف مڈل پاس تھے اور انہوں نے وہ کام کیا جو آجکل کے بی۔اے، بی۔ٹی بھی نہیں کر سکتے۔ اُن کا یہ کہنا کہ فلاں کام ہم سے نہیں ہوسکتا یا ہماری طبیعت اس طرف راغب نہیں محض دھوکا اور فریب ہوتا ہے۔ وہ زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے باوجود ہم اپنی طبیعت کو اس طرف راغب کرنا نہیں چاہتے۔ یہ اصل فقرہ ہے جو انہیں کہنا چاہیے لیکن وہ یہ فقرہ نہیں کہتے بلکہ کہتے ہیں کہ ہماری طبیعت کا اس طرف لگاؤ ہی نہیں حالانکہ خدا تعالیٰ تو کہتا ہے کہ ہم نے ہر انسان کو اعلیٰ قوتیں دے کر بھیجا ہے اور اسے اَحسنِ تقویم میں پیدا کیا ہے۔1 اگر وہ یہ کہتے ہیں کہ ہماری طبیعت کا اس طرف لگاؤ نہیں تو یہ محض بہانہ ہوتا ہے۔ دراصل لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم نے کہہ دیا کہ ہم فلاں کام نہیں کرتے تو دوسرے ناراض ہوں گے۔ اس لیے وہ کہہ دیتے ہیں کہ ہماری طبیعت کا اس سے لگاؤ نہیں۔

پس ضرورت اس بات کی ہے کہ تم اپنے اندر روحانیت پیدا کرو اور تقوٰی پیدا کرو۔ بھلا یہ تو دیکھو کہ اب تو صدر انجمن احمدیہ یا تحریک جدید کچھ نہ کچھ دیتی ہے لیکن جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دعوٰی کیا تھا تو اُن کے پاس کونسا روپیہ تھا۔ جب خدا تعالیٰ نے آپ کو فرمایا کہ اُٹھ اور دنیا سے کہہ کہ میں مسیح موعود ہوں تو آپ کے پاس کوئی پیسہ نہ تھا پھر بھی آپ کھڑے ہوگئے اور لوگوں کو کہنا شروع کر دیا کہ میں مسیح موعود ہوں اور اس کی پہلی جزا آپ کو یہ ملی کہ آپ کو دائیں بائیں اور آگے پیچھے سے پتھر پڑنے شروع ہوئے لیکن آپ پھر بھی کام کرتے رہے اور کبھی بھی خدا تعالیٰ سے یہ نہ کہا کہ اے اللہ! تُو نے مجھے کس مصیبت میں ڈال دیا ہے۔ کھڑا تو تُو نے مجھے مسیح موعود بنا کر کیا تھا اور یہاں یہ صورتِ حال ہے کہ چاروں طرف سے پتھر پڑ رہے ہیں۔

آپ ایک دفعہ لاہور تشریف لے گئے۔ وہاں ایک اَور شخص بھی تھا جس نے مسیح موعود ہونے کا دعوٰی کیا ہوا تھا۔ اُس کا بھائی بعد میں توبہ کر کے احمدی ہوگیا تھا۔ بڑا سادہ آدمی تھا، داڑھی اُس نے سکھوں والی رکھی ہوئی تھی۔ وہ قادیان میں بھی آیا کرتا تھا۔ ایک دفعہ میں لاہور گیا تو وہ دواندھے پکڑ کر لے آیا اور کہنے لگا یہ میرا شکار ہیں۔ وہ سارا دن اُن کی خدمت کرتا تھا، کھانا کھلاتا تھا، اُن کے کپڑے

دھوتا اور جُوئیں نکالتا تھا۔ یہ سلوک دیکھ کر انہوں نے احمدی تو ہونا ہی تھا۔ سنا ہے کہ اب وہ فوت ہو گیا ہے۔ اُس کا بھائی سخت مخالف تھا۔ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام انارکلی میں سے گزر رہے تھے اور آپ کے ساتھ شیخ رحمت اللہ صاحب مرحوم اور بعض اَور دوست تھے کہ اُس نے پیچھے سے آ کر آپ کی پیٹھ پر اچانک زور سے لات ماری جس سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام گر گئے۔ شیخ رحمت اللہ صاحب اسے مارنے پر آمادہ ہوئے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا شیخ صاحب! اسے کچھ نہ کہیں۔ اس نے مجھے یہ سمجھ کر مارا ہے کہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک کرتا ہوں۔ اگر اسے پتا ہوتا کہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک نہیں کرتا تو یہ ایسی حرکت ہی کیوں کرتا۔

ہماری جماعت میں ایک پروفیسر عبداللہ صاحب ہوا کرتے تھے۔ وہ واقع میں پروفیسر نہیں تھے بلکہ اُن کا نام پروفیسر اس لیے پڑ گیا تھا کہ وہ شعبدہ بازی اور مداریوں کے کرتب وغیرہ جانتے تھے۔ ایک دفعہ خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم لاہور سے قادیان گئے تو انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے شکایت کی کہ پروفیسر صاحب بڑے تیز مزاج ہیں۔ اگر کوئی ان کے سامنے حضور کو بُرا بھلا کہے تو وہ اسے گالیاں دینے لگ جاتے ہیں اور کہتے ہیں خبردار! اگر تُو نے اب کے گالی نکالی تو میں تیرے منہ پر مُکّا ماروں گا۔ تُو کون ہوتا ہے جو حضرت صاحب کو گالیاں دے۔ کچھ دنوں کے بعد پروفیسر صاحب قادیان آئے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے انہیں بلایا اور فرمایا پروفیسر صاحب! میں نے سنا ہے کہ آپ کے سامنے جب مجھے کوئی بُرا بھلا کہے تو آپ اُس سے لڑنے لگ جاتے ہیں۔ آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہیے اور صبر اور تحمل سے کام لینا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں نرمی کی تعلیم دی ہے سختی کی تعلیم نہیں دی۔ اُن کی طبیعت بڑی تیز تھی۔ یہ سنتے ہی اُن کا چہرہ سُرخ ہو گیا اور کہنے لگے میں یہ بات ماننے کے لیے بالکل تیار نہیں۔ آپ کے پیر (یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کو اگر کوئی بُرا بھلا کہے تو آپ فوراً اُس سے مباہلہ کرنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں اور مجھے کہتے ہیں صبر کرو۔ خود تو کہتے ہیں کہ

الا اے دشمنِ نادان و بے راہ | بترس از تیغِ برّانِ محمد
کرامت گرچہ بے نام و نشاں است | بیا بنگر ز غلمانِ محمد 2

یعنی اے مخاطب! اگر تُو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دشمنی کرتا ہے تو جان لے کہ

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ نے ایک تلوار بھی دی ہوئی ہے۔ تُو اُس سے ڈر۔ اور اگر تجھے یہ خیال ہے کہ اس زمانہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی کرامت نہیں تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کے پاس آ اور ان سے کرامت دیکھ لے۔ اُن دنوں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے لیکھرام کی بدزبانیوں کے مقابلہ میں یہ شعر کہے تھے۔ انہیں کی طرف پروفیسر عبداللہ صاحب نے اشارہ کیا اور کہا کہ آپ کے پیر کو اگر کوئی بُرا بھلا کہتا ہے تو آپ فوراً جوش میں آ جاتے ہیں اور اُسے مباہلہ کا چیلنج دے دیتے ہیں لیکن اگر کوئی میرے پِیر کو گالیاں دے تو آپ کہتے ہیں صبر کرو۔ میں ایسی بات ماننے کے لیے تیار نہیں۔

صاحبزادہ عبداللطیف صاحب شہید کا بھی ایک اِسی قسم کا واقعہ ہے۔ ایک دفعہ میاں چٹو جو قریشی محمد حسین صاحب موجد مفرح عنبری لاہور والوں کے دادا تھے اور اہلِ قرآن میں سے تھے انہوں نے ایک عرب کو جو ہندوستان میں آیا ہوا تھا لکھنو سے بُلایا۔ اُن کی غرض یہ تھی کہ اگر وہ شخص اہلِ قرآن ہو گیا تو عرب میں یہ مذہب پھیل جائے گا۔ میاں چٹو اُس عرب کو قادیان لائے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ملاقات کروائی۔ گفتگو کے دوران میں وفاتِ مسیح کا ذکر آ گیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام چونکہ پنجابی تھے اور آپ مولویوں کی طرح تلفظ ادا نہیں کرتے تھے اس لیے آپ نے سادہ طریق پر قرآن کہہ دیا۔ اِس پر وہ عرب کہنے لگا کہ مسیح موعود بنا پھرتا ہے اور قرآن کہنا بھی نہیں آتا۔ "ق" کی بجائے "کاف" کہتا ہے۔ اُس کی زبان سے یہ لفظ نکلے ہی تھے کہ صاحبزادہ عبداللطیف صاحب شہید نے یکدم اپنا ہاتھ اُٹھایا اور اُسے مارنا چاہا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مولوی عبدالکریم صاحب سے کہا ان کا ہاتھ پکڑ لیں اور جب تک یہ لوگ اس مجلس سے اُٹھ کر چلے نہ جائیں انہیں چھوڑیں نہیں اور صاحبزادہ عبداللطیف صاحب کا یہ حال تھا کہ وہ کانپتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے مجھے چھوڑو میں اسے کُچل کر رکھ دوں گا اِس نے حضرت صاحب کی ہتک کی ہے۔

پروفیسر عبداللہ صاحب جن کا میں نے ابھی ذکر کیا ہے یوپی کے رہنے والے تھے اور سارے ہندوستان میں تماشے دکھاتے پھرتے تھے۔ پھر وہ قادیان آئے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے تعلیم حاصل کی۔ اُس وقت ان کے پاس ایک پیسہ بھی نہیں تھا۔ وہ پہلے بڑے بڑے سرکسوں کے مالک

تھے۔قادیان آئے توان کی یہ حالت تھی کہ وہ مہمان خانہ میں بیٹھ جاتے اور کوئی لڑکا آتا تو اُسے سیر بین دکھادیتے اور وہ آنہ یا دونّی دے دیتا اور اس میں گزارہ کر لیتے۔ کچھ عرصہ تک وہ پھیری کا کام بھی کرتے رہے۔ جب وہ لوگ اِس طرح گزارہ کر لیا کرتے تھے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہمارے نوجوان اِس طرح گزارہ نہ کرسکیں۔

جیسا کہ میں نے بتایا ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں لوگ اپنا وسیع کاروبار چھوڑ کر قادیان آگئے تھے اور وہاں پر کسی نہ کسی طرح اپنی روٹی کما لیتے تھے اور گزارہ کر لیتے تھے۔ جو مالدار لوگ اُس زمانہ میں آئے اُن کا بھی یہ حال تھا کہ انہوں نے اپنے سب مال لُٹا دیئے۔ مثلاً سیٹھ عبدالرحمان صاحب مدراسی تھے۔ان کی تجارت بڑی وسیع تھی۔مگر انہوں نے اپنا سارا روپیہ آہستہ آہستہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دے دیا۔ بعد میں جب وہ دیوالیہ ہوگئے تو ان کے ایک دوست سیٹھ لال جی وال جی تھے اور وہ بھی بہت بڑے تاجر تھے۔ سیٹھ صاحب نے انہیں تحریک کی کہ آپ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دعا کرایا کریں اس میں بڑی برکت ہوتی ہے۔اور پھر کہا میں آپؑ کو ماہوار نذرانہ کے طور پر ایک بڑی رقم بھجوایا کرتا تھا آپ بھی انہیں نذرانہ بھجوایا کریں۔ چنانچہ انہوں نے ساڑھے تین سَو روپیہ ماہوار بھجوانا شروع کر دیا۔معلوم ہوتا ہے کہ ان میں روحانیت پائی جاتی تھی ورنہ وہ سیٹھ عبدالرحمان صاحب مدراسی کو کہہ دیتے کہ آپ نے دعا کرا کے کیا لیا؟ آپ کا تو پہلا کاروبار بھی نہ رہا۔مگر معلوم ہوتا ہے کہ وہ خوب جانتے تھے کہ انہیں جو برکتیں ملی ہیں وہ روحانی ہیں اور اُن کو بھی روحانی برکتیں ہی ملیں گی۔ اس لیے انہوں نے سیٹھ عبدالرحمان صاحب مدراسی کی نصیحت پر عمل کرنا شروع کر دیا۔

پھر ہمارے ایک دوست چودھری رستم علی صاحب تھے۔ پہلے وہ سپاہی تھے۔ پھر کانسٹیبل ہو گئے۔ پھر سب انسپکٹر بنے۔ پھر پراسیکیوٹنگ (PROSECUTING) انسپکٹر بنے۔اُس وقت تنخواہیں بہت تھوڑی تھیں۔آجکل تو ایک سپاہی کو مہنگائی الاؤنس وغیرہ ملا کر قریباً ساٹھ روپیہ ماہوار مل جاتے ہیں لیکن اُن دنوں سپاہی کو غالباً گیارہ روپے، تھانیدار کو چالیس روپے اور انسپکٹر کو چھہتّر یا سَو روپے ملتے تھے اور پراسیکیوٹنگ (PROSECUTING) افسر کو سَو سے کچھ زیادہ ملتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ وہ اپنی تنخواہ کا ایک بڑا حصہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھجوا دیا کرتے تھے۔

ایک دفعہ انہیں یکدم آرڈر آ گیا کہ ان کو عہدہ میں ترقی دی جاتی ہے اور تنخواہ اتنی بڑھائی جاتی ہے۔ اس کے بعد ان کی تنخواہ میں جو بڑھوتی ہوئی وہ ساری کی ساری وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھیج دیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے حضرت صاحب کو جو خط لکھا وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے پڑھنے کے لیے دیا۔ میں نے پڑھ کر بتایا کہ یہ خط چودھری رستم علی صاحب کا ہے اور انہوں نے لکھا ہے کہ میں سَو روپیہ تو پہلے ہی بھیجا کرتا تھا لیکن اب میری تنخواہ میں اسّی روپے کی ترقی ہوئی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ محض حضور کی دعاؤں کے طفیل ہوئی ہے اور آپ کے لیے ہوئی ہے اس لیے اب میں آپ کو ایک سَو اَسّی روپے ماہوار بھیجا کروں گا۔ میں اس بڑھوتی کا مستحق نہیں ہوں بلکہ میں تو سمجھتا ہوں کہ میں پہلی تنخواہ کا بھی مستحق نہیں تھا۔ وہ بھی اللہ تعالیٰ مجھے آپ کی خاطر ہی دے رہا ہے۔

اب دیکھو اللہ تعالیٰ نے سلسلہ کو جو مالدار دیئے تھے وہ بھی کیسی کیسی قربانیاں کرتے تھے اور پھر اُن قربانیوں میں بڑھتے چلے جاتے تھے۔ خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم کو دیکھ لو اللہ تعالیٰ اُن پر رحم کرے۔ بیشک آخر میں اُن میں بگاڑ پیدا ہوا لیکن شروع شروع میں وہ پشاور میں نہایت کامیاب وکیل تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایک مقدمہ ہوا تو آپ نے خواجہ صاحب کو لکھا کہ اِس اِس طرح ایک مقدمہ ہے جس میں ایک احمدی وکیل کی نگرانی کی ضرورت ہے۔ اِس پر آپ اپنی کامیاب وکالت چھوڑ کر پشاور سے گورداسپور آ گئے۔ گو ایک بات ضرور ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ وہ آخر شاید گرے بھی اِسی کی وجہ سے تھے اور وہ یہ کہ جب ان پر تنگی آتی تھی تو وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روپیہ مانگ لیا کرتے تھے۔ میں سمجھتا ہوں شاید یہی کمزوری بعد میں ان کی خرابی کی وجہ ہوئی۔ ورنہ انہوں نے بھی بہت قربانی کی تھی۔ بلکہ میں سمجھتا ہوں ان کی قربانی اپنے سب ساتھیوں سے زیادہ تھی۔

مولوی محمد علی صاحب کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے بڑی قربانی کی۔ انہوں نے اسلامیہ کالج لاہور کی پروفیسری چھوڑی تھی اور اُس وقت پروفیسری کی تنخواہ اَسّی نوّے روپے ماہوار ہوا کرتی تھی اور انہوں نے قادیان آ کر انجمن سے بیس روپیہ ماہوار تنخواہ لی لیکن حقیقت میں ان کو بیس نہیں بلکہ ایک سَو بیس روپیہ ماہوار تنخواہ ملا کرتی تھی۔ بیس روپے انجمن کی طرف سے ملتے تھے اور

ایک سَو روپے ماہوار ان کے لیے نواب صاحب انجمن کو دیا کرتے تھے۔ غرض مولوی محمد علی صاحب نے تو قادیان جا کر فائدہ اُٹھا لیا لیکن خواجہ صاحب نے اپنی کامیاب وکالت چھوڑ دی۔ انہوں نے مولوی محمد علی صاحب جیسا فائدہ نہیں اُٹھایا۔ ہاں! اگر کبھی ضرورت ہوتی تو حضرت صاحب سے کچھ مانگ لیا کرتے تھے۔ مولوی محمد علی صاحب نے قادیان آ کر تنخواہ لی اور پھر اسے بڑھاتے چلے گئے۔ شیخ رحمت اللہ صاحب ان کی تائید کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ ان کی تنخواہ بہت تھوڑی ہے اس لیے ان کی تنخواہ بڑھانی چاہیے۔ ایک دفعہ میں نے کہا مولوی صدر دین صاحب کی تنخواہ بھی بڑھانی چاہیے تو مولوی محمد علی صاحب کا چہرہ سُرخ ہو گیا اور کہنے لگے آپ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ میں نے کوئی قربانی نہیں کی۔ میں نے کہا یہ بات نہیں بلکہ میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ مولوی صدر دین صاحب نے بھی تو قربانی کی ہے ان کی تنخواہ بھی بڑھانی چاہیے۔

تو یاد رکھو! آنے والے آئیں گے اور انہیں رزق بھی خدا تعالیٰ دے گا۔ مگر پہلے آنے والوں کے لیے بہت برکت ہوگی۔ جو پہلے آئیں گے اُن کے لیے جنت کے دروازے پہلے کھولے جائیں گے اور جو بعد میں آئیں گے ان کے لیے جنت کے دروازے بھی بعد میں کھولے جائیں گے"۔

(الفضل 11 جنوری 1958ء)

1: لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ (التین:5)

2: درثمین فارسی صفحہ 142

2

ہمت کے ساتھ آگے بڑھو اور وقفِ جدید کی تحریک کو کامیاب بنانے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لو

نوجوان اپنی زندگیاں وقف کریں، احمدی زمیندار دس دس ایکڑ زمین پیش کریں اور دیگر احباب زیادہ سے زیادہ چندہ دیں

(فرمودہ 10 جنوری 1958ء بمقام ربوہ)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''ہماری جماعت کی حالت کا نقشہ سورہ انفال رکوع 2 میں کھینچا گیا ہے اور اس نقشہ کو شیخ سعدیؒ نے ایک حکایت کے رنگ میں اپنی کتاب ''گلستان'' میں بیان کیا ہے۔ ہم بچپن میں وہ شعر پڑھا کرتے تھے تو بہت مزہ آیا کرتا تھا۔ یوں تو جب ہم بڑے ہوئے تو حضرت خلیفہ اول نے ہمیں مثنوی مولانا رومؒ بھی پڑھائی تھی مگر وہ زمانہ جب ہمیں مثنوی مولانا روم پڑھائی گئی 1911ء یا 1912ء کا زمانہ تھا اور گلستان اور بوستان اس سے پہلے زمانہ میں ہمیں شروع کرائی گئی تھیں۔ شیخ سعدیؒ نے گلستان میں ایک کہانی لکھی ہے کہ:-

ایک بادشاہ تھا جس کے کئی بیٹے تھے۔ اس کے اَور تو سب بیٹے نہایت خوبصورت تھے اور

بادشاہ اُن سے بہت محبت کیا کرتا تھا لیکن ایک لڑکا بہت چھوٹے قد کا تھا اور اس کی شکل بھی نہایت مکروہ تھی۔ اُس سے وہ سخت نفرت کیا کرتا تھا۔ ایک دفعہ ایک بادشاہ جو اُس سے دشمنی رکھتا تھا اور جس کی طاقت بہت زیادہ تھی اُس پر حملہ آور ہوا۔ جب اُس کی فوج نے اس بادشاہ کے دائیں اور بائیں بڑے زور سے حملہ کیا تو اس کی ساری فوج بھاگ گئی اور میدانِ جنگ میں صرف چند آدمی بادشاہ کے ساتھ رہ گئے۔ جب بادشاہ نے دیکھا کہ اب دشمن مجھے بھی حملہ کر کے قید کر لے گا تو یکدم صفوں کو چیرتا ہوا ایک سوار نکلا جس نے اپنے ہاتھ میں نیزہ پکڑا ہوا تھا۔ وہ پوری ہمت کے ساتھ اپنے دائیں اور بائیں نیزہ چلاتا ہوا آ رہا تھا جس کی وجہ سے دشمن کی فوج تتر بتر ہوگئی۔ پھر اُس نے بادشاہ کی بچی کھچی فوج کو بھی اپنے ساتھ شامل کر لیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دشمن کی فوج بھاگ گئی۔ وہ شخص حملہ کرتا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا

آں نہ من باشم کہ روزِ جنگ بینی پُشتِ من
آں منم کاندر میانِ خاک و خوں بینی سرے

یعنی میں وہ نہیں ہوں کہ جنگ کے دن تُو میری پیٹھ دیکھے بلکہ جنگ کے دن تُو صرف میرا منہ دیکھے گا میری پیٹھ نہیں دیکھے گا۔ اور اگر کوئی شخص مجھ سے میرا کچھ حال پوچھنا چاہے تو میں اُسے یہ بتاتا ہوں کہ میں جب لڑائی میں آؤں گا تو وہ میرے سر کو خاک اور خون میں لتھڑا ہوا پائے گا یعنی میں قتل ہو جاؤں گا لیکن بھاگوں گا نہیں۔ جب فتح ہوئی تو بادشاہ نے پہچان لیا کہ وہ اُس کا وہی بیٹا ہے جس سے وہ نفرت کیا کرتا تھا۔ بادشاہ نے اُسے بلایا، اُس کی پیشانی پر بوسہ دیا اور کہا میں نے تم پر بڑا ظلم کیا ہے اور تمہاری بڑی بے قدری کی ہے۔ جن کی میں قدر کیا کرتا تھا اور جن سے محبت کیا کرتا تھا وہ تو پیٹھ دکھا کر بھاگ گئے لیکن تم میدان میں رہے اور میری جان کی حفاظت کرنے کے لیے آگے آئے۔ اِس پر اُس لڑکے نے کہا اے باپ!

ہر چہ بقامت کہتر بقیمت بہتر

جو شخص قد و قامت اور صورت کے لحاظ سے ذلیل نظر آتا تھا وہ قیمت کے لحاظ سے بہت بہتر تھا یعنی آپ تو مجھے چھوٹے قد کا آدمی سمجھ کر نفرت سے دیکھا کرتے تھے لیکن آپ کو معلوم ہو گیا کہ جو قد و قامت اور صورت میں ذلیل نظر آتا تھا قیمت کے لحاظ سے وہی بہتر تھا۔1

یہ تو ایک آدمی کا قصہ ہے لیکن ہماری جماعت بھی گو تعداد کے لحاظ سے بہت تھوڑی ہے اور

''بقامت کہتر'' کی مصداق ہے لیکن ''بقیمت بہتر'' ہے۔ امریکہ، یورپ اور باقی ساری دنیا میں اسلام کا جھنڈا وہی گاڑ رہی ہے اور باقی مسلمان جن کو علماء نے اپنے سروں پر اُٹھا رکھا ہے انہوں نے بیرونی ممالک میں کسی مسجد کی ایک اینٹ بھی نہیں لگوائی۔ اس کے مقابلہ میں خدا تعالیٰ کے فضل سے یورپ میں ہماری تین مسجدیں بن چکی ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو ہمارا منشا ہے کہ تھوڑے عرصہ میں ہی ایک اَور مسجد بھی بنا دی جائے۔ ایک مسجد امریکہ میں بنانے کا میں نے آرڈر دے دیا ہے۔ ایک مسجد لندن میں بنی ہے، ایک مسجد ہیگ میں بنی ہے، ایک مسجد ہیمبرگ (جرمنی) میں بنی ہے، ایک فرینکفرٹ (جرمنی) میں بن رہی ہے۔ جب یہ مسجد بن گئی تو اِنْشَاءَ اللّٰہُ ایک مسجد ہنوور (Hanover) (جرمنی) میں بنائی جائے گی۔ پھر ایک زیورچ میں بنے گی۔ پھر ایک روم میں بنے گی۔ پھر ایک نیپلز (Naples) میں بنے گی۔ پھر ایک جنیوا میں بنے گی اور پھر ایک وینس (Venice) میں بنے گی اور اس طرح یہ سلسلہ ترقی کرتا چلا جائے گا۔

بہرحال ہماری جماعت اِس وقت ''بقامت کہتر'' اور ''بقیمت بہتر'' کی مصداق ہے جو ہر جگہ مسجدیں بنا رہی ہے۔ مسلمان ہمارے متعلق کہتے ہیں کہ ہم اُن کے مقابلہ میں آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں۔ مولوی ظفر علی خان صاحب اب تو فوت ہو گئے اور اُن کا معاملہ اللہ تعالیٰ سے ہے۔ جب وہ زندہ تھے تو بڑی حقارت سے لکھا کرتے تھے کہ یہ لوگ تو مسلمانوں میں سَو میں سے ایک بھی نہیں۔ پاکستان کی ساری آبادی جس میں ہندو اور عیسائی بھی شامل ہیں آٹھ کروڑ ہے۔ اگر ہندوؤں اور عیسائیوں کو نکال دیا جائے تو غالباً مسلمانوں کی آبادی پانچ کروڑ رہ جاتی ہے اور ہماری تعداد کا زیادہ سے زیادہ اندازہ دس لاکھ ہے۔ ہندوستان کی آبادی بتّیس کروڑ ہے۔ اس کے ساتھ پاکستان کی آبادی کو ملا لیا جائے تو یہ چالیس کروڑ بن جاتی ہے اور دس لاکھ کی آبادی ان کے مقابلہ میں کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتی۔

لیکن اب اگر اللہ تعالیٰ ہمیں طاقت بخشے اور یہ نئی تحریک جو میں نے کی ہے پھیل جائے تو پھر امید ہے کہ ہماری جماعت اس ملک میں ایک نمایاں مقام پیدا کر لے گی۔ میں نے جلسہ سالانہ پر اس کے متعلق تحریک کی تھی اور پھر پچھلے جمعہ کے خطبہ میں بھی اس کا ذکر کیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بیسیوں خطوط جماعت کے افراد کے آئے۔ انہوں نے لکھا کہ ہم نے جلسہ سالانہ کے موقع پر آپ کی تقریر کا مفہوم

نہیں سمجھا تھا مگر اب جو آپ کا پیغام چھپا ہے تو ہم نے اس کی حقیقت کو سمجھا ہے۔ اس لیے اب ہم نے وقف اور روپیہ کے لیے اپنے نام لکھوانے شروع کر دیئے ہیں۔ چنانچہ اس کے بعد اب تک چالیس وقف آ چکے ہیں اور بارہ ہزار کے قریب آمد کا اندازہ ہے۔

میں نے جو شکل وقف کی جماعت کے سامنے پیش کی ہے اور جس کے ماتحت میرا ارادہ ہے کہ پشاور سے کراچی تک اصلاح و ارشاد کا جال بچھا دیا جائے اس کے لیے ابھی بہت سے روپیہ کی ضرورت ہے۔ اس کام کے لیے کم سے کم چھ لاکھ روپیہ سالانہ کی ضرورت ہے۔ اگر چھ لاکھ روپیہ سالانہ آنے لگ جائے تو پھر پچاس ہزار روپیہ ماہوار بنتا ہے اور اگر ہم ایک واقفِ زندگی کا ماہوار خرچ پچاس روپیہ رکھیں تو ایک ہزار مراکز قائم کیے جا سکتے ہیں اور اس طرح ہم پشاور سے کراچی تک رُشد و اصلاح کا جال پھیلا سکتے ہیں۔ بلکہ اصل حقیقت تو یہ ہے کہ اگر ہم نے رُشد و اصلاح کے لحاظ سے مشرقی اور مغربی پاکستان کا گھیرا کرنا ہے تو اس کے لیے ہمیں ایک کروڑ روپیہ سالانہ سے بھی زیادہ کی ضرورت ہے۔ اگر ڈیڑھ کروڑ روپیہ سالانہ آمد ہو تو بارہ لاکھ پچاس ہزار روپیہ ماہوار بنتا ہے۔ اگر بارہ لاکھ روپیہ بھی ماہوار آئے تو اس کے معنے یہ ہیں کہ ایک واقفِ زندگی کا پچاس روپیہ ماہوار خرچ مدنظر رکھتے ہوئے ہمارے چوبیس ہزار نئی طرز کے واقفِ زندگی بن جاتے ہیں۔ اور چوبیس ہزار واقفِ زندگی دو لاکھ چالیس ہزار میل کے اندر پھیل جاتے ہیں کیونکہ ہم نے دس دس میل پر ایک ایک آدمی رکھنا ہے اور گو ابھی تو اتنی رقم جمع نہیں ہو سکتی لیکن اگر اتنی رقم جمع ہو جائے تو خدا تعالیٰ کے فضل سے چوبیس ہزار آدمی رکھے جا سکتے ہیں۔ ہاں! اگر یہ واقفِ زندگی ہمت کریں اور خوب کوشش کر کے جماعت بڑھانی شروع کر دیں تو ممکن ہے کہ اگلے سال ہی یہ صورت پیدا ہو جائے۔ اب تک جو آمد آئی ہے وہ ایسی نہیں کہ اُس پر زیادہ تعداد میں نوجوان رکھے جا سکیں۔ لیکن جب روپیہ زیادہ آنا شروع ہو گیا اور نوجوان بھی زیادہ تعداد میں آ گئے اور انہوں نے ہمت کے ساتھ جماعت کو بڑھانے کی کوشش کی تو جماعت کو پتا لگ جائے گا کہ یہ سکیم کیسی مبارک اور پھیلنے والی ہے۔

اِس سکیم میں چودھری ظفر اللہ خاں صاحب نے جہاں اپنی طرف سے اور اپنے خاندان کی طرف سے چندہ لکھوایا ہے وہاں انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ کراچی کے پاس ٹھٹھہ میں میری زمین ہے اُس میں سے میں اس سکیم کے ماتحت دس ایکڑ زمین وقف کرتا ہوں۔ دس ایکڑ میں خود اِنْشَاءَ اللّٰہُ

ضلع تھرپارکر یا حیدرآباد کے ضلع میں وقف کروں گا۔ اور ابھی تو اَور بہت سے احمدی زمیندار ہیں جو اِس غرض کے لیے زمین وقف کر سکتے ہیں۔ پھر ایک ایک، دو دو ایکڑ دے کر کئی آدمی مل کر بھی اس میں حصہ لے سکتے ہیں۔ بہرحال چودھری صاحب کی زمین اور میری وقف شدہ زمین میں دو مرکز بن جائیں گے۔ تیسرا مرکز ضلع مظفرگڑھ میں بنے گا۔ وہاں کے ایک نوجوان نے لکھا ہے کہ میرا ایک مربع ہے جو مجھے فوجی خدمات کے صِلہ میں ملا ہے وہ مربع میں آپ کی اس سکیم میں دیتا ہوں۔ مگر کوئی وجہ نہیں کہ ہم اُس کو اِس طرح ساری زمین سے محروم کر دیں۔ میں نے یہ تجویز سوچی ہے کہ ہم ان سے کہیں گے کہ اس زمین میں سے دس ایکڑ ہمیں کرایہ پر دے دے اور باقی پندرہ ایکڑ وہ خود استعمال کرے۔ اور دس ایکڑ کوئی معمولی زمین نہیں۔ ہالینڈ میں مَیں نے دریافت کیا تھا وہاں تین ہزار روپیہ فی ایکڑ آمد ہوتی ہے۔ اگر تین ہزار فی ایکڑ آمد ہو تو دس ایکڑ سے تیس ہزار آمد ہو سکتی ہے۔ اگر سَو مربع ہمیں اِس سکیم میں مل جائے تو پچھتّر لاکھ سالانہ آمد ہو جاتی ہے اور اس سے ہم سارے مشنوں کا خرچ چلا سکتے ہیں۔ طریق ہم بتائیں گے کام کرنا ہمارے مبلّغوں کا کام ہے۔ اگر ان کو خدا تعالیٰ اسلام کی خدمت کا جوش دے اور وہ شیخ سعدیؒ کے بیان کردہ واقعہ کو یاد رکھیں تو یہ سکیم بہت اچھی طرح چلائی جا سکتی ہے۔ کیونکہ جن لوگوں میں کام کرنے کی روح پائی جاتی ہو وہ یہ نہیں دیکھتے کہ ہم حقیر اور ذلیل ہیں وہ صرف یہ بات مانتے ہیں کہ

آں نہ من باشم کہ روزِ جنگ بینی پُشتِ من
آں منم کاَندر میانِ خاک و خوں بینی سرے

میں وہ نہیں ہوں کہ جس کی پیٹھ تُو جنگ میں دیکھے بلکہ تُو میرے سر کو میدان میں خاک و خون میں لتھڑا ہوا پائے گا۔ ہماری جنگ تلوار کی جنگ نہیں بلکہ دلائل کی جنگ ہے اور دلائل کی جنگ میں جس شخص میں کام کرنے کی روح پائی جاتی ہو وہ یہی کہتا ہے کہ میں وہ نہیں جو دلائل کے میدان میں اپنی پیٹھ دکھاؤں بلکہ اگر مقابلہ کی صورت پیدا ہوئی تو میں سب سے آگے ہوں گا اور جب تک میری جان نہ چلی جائے میں قربانی کا عہد نہیں چھوڑوں گا۔ اگر اس طرز پر عمل کیا جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ سکیم بہت شاندار طور پر کامیاب ہوگی۔ ابھی تو میری جلسہ سالانہ کی تقریر پر صرف چودہ دن گزرے ہیں لیکن اب آ کر لوگوں کو میری تحریک کا احساس ہوا ہے اور انہوں نے اپنے نام لکھوانے شروع کیے ہیں۔

اِسی طریق پر ہر تحریک بڑھتی ہے۔

جب میں نے تحریک جدید کا اعلان کیا تو جماعت کے لوگوں نے مجھے لکھا تھا کہ ہم نے تو آپ کی تحریک کا یہ مطلب سمجھا تھا کہ سات ہزار روپیہ جمع کرنا ہے مگر اب وہ کام لاکھوں تک پہنچ گیا ہے۔ مجھے یاد ہے ایک دوست نے مجھے لکھا کہ میں نے آپ کی تحریک پر بہت سا چندہ لکھوا دیا تھا اور یہ سمجھا تھا کہ آپ نے صرف ایک ہی دفعہ چندہ مانگا ہے لیکن اب میں اپنا چندہ کم نہیں کروں گا بلکہ اپنے وعدہ کے مطابق دینے کی کوشش کروں گا۔ اس کے علاوہ اَور بھی کئی لوگ تھے جنہوں نے اُس وقت سَو سَو، دو دو سَو روپیہ چندہ لکھوا دیا تھا مگر بعد میں انہوں نے اُس چندہ کو کم نہ کیا اور بڑھتے بڑھتے وہ سولہ سو، دو ہزار یا اڑھائی ہزار چندہ دینے لگ گئے۔

یہ تحریک بھی آہستہ قدموں سے شروع ہوئی ہے لیکن خدا تعالیٰ کے فضل سے مجھے امید ہے کہ جماعت میں اس قدر اخلاص اور جوش پیدا ہو جائے گا کہ وہ لاکھوں اور کروڑوں روپیہ دینے لگ جائے گی۔ تم یہ نہ دیکھو کہ ابھی ہماری جماعت کی تعداد زیادہ نہیں۔ اگر یہ سکیم کامیاب ہوگئی تو تم دیکھو گے کہ دو تین کروڑ لوگ تمہارے اندر داخل ہو جائیں گے۔ اور جب دو کروڑ اَور آدمی تمہارے ساتھ شامل ہو جائیں گے تو آمد کی کمی خود بخود دُور ہو جائے گی۔ دو کروڑ آدمی چھ روپیہ سالانہ دے تو بارہ کروڑ بن جاتا ہے۔ اگر ایک کروڑ روپیہ ماہوار آمد ہو تو دو لاکھ مبلّغ رکھا جا سکتا ہے جو بیس لاکھ میل کے رقبہ میں پھیل جاتا ہے اور اتنا رقبہ تو سارے پاکستان کا بھی نہیں۔ پس ہمّت کر کے آگے بڑھو اور وہی نمونہ دکھلاؤ کہ

آں نہ من باشم کہ روزِ جنگ بینی پُشتِ من
آں منم کاَندر میانِ خاک و خوں بینی سرے

دشمن تمہارے مقابلہ میں کھڑا ہے اور یہ جنگ روحانی ہے جسمانی نہیں۔ اس جنگ میں دلائل اور دعاؤں سے کام لینا اصل کام ہے۔

صحابہؓ کو دیکھ لو وہ تلواروں سے لڑتے تھے اور میدانِ جنگ میں ان کی گردنیں کٹتی تھیں مگر وہ اس سے ذرا بھی نہیں گھبراتے تھے۔ جنگِ اُحد کے موقع پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کے متعلق ہدایت فرمائی کہ اُسے تلاش کرو وہ کہاں ہے۔ صحابہؓ نے کہا معلوم ہوتا ہے کہ اُس کی لاش دوسری لاشوں کے نیچے کہیں دبی پڑی ہے اس لیے وہ کہیں ملی نہیں۔ آپ نے فرمایا جاؤ اور پھر تلاش

کرو۔ چنانچہ بہت تلاش کے بعد وہ صحابی ملے۔ وہ زخمی تھے اور پیٹ پھٹا ہوا تھا۔ تلاش کرنے والے صحابی نے کہا اپنے رشتہ داروں کو کوئی پیغام پہنچانا ہے تو دے دو ہم پہنچا دیں گے۔ وہ کہنے لگے اَور تو کوئی پیغام نہیں میرے عزیزوں تک صرف اِتنا پیغام پہنچا دینا کہ جب تک ہم زندہ رہے ہم نے اپنی جانیں قربان کر کے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کی۔ اب یہ فرض تم پر ہے۔ اور میری آخری خواہش یہ ہے کہ میرے خاندان کے سارے افراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرتے ہوئے اپنی جانیں قربان کر دیں۔ اگر تم ایسا کرو تو میری یہ موت خوشی کی موت ہوگی۔2

تو دیکھو صحابہؓ نے تو عملی طور پر قربانیاں کی تھیں اور تمہاری مثال ایسی ہی ہے جیسے کہتے ہیں ''تھوک میں بڑے پکائے''۔ دلیلیں دینا کونسی بڑی بات ہے۔ دلیلیں دے کر گھر آ گئے۔ لیکن وہاں یہ ہوتا تھا کہ صحابہؓ میدانِ جنگ میں جاتے تھے اور پھر بسا اوقات انہیں اپنے بیوی بچوں کی دوبارہ شکل دیکھنی بھی نصیب نہیں ہوتی تھی۔ ایک عورت کے متعلق تاریخ میں لکھا ہے کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنگِ تبوک کے لیے تشریف لے گئے تو اُس کے خاوند کو آپ نے کسی کام کے لیے باہر بھیجا ہوا تھا۔ جب وہ صحابی مدینہ واپس آئے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تبوک کی طرف تشریف لے جا چکے تھے اور اُس صحابی کو اِس کا علم نہیں تھا۔ وہ صحابی سیدھے گھر آئے۔ اپنی بیوی سے انہیں بہت محبت تھی۔ وہ گھر میں گُھسے اور بیوی اُنہیں نظر آئی تو انہوں نے آگے بڑھ کر اُسے اپنے جسم سے چمٹا لیا لیکن اُس زمانہ کی عورتیں بھی اِس زمانہ کے مردوں سے زیادہ مخلص ہوتی تھیں۔ اس عورت نے خاوند کو دھکّا دیا اور کہنے لگی تجھے شرم نہیں آتی کہ خدا تعالیٰ کا رسول تو جان دینے کے لیے رومیوں کے مقابلہ کے لیے گیا ہوا ہے اور تجھے اپنی بیوی سے پیار کرنا سُوجھتا ہے۔ اِس بات کا اُس پر ایسا اثر ہوا کہ اُسی وقت اُس نے اپنا گھوڑا پکڑا اور سوار ہو کر تبوک کی طرف چلا گیا اور کئی منزلوں پر جا کر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کر مل گیا۔ تو اِس قسم کی ہمت اگر تم بھی اپنے اندر پیدا کر لو تو دین کی اشاعت کوئی مشکل امر نہیں۔

چند دنوں کی بات ہے اللہ تعالیٰ کی رحمت اُترنے والی ہے۔ اب یہ ناممکن ہے کہ زیادہ عرصہ تک آسمان اپنی مدد کو روکے رکھے۔ کوئی پچیس چھبیس سال تک حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دشمنوں کی گالیاں سنیں، اُن سے پتھر کھائے، اینٹیں کھائیں، ماریں کھائیں لیکن تبلیغ جاری رکھی۔ اس کے بعد قریباً پچاس سال تک یہ کام ہم نے کیا۔ یہ سارا زمانہ مل کر پچھتّر سال کا ہو جاتا ہے۔ آخر

اللہ تعالیٰ ایسا تو نہیں کہ پچھتّر سال تک ایک قوم کو گالیاں دلوائے ، ماریں کھلائے ، پتھر مروائے اور پھر چُپ کر کے بیٹھا رہے۔ اب میں سمجھتا ہوں بلکہ مجھے یقین ہے کہ وہ وقت آ گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد آسمان سے اُترے گی اور گو ساری دنیا میں احمدیت پھیل جانے میں ابھی دوسَو سال باقی ہیں لیکن ساری دنیا میں پھیلنے کے تو یہ معنے ہیں کہ امریکہ میں بھی پھیل جائے ، انڈونیشیا میں بھی پھیل جائے ، کینیڈا میں بھی پھیل جائے ، چین میں بھی پھیل جائے ، اٹلی میں بھی پھیل جائے ، جرمنی اور فرانس میں بھی پھیل جائے ۔ ایسا بھی ایک دن ضرور ہوگا لیکن ابھی ہمیں صرف اپنے ملک میں پھیلنے کی ضرورت ہے اور اتنی ترقی مَیں سمجھتا ہوں کہ اَسّی سال کے اندر اندر ہو جانی چاہیے اور اس میں اب صرف چند سال باقی ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے 1882ء میں دعویٰ کیا اور 1908ء میں آپ فوت ہوئے ۔ یہ چھبیس سال کا عرصہ ہو گیا۔ چھبیس سال کے بعد پھر پچاس سال اب تک کے ملائے جائیں تو چھہتّر سال بن جاتے ہیں۔ اور اگر ہم یہ عرصہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش سے لیں تو 1835ء میں آپ پیدا ہوئے اور 1935ء میں آپ پر سَو سال ہو گئے ۔ ہمارا فرض تھا کہ 1935ء میں ہم ایک بہت بڑی جوبلی مناتے لیکن ہماری جماعت نے 1939ء میں خلافت جوبلی تو منائی لیکن 1935ء میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صد سالہ جوبلی بُھول گئی۔ اب بھی وقت ہے کہ جماعت اِس طرف توجہ کرے۔ سَو سال کی جوبلی بڑی جوبلی ہوتی ہے۔ جب جماعت کو وہ دن دیکھنے کا موقع ملے تو اس کا فرض ہے کہ وہ یہ جوبلی منائے۔ اب تک انہوں نے چھہتّر سال کا عرصہ دیکھا ہے اور چوبیس سال کے بعد سَو سال کا زمانہ پورا ہو جائے گا۔ اُس وقت جماعت کا فرض ہوگا کہ ایک عظیم الشان جوبلی منائے۔ اِس سَو سال کے عرصہ میں سارے پاکستان کو خواہ وہ مغربی ہو یا مشرقی ہم نے احمدی بنانا ہے۔ اس کے بعد جو لوگ زندہ رہیں گے وہ اِنْشَاءَ اللّٰہُ وہ دن بھی دیکھ لیں گے جب ساری دنیا میں احمدی ہی احمدی ہوں گے۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ وہ لوگ جو اِس جماعت سے باہر ہیں وہ رفتہ رفتہ اِس قدر کم ہو جائیں گے کہ اُن کی حیثیت بالکل ادنیٰ اقوام کی سی ہو جائے گی۔

پس ہمت سے آگے بڑھو، زیادہ سے زیادہ چندے لکھواؤ اور جو لوگ آنریری سیکرٹری کے طور

پر کام کر سکتے ہوں وہ اپنے آپ کو آنریری سیکرٹری بنالیں اور شہر میں یا باہر جہاں کہیں جائیں وہاں احمدیوں سے مل کر یا غیر جو اثر قبول کریں اُن سے مل کر زیادہ سے زیادہ چندہ لینے کی کوشش کریں تا کہ ہمارا چندہ جلدی جلدی بارہ لاکھ تک پہنچ جائے۔ اسی طرح نوجوانوں کو وقفِ زندگی کی تحریک کریں۔ یہ ایسا چھوٹا وقف ہے کہ پرائمری تک کے آدمی کو بھی ہم لے لیتے ہیں۔ ہم جو مرکز بنائیں گے اور پھر اسے قائم کریں گے وہاں ہم ایک زیادہ تعلیم یافتہ شخص رکھ لیں گے اور اُس کے ساتھ پرائمری پاس شخص کو لگا دیں گے۔ اور تعلیم اردو میں دیں گے۔ اردو زبان میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کئی کتابیں ہیں۔ مثلاً درثمین ہے، تحفہ گولڑویہ ہے، سرمہ چشم آریہ ہے، براہین احمدیہ حصہ پنجم ہے، ازالہ اوہام ہے، فتح اسلام ہے وہ یہ کتابیں اُن کو پڑھائیں گے۔ میں نے دیکھا ہے کہ جو لوگ اِن کتابوں کو پڑھ لیتے ہیں وہ بڑے سے بڑے مولویوں کے اعتراضات کے ایسے جواب دے سکتے ہیں کہ وہ بول نہیں سکتے۔ اِسی طرح ہم تفسیر صغیر پڑھائیں گے۔ پھر جب کچھ قابلیت بڑھ جائے تو وہ سیر روحانی پڑھیں، احمدیت، دعوۃ الامیر، تحفۃ الملوک اور تحفہ شہزادہ ویلز پڑھیں۔ اِن ساری کتابوں کو پڑھ لیا جائے تو عیسائیوں کا اور مسلمانوں میں سے غلط رستہ پر چلنے والے مولویوں کے اعتراضات کا بڑی عمدگی سے ازالہ کیا جا سکتا ہے۔ اِسی طرح دیباچہ تفسیر القرآن ہے۔ اس کے متعلق تمام مبلغ لکھتے ہیں کہ اِس کو ہم ہر وقت ساتھ رکھتے ہیں اور اس کے ساتھ ہم ہر علمی مجلس میں غالب آتے ہیں۔ ان سب کتابوں کو غور سے پڑھ لیا جائے تو بڑی علمی قابلیت پیدا ہو سکتی ہے۔ اب تو یہاں پادری زیادہ تعداد میں نہیں۔ زیادہ تر اپنے ممالک کو واپس چلے گئے ہیں۔ تھوڑے سے پادری موجود ہیں جن کے لیے اِن کتابوں سے بہت حد تک علم سیکھا جا سکتا ہے۔ یا ہندوستان جانے کا موقع ملے تو وہاں پنڈت موجود ہیں اُن کے لیے سرمہ چشم آریہ اور چشمہ معرفت وغیرہ کتابیں ہیں وہ پڑھ لی جائیں تو انسان ان کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ باقی لوگوں کے لیے ہندوستان اور پاکستان میں دوسری کتابیں زیادہ مفید ہیں جیسے ازالہ اوہام ہے، توضیح مرام ہے، فتحِ اسلام ہے، تحفہ گولڑویہ ہے یہ اردو میں پڑھ لی جائیں تو تمام مولویوں کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔ یا سرمہ چشم آریہ اور چشمہ معرفت کے ذریعہ ہندوستان میں جا کر پنڈتوں کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔ میں نے بعض کتابوں کا گورمکھی میں ترجمہ کر دیا ہے اور میں نے دیکھا ہے کہ ان کتابوں کے متعلق سکھوں اور ہندوؤں کے بڑی کثرت سے خطوط آتے ہیں کہ ہم نے ان کو

پڑھا تو یوں معلوم ہوا کہ آسمانی نور ہمیں ملا ہے ہمیں اَور کتابیں بھجوائی جائیں کیونکہ ان کے ذریعہ سے ہماری روحانی آنکھیں کھل گئی ہیں"۔ (الفضل 16 جنوری 1958ء)

---

1 : گلستان سعدی مترجم صفحہ 24 مطبوعہ کراچی 1969ء

2 : سیرت ابن ہشام جلد 3 صفحہ 100۔101 مطبوعہ مصر 1936ء

3

وقفِ جدید کی تحریک بھی ایک اعلیٰ درجہ کی نیکی ہے تمہارا فرض ہے کہ اسے کامیاب بنانے کی پوری کوشش کرو

(فرمودہ 17 جنوری 1958ء بمقام ربوہ)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل آیت قرآنیہ کی تلاوت فرمائی:
تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۖ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔1

اس کے بعد فرمایا:

''قرآن کریم کی اس آیت میں مومنوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ نیکی کے بارہ میں سارے کے سارے جمع ہو جایا کریں۔ ''بِرٌّ'' کے معنے اعلیٰ درجہ کی نیکی کے ہوتے ہیں۔ پس اس آیت کے معنے یہ ہیں کہ اعلیٰ درجہ کی نیکیوں میں ایک دوسرے سے تعاون کیا کرو۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ چھوٹی نیکیوں میں ایک دوسرے سے تعاون نہ کرو بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مومن ہمیشہ کرتے ہی اعلیٰ درجہ کی نیکیاں ہیں اور جب بھی وہ کوئی کام کرتے ہیں مکمل طور پر کرتے ہیں ادھورا نہیں کرتے۔

جیسا کہ دوستوں کو معلوم ہے میں نے گزشتہ جلسہ سالانہ پر وقفِ جدید کی تحریک کی تھی۔ یہ تحریک بھی ایسی ہی ہے کہ اس میں حصہ لینا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى کے مطابق ہے اور

اس میں کسی طرح روک بنو۔ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ کے ماتحت آتا ہے۔
جلسہ سالانہ کے دنوں میں غالباً لاؤڈ سپیکر کی خرابی کی وجہ سے دوستوں کو آواز پوری طرح سنائی نہیں دی۔ بعد میں اخبار الفضل میں میرا نوٹ چھپا تو اس پر لوگوں نے اس تحریک کی طرف توجہ کی۔ اس کے بعد پھر میرے دو خطبے شائع ہوئے۔ تیسرا خطبہ آج ہو رہا ہے۔ جوں جوں یہ خطبات شائع ہو کر جماعت کو پہنچیں گے اُمید ہے کہ دوستوں میں بیداری پیدا ہوتی چلی جائے گی۔ چنانچہ جب 3 جنوری کو میں نے خطبہ پڑھا تو اُس وقت تک ایک شخص کی طرف سے بھی اس تحریک میں وقف کا وعدہ نہیں آیا تھا اور ایک پیسہ کی بھی آمد نہیں ہوئی تھی مگر آج کی رپورٹ یہ ہے کہ چھتّیس ہزار روپے کے وعدے آ چکے ہیں اور ایک سَو پینتیس اشخاص کی طرف سے وقف کی درخواستیں آ چکی ہیں۔ لیکن ان چھتّیس ہزار کے وعدوں میں بھی کچھ غلطی ہے۔ اصل میں وعدوں کی تعداد چالیس ہزار سے کچھ اوپر بنتی ہے۔ بعض رپورٹیں ناقص تھیں اور بعض وعدے ابھی اس رپورٹ میں شامل نہیں کیے گئے۔ ان سب وعدوں کو ملا کر میرا خیال ہے کہ شاید یہ وعدے پچاس ہزار سے بھی اوپر ہو جائیں۔ پھر شروع میں یہ غلطی بھی ہوئی کہ جماعت نے یہ سمجھا کہ چھ روپیہ آخری حد ہے۔ اس لیے جو شخص ایک ہزار روپیہ تک بھی اس تحریک میں دے سکتا تھا اُس نے چھ روپیہ کا وعدہ لکھوا دیا حالانکہ یہ ضروری نہیں تھا کہ اس تحریک میں صرف چھ روپیہ دے کر ہی حصہ لیا جائے بلکہ کم از کم چھ روپیہ کی رقم دے کر اس تحریک میں حصہ لیا جا سکتا تھا لیکن جماعت کے دوستوں نے اسے زیادہ سے زیادہ رقم قرار دے لیا اور اس کے مطابق وعدے لکھوانے شروع کر دیئے۔ اب بعض وعدے ایسے آ رہے ہیں جن سے پتا لگتا ہے کہ جماعت کے افراد پر یہ بات واضح ہوگئی ہے اور وہ اسے سمجھ رہے ہیں۔ چنانچہ اب چھ روپیہ سے زیادہ کے وعدے بھی آ رہے ہیں لیکن جب یہ بات پوری طرح واضح ہو جائے گی تو ایسے دوست بھی نکل آئیں گے جو مثلاً پانچ سَو یا چھ سَو روپیہ سالانہ دے دیں۔ اور پھر اللہ تعالیٰ اس کو اَور پھیلائے گا تو ایسے مالدار بھی نکلیں گے جو اکیلے ہی اپنی طرف سے اس تحریک میں ہزار، ڈیڑھ ہزار، دو ہزار، چار ہزار روپیہ بھی دے دیں۔ اِسی طرح امید ہے کہ اگر اس سال پوری کوشش کی جائے تو وعدوں کی تعداد اَسّی ہزار روپیہ تک پہنچ جائے گی اور اگلے سال تو امید ہے کہ یہ رقم بہت زیادہ بڑھ جائے گی لیکن اِس وقت تک صرف چھتّیس ہزار کی آمد ہوئی ہے اور ایک سَو پینتیس افراد کی طرف سے وقف کی درخواستیں آ چکی ہیں۔ گویا

وقف زیادہ ہے اور روپیہ تھوڑا ہے حالانکہ پیچھے ایک دَور ایسا آیا ہے کہ خیال آتا تھا کہ وقف کی درخواستیں کم آئی ہیں اور روپیہ زیادہ آیا ہے مگر اب خدا تعالیٰ کے فضل سے وقف بڑھ گئے ہیں اور روپیہ کم ہوگیا ہے۔ گویا ہماری مثال ایسی ہے جیسے ڈاکٹر محمد اسماعیل صاحب گوڑیانی جنہیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے بارہ حواریوں میں شامل کیا تھا سُنایا کرتے تھے کہ ایک احمدی حافظ تھے۔ انہیں تبلیغ کا بہت جوش تھا۔ وہ ایک دفعہ اُس جگہ سے گزرے جہاں میں ڈاکٹر کے طور پر کام کرتا تھا اور حافظ صاحب میرے مکان پر ہی ٹھہر گئے۔ کھانا تیار تھا۔ میں نے چاولوں کا ایک تھال حافظ صاحب کے آگے لاکر رکھ دیا۔ جب وہ کھا چکے تو میں نے کہا حافظ صاحب! اَور چاول لاؤں؟ وہ کہنے لگے اگر چاول ہیں تو لے آویں۔ پھر میں نے ایک اَور تھال بھر کر اُن کے سامنے رکھ دیا۔ انہوں نے اسے بھی ختم کر دیا۔ میں نے کہا حافظ صاحب! اَور چاول لاؤں؟ کہنے لگے ہیں تو لے آئیں۔ میں ایک اَور تھال چاولوں کا لے آیا۔ حافظ صاحب جب وہ بھی کھا چکے تو میں نے کہا حافظ صاحب! اَور چاول لاؤں؟ وہ کہنے لگے نہیں تکلیف کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ میں نے کہا حافظ صاحب! آپ کا کہاں جانے کا ارادہ ہے؟ وہ کہنے لگے سُنا ہے بھیرہ میں ایک مشہور طبیب حضرت مولوی نورالدین صاحب ہیں میں اُن سے اپنے ہاضمہ کا علاج کروانے جا رہا ہوں۔ میں نے ہنس کر کہا حافظ صاحب! جب آپ کے ہاضمہ کا علاج ہو جائے تو آپ مہربانی فرما کر واپسی کے وقت اِس طرف سے نہ آئیں بلکہ کسی اَور طرف سے جائیں۔ مجھ غریب کے پاس اتنی گنجائش نہیں کہ ہاضمہ درست ہونے پر آپ کی مہمان نوازی کرسکوں۔ جب آپ خراب ہاضمہ میں چاولوں کے چار تھال کھا گئے ہیں تو جب ہاضمہ درست ہو جائے گا تو اُس وقت کیا بنے گا؟

اِسی قسم کا ایک لطیفہ پرانے زمانہ کا بھی مشہور ہے۔ کہتے ہیں کوئی شخص تھا جس کی بھوک بہت بڑھی ہوئی تھی۔ کسی نے اُس کی دعوت کی اور اُس کے سامنے بہت سے نان رکھ دیئے اور خود سالن لینے کے لیے اندر گیا۔ جب واپس آیا تو وہ شخص سارے نان کھا چکا تھا۔ پھر وہ سالن رکھ کر نان لینے کے لیے گیا تو آ کر دیکھا کہ شوربا ختم ہے۔ دو تین دفعہ اُس کے ساتھ یہی حال ہوا۔ وہ نان لاکر رکھ جاتا اور شوربا لینے جاتا تو نان ختم ہو چکے ہوتے اور شوربا رکھ کر نان لینے جاتا تو شوربا ختم ہو چکا ہوتا۔ وہی حال ہمارا ہے کہ ایک وقت روپیہ زیادہ تھا اور واقفین کم تھے اور اب روپیہ کم ہے اور واقفین زیادہ ہیں۔

میں نے اپنے پچھلے خطبہ میں بتایا تھا کہ چودھری ظفر اللہ خان صاحب نے کہا ہے کہ ٹھٹھہ میں میری کچھ زمین ہے میں اُس زمین میں سے دس ایکڑ تبلیغ کے لیے وقف کر دوں گا مگر یہ میری غلطی تھی۔ چودھری صاحب نے بتایا ہے کہ ٹھٹھہ کی زمین ابھی پوری طرح اُن کے قبضہ میں نہیں آئی۔ دوسرے وہ زمین ایسی جگہ ہے جو ایک طرف ہے اور وہاں آبادی کم ہے اس لیے وہاں کسی مبلّغ کا رہنا مشکل ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ میرا مطلب یہ تھا کہ لابنی (ضلع حیدر آباد) میں جو میری زمین ہے اُس میں سے میں دس ایکڑ اِس غرض کے لیے وقف کر دوں گا۔ میرا بھی منشا ہے کہ میں بھی اپنی زمین میں سے کسی جگہ دس ایکڑ اِس غرض کے لیے وقف کروں۔ اِس طرح یہ دو وقف ہو جاتے ہیں۔ ایک باندھی (سندھ) کے رئیس حاجی عبدالرحمان صاحب ہیں۔ انہوں نے لکھا ہے کہ میری زمین میرے غیر احمدی رشتہ داروں سے مشترک ہے اُس کو تو میں تقسیم نہیں کر سکتا مگر میں یہ کر دوں گا کہ دس ایکڑ زمین خود خرید کر دے دوں۔ اِس طرح تین وقف ہو گئے۔ پھر ایک دوست نے لکھا ہے کہ میرے پاس دو مربع زمین ہے۔ اُس میں سے جتنی زمین کی ضرورت ہو میں دینے کے لیے تیار ہوں۔ ایک اَور دوست نے لکھا ہے کہ مجھے فوجی خدمات کی وجہ سے ایک مربع زمین ملی ہے۔ میں وہ زمین اِس غرض کے لیے وقف کرتا ہوں۔ اس کو تو میں نے لکھا ہے کہ میں اِس طرح ساری زمین لینے اور تمہیں روزی سے محروم کرنے کے لیے تیار نہیں۔ تم اس میں سے دس ایکڑ زمین ہمیں مقاطعہ پر دے دینا۔ اس میں ہم اپنا مبلّغ رکھیں گے۔ غرض اب تک پانچ زمینیں بھی آ چکی ہیں۔ ملتان والے بھی کہہ گئے تھے کہ دو تین جگہیں ہمارے ضلع میں بھی مل جائیں گی کیونکہ بہت سے مربعوں والے ہمارے علاقہ میں ہیں اور بڑے بڑے زمیندار ہیں۔ اگر وہ ایک ایک ایکڑ بھی دیں تو کافی جگہیں ہو جائیں گی۔

لیکن بڑی چیز جو اِن علاقوں میں کام دے سکتی ہے وہ دیسی طب ہے۔ چودھری صاحب نے بتایا کہ ان کے رشتہ کے بھائی (یعنی ماموں کے بیٹے) جو اُن کی زمینوں پر لابنی میں کام کرتے ہیں انہوں نے سُنایا کہ باوجودیکہ لابنی ایک جنگل سا ہے پھر بھی امریکن عیسائی وہاں آ کر رہتے ہیں اور عیسائیت کی تبلیغ کر رہے ہیں اور وہ ایسے لوگوں میں رہتے ہیں کہ گو وہ ہمارے مزارع ہیں لیکن اگر وہ ہمیں بھی بلائیں تو ہم بھی اُن کے گھروں میں نہ جائیں لیکن وہ رات دن وہیں رہتے ہیں اور تبلیغ کرتے ہیں۔ یہی قربانی کی روح ہمیں بھی اپنے اندر پیدا کرنی چاہیے۔ اگر اِسی قسم کی قربانی کی روح ہم میں

بھی پیدا ہو جائے تو ایک سَو پینتیس واقفین کیا ہماری جماعت میں سے ایک لاکھ پینتیس ہزار واقفین بھی آسانی سے نکل آئیں گے۔ لیکن ضرورت یہ ہے کہ ہم امریکنوں اور انگریزوں جیسی قربانی کرنے لگ جائیں۔

میں نے پہلے بھی کئی دفعہ سُنایا ہے کہ ایک دفعہ ایک انگریز عورت چین میں پادری کے طور پر کام کر رہی تھی۔ چینیوں میں پادریوں کے خلاف بڑا جوش پیدا ہوا اور وہ جوش اب تک بھی ہے۔ ایک دن چینیوں نے اُس عورت پر حملہ کیا اور اُسے قتل کرنے اور ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے بعد کھا گئے۔ جب اِس واقعہ کی اطلاع انگلستان میں پہنچی اور پادریوں کے اخبار نے یہ شائع کیا کہ ہماری ایک مبلّغ جو چین میں کام کر رہی تھی اُسے چینیوں نے ٹکڑے ٹکڑے کر کے کھا لیا ہے ہمیں اُس کے قائم مقام کی ضرورت ہے تو اُسی دن شام تک دو ہزار عورتوں کی طرف سے تار آ گئے کہ ہم اس مبلّغہ کی جگہ جانے کے لیے تیار ہیں۔

تو جب عیسائیت جو ایک باطل مذہب ہے اُس کی تائید کے لیے لوگوں کے اندر اس قدر جوش پیدا ہوسکتا ہے تو اسلام جو ایک سچا مذہب ہے اس کی تائید کے لیے لوگوں کے اندر کیوں جوش پیدا نہیں ہوسکتا۔ یہ محض ہماری غفلت اور کوتاہی ہے کہ لوگوں کے اندر جوش پیدا نہیں کرتے ورنہ جب ان کے اندر جوش پیدا ہوگا تو وہ اِس قدر پھیلے گا کہ زمین و آسمان ہِل جائیں گے اور دنیا میں ہر جگہ اسلام ہی اسلام نظر آئے گا۔ یہ ہماری اپنی کوتاہی ہے کہ ہم لوگوں تک حقیقتِ حال پہنچا نہیں سکے۔ جب ہم ان تک حقیقتِ حال پہنچا دیں گے تو اِنْشَاءَ اللّٰہُ بڑوں اور چھوٹوں سب کے اندر یہ احساس پیدا ہو جائے گا کہ وہ دین کی خدمت کے لیے آگے بڑھیں۔ اور پھر جب سارے کے سارے دین کی خدمت کے لیے آگے بڑھیں گے تو لازمی بات ہے کہ اگر دس لاکھ کی جماعت آگے بڑھے گی اور ان میں سے ہر فرد دس دس افراد کو بھی صداقت پہنچا دے گا تو اگلے سال ایک کروڑ احمدی ہوگا۔ اُس سے اگلے سال دس کروڑ احمدی ہوگا اور اُس سے اگلے سال ایک ارب احمدی ہو جائے گا یعنی دنیا کے قریباً سارے ممالک میں احمدیت پھیل جائے گی۔ مگر یہ چیز جوش کا تقاضا کرتی ہے ورنہ ہماری موجودہ جماعت خدا تعالیٰ کے فضل سے اتنی تعداد میں ہے کہ اگر وہ ساری کی ساری اپنا فرض ادا کرے اور دوسروں کے اندر جوش پیدا کر دے تو تھوڑے عرصہ میں ہی دنیا میں صرف احمدی ہی احمدی ہوں۔ جیسے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

فرماتے ہیں کہ

بکوشید اے جواناں تا بدیں قوت شود پیدا
بہار و رونق اندر روضۂ ملّت شود پیدا 2

یعنی اے مسلمان نوجوانو! کوشش کرو تا دینِ اسلام میں بھی قوت پیدا ہو جائے اور امتِ اسلامیہ کے باغ میں بھی بہار اور رونق نظر آنے لگے۔

اِسی طرح ایک اَور شعر میں فرماتے ہیں کہ

ہر طرف کفرست جوشاں ہمچو افواجِ یزید
دینِ حق بیمار و بیکس ہمچو زین العابدین 3

یعنی میں دیکھ رہا ہوں کہ یزید کی فوجوں کی طرح ہر طرف کفر جوش مار رہا ہے اور اسلام امام زین العابدین کی طرح بیمار اور کمزور ہے۔ امام زین العابدین حضرت امام حسین علیہ السلام کے بیٹے تھے جو حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے وقت بیمار پڑے تھے۔ جب اُن کی پھوپھی نے آواز دی کہ میرا بھائی خاک وخون میں تڑپ رہا ہے تو یہ اندر سے اُٹھ کر باہر آ گئے اور کہنے لگے میں باہر جا کر دشمن کا مقابلہ کرتا ہوں لیکن خاندان کے بعض افراد آگے آ گئے اور انہوں نے کہا تم بیمار ہو تمہیں باہر نہیں جانا چاہیے۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ اسلام تو آجکل اُسی طرح بیمار ہے جس طرح امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے وقت امام زین العابدین بیمار تھے اور کفر یزید کی فوجوں کی طرح جوش مار رہا ہے۔ لیکن ذرا مسلمانوں میں بیداری پیدا ہو جائے تو دیکھنا کہ اِنْشَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی کفر میدان میں دم توڑ رہا ہوگا اور اسلام کی فوج میں اِس قدر جوش ہوگا کہ اس کی مثال دنیا میں پہلی کسی قوم میں نظر نہیں آئے گی اور ہر جگہ اسلام کا جھنڈا اونچا ہوگا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت قائم ہوگی"۔

(الفضل 21 جنوری 1958ء)

---

1 : المائدۃ: 3

2 : درثمین فارسی صفحہ 118

3 : درثمین فارسی صفحہ 96

4

ہماری جماعت کے ہر فرد کو یہ عہد کر لینا چاہیے کہ وہ دین کی خاطر کسی قربانی سے بھی دریغ نہیں کرے گا

اسلام کی ترقی اور اشاعت کے لیے وقفِ جدید کی تحریک خاص اہمیت رکھتی ہے

(فرمودہ 21 فروری 1958ء بمقام کراچی)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''اِس دفعہ 1957ء کے آخر میں میری طبیعت خراب ہونی شروع ہوئی تھی مگر پھر جلسہ کے وقت خداتعالیٰ کے فضل سے اچھی ہوگئی۔ اس کے بعد پھر خراب ہونی شروع ہوگئی۔ میں تو اسے گاؤٹ (Gout) کا اثر ہی سمجھتا رہا مگر ڈاکٹروں کی رائے ہے کہ یہ تکلیف گاؤٹ کی وجہ سے نہیں بلکہ تبدیلیٔ موسم کی وجہ سے ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ چونکہ جلدی جلدی موسم تبدیل ہوا ہے اور سردی زیادہ شدید پڑی ہے اس لیے آپ کو یہ تکلیف ہوئی ہے۔ اب یہاں کے ڈاکٹروں کا مشورہ لینے کے لیے ہم اس جگہ آئے ہیں۔ مجھے پچھلے دنوں یہ بھی وہم ہونا شروع ہوگیا کہ مجھ پر فالج کا حملہ بڑھ رہا ہے یا دوبارہ فالج ہوگیا ہے مگر ڈاکٹروں سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ ہماری طب میں یہ کہیں نہیں لکھا کہ فالج کا حملہ زیادہ بھی ہوسکتا ہے اور دوبارہ حملہ کے لیے بیہوشی ہونی ضروری ہوتی ہے جیسے پہلے یکدم کچھ بیہوشی

ہوئی اور پھر فالج کا حملہ ہوگیا۔ پس انہوں نے کہا کہ آپ کو فالج کا دوبارہ دَورہ نہیں ہوسکتا کیونکہ آپ کو بیہوشی نہیں ہوئی اور فالج کے حملہ میں زیادتی طبّی اصول کے خلاف ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ آپ کو ضُعف ہوگیا ہو یا اعصابی کمزوری کی وجہ سے کوئی شکایت پیدا ہوئی ہو مگر یہ کہ فالج کا حملہ آپ ہی آپ بڑھتا چلا جائے یہ طبّی اصول کے خلاف ہے اور دوبارہ حملہ کے لیے پہلے بیہوشی ضروری ہوتی ہے۔ بہر حال اگر ان کی یہ رائے درست ہے تو اس کے معنے یہ ہیں کہ یہ ایک غیر معمولی سال گزرا ہے جس میں بڑی سخت سردی آئی۔ پچھلے سال جب ہم جابہ سے چلے ہیں تو وہاں بہت سردی تھی۔ ربوہ میں آئے تو وہاں بھی سردی تھی جلسہ کے قریب کچھ سردی کم ہوئی تو بدن میں طاقت آنی شروع ہوگئی۔ خدا تعالیٰ کی قدرت ہے قادیان میں بھی 22، 23 دسمبر کو شاید لوگوں کے اژدہام کی وجہ سے گرمی سی آجاتی تھی اور ربوہ تو یوں بھی گرم مقام ہے۔ بہر حال اس گرمی کا فائدہ ہوا اور مجھے تقریروں کی توفیق مل گئی۔

آج میں جماعت کو اِس امر کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ دنیا میں مختلف انبیاء گزرے ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے اپنے اپنے وقت میں ہدایتیں بخشیں اور انہوں نے خدا تعالیٰ کا نام پھیلانے اور اس کے دین کی خدمت کرنے کے لیے بڑی جدوجہد کی۔1 اس کے بعد اللہ تعالیٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ 2 یعنی یہ وہ لوگ ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے ہدایت دی۔ پس اے محمد رسول اللہ! جس طرز پر یہ لوگ چلے ہیں اُسی طرز پر تجھے اور تیرے ساتھیوں کو بھی چلنا چاہیے۔ اب یہ صاف بات ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جو نبی گزرے ہیں یا جن کا یہاں ذکر آتا ہے جن میں حضرت ابراہیمؑ کا نام بھی آیا ہے، حضرت اسحٰقؑ کا نام بھی آیا ہے، حضرت یعقوبؑ کا بھی نام آیا ہے، حضرت داؤدؑ کا بھی نام آیا ہے، حضرت سلیمانؑ کا بھی نام آیا ہے، حضرت ایوبؑ کا بھی نام آیا ہے، حضرت یوسفؑ کا بھی نام آیا ہے، حضرت موسیٰؑ کا بھی نام آیا ہے، حضرت ہارونؑ کا بھی نام آیا ہے، اِسی طرح زکریاؑ، یحییٰؑ، عیسیٰؑ، الیاسؑ، اسماعیلؑ، یسعیاہؑ، یونسؑ اور لوطؑ کا بھی نام آیا ہے۔ ان تمام کی زندگیوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی ساری زندگی خدا تعالیٰ کے دین کی خدمت میں لگا دی تھی اور پھر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہی حکم دیا گیا کہ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ تُو بھی ان نبیوں کے طریق پر چل۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ شروع دعویٰ نبوت

سے لے کر تئیس سال تک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی ذاتی کام نہیں کیا۔ صرف دین کی خدمت کرتے رہے اور اسلام کے پھیلانے میں دن رات لگے رہے اور اسی حالت میں فوت ہو گئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں دین کی خدمت اور اس کی اشاعت کا اِس قدر شوق تھا کہ مرضُ الموت میں آپ نے ایک دن فرمایا کہ میرے اور مسجد کے درمیان جو پردہ حائل ہے اُسے ہٹا دو۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ مسلمانوں کا کیا حال ہے۔ جب پردہ ہٹایا گیا اور صحابہؓ جو نماز کے لیے جمع تھے انہوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو وہ شوق کے مارے دیوانے ہو گئے اور انہوں نے بے تحاشا اپنی خوشی کا اظہار کرنا شروع کر دیا مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت چونکہ زیادہ ناساز تھی اس لیے آپ نے فرمایا اب پردے گرا دو اور باہر کہلا بھیجا کہ میرا دل تو چاہتا تھا کہ آؤں مگر میں کمزوری کی وجہ سے نہیں آ سکتا۔ میری جگہ ابوبکر نماز پڑھا دیں۔3

غرض یہ ایک قرآنی ہدایت ہے جس کو ہمیشہ مدنظر رکھنا ضروری ہے اور ہمارا بھی فرض ہے کہ دنیا میں جتنے انبیاء گزرے ہیں جن میں خصوصیت سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شامل ہیں اُن کے نمونہ کو اپنے سامنے رکھتے ہوئے ہم اسلام کی خدمت بجا لائیں کیونکہ اِس وقت سوائے اسلام کے اَور کوئی سچا دین نہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ ایک دوسری جگہ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ 4 یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس وقت صرف اسلام ہی حقیقی دین ہے۔ پس قرآن کے نزول کے بعد اب سوائے اسلام کے اَور کوئی دین نہیں رہا۔ اگر عیسٰیؑ کے پیرو عیسٰیؑ کے پیچھے چلتے ہیں اور موسٰیؑ کے پیرو موسٰیؑ کے پیچھے چلتے ہیں تو ہمارے لیے یہ حکم نہیں کہ ہم عیسائیت کی تبلیغ کریں یا یہودیت کو پھیلانے کی کوشش کریں بلکہ ہمارے لیے یہی حکم ہے کہ ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے چلیں اور آپ کے لائے ہوئے دین کی اشاعت کے لیے اپنی جانیں تک لڑا دیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اِس وقت اسلام کی ویسی ہی نازک حالت ہے جیسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے ایک فارسی قصیدہ میں فرمایا کہ

ہر طرف کفرست جوشاں ہمچو افواجِ یزید
دینِ حق بیمار و بیکس ہمچو زین العابدین 5

جیسے کربلا کے وقت ہوا تھا کہ یزید کی فوجیں غالب آ رہی تھیں اور امام حسینؓ کا لڑکا

زین العابدین بیمار پڑا ہوا تھا اور دین کی مدد کے لیے کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ انہوں نے چاہا بھی کہ اپنی بیماری میں اُٹھ کر کربلا کے میدان میں حضرت امام حسینؓ کی مدد کریں مگر امام حسینؓ نے کہا میرے بیٹے کو سنبھالو۔ اس کو اُٹھنے نہ دو۔ چنانچہ ان کی پھوپھی زینبؓ آئیں اور انہوں نے کہا کہ صبر سے کام لے۔ تیرے باپ کا یہی حکم ہے کہ تجھے لِٹایا جائے اُٹھنے نہ دیا جائے۔ اِسی واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ

ہر طرف کفرست جوشاں ہمچو افواجِ یزید
دینِ حق بیمار و بیکس ہمچو زین العابدین

یعنی جس طرح کربلا کے میدان میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کے صرف ستّر آدمی تھے اور باقی سینکڑوں ہزاروں سپاہیوں کی رجمنٹیں (REGIMENT) ایک مشہور جرنیل کے ماتحت یزید کی طرف سے اُن کو گھیرے ہوئے تھیں اُسی طرح آجکل اسلام کی حالت ہے کہ چاروں طرف سے یزیدی فوجوں کی طرح لوگ اِس پر چڑھے آ رہے ہیں اور اسلام کی حالت ایسی ہی ہے جیسے زین العابدین بیماری میں تڑپ رہے تھے اور اپنے باپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتے تھے۔ ہمارے روحانی باپ چونکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اس لیے اس کے معنے یہ ہیں کہ مسلمانوں کے دلوں میں اگر ایمان ہوتا ہے تو وہ تڑپتے ہیں کہ اپنے حقیقی روحانی باپ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کریں لیکن وہ بیمار و بیکس ہیں یعنی ان میں طاقت نہیں کہ مقابلہ کر سکیں۔ نہ پیسہ ان کے پاس ہے، نہ پریس ان کے پاس ہے، نہ فوجیں ان کے پاس ہیں، نہ حکومتیں ان کے پاس ہیں عیسائی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر گند اُچھالتے ہیں مگر ان کے پاس اتنی طاقت نہیں ہوتی کہ وہ جواب دے سکیں۔

اب ہماری جماعت کو خدا تعالیٰ نے توفیق دی ہے کہ اس کے افراد یورپ اور امریکہ اور افریقہ اور انڈونیشیا وغیرہ میں اسلام کی اشاعت کر رہے ہیں مگر کام کی وسعت کے مقابلہ میں ہماری جدوجہد ایسی ہی ہے جیسے کوئی چڑیا سمندر میں سے چونچ بھر کر پانی پیے۔ عیسائیوں کی طاقت کے مقابلہ میں نہ ہمارے پاس کوئی طاقت ہے اور نہ اُن کے مبلّغوں کے مقابلے میں ہمارے مبلغوں کی تعداد کوئی حقیقت رکھتی ہے۔ رومن کیتھولک پادریوں کی تعداد ہی اٹھاون ہزار ہے اور ہمارے مبلّغ تین سَو بھی نہیں۔ ایک دفعہ وکالتِ تبشیر نے مجھے رپورٹ پیش کی تھی کہ مقامی جماعتوں کے مبلّغ ملا کر ہمارے کُل

مبلّغ دوسَو ستّر ہیں۔ اب کُجا دوسَوستّر مبلغ اور کُجا اَٹھاون ہزار مبلّغ۔ اور ابھی یہ صرف رومن کیتھولک پادریوں کی تعداد ہے۔ اگر پروٹسٹنٹ فرقہ کے پادریوں کو ملا لیا جائے تو ایک لاکھ سے بھی زیادہ ان کے مبلّغوں کی تعداد بن جاتی ہے۔ قرآن کریم نے ایک جگہ بتایا ہے کہ اگر مسلمانوں میں سچا ایمان پایا جائے تو ایک مومن دس کفار کا مقابلہ کرسکتا ہے۔6 اس کے معنے یہ ہیں اگر اُن کے دو ہزار سات سَو مبلّغ ہوں تب تو انسانی طاقت کے لحاظ سے ہماری فتح کا امکان ہے لیکن ہمارے دوسَوستّر مبلغوں کے مقابلہ میں اُن کے ایک لاکھ سے بھی زیادہ مبلّغ ہیں۔ اِس کے معنے یہ ہیں کہ ہمارے ایک مبلّغ کے مقابلہ میں اُن کے تین چار سَو مبلّغ کام کررہے ہیں۔ پس بظاہر دنیوی نقطہ نگاہ سے ان کا مقابلہ نہیں ہوسکتا۔ گو صحابہؓ میں ہمیں عملاً اِس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ انہوں نے کئی کئی گنا لشکروں کا مقابلہ کیا اور دشمن پر فتح حاصل کی۔ جب رومیوں سے جنگ ہوئی تو حضرت خالد بن ولیدؓ نے صرف ساٹھ آدمیوں کا ایک چھوٹا سا گروہ منتخب کیا اور اُن ساٹھ آدمیوں نے ساٹھ ہزار کے لشکر پر حملہ کردیا۔ اِسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب رومیوں پر حملہ کرنے گئے تو آپ کے ساتھ صرف دس ہزار آدمی تھے اور رومی فوج کئی لاکھ تھی مگر خدا تعالیٰ نے اُن پر ایسا رُعب ڈالا کہ وہ ڈر کر پیچھے ہٹ گئے اور انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ نہ کیا۔ دراصل جرہم قبیلہ کی شہہ پر رومی مسلمانوں پر حملہ کرنا چاہتے تھے۔ یہ قبیلہ اصل میں عرب تھا مگر رومی اثر کے نیچے عیسائی ہوگیا تھا۔ پہلے تو انہوں نے قیصر کو انگیخت کی اور اُسے حملہ کے لیے اکسایا مگر جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پہنچے تو وہ ڈر کر پیچھے ہٹ گئے اور جب وہ پیچھے ہٹے تو رومی فوج بھی ڈر گئی اور اُس نے حملہ نہ کیا۔ غرض صحابہؓ کے زمانہ میں دو دو ہزار گنا لشکر کا بھی مسلمانوں نے مقابلہ کیا ہے مگر یہ مقابلہ اُس سے بھی زیادہ سخت ہے کیونکہ ہماری جماعت بہت قلیل ہے اور ساری دنیا میں ہم نے اسلام پھیلانا ہے۔ پس یہ کمی اِس طرح پوری ہوسکتی ہے کہ ہماری جماعت کا ہر فرد دعاؤں میں لگا رہے اور ہر شخص اس بات کا عہد کرے کہ وہ دین کے لیے کسی قسم کی قربانی سے بھی دریغ نہیں کرے گا اور اسلام کی اشاعت کے لیے اپنی زندگی وقف کردے گا۔ میں نے اِس غرض کے لیے جماعت میں وقفِ جدید کی تحریک کی ہے اور اِس وقت تک جو اطلاع آئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تین سَو چوالیس دوست اپنے آپ کو وقف کر چکے ہیں جن میں سے تیرہ معلّم پہلے بھیجے جاچکے ہیں اور سترہ اَور واقفین کو قابلِ انتخاب قرار دیا جاچکا ہے جن کے متعلق مقامی جماعتوں سے رپورٹ لی جارہی ہے اور دفتر والوں نے مجھے لکھا ہے کہ ان کی رپورٹیں

آنے کے بعد ان سترہ واقفین کے نام منظوری کے لیے پیش کیے جائیں گے۔
میں دیکھتا ہوں کہ باوجود اِس کے کہ ابھی اس کام کو شروع کیے چند دن ہی ہوئے ہیں جو وفد بھجوائے گئے ہیں اُن کے کام کے خوشکن نتائج نکلنے شروع ہو گئے ہیں۔ ابھی تک ان مراکز کو قائم ہوئے صرف چند دن ہوئے ہیں اور یہ اتنا تھوڑا عرصہ ہے جس میں کوئی نمایاں نتیجہ نہیں نکل سکتا۔ اصل نتیجہ اُس وقت معلوم ہوگا جب چھ سات مہینے گزر جائیں گے۔ پس وہ لوگ تو اپنا کام کر رہے ہیں۔ آپ لوگوں کو بھی سوچنا چاہیے کہ ہم اُن کی مدد کے لیے کیا کر رہے ہیں۔ اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ وقفِ جدید کے مالی مطالبہ میں جماعت احمدیہ کراچی کے اڑھائی ہزار آدمیوں نے حصہ لیا ہے اور پندرہ ہزار روپیہ سالانہ کا وعدہ کیا ہے لیکن اگلے سال امید ہے کہ یہ چندہ اَور بھی ترقی کرے گا۔ اِس سال کچھ تو فصلیں خراب ہوئی ہیں اور کچھ چندے بھی دوستوں کو زیادہ دینے پڑے ہیں۔ ممکن ہے اگلے سال کراچی کی جماعت اِس سے بھی زیادہ توجہ کر سکے۔ اِس سال بڑی مہنگائی رہی ہے اور فصلیں بھی خراب ہوئی ہیں جس کی وجہ سے گاؤں کی جماعتیں تو اقتصادی لحاظ سے بالکل کُچلی گئی ہیں۔ پھر تفسیرِ صغیر کی وجہ سے بھی جماعت کے دوستوں کو بہت سی رقمیں دینی پڑیں اور کچھ چندوں کی کمی کی وجہ سے بجٹ کے متعلق جو خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ شاید وہ پورا نہ ہو سکے۔ اُس کو پورا کرنے کے لیے بھی جماعت کو کوشش کرنی پڑی۔ پس اِس سال کی متواتر قربانیوں کی وجہ سے آپ لوگوں کا کام قابلِ تحسین ہے۔ لیکن اُمید ہے کہ جب پچھلے بوجھ اُتر جائیں گے اور اِس عرصہ میں جماعت بھی ترقی کرے گی تو دوست وقفِ جدید میں بھی اِس سال سے زیادہ حصہ لیں گے اور تحریک جدید میں بھی زیادہ حصہ لیں گے۔ تحریک جدید کے اِس وقت تک بہت کم وعدے آئے ہیں۔ جب میں چلا تھا تو میرے پاس رپورٹ آئی تھی کہ تحریک جدید کے پانچ لاکھ کے وعدے آئے ہیں اور یہ بہت کم ہیں۔ اُن کا خرچ بارہ تیرہ لاکھ کا ہے۔ صدر انجمن احمدیہ کا بجٹ بھی پچھلے سال تیرہ لاکھ کا تھا۔ اگر ہماری جماعت کے زمینداروں کی آمد زیادہ ہو جائے اور صدر انجمن احمدیہ کا بجٹ تیرہ لاکھ سے بڑھ کر سولہ سترہ لاکھ پر آ جائے اور اسی طرح تحریک جدید کا بجٹ ترقی کر جائے تو پھر امید ہے کہ ہمارے کام آسانی سے چلنے لگیں گے۔
مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی نے ایک دفعہ اپنے اخبار میں لکھا تھا کہ پاکستان بننے کے بعد جماعت احمدیہ پہلے سے بھی بڑھ گئی ہے اور اِس کا ثبوت یہ ہے کہ جتنا بجٹ ان کا اب ہوتا ہے اتنا بجٹ ان کا پہلے کبھی نہیں ہوا اور یہ بالکل درست ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی

وفات کے وقت جماعت کا سارا بجٹ تیس پینتیس ہزار کا تھا مگر اب صرف صدر انجمن احمدیہ کا ہی پچھلے سال تیرہ لاکھ کا بجٹ تھا اور اگر اس کے ساتھ تحریک جدید کو بھی شامل کر لیا جائے تو ہمارا بجٹ پچیس چھبیس لاکھ تک پہنچ جاتا ہے۔ اِس کو دیکھ کر مخالف بھی متأثر ہوتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ یہ جماعت پہلے سے ترقی کر رہی ہے اور جب ''وقف جدید'' مضبوط ہوگیا جس کی وجہ سے لازماً چندے بھی بڑھیں گے اور آدمی بھی بڑھیں گے تو ممکن ہے اگلے سال تینوں انجمنوں کا بجٹ چالیس پچاس لاکھ تک پہنچ جائے۔ پس ان قربانیوں کی طرف جماعت کے ہر فرد کو توجہ کرنی چاہیے اور ہر آدمی کو یہ دعا کرتے رہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد جلدی آئے۔ بیشک جہاں تک اللہ تعالیٰ کے وعدوں کا سوال ہے ہمیں یقین ہے کہ اُس کی نصرت ہمارے شاملِ حال ہوگی اور اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے مقصد میں کامیاب فرمائے گا۔ لیکن اگر اس مدد کے آنے میں کچھ دیر ہو جائے تو مومن کا قلب اسے برداشت نہیں کر سکتا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایک وقت ایسا بھی آتا ہے جب مومن کہہ اُٹھتے ہیں کہ مَتٰی نَصۡرُ اللّٰہِ 7 یعنی انتظار کرتے کرتے ہماری آنکھیں تھک گئیں۔ اب اللہ کی مدد کب آئے گی؟ فرماتا ہے اَلَآ اِنَّ نَصۡرَ اللّٰہِ قَرِیۡبٌ 8 اللہ کی نصرت آنے ہی والی ہے۔ گھبراؤ نہیں۔ تم گھبرا جاتے ہو اور سمجھتے ہو کہ نامعلوم اس کی مدد کب آئے گی حالانکہ وہ تمہارے بالکل قریب پہنچ چکی ہے۔ چنانچہ ان آیتوں کے نزول کے ایک دو سال بعد ہی مکہ فتح ہو گیا اور سارے عرب پر اسلام غالب آ گیا۔

اب بھی ایسا ہی وقت ہے کہ ہر احمدی کے دل سے یہ آواز اُٹھنی چاہیے کہ مَتٰی نَصۡرُ اللّٰہِ اے خدا! تیری مدد کب آئے گی؟ ہم نے تیرے دین کی ترقی کے خواب اُس وقت دیکھنے شروع کیے تھے جب یہ صدی شروع ہوئی تھی اور اب تو یہ صدی بھی ختم ہونے والی ہے مگر ابھی تک ہماری امیدیں بَر نہیں آئیں اور کفر دنیا میں قائم ہے۔ اے خدا! تُو اپنی مدد بھیج تا کہ ہم اپنی زندگیوں میں ہی وہ دن دیکھ لیں کہ اسلام دنیا پر غالب آ جائے اور عیسائی اور ہندو اور دوسرے تمام غیر مذاہب کے پیرو مغلوب ہو جائیں۔ اور دنیا کے گوشہ گوشہ میں مسجدیں بن جائیں اور اَللّٰہُ اَکۡبَرُ اَللّٰہُ اَکۡبَرُ کی آوازوں سے سارا یورپ اور امریکہ گونج اُٹھے۔ اگر آپ لوگوں کے دلوں سے اِس طرح آواز اُٹھے تو آپ کو یقین رکھنا چاہیے کہ آپ کے دل میں ایمان کی چنگاری پیدا ہوگئی ہے۔ لیکن اگر یہ آواز نہ اُٹھے تو آپ سمجھ لیں کہ آپ لوگوں نے اپنے متعلق بلاوجہ نیک ظنی کی۔ آپ سمجھتے رہے کہ ہم مومن

ہیں حالانکہ مومن نہیں تھے۔ اسلام تو بہت بڑی چیز ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مومن کی علامت یہ ہے کہ اگر اُس کے کسی بھائی کو کوئی تکلیف پہنچے تو وہ اُسے بھی ایسا ہی محسوس کرتا ہے جیسے وہ تکلیف خود اسے پہنچی ہے۔9 جب ایک مومن بھائی کی تکلیف کو بھی دوسرا شخص اپنی تکلیف سمجھتا ہے تو اگر اسلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراضات کیے جاتے ہیں، آپؐ پر غلاظت اُچھالی جاتی ہے اور تمہارے دل میں کوئی درد پیدا نہیں ہوتا تو یہ ایمان کی کمی کی علامت ہے۔ بیشک جس بات کی ہمیں طاقت حاصل نہیں اُس کے متعلق خدا تعالیٰ ہم سے کوئی سوال نہیں کرے گا لیکن ہمارے دلی جذبات کے متعلق تو وہ ہم سے سوال کرسکتا ہے۔ وہ کہے گا کہ اگر تمہارے دلوں میں سچا ایمان ہوتا تو تم ان مخالفتوں کو دیکھ کر کیوں نہ میری طرف جھکتے اور مجھ سے دعائیں کرتے۔ اور چونکہ تم میری طرف نہیں جھکے اس لیے معلوم ہوا کہ جو تمہارا فرض تھا وہ تم نے ادا نہیں کیا'' (الفضل 9 مارچ 1958ء)

1: وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ۭ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَاۗءُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿٨٤﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٨٥﴾ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ۭ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٨٦﴾ وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ۭ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ﴿٨٧﴾ وَمِنْ اٰبَاۗىِٕهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٨٨﴾ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٨٩﴾ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَاۗءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ﴿٩٠﴾ (الانعام: 84 تا 90)

2: الانعام: 91

3: بخاری کتاب الاذان. باب اَهْلِ الْعِلْمِ وَالْفَضْلِ اَحَقُّ بِالْاِمَامَةِ

4: آل عمران: 20

5: درثمین فارسی صفحہ 96

6: اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ (الانفال: 66)

7 :البقرة:215

8 :البقرة:215

9 :مسلم کتاب البِرّ وَالصِّلة باب تراحم الْمُؤْمِنِيْنَ (الخ)

5

آثار بتا رہے ہیں کہ تحریک وقفِ جدید کا مستقبل

اِنْشَاءَ اللّٰہُ بہت شاندار ہو گا

دوست اس تحریک کی کامیابی کے لیے دعائیں کریں
اور ایک دوسرے کو اس میں شامل ہونے کی تحریک بھی کرتے رہیں

(فرمودہ 28 فروری 1958ء بمقام کراچی)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''جیسا کہ احباب کو معلوم ہے اِس سال ایک وقفِ جدید کی تحریک کی گئی ہے جس کے ذریعہ تمام ملک میں رشد و اصلاح کے کام کو وسیع کرنے کے لیے واقفینِ زندگی بھجوائے جا رہے ہیں۔ اب تک یہ واقفین ربوہ سے پشاور ڈویژن، ملتان ڈویژن اور بہاولپور ڈویژن میں بھجوائے گئے ہیں۔ نیز خیر پور ڈویژن میں بھی اور حیدر آباد ڈویژن میں بھی بعض واقفین بھیجے گئے ہیں۔ میں نے چودھری عبداللہ خان صاحب سے جو یہاں کی جماعت کے امیر ہیں کہا ہے کہ وہ ایک ایسا انسپکٹر مقرر کریں جو اس طرز سے نواب شاہ تک کے علاقہ کا دَورہ کرے اور معلمین کے کام کی نگرانی کیا کرے۔ آخر جو معلم جاتے ہیں اُن کے کام کی نگرانی کرنا بھی ہمارا فرض ہے۔ مگر بجائے اِس کے کہ ربوہ سے

انسپکٹر بھجوایا جائے میں جانتا ہوں کہ کراچی سے ایک انسپکٹر نواب شاہ تک کے علاقہ کو سنبھال لے اور تمام مقامات کا دَورہ کرے۔ وہ کہتے تھے کہ اس غرض کے لیے ایک انسپکٹر وقفِ جدید مقرر کر دیا جائے گا۔ میں دوستوں سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ وہ اپنے آپ کو اس غرض کے لیے پیش کریں۔ اگر اِدھر سے نواب شاہ تک کے علاقہ کی نگرانی کراچی کرے تو ربوہ سے نواب شاہ تک کے علاقہ کی ہم خود نگرانی کر لیں گے۔ اس کے بعد ہم ایک انسپکٹر صوبہ سرحد سے مانگ لیں گے جو مردان، نوشہرہ، راولپنڈی اور ایبٹ آباد وغیرہ کا کام سنبھال لے گا۔ اس طرح نگرانی کا کام دو تین ٹکڑوں میں تقسیم ہو کر خرچ بہت کم ہو جائے گا۔ پس دوستوں کو چاہیے کہ وہ چودھری صاحب سے تعاون کریں۔ یہ اتنا تھوڑا علاقہ ہے کہ میں سمجھتا ہوں مہینہ میں ایک دو دن کے اندر اندر تمام علاقہ کو دیکھا جا سکتا ہے اور اس کا فائدہ یہ ہو گا کہ سلسلہ کا خرچ بہت سا بچ جائے گا۔ اگر ربوہ سے انسپکٹر چلے تو کراچی تک تھرڈ کلاس میں بھی اکیس روپے خرچ ہو جاتے ہیں اور اَب تو ریل کے کرایوں پر ٹیکس بھی لگا دیا گیا ہے جس سے کرایہ میں اَور بھی زیادتی ہو گئی ہے۔

میں سمجھتا ہوں اگر ہم وہاں سے انسپکٹر بھجوائیں تو اُس کے آنے جانے میں پچاس روپے لگ جائیں گے لیکن اگر یہاں سے کوئی آدمی چلا جائے اور وہ نواب شاہ تک کے علاقہ کی نگرانی کرے تو خرچ میں بہت سی تخفیف ہو جائے گی۔ دوسرے کام جلدی جلدی ہونے لگے گا۔ وہاں سے انسپکٹر آئے تو ہمیں انتظار رہے گا کہ نامعلوم وہ کب تک سب مقامات کا دورہ کر کے واپس آتا ہے لیکن اگر ملک کے مختلف سیکشن مقرر ہوں تو نگرانی میں بڑی آسانی ہو سکتی ہے۔ مثلاً پشاور والے نگرانی کا کام سنبھال لیں تو وہ مردان ایک ہی دن میں جا کر واپس آ سکتے ہیں۔ نوشہرہ سے بھی اُسی دن واپس آ سکتے ہیں۔ راولپنڈی بھی ایک دن میں آ جا سکتے ہیں۔ 1956ء میں جب ہم مری میں تھے تو ایک دفعہ ہم نے ایک پہاڑی مقام پر سیر کے لیے جانے کا ارادہ کیا اور چاہا کہ وہاں دُنبہ پکا کر لے چلیں۔ کیپٹن محمد سعید صاحب جو اُن دنوں وہاں ہوتے تھے اُن کو ہم نے بھیجا کہ وہ کہیں سے اچھا سا دُنبہ تلاش کر کے لے آئیں۔ جب وہ دُنبہ لے کر واپس آئے تو انہوں نے بتایا کہ یہاں چونکہ اچھا دُنبہ نہیں ملتا تھا اس لیے میں پشاور چلا گیا تھا اور وہاں سے دُنبہ لے آیا۔ تو پشاور سے راولپنڈی تک آنا جانا بڑا آسان ہے۔ پس پشاور والے اگر ہمت کریں تو اُن کا انسپکٹر مردان، نوشہرہ، راولپنڈی، ایبٹ آباد اور مری وغیرہ کی آسانی سے

نگرانی کر سکتا ہے۔ بلکہ اب تو ایبٹ آباد میں بھی اتنے احمدی ہیں کہ ممکن ہے وہی اپنے اردگرد کے علاقہ کو سنبھال لیں۔

اِسی طرح ملتان کی جماعت ایک بڑی ہوشیار جماعت ہے۔ اگر وہ توجہ کرے تو ممکن ہے کہ وہ بھی کئی ضلعے سنبھال لے مثلاً منٹگمری ہے، اوکاڑہ ہے، میاں چنوں ہے، چیچہ وطنی ہے۔

چیچہ وطنی کا نام آنے پر مجھے ایک لطیفہ یاد آ گیا۔ ایک دفعہ میں کراچی آ رہا تھا۔ جب گاڑی چیچہ وطنی پہنچی اور وہاں کے دوست ملاقات کے لیے آئے تو ایک عورت نے جلدی جلدی میرے کوٹ کی جیب میں جلیبیاں ڈال دیں۔ میری بیوی نے اُسے روکا تو وہ کہنے لگی کہ حضرت صاحب نے کچھ کھایا نہیں ہوگا اور راستہ میں ان کو بھوک لگے گی۔ اس لیے میں نے ان کی جیب میں جلیبیاں ڈال دی ہیں تاکہ وہ راستہ میں کھاتے جائیں۔ میں نے یہ واقعہ خطبہ میں بیان کر دیا اور کہا کہ میرے کوٹ کا تو ستیاناس ہوگیا اور اُس کا ناشتہ ہوگیا۔ چنانچہ اگلے سال جب وہاں کی جماعت آئی تو انہوں نے اس واقعہ پر معذرت کی اور اس عورت نے بھی معافی مانگی۔ پھر کبیر والا ہے، شورکوٹ ہے یہ تمام علاقہ ایسا ہے جس کو ملتان کی جماعت سنبھال سکتی ہے۔ اس کے بعد دو چار مرکز جو ربوہ کے اردگرد رہ جائیں گے اُن کی نگرانی خود دفتر اچھی طرح کرلے گا۔ بہرحال اِس وقت بعض بڑی جماعتوں کی خدمات کی ہمیں نگرانی کا کام سرانجام دینے کے لیے ضرورت ہے تاکہ کم سے کم خرچ پر زیادہ سے زیادہ کام ہو سکے۔

اِس وقت تک جو رپورٹیں آ رہی ہیں وہ خدا تعالیٰ کے فضل سے بہت خوشکن ہیں۔ جو وفد بہاولپور ڈویژن کی طرف گیا تھا اُس کے کام کا یہ اثر ہوا ہے ایک گریجوایٹ کے متعلق وہاں کے امیر کی چٹھی آئی ہے کہ اُس نے بیعت کر لی ہے۔ یہ دوست سلسلہ کے لٹریچر کا دیر سے مطالعہ کر رہے تھے اور وقفِ جدید کے معلم نے بھی مجھے لکھا تھا کہ ایک دوست احمدیت کے قریب ہیں اور سلسلہ کے لٹریچر کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ بیعت اُس شخص کی ہو گی۔ بہرحال اس تحریک کے نتائج خدا تعالیٰ کے فضل سے اچھے نکلنے لگ گئے ہیں۔ سابق صوبہ سرحد کی طرف سے بھی اچھی رپورٹیں آ رہی ہیں۔ وہاں ہم نے ایک کمپاؤنڈر (Compounder) کو بھجوایا ہے۔ پہلے اس کے بھائی نے وقف کیا تھا لیکن پھر اُس نے ہمیں لکھا کہ میرے بھائی کو آپ چھوڑ دیں۔ وہ دو سَو تیس روپے لیتا ہے اور اُس کی آمد پر تمام گھر پلتا ہے۔ پھر وہ کچھ زیادہ پڑھا ہوا بھی نہیں۔ میں کمپاؤنڈری پاس ہوں اور اپنی

دکان کرتا ہوں آپ مجھے لے لیں اور میرے بھائی کو چھوڑ دیں۔ چنانچہ ہم نے اس کو رکھ لیا اور اسے پشاور کی طرف بھیج دیا۔ جیسے سندھ میں ڈاکٹروں کی کمی ہے اِسی طرح سرحد میں بھی ڈاکٹروں کی کمی ہے۔ اب اس کی طرف سے اطلاع آئی ہے کہ بڑی کثرت کے ساتھ پٹھان میری دکان پر آتے ہیں اور دین کی باتیں سنتے ہیں۔ تو خدا تعالیٰ کے فضل سے جہاں جہاں بھی وفد گئے ہیں وہاں سے خوشکن اطلاعات آنی شروع ہوگئی ہیں مگر کہتے ہیں

گے آمدی وگے پیر شُدی

جب میں ربوہ سے چلا تھا تو ہفتہ ڈیڑھ ہفتہ ان مرکزوں کو قائم کیے ہوا تھا حالانکہ اصل نتائج سال ڈیڑھ سال کے بعد نکلا کرتے ہیں۔ پس صحیح نتائج تو اگلے جلسہ کے بعد اِنْشَاءَ اللّٰہُ نکلنے شروع ہوں گے لیکن اس کے خوشکن آثار ابھی سے ظاہر ہونے شروع ہوگئے ہیں۔ جیسے کہتے ہیں

ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات

خدا تعالیٰ کے فضل سے اس تحریک کے آثار بتا رہے ہیں کہ اِس کا مستقبل بہت شاندار ہوگا۔ اِس وقت یہ تحریک ایک بچہ کی صورت میں ہے اور بچہ کے پیدا ہوتے ہی اُس کے دانت نہیں دیکھے جاتے نہ اُس کی داڑھی دیکھی جاتی ہے۔ دو تین سال میں اس کے دانت نکلتے ہیں۔ پھر وہ چلنا پھرنا سیکھتا ہے اور کہیں اٹھارہ بیس سال کے بعد اُس کی داڑھی نکلتی ہے۔ اگر پہلے دن ہی اُس کی داڑھی تلاش کی جائے تو یہ بیوقوفی ہوگی۔ اِسی طرح وقفِ جدید کے نتائج اور اس کی خوبیوں کا ابھی سے اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔

اِس وقت تک جو کیفیت ہے اس کے لحاظ سے واقفین زیادہ ہیں اور چندہ کم ہے۔ جب میں چلا ہوں تو وقفِ جدید میں ستّر ہزار سالانہ کے وعدے آئے تھے لیکن واقفین تین سَو پینتالیس تھے۔ اگر پچاس روپیہ ماہوار بھی ایک شخص کو دیئے جائیں اور پھر دورہ کرنے والوں کے اخراجات کو بھی مدنظر رکھا جائے اور اوسط خرچ ستّر روپیہ ماہوار سمجھا جائے تو تین سَو پینتالیس واقفین کے لیے پچیس ہزار روپیہ ماہوار یا تین لاکھ روپیہ سالانہ کی ضرورت ہوگی اور اتنا روپیہ ہمارے پاس نہیں۔ بلکہ ہماری اصل سکیم تو یہ ہے کہ کم سے کم ڈیڑھ ہزار سینٹر سارے ملک میں قائم کردیے جائیں۔ اگر ایک ہزار سینٹر بھی کھولے جائیں اور ستّر روپیہ ماہوار ایک شخص کے خرچ کا اندازہ رکھا جائے تو ستّر ہزار روپیہ ماہوار یا

ساڑھے آٹھ لاکھ روپیہ سالانہ خرچ ہوگا۔ بظاہر یہ رقم بہت بڑی نظر آتی ہے لیکن ہمیں خدا تعالیٰ نے کبھی مایوس نہیں کیا۔ اس لیے ہمیں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ روپیہ ہمارے لیے مہیا فرما دے گا بلکہ ہمیں تو امید ہے کہ ایک دن اس سے بھی زیادہ روپیہ آئے گا۔ اگر ڈیڑھ ہزار سینٹر قائم ہو جائیں تو کراچی سے پشاور تک ہر پانچ میل پر ایک سنٹر قائم ہو جاتا ہے۔

بنگال سے بھی اب ایسی خبریں آ رہی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں بھی لوگوں کو وقفِ جدید کی طرف توجہ پیدا ہو رہی ہے۔ چنانچہ ایک اسکول کے مدرّس نے لکھا ہے کہ میں اپنے آپ کو وقف کرنے کے لیے تیار ہوں۔ میں نے اُسے لکھا ہے کہ تم کام شروع کر دو ہم وہیں تمہیں اپنا معلم مقرر کر دیں گے۔

غرض یہ تحریک خدا تعالیٰ کے فضل سے ترقی کر رہی ہے۔ دوست اس کے لیے دعائیں کرتے رہیں اور ایک دوسرے کو تحریک بھی کرتے رہیں۔ قرآن کریم نے مومن کا یہی کام بتایا ہے کہ وہ نیکیوں میں آگے بڑھتا ہے اور جب کوئی پیچھے رہ جائے تو اُس کا ہاتھ پکڑ کر اُسے اپنے ساتھ شامل کر لیتا ہے۔ پھر اَور آگے بڑھتا ہے اور جو پیچھے رہ جائے اُسے پھر اپنے ساتھ شامل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اِس طرح وہ قدم بقدم آگے بڑھتا چلا جاتا ہے اور ساتھ ہی اپنے پیچھے رہ جانے والے بھائیوں کا بھی خیال رکھتا ہے اور اُن کو بھی اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کرتا ہے۔ یہاں تک کہ دنیا میں نیکی ہی نیکی قائم ہو جاتی ہے۔ یہی فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ [1] کے معنے ہیں۔ پس اگر ڈیڑھ ہزار سینٹر قائم ہو جائے تو ہمارے ملک کا کوئی گوشہ اصلاح وارشاد کے دائرہ سے باہر نہیں رہ سکتا۔ ویسٹ پاکستان کا رقبہ تین لاکھ مربع میل سے زائد ہے اور ایسٹ پاکستان کا چوّن ہزار مربع میل ہے۔ ہماری اسکیم (SCHEME) ایسی ہے جس کے ماتحت چار چار، پانچ پانچ مربع میل میں ایک ایک سنٹر قائم ہو جاتا ہے۔ پھر اَور ترقی ہو تو دو دو مربع میل میں بھی ایک ایک سنٹر مقرر کیا جا سکتا ہے۔ بلکہ اَور ترقی ہو تو ایک ایک میل کے حلقہ میں بھی سنٹر قائم ہو سکتا ہے۔ اور اگر ایک ایک مربع میل میں ہم سنٹر مقرر کر دیں تو پھر ہمارے ملک میں کوئی جگہ ایسی باقی نہیں رہتی جہاں خدا اور رسول کی باتیں نہ ہوتی ہوں، جہاں قرآن کی تعلیم نہ دی جاتی ہو اور جہاں اسلام کا پیغام نہ پہنچایا جاتا ہو"۔

(الفضل 15 مارچ 1958ء)

---

1 : البقرة: 149

6

تحریک وقفِ جدید لوگوں کو اسلام کی حقیقی تعلیم سے روشناس کرنے اور ان میں ایک نئی زندگی اور بیداری پیدا کرنے کے لیے جاری کی گئی ہے

(فرمودہ 7 مارچ 1958ء بمقام ناصر آباد سندھ)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''یہاں ہماری اسٹیٹس کو قائم ہوئے چوبیس پچیس سال گزر چکے ہیں۔ ناصر آباد اسٹیٹ تو 1935ء میں قائم ہوئی تھی لیکن احمد آباد 1933ء سے اور محمود آباد 1934ء سے قائم ہیں۔ اس کے بعد محمد آباد 1937ء میں اور بشیر آباد 1939ء میں قائم ہوئیں۔ مگر باوجود اِس کے کہ ان اسٹیٹوں کو قائم ہوئے ایک لمبا عرصہ گزر چکا ہے اب تک یہاں جماعت کے بڑھنے کی رفتار بہت کم ہے۔ میرا خیال ہے کہ اگر ان ساری اسٹیٹوں کے احمدی ملا لیے جائیں تو باوجود اِس کے کہ ان میں سے بہت سے مہاجر بھی ہیں پھر بھی ہزار، ڈیڑھ ہزار سے زیادہ احمدی نہیں ہوں گے حالانکہ جس رفتار سے احمدیوں کو بڑھنا چاہیے تھا اگر اس کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک ایک احمدی سالانہ ایک ایک آدمی بھی جماعت میں

شامل کرنے کی کوشش کرتا تو اب تک یہاں پچاس ہزار سے زیادہ احمدی ہوتے۔لیکن مجھے افسوس ہے کہ اس طرف کوئی توجہ نہیں اور ہماری جماعت کے قیام کی جو اصل غرض ہے اس کی پروا نہیں کی جاتی۔ جس کی وجہ سے ان کی حالت ایک جیسی چلی جاتی ہے۔انسان کو چاہیے کہ یا تو وہ اخلاص کے ساتھ ایک سچائی کو قبول کرے اور یا پھر اسے چھوڑ دے۔خدا تعالیٰ کو کسی بندے کی احتیاج نہیں۔اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ اگر تم میں سے کوئی شخص مرتد ہو جائے تو ہم اُس کے بدلہ میں ایک نئی قوم لے آئیں گے جو خدا اور اُس کے رسول سے محبت رکھنے والی اور اُس کے دین کے لیے ہر قسم کی قربانیاں کرنے والی ہوگی۔1 پس آپ لوگ احمدی بن کر اِس وقت جماعت کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا رہے۔اگر خدانخواستہ مرتد ہو کر الگ ہو جاتے تو اِس کا یہ فائدہ پہنچتا کہ ایک ایک شخص کے بدلہ میں جیسا کہ قرآن کریم نے بتایا ہے ایک ایک قوم آ جاتی جو بعض دفعہ کئی کئی لاکھ کی بھی ہوتی ہے۔سندھ میں ہی چانڈیہ، خاص کیلی، گرگیز اور ببر وغیرہ کئی قومیں ہیں اور ہر قوم کے پانچ پانچ، سات سات، آٹھ آٹھ لاکھ افراد ہیں بلکہ چانڈیوں کی تعداد تو اِس سے بھی زیادہ ہے۔سو آپ لوگوں کو اپنی حالت میں تبدیلی پیدا کرنی چاہیے اور اپنے فرائض کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

میں نے ایسے ہی لوگوں کو دیکھ کر جو اپنے فرائض کی طرف پوری توجہ نہیں کر رہے وقفِ جدید کی تحریک جاری کی ہے جس کے لیے خود میں نے بھی دس ایکڑ زمین کا وعدہ کیا ہے اور ارادہ ہے کہ یہاں بھی ایک مرکز قائم کر دیا جائے۔لابنی میں جو مرکز کھولا گیا ہے اُس کے ذریعہ اب تک چار آدمی خدا تعالیٰ کے فضل سے احمدیت قبول کر چکے ہیں اور ڈیڑھ سَو آدمی احمدیت میں شامل ہونے کے لیے تیار ہے۔یہ لوگ ادنیٰ اقوام میں سے ہیں جن کو امریکن لوگ عیسائی بنا رہے ہیں۔اگر پندرہ سولہ دن کے عرصہ میں ایک مرکز نے ایک سَو چوّن آدمی تیار کر دیئے ہیں تو اس کے معنے یہ ہیں کہ مہینہ میں تین سَو آدمی شامل ہو جائے گا مگر یہ تعداد بھی کم ہے۔ہماری سکیم یہ ہے کہ ہر مرکز سال میں پانچ ہزار آدمیوں کو اسلام پر پختہ کرے اور ان کی اصلاح اور تعلیم کے کام کو مکمل کرے۔اِس وقت تک تین سَو ستّر کے قریب وقف کی درخواستیں آ چکی ہیں۔اگر تین سَو ستّر جگہ مراکز قائم کر دیئے جائیں اور ہر مرکز کے ذریعہ پانچ ہزار آدمی سالانہ اسلامی تعلیم پر پختگی حاصل کر کے سلسلہ میں شامل ہو تو ایک سال میں اَٹھارہ لاکھ پچاس ہزار آدمی اسلام کی حقیقی تعلیم سے روشناس ہو سکتا ہے اور ان کے اندر ایک نئی زندگی اور

بیداری پیدا ہوسکتی ہے۔ اتنے عرصہ میں امید ہے کہ یہ تحریک اَور بھی ترقی کر جائے گی اور کئی نئے مقامات پر بھی مرکز کھل جائیں گے۔

یہ تحریک میں نے جلسہ سالانہ میں کی تھی مگر اُس وقت لوگ اسے پوری طرح سمجھے نہیں۔ اب آہستہ آہستہ لوگ اس کی اہمیت سے واقف ہو رہے ہیں۔ اگر سال ڈیڑھ سال میں تین سَو ستّر کی بجائے آٹھ سو یا ہزار واقفین ہو جائیں اور ہر واقف کے ذریعہ پانچ ہزار آدمی سالانہ اسلامی تعلیم سے آگاہ ہوکر اس پر مضبوطی سے قائم ہونے لگے تو اِس کے معنے یہ ہیں کہ ان کے ذریعہ پچاس لاکھ آدمی خدا تعالیٰ کے فضل سے ہر سال اسلامی تعلیم پر پختہ ہوتا چلا جائے گا اور اسلام اور قرآن کی محبت ان کے دلوں میں قائم ہو جائے گی اور دو تین سال میں تو امید ہے کہ یہ تعداد اِنْشَاءَ اللّٰہُ کروڑوں تک پہنچ جائے گی"۔ (الفضل 10 اپریل 1958ء)

1: مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ (المائدة: 55)

7

اپنے فرائض کو انتہائی خوش اسلوبی، پوری توجہ اور محنت کے ساتھ ادا کرو

(فرمودہ 14 مارچ 1958ء بمقام محمود آباد اسٹیٹ سندھ)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

"اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّ الَّذِیْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ 1 یعنی اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے جو متقی اور محسن ہوں۔ اِس آیت سے ظاہر ہے کہ تقوٰی اور احسان کے ساتھ خدا تعالیٰ کی معیت حاصل ہوتی ہے۔ تقوٰی کے ایک معنے تو یہ ہیں کہ انسان اللہ تعالیٰ پر توکّل کرے اور دوسرے معنے یہ ہیں کہ حرام چیزوں سے بچتا رہے۔ اور مُحسن کے ایک ظاہری معنے تو یہ ہیں کہ انسان لوگوں پر احسان کرے۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احسان کے یہ معنے کیے ہیں کہ انسان خدا تعالیٰ کی ایسے رنگ میں عبادت کرے کہ اُسے یہ محسوس ہو کہ وہ گویا خدا تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے اور اگر یہ مقام کسی کو حاصل نہ ہو تو پھر اِس سے ادنیٰ مقام یہ ہے کہ وہ عبادت کرتے وقت یہ محسوس کرے کہ خدا اس کو دیکھ رہا ہے 2 یعنی نماز کا کامل ہونا احسان ہوتا ہے۔ اور ایک معنے لغت کے لحاظ سے یہ ہیں کہ انسان اپنے فرائض کو انتہائی خوش اسلوبی اور پوری توجہ کے ساتھ

ادا کرے۔ گویا خالی اٹکل پچو طور پر کام نہ کرنا بلکہ ہر کام کی جو شرائط مقرر ہیں اُن کو مدنظر رکھتے ہوئے کام کرنا اور ہر پہلو کے لحاظ سے اسے مکمل کرنا احسان کہلاتا ہے۔

اِس لحاظ سے میں سمجھتا ہوں کہ یہ آیت یہاں کے احمدیوں کے لیے بھی اپنے اندر بہت بڑا سبق رکھتی ہے۔ ان کو سمجھ لینا چاہیے کہ جس زمین پر وہ اِس وقت آباد ہیں یہ سلسلہ کی زمین ہے اس لیے ان کو ایسی محنت سے کام کرنا چاہیے کہ وہ خدا تعالیٰ کے سامنے شرمندہ نہ ہوں اور وہ انہیں یہ نہ کہہ سکے کہ انہوں نے اپنے فرائض کو ادا نہیں کیا۔ بلکہ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّ الَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ کے مطابق پورا تقوی ان کے مدنظر ہو اور وہ زیادہ سے زیادہ آمد پیدا کریں تا کہ اسے اسلام اور احمدیت کی اشاعت کے لیے خرچ کیا جا سکے۔ پھر تقوی کے ذکر کے بعد فرماتا ہے وَّ الَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ اور احسان کے معنے اپنے فرائض کو صحیح طور پر ادا کرنے کے ہیں۔ اِس لحاظ سے وقت پر ہل چلانا اور وقت پر فصلوں کو پانی دینا بھی احسان میں شامل ہے۔ پس ہر احمدی زمیندار کا فرض ہے کہ وہ وقت پر بیج ڈالے، وقت پر گوڈی کرے، وقت پر پانی کی نگرانی کرے اور وقت پر کٹائی کرے۔ یہ ساری چیزیں ''احسان'' میں شامل ہیں۔ اگر جماعت کے لوگ ایسا کرنے لگ جائیں تو یہاں کی پیداوار اتنی بڑھ سکتی ہے کہ ہم آسانی کے ساتھ کئی مساجد غیر ممالک میں بنا سکتے ہیں۔ محمد آباد اور بشیر آباد کی زمین مِلا کر غالباً دس ہزار ایکڑ ہوگی۔ اور ہالینڈ میں تین ہزار روپیہ فی ایکڑ، جاپان میں چھ ہزار روپیہ فی ایکڑ اور اٹلی میں چودہ سو روپیہ فی ایکڑ آمد حاصل کی جاتی ہے۔ اگر چودہ سو روپیہ فی ایکڑ ہی آمد مدنظر رکھی جائے تو دس ہزار ایکڑ سے ایک کروڑ چالیس لاکھ روپیہ آمد ہوسکتی ہے۔ اور اگر تین ہزار آمد مدنظر رکھیں تو تین کروڑ روپیہ بن جاتا ہے۔ اور اگر ہماری تین کروڑ روپیہ آمد ہو جائے تو تم سمجھ سکتے ہو کہ سارے یورپ اور امریکہ میں تبلیغ کے لحاظ سے کتنا تہلکہ مچ سکتا ہے اور آپ لوگوں کی تھوڑی سی محنت سے تبلیغ کتنی آسان ہو جاتی ہے۔

کل میں نے یہ بھی کہا تھا کہ اگر مختلف اسٹیٹیں اپنی آمد بڑھانے کی کوشش کریں تو ان کی آمدنوں کو بیرونی ممالک کی مساجد کے لیے وقف کر دیا جائے گا اور انہی کے نام پر ان ملکوں میں مساجد بنا دی جائیں گی۔ مثلاً لکھ دیا جائے گا کہ یہ لطیف نگر کی بنائی ہوئی مسجد ہے، یہ نور نگر کی بنائی ہوئی مسجد ہے، یہ محمد آباد کی بنائی ہوئی مسجد ہے۔ اس طرح ہر اسٹیٹ کی آمد سے اس کے نام پر مسجد بنا دی جائے

گی اور جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکت بھی نازل ہوگی اور مسجد بنانے کا جو ثواب ہے وہ بھی انہیں ملے گا۔ اور پھر یورپ اور امریکہ میں جو مسلمان ہوں گے وہ الگ دعا کریں گے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا بھلا کرے جنہوں نے ہمارے شہروں میں مسجدیں بنائی ہیں۔ کل میں نے دوستوں کو اس کی تحریک کی تھی۔ اگر اس پر عمل شروع ہو جائے تو آمد بڑھانے کا شوق لوگوں میں ترقی کر سکتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہماری ان اسٹیٹوں کا اِتنا رقبہ ضرور ہے کہ ان کی آمد سے ایک سال میں ایک مسجد بن سکے لیکن اگر کوئی بہت ہی چھوٹی اسٹیٹیں ہوں تو وہ ایک سال میں نہ سہی تو دو سال میں بنالیں۔ بہرحال دوستوں کو اس کی طرف توجہ کرنی چاہیے"۔ (الفضل 29 مارچ 1958ء)

---

1 : النحل: 129

2 : بخاری کتاب الایمان باب سُؤَال جِبْرِيْلَ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم عَنِ الْاِيْمَانِ (الخ)

8

رمضان اللہ تعالیٰ کی بڑی رحمتوں اور برکتوں والا مہینہ ہے

اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھاؤ

اس مہینے میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی دعاؤں کو خاص طور پر سنتا اور قبول کرتا ہے

(فرمودہ 21 مارچ 1958ء)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور نے اس آیت کی تلاوت فرمائی: وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِىْ عَنِّىْ فَاِنِّىْ قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِىْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِىْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ۔1

اس کے بعد فرمایا:

''یہ آیت قرآن کریم میں روزوں کے متعلق آتی ہے اور روزوں کے دن کل سے شروع ہونے والے ہیں۔ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے گا وہ روزہ رکھیں گے اور رمضان کی برکتوں سے فائدہ اٹھائیں گے۔ یہ آیت جس کی میں نے ابھی تلاوت کی ہے اس میں بھی روزوں کی برکات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ رمضان کے ایام میں خاص طور پر دعائیں قبول ہوتی ہیں

اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے قریب آ جاتا ہے۔ دوسرے ایام کے متعلق تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اتنا فرمایا ہے کہ صبح اور عصر کی نمازوں میں خدا تعالیٰ کے ملائکہ اکٹھے ہوتے ہیں اور وہ بندوں کا ذکر اٹھا کے خدا تعالیٰ تک لے جاتے ہیں2 اور تہجد کے وقت کے متعلق احادیث میں آتا ہے کہ اس وقت خدا تعالیٰ آسمان سے اُتر آتا ہے اور وہ بندوں سے کہتا ہے کہ جو کچھ تم مانگنا چاہتے ہو مجھ سے مانگو3 لیکن قرآن کریم بتاتا ہے کہ خصوصیت کے ساتھ یہ چیز رمضان میں حاصل ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان ایام میں سحری کے وقت اُٹھنے کی وجہ سے تہجد کا موقع زیادہ ملتا ہے اور عام طور پر جو لوگ تہجد پڑھنے میں سُست ہوتے ہیں وہ بھی ان ایام میں سحری کھانے کے لیے اٹھتے ہیں اور تہجد پڑھ لیتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اِن دنوں میں مَیں اپنے بندوں کے قریب ہو جاتا ہوں اور ہر اخلاص کے ساتھ دعا کرنے والے کی دعا کو سنتا ہوں مگر شرط یہ ہے کہ وہ بھی میری باتوں کو سنے اور ان پر عمل کرے۔ دوستی ایک طرف کی نہیں ہوتی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے تھے کہ دوستی دونوں طرف سے ہوتی ہے۔ پس فرماتا ہے فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ میں اُن کی دعائیں تو سنوں گا مگر اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ بھی میرے احکام پر لبَّیک کہیں۔ یعنی جو احکام میں ان کو دوں وہ ان کو قبول کریں۔ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ اور خالی لبَّیک نہ کہیں بلکہ یقین رکھیں کہ ہم جو دعا کر رہے ہیں وہ ضرور قبول ہوگی۔

وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ میں جس ایمان کا ذکر ہے اس سے مُراد خالی ایمان نہیں کیونکہ اگر کسی دل میں ایمان نہیں ہوگا تو وہ روزہ کیوں رکھے گا اور دعائیں کیوں کرے گا۔ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ کے معنے یہ ہیں کہ وہ توکّل کرے اور میرے متعلق یقین رکھے کہ میں اُس کی دعائیں ضرور سنوں گا اور اسے ناکام و نامراد نہیں رکھوں گا۔ اِس یقین کے ساتھ جو شخص دعا کرے وہی ''اَلدَّاعِ'' کہلانے کا مستحق ہے اور اس کی دعا سنی جاتی ہے۔ اور پھر جو توکّل کرتا ہے اور یقین رکھتا ہے کہ خدا تعالیٰ میری ضرور سنے گا اُس کو اللہ تعالیٰ اعلیٰ درجہ کے کمالاتِ روحانیہ تک پہنچا دیتا ہے۔ جیسا کہ فرماتا ہے لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ۔ اور ''لَعَلَّ'' کے متعلق لغت والے لکھتے ہیں کہ جب یہ لفظ خدا تعالیٰ کے لیے بولا جائے تو اُس وقت اس کے معنے یقین کے ہوتے ہیں۔ پس لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ کے یہ معنے ہیں کہ اگر ان کے دل میں یہ یقین ہو کہ خدا تعالیٰ ان کی دعائیں ضرور سنے گا تو خدا ان کی دعاؤں کو یقینی طور پر قبولیت عطا فرمائے گا۔ یہی وہ مقام ہے جس کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ عبادت کرتے وقت ہر

انسان کو یہ محسوس کرنا چاہیے کہ وہ خدا تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے یا کم سے کم وہ یہ سمجھے کہ خدا مجھ کو دیکھ رہا ہے۔4 اب خدا تعالیٰ کے دیکھنے کے یہی معنے ہیں کہ وہ اُس کے قریب ہو جاتا ہے ورنہ دیکھتا تو وہ عرش سے بھی رہا ہے۔ درحقیقت اس میں یہی بتایا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے بندہ کے اتنے قریب آ جاتا ہے کہ انسان یہ یقین کرنے لگ جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ اُسے دیکھ رہا ہے بلکہ اُس سے ترقی کر کے وہ اس مقام کو بھی حاصل کر لیتا ہے جس میں وہ خود بھی خدا تعالیٰ کو دیکھنے لگ جاتا ہے۔

پس یہ دن نہایت رحمتوں اور برکتوں کے ہیں۔ چاہیے کہ آپ لوگ اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھائیں اور اللہ تعالیٰ سے دعائیں کریں۔ میں نے یہ تجربہ کیا ہے کہ جن دنوں جماعت کے دوست میری صحت کے لیے خاص طور پر دعائیں کرتے ہیں میری صحت اچھی ہو جاتی ہے۔ جب سے ہم جابہ سے آئے ہیں میری صحت گرتی جا رہی ہے۔ درمیان میں جلسہ کے قریب میری صحت کچھ اچھی ہو گئی تھی جس کی وجہ سے میں نے جلسہ سالانہ کے موقع پر تقاریر کر لیں مگر اس کے بعد میری صحت گرتی چلی گئی۔ اس لیے جو باتیں میں پہلے آسانی سے کر لیتا تھا وہ میں اب نہیں کر سکتا۔ اب کے میں علاج کے لیے کراچی گیا تو وہاں کے ڈاکٹروں نے معائنہ کے بعد جو نسخہ مجھے استعمال کے لیے بتایا اُس سے مجھے کسی قدر فائدہ ہوا مگر اس کے بعد جو دوسرا نسخہ انہوں نے استعمال کے لیے بتایا تھا وہ میں نے پہلی دفعہ 15 مارچ کو استعمال کیا تھا اور آج 21 تاریخ ہے مگر میری ٹانگ کی خرابی دور نہیں ہوئی۔ میں سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے یہ سبق دیا ہے کہ یہ چیز ہمارے فضل اور جماعت کی دعاؤں سے وابستہ ہے ڈاکٹروں کے علاج سے یہ کام نہیں بنے گا۔ پس جہاں دوست روزے رکھیں وہاں وہ اِس بات کے لیے بھی دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے صرف سانس لینے والی زندگی نہ دے بلکہ ایسی زندگی دے جس میں مَیں اسلام کی کوئی خدمت کر سکوں۔ سانس لینے والی زندگی تو مجھے اس بیماری میں بھی حاصل ہے۔ اگر میں بیماری کی وجہ سے لیٹا ہوا ہوتا ہوں اور کوئی میرے پاس آ جاتا ہے تو میں اس سے باتیں کر لیتا ہوں لیکن یہ نہیں کہ میں کوئی کام کر سکوں۔ مثلاً کل مجھے تعلیم الاسلام ہائی سکول والوں نے اپنی مسجد کے افتتاح کے لیے بلایا لیکن بیماری کی وجہ سے میں وہاں نہیں جا سکا۔ آج مجھے ہسپتال والوں کی طرف سے بلایا گیا ہے مگر میں نہیں کہہ سکتا کہ میں وہاں جا سکوں گا یا نہیں۔ پس کام کرنے والی زندگی اَور ہوتی ہے اور خالی سانس لینے والی اَور ہوتی ہے۔

سلطان ٹیپو کے متعلق تاریخوں میں لکھا ہے کہ جب وہ آخری دفعہ انگریزوں سے لڑا اور لڑتے لڑتے قلعہ کی فصیل پر چڑھ گیا اور اُسے گولی لگی تو وہ خندق میں اندر کی طرف گر گیا۔ اُس وقت اُس کے چند جانباز سپاہی انگریزوں سے لڑتے لڑتے مارے گئے اور اُس پر گر گئے۔ دوسری طرف سے انگریزی فوج اندر داخل ہوگئی اور اُس نے حکم دیا کہ ٹیپو کی لاش تلاش کی جائے لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسے سامان کر دیئے کہ باہر تو جانباز سپاہی دشمن سے لڑتے رہے اور محل کے اندر عورتوں نے انگریزوں کا مقابلہ شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ جب انگریزی فوج محل کے پاس پہنچی تو انہوں نے کہا محل کے اندر دیکھو شاید وہ زخمی ہوکر اندر نہ پڑا ہو لیکن جب انہوں نے محل کے اندر جھانکا تو سارا صحن عورتوں کی لاشوں سے بھرا ہوا تھا۔ تب انہوں نے کہا واقع میں یہ بہت بڑا شخص تھا کہ اس کے لیے ہزاروں عورتوں نے قربانی کر کے اپنی جانیں دے دیں۔ اِس خیال سے کہ شاید ٹیپو زخمی ہوکر اندر آئے تو ہم اُس کی مدد کر سکیں شہر کی عورتیں محل کے اندر جمع ہوگئی تھیں اور جب انگریز محل میں داخل ہوئے تو وہ ساری کی ساری ان سے لڑتی ہوئی ماری گئیں۔

پھر انگریزوں نے اپنے غصہ کو اِس طرح نکالا کہ اپنے کُتوں کا نام انہوں نے ٹیپو رکھنا شروع کر دیا۔ یہ نام کسی زمانہ میں اِس قدر عام تھا کہ ہم جب بچے تھے تو سمجھتے تھے کہ شاید "ٹیپو" کے معنے ہی کُتے کے ہوتے ہیں۔ مجھے یاد ہے ایک دفعہ ایک کُتا ہمارے دروازہ پر آیا۔ میں وہاں کھڑا تھا۔ اندر کمرہ میں حضرت صاحب تھے۔ میں نے اُس کُتے کو اشارہ کیا اور کہا ٹیپو، ٹیپو، ٹیپو! حضرت صاحب بڑے غصہ سے باہر نکلے اور فرمایا تمہیں شرم نہیں آتی کہ انگریزوں نے تو دشمنی کی وجہ سے اپنے کُتوں کا نام ایک صادق مسلمان کے نام پر ٹیپو رکھ دیا ہے اور تم ان کی نقل کر کے کُتے کو ٹیپو کہتے ہو! خبردار! آئندہ ایسی حرکت نہ کرنا۔ میری عمر اُس وقت شاید آٹھ نو سال کی تھی۔ وہ پہلا دن تھا جب سے میرے دل کے اندر سلطان ٹیپو کی محبت قائم ہوگئی اور میں نے سمجھا کہ سلطان ٹیپو کی قربانی رائیگاں نہیں گئی۔ خدا تعالیٰ نے اُس کے نام کو اِتنی برکت دی کہ آخری زمانہ کا مامور بھی اُس کی قدر کرتا تھا اور اس کے لیے غیرت رکھتا تھا۔ میں نے یہ ذکر اس لیے کیا ہے کہ کام کی زندگی ہی قابلِ ذکر ہوتی ہے۔

جب ٹیپو سلطان گولی کھا کر فصیل سے نیچے گرا تو اُس کے دو جانثار سپاہی اُس کے پاس دوڑے ہوئے آئے اور انہوں نے کہا حضور! انگریزی فوج محل کی طرف آ رہی ہے اور آپ شدید طور پر زخمی ہو چکے ہیں آپ ہمارے ساتھ آئیں تا کہ ہم کسی طرح آپ کو قلعہ سے نکال دیں۔ اِس پر

ٹیپو سلطان نے بڑے جوش میں کہا کہ گیدڑ کی سو سال کی زندگی سے شیر کی دو گھنٹے کی زندگی اچھی ہوتی ہے۔5 میں گیدڑ کی سی زندگی قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔ مجھے گیدڑ کی سو سال کی زندگی کی ضرورت نہیں مجھے شیر کی سی دو گھنٹے کی زندگی زیادہ پیاری ہے۔ اگر میں دو گھنٹے تک یہاں لڑ سکتا ہوں اور شیر کی مثال قائم کر سکتا ہوں تو یہ دو گھنٹے کی زندگی مجھے زیادہ پیاری ہے اور سو سال کی زندگی مجھے پیاری نہیں۔

میرے دل میں بھی خواہش ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے جتنی زندگی دے وہ کام والی زندگی دے جس میں مَیں اسلام کی خدمت کروں اور اس کی ترقی اپنی آنکھوں سے دیکھوں۔ خالی سوچنے والا دماغ کافی نہیں۔ فعّال ہاتھ ہوں، فعّال ٹانگیں ہوں جن سے انسان ہر موقع پر عملاً خدمتِ دین کر سکے یہ اصل زندگی ہے۔ خالی دماغ کا چلتے رہنا اصل زندگی نہیں کیونکہ دماغ تو بعض اوقات ایسی بیماریوں میں بھی جن میں انسان بیہوش ہوتا ہے کام کرتا رہتا ہے۔ چنانچہ فالج کے حملہ کے بعد میری بیوی نے مجھے بتایا کہ جب آپ پر فالج کا حملہ ہوا ہے تو آپ جلدی جلدی بعض ہومیو پیتھک دواؤں کے نام لیتے جاتے تھے جو فالج کے لیے مفید ہوتی ہیں اور کہتے تھے کہ مجھے فلاں دوائی پلاؤ فلاں دوائی پلاؤ۔ اب دیکھو اُس وقت اگرچہ میں بیہوش تھا مگر بیہوشی میں بھی میرا دماغ کام کر رہا تھا اور میں اُن دواؤں کے نام لے رہا تھا جن کے متعلق ہومیو پیتھک والوں کا خیال ہے کہ ان سے فالج کو فائدہ ہوتا ہے۔ تو خالی دماغ کا کام کرنا کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ ایسی زندگی کی بھی ضرورت ہے جس میں انسان کو فعّال طاقت حاصل ہو۔ اُس کے ہاتھ بھی کام کریں، پاؤں بھی کام کریں اور سارا جسم خدمت کا بوجھ اُٹھا سکے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا وقت جب قریب آیا تو آپ کا دماغ کام کر رہا تھا لیکن جسم کمزور ہو چکا تھا۔ آپ نے حضرت ابوبکرؓ کو مسجد میں پیغام بھیجا کہ نماز پڑھا دیں۔ پہلے آپؐ بیماری میں بھی باہر آتے رہتے تھے۔ اس لیے جب صحابہؓ نے حضرت ابوبکرؓ کو نماز پڑھانے کے لیے آگے بڑھتا دیکھا تو انہوں نے خیال کیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ تکلیف ہے۔ ایک دن آپ آہستہ آہستہ اُس کھڑکی تک آئے جو مسجد میں کھلتی تھی تا کہ آپ اپنی آنکھوں سے مسلمانوں کو دیکھ سکیں۔ جب آپ نے پردہ اُٹھا کر مسجد میں جھانکا تو صحابہؓ نے خیال کیا کہ شاید آپؐ نماز پڑھانے کے لیے تشریف لا رہے ہیں مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑکی کا پردہ گرا دیا اور چارپائی پر جا کر

لیٹ گئے۔اس کے بعد پھر آپ کو اُٹھنا نصیب نہیں ہوا یہاں تک کہ آپ کی وفات ہوگئی۔6

تو دیکھو آپ کا دماغ وفات تک کام کر رہا تھا مگر آپ کی فعّال زندگی اُس وقت تک ہی رہی جب آپ نے آخری حج کیا۔ حجۃ الوداع تک آپؐ کو فعّال زندگی ملی مگر اس کے بعد آپ کو فعّال زندگی نصیب نہیں ہوئی۔ڈاکٹروں کا خیال ہے کہ آپ کی وفات نمونیا (PNEUMONIA) سے ہوئی ہے۔تو دیکھو آپ کا دماغ بیماری کی حالت میں بھی کام کر رہا تھا۔اس لیے آپ کمرہ سے باہر آ گئے اور کھڑکی کا پردہ اُٹھا کر مسجد کے اندر جھانکا مگر جب آپ نے دیکھا کہ لوگ آپؐ کے لیے بیتاب ہو رہے ہیں تو آپ نے خیال فرمایا کہ مجھے دیکھ کر ان کو اَور صدمہ ہوگا اس لیے آپ اندر تشریف لے گئے اور واپس جا کر چارپائی پر لیٹ گئے۔ بعد میں آپ کو چارپائی سے اُٹھنے کی توفیق نصیب نہیں ہوئی۔ آپ بیماری میں بات بھی نہیں کر سکتے تھے۔ ہاں! اشاروں سے کام لے سکتے تھے۔ اِس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا دماغ اُس وقت تک کام کر رہا تھا۔ چنانچہ حدیثوں میں آتا ہے کہ حضرت عبدالرحمان بن ابی بکرؓ ایک دن مسواک لیے ہوئے اندر داخل ہوئے۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھ کر ایسا اشارہ کیا جس سے حضرت عائشہؓ نے سمجھا کہ آپ مسواک کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے مسواک لی۔ پھر آپ نے اشارہ کیا کہ میرے دانت چبا نہیں سکتے تم اپنے دانتوں سے چبا کر دو۔ چنانچہ انہوں نے مسواک چبا کر آپ کی خدمت میں پیش کی۔7

غرض وفات تک آپ کا دماغ کام کرتا رہا مگر آپ کی فعّال زندگی کا ثبوت جس میں آپ کے ہاتھ اور پاؤں بھی کام کرتے رہے حجۃ الوداع تک ملتا ہے۔آپ خود سب لوگوں کو ساتھ لے کر گئے اور انہیں حج کروایا۔ بلکہ ایک موقع پر ایسا ہوا کہ آپ کی سواری نے ٹھوکر کھائی اور آپ گر گئے اور مستورات بھی جو آپ کے ساتھ سوار تھیں گر گئیں۔ایک انصاریؓ نے اونٹ پر سے چھلانگ لگا دی اور وہ آپ کی طرف دوڑے اور کہا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں! خدا تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے! آپ نے فرمایا مجھے چھوڑ دو۔عورتیں کمزور ہوتی ہیں اُن کی طرف جاؤ اور اُن کو اُٹھانے کی کوشش کرو۔8 یہ فعّال زندگی تھی جس میں آپ سمجھتے تھے کہ گو میں گر گیا ہوں مگر اب بھی میں طاقت رکھتا ہوں کہ کھڑا ہو جاؤں۔ضرورت عورتوں کی مدد کی ہے جو آپ کھڑی نہیں ہو سکتیں۔

پس اگر دوستوں کی دعائیں ہوں تو میں سمجھتا ہوں کہ تھوڑے ہی دنوں میں افاقہ ہونا شروع

ہو جائے گا اور وہ تکلیف جو اکتوبر میں شروع ہوئی تھی وہ آپ ہی آپ مِٹ جائے گی۔ خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں سب کچھ ہے۔ وہ مُردوں کو بھی زندہ کر سکتا ہے اور جو خدا مُردوں کو زندہ کر سکتا ہے وہ زندوں کو طاقت کیوں نہیں دے سکتا۔ ضرورت صرف یہ ہے کہ ہم اُس سے مانگیں اور اُس کا دروازہ کھٹکھٹائیں۔ حضرت مسیح ناصری علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ''مانگو تو تمہیں دیا جائے گا، ڈھونڈو تو پاؤ گے، دروازہ کھٹکھٹاؤ تو تمہارے واسطے کھولا جائے گا''۔ 9 پس خدا تعالیٰ کا دروازہ کھٹکھٹانے کی ضرورت ہے۔ ایک معمولی آدمی جس کے پاس تھوڑے سے پیسے ہوتے ہیں جب کوئی فقیر اُس کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے تو وہ بھی اُس کے پیالہ میں کچھ نہ کچھ ڈال دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ تو صاحبُ الْعرش ہے اور دنیا جہان کا پیدا کرنے والا ہے۔ اگر کوئی اُس کا دروازہ اخلاص کے ساتھ کھٹکھٹائے تو یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ اُس کے پیالہ میں کچھ نہ ڈالے۔ وہ ضرور ڈالے گا اور ضرور اُس کو شاد و خرّم واپس کرے گا تا کہ وہ اپنے ربّ کی طاقتوں پر پہلے سے بھی زیادہ ایمان لائے اور دوسرے انسان جن کو خدا تعالیٰ کی طاقتوں پر یقین نہیں اُن کو خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ کر سکے۔ پس خدا تعالیٰ پر توکّل رکھو اور اِن ایام سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھانے کی کوشش کرو''۔ (الفضل یکم اپریل 1958ء)

1: البقرة: 187

2: بخاری کتاب مواقیت الصلوٰۃ باب فضل صلوٰۃ العصر

3: بخاری کتاب التہجد بَاب الدُّعَاءِ وَالصَّلَاةِ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ

4: بخاری کتاب الایمان باب بَاب سُؤَالِ جِبْرِيلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْإِيمَانِ وَالْإِسْلَامِ وَالْإِحْسَانِ (الخ)

5: وکی پیڈیا آزاد دائرۃ المعارف زیرِ عنوان ''ٹیپو سلطان'' میں ''شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے بہتر ہے'' کے الفاظ ہیں۔

6: بخاری کتاب الاذان باب اَهْلُ الْعِلْمِ وَالْفَضْلِ اَحَقُّ بِالْاِمَامَةِ۔

7: بخاری کتاب المغازی باب مرض النَّبِی صلی اللہ علیہ وسلم وَوَفَاتِہٖ۔

8: بخاری کتاب الجہاد والسّیر باب ما يَقُوْلُ اِذَا رَجَعَ مِنَ الْغَزْوِ

9: متی باب 7 آیت 7

9

شریعت کے احکام کی پیروی اور خدا تعالیٰ پر کامل توکّل کے ذریعہ انسان اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کی معیّت کا مستحق بنا سکتا ہے

(فرمودہ 28 مارچ 1958ء بمقام ربوہ)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور نے اس آیت کی تلاوت فرمائی: "اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا وَّ الَّذِیۡنَ ہُمۡ مُّحۡسِنُوۡنَ "۔1

اس کے بعد فرمایا:

"اپنے دوست اور اپنے مُحِبّ کے ساتھ رہنے کو ہر ایک کا دل چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ، جس کے ساتھ محبت کرنے کا ہر مومن دعوٰی کرتا ہے اُس کے قریب رہنے کی بھی ہر مومن کو خواہش ہوتی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یہ آیت رکھ دی ہے۔ جس کے معنے یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کے ساتھ ہے جو متقی ہیں اور اُن لوگوں کے بھی ساتھ ہے جو محسن ہیں۔ "محسن" کے معنے عربی زبان میں

ایسے انسان کے ہوتے ہیں جو شریعت پر پوری طرح قائم ہو۔ اور تقویٰ کے معنے یہ ہوتے ہیں کہ خدا تعالیٰ پر پوری طرح توکّل ہو۔ گویا خدا تعالیٰ نے بتایا کہ اُس کی معیّت حاصل کرنے کے ذرائع یہ ہیں کہ اول انسان اُس پر توکّل کرے تو یہ سمجھے کہ جو کچھ میں کرتا ہوں اُس میں میرے لیے کوئی برکت نہیں بلکہ اس سے جو نتیجہ خدا تعالیٰ نکالے گا اُس میں میرے لیے برکت ہے۔ میں صرف نماز اور روزہ کے ذریعہ سے نجات نہیں پاؤں گا بلکہ میری نجات محض خدا تعالیٰ کے فضل سے ہوگی۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو تمام نیک کام کرنے والوں کے سردار تھے آپ نے ایک دفعہ زیادہ شدت کی عبادت کی تو آپ کی ایک بیوی نے پوچھا یَارَسُولَ اللّٰہ! آپ کو اِس قدر عبادت کی کیا ضرورت ہے۔ آپ کے تو سب اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا کیا میں اُس خدا کا شکریہ ادا نہ کروں جس نے مجھے معاف کیا ہے۔ اُس نے تو مجھے اپنے فضل سے معاف کر دیا لیکن میرا بھی تو یہ کام ہے کہ اُس کا شکریہ ادا کروں اور اُس کے احکام کی زیادہ سے زیادہ فرمانبرداری کروں۔2 یہ گویا توکّل کی ایک تشریح تھی جو آپ نے فرمائی۔ اِسی طرح ایک دوسرے موقع پر آپ نے فرمایا کہ میں بھی اپنے اعمال سے نہیں بخشا جاؤں گا بلکہ خدا تعالیٰ کے فضل سے بخشا جاؤں گا3 اِسی کا نام توکّل ہے۔ یعنی انسان یہ سمجھتا ہے کہ جو کچھ بھی کرنا ہے خدا نے ہی کرنا ہے اس لیے مجھے اپنا سارا کام اُسی کے سپرد کر دینا چاہیے۔ توکّل کے یہ معنے ہوتے ہیں کہ سب کام خدا تعالیٰ کے سپرد کر دیا۔ وکالت کے معنے ہوتے ہیں کسی کو اپنا قائمقام بنانا۔ چنانچہ نکاح کے موقع پر جو وکیل بن کر آتے ہیں اُن کو اِسی لیے وکیل کہتے ہیں کہ ان کو ایجاب و قبول کا لڑکے یا لڑکی والوں کی طرف سے اختیار مل جاتا ہے۔ تو توکّل کے معنے یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو اپنا وکیل بنا لیا، تمام کام اُس کے سپرد کر دیئے کہ جو بھی تیری طرف سے ہوگا وہ مجھے قبول ہوگا اور پسند ہوگا۔

پس اِس آیت کے پہلے فقرہ میں اللہ تعالیٰ نے توکّل کا ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ انسان کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی ڈھال بنالے اور یہ کہے کہ جو کچھ بھی میرے ساتھ گزرے میں آپ کے پیچھے کھڑا ہوں گا۔ کوئی مصیبت آئے یا آرام پہنچے، خوشی آئے یا رنج آئے میں آپ کے سوا کسی کی طرف توجہ نہیں کروں گا صرف آپ کو ہی اپنی ڈھال بناؤں گا۔ اور دوسرے فقرے میں یہ بتایا ہے کہ حفاظت کے سپرد کر دینے کے یہ معنے نہیں کہ وہ خود بیکار رہ کر بیٹھ جائے اور دینی کاموں سے غافل ہو جائے بلکہ

فرمایا اللہ تعالیٰ جن لوگوں کے ساتھ ہے وہ نہ صرف اپنی حفاظت خدا تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں بلکہ وہ شریعت کے تمام احکام پر بھی پوری طرح عمل کرتے ہیں۔

مجھے یاد ہے حضرت خلیفہ اول ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ جب کوئی مسلمان اِنْشَاءَ اللّٰہُ کہے تو سمجھ لو کہ اُس نے وہ کام کبھی نہیں کرنا کیونکہ مسلمان اِنْشَاءَ اللّٰہُ کے یہی معنے سمجھا کرتا ہے کہ اگر کام نہ ہو سکا تو میرا کوئی قصور نہیں ہوگا بلکہ یہ خدا تعالیٰ کی مرضی کا نتیجہ ہوگا۔ اس لیے جب وہ کوئی کام نہیں کرتا تو کہہ دیتا ہے کہ میں نے تو پہلے ہی اِنْشَاءَ اللّٰہُ کہہ دیا تھا۔ جس کے معنے یہ تھے کہ اگر خدا تعالیٰ کی مرضی ہوئی تو میں یہ کام کروں گا ورنہ نہیں۔ اگر خدا تعالیٰ کی مرضی ہوتی تو وہ مجھ سے یہ کام کرا لیتا۔ پس اگر میں نے یہ کام نہیں کیا تو اِس کے یہ معنے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی مرضی نہیں تھی۔ گویا وہ کہتا ہے کہ یہ جھوٹ میں نے نہیں بولا بلکہ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ خدا تعالیٰ نے بولا ہے۔ تو حضرت خلیفۃ المسیح الاول ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ جب کوئی مسلمان اِنْشَاءَ اللّٰہُ کہے تو سمجھ لو کہ اُس نے وہ کام نہیں کرنا۔

اِسی طرح آپ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ مسلمانوں کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے معنے صفر کے ہوتے ہیں۔ چنانچہ جب کسی سے پوچھو کہ تمہارے گھر میں کیا ہے؟ تو کہتا ہے اللہ ہی اللہ ہے۔ اور اِس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ گھر میں کچھ نہیں ہے۔ گویا ایک مسلمان کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی یہ حقیقت ہے کہ وہ ایک دھیلا کی تو کوئی حقیقت سمجھتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کی کوئی حقیقت نہیں سمجھتا۔ جب اُس کے گھر میں کچھ نہیں ہوگا تو وہ کہہ دے گا کہ میرے گھر میں تو صرف اللہ ہی اللہ ہے۔

اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ احادیث میں حضرت ابوبکرؓ کا بھی اس قسم کا ایک قول آتا ہے۔ ایک دفعہ آپ چندہ لائے۔ وہ چندہ اتنا تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شبہ ہوا کہ یہ اپنے گھر کا سارا سامان لے آئے ہیں۔ حضرت عمرؓ بھی اُس موقع پر چندہ لائے تھے اور وہ کہتے ہیں کہ میں نے اس موقع پر اتنا چندہ دیا تھا کہ میں خیال کرتا تھا کہ اب حضرت ابوبکرؓ مجھ سے چندہ میں نہیں بڑھ سکتے لیکن بعد میں جب حضرت ابوبکرؓ سامان لائے تو اُس میں گھر کی چھوٹی چھوٹی استعمال کی تمام چیزیں بھی تھیں جو انہوں نے لا کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھ دیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شبہ ہوا کہ آپ گھر کی سب چیزیں اُٹھا لائے ہیں۔ چنانچہ آپ نے دریافت فرمایا کہ ابوبکر! کیا تم گھر میں بھی کچھ چھوڑ آئے ہو یا نہیں؟ حضرت ابوبکرؓ کہنے لگے یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! گھر میں مَیں اللہ اور اُس کے رسول کا ذکر

چھوڑ آیا ہوں۔4

اب بظاہر اِس قول سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے بھی وہی محاورہ استعمال کیا ہے جس کا ذکر حضرت خلیفہ اول فرمایا کرتے تھے مگر آپ نے اسے نیک رنگ میں استعمال کیا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ جب حضرت ابوبکرؓ نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے رسول کو بھی ملا لیا تو اِس فقرہ کے معنے بدل گئے کیونکہ رسول کا وجود تو خیالی نہیں ہوسکتا۔ خدا تعالیٰ کے متعلق اور جنت کے متعلق تو بعض لوگ سمجھ لیتے ہیں کہ اُن کا وجود خیالی ہے لیکن رسول کے متعلق کوئی یہ خیال نہیں کرتا کہ اُس کا وجود خیالی ہے۔ پس جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ رسول کا لفظ ملا لیا تو گویا آپ نے اِس امر کا اظہار کیا کہ میں اللہ کا لفظ حقیقی طور پر استعمال کر رہا ہوں، محض خیالی طور پر استعمال نہیں کر رہا۔ تو محسن بنا کر یعنی شریعت کے تمام احکام کی پیروی کرنے کی کوشش کر کے انسان اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کی معیّت کا مستحق بنا لیتا ہے۔ احادیث میں آتا ہے محسن وہ ہے کہ جب وہ نماز پڑھے تو وہ یہ محسوس کرے کہ وہ خدا تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے۔ اور اگر وہ یہ محسوس نہ کرے کہ وہ خدا تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے تو کم سے کم وہ یہ سمجھے کہ خدا تعالیٰ اُسے دیکھ رہا ہے۔5

تو وَّ الَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ کے یہ معنے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے جو اپنی نمازوں میں خدا تعالیٰ کا ایسا تصوّر قائم کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کا وجود اُن کے سامنے آجاتا ہے۔ جب وہ عارضی طور پر (کیونکہ بندہ ہے ہی عارضی اور فانی) خدا تعالیٰ کو اپنے سامنے لاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ چونکہ مستقل وجود ہے اس لیے وہ مستقل طور پر اُن کو اپنی نگاہ میں رکھتا ہے اور ہمیشہ اُن کی مدد کرتا ہے کیونکہ وہ ازلی ابدی ہے۔ انسان کے لیے اُس نے صرف یہ فرمایا ہے کہ نماز میں تم ایسا تصوّر کرو کہ خدا تعالیٰ کا وجود تمہارے سامنے آجائے اور اپنے لیے فرمایا کہ ہم مستقل طور پر یہ وعدہ کرتے ہیں کہ ہم تمہاری مدد کریں گے کیونکہ ہمارا وجود مستقل ہے۔ اِس طرح اِس آیت میں گُر بتا دیا گیا ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ کی معیّتِ کاملہ انسان کو حاصل ہوسکتی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک تحریر آپ کی ایک نوٹ بک میں درج تھی جسے بعد میں مَیں نے اخبار بدر 11 جنوری 1912ء میں چھپوا دیا تھا۔ اُس میں آپ نے تحریر فرمایا ہوا تھا کہ لوگ کہتے ہیں میں خدا تعالیٰ کو چھوڑ دوں اور جو کچھ خدا تعالیٰ نے مجھے کہا ہے میں اُسے بھول

جاؤں۔ مگر یہ کس طرح ہو سکتا ہے جبکہ میں دیکھتا ہوں کہ رات کو جب میرے عزیز ترین وجود بھی مجھے چھوڑ کر نیند میں محو ہو جاتے ہیں خدا تعالیٰ میرے ساتھ ہوتا ہے۔ تو جو ہستی رات کی تنہائیوں میں بھی میرے ساتھ ہوتی ہے میں لوگوں کے کہنے پر اُسے کس طرح چھوڑ دوں؟ وہ تو ایسے وقت میں بھی میرے ساتھ ہوتا ہے جب دنیا میں کوئی عزیز میرے ساتھ نہیں ہوتا۔ ایسے وجود سے تعلق توڑنا میرے لیے ناممکن ہے۔ میں دنیا کو چھوڑ سکتا ہوں مگر خدا تعالیٰ کو نہیں چھوڑ سکتا۔ دنیا میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ دوست کہتے ہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں مگر بیسیوں مواقع ایسے آتے ہیں کہ وہ بھاگ جاتے ہیں۔ کئی دفعہ تو دوست کیا عزیز ترین رشتہ دار بھی چھوڑ کر بھاگ جاتے ہیں۔

شیخ سعدیؒ مثالوں میں بڑی اچھی باتیں کہنے کے عادی تھے۔ انہوں نے ایک قصّہ لکھا ہے کہ ایک عورت تھی۔ وہ اپنی بیٹی سے بڑا پیار کرتی تھی۔ اُس لڑکی کا نام مہتی تھا۔ ایک دفعہ اُس کی بیٹی خطرناک طور پر بیمار ہوگئی۔ وہ عورت دعا کرنے لگی کہ اے خدا! میں مر جاؤں مگر میری بیٹی نہ مرے۔ اگر موت ہی آنی ہے تو اس کی بجائے مجھے آ جائے۔ اُس رات اتفاقاً اُس کی گائے رسّہ تڑوا کر صحن میں آ گئی۔ وہاں چھان بورے والا ایک مٹکا پڑا ہوا تھا۔ اُس نے اپنا سر اُس میں ڈال دیا تاکہ چھان بورا کھائے۔ جاتی دفعہ تو اُس کا سر آسانی سے مٹکے میں چلا گیا کیونکہ اُسے زمین کا سہارا مل گیا۔ مگر آتی دفعہ سر باہر نہ نکلا کیونکہ آتی دفعہ کوئی پکڑنے والی چیز نہیں تھی۔ وہ گائے گھبرائی اور صحن میں اِدھر اُدھر دوڑنے لگی۔ وہ اپنے مصلّی پر بیٹھی ہوئی دعا کر رہی تھی کہ یا اللہ! مجھے موت آ جائے میری بیٹی کو نہ آئے کہ اچانک اُس نے گائے کو دیکھا اور سمجھا کہ یہ عزرائیل ہے جو اُس کی جان نکالنے آیا ہے۔ وہ اُسے دیکھ کر جھٹ کہنے لگی مَلَکُ الْموت! من نہ مہتی ام۔ مَلَکُ الْموت تُو نے شاید میری دعا سن لی ہے کہ میں مر جاؤں میری بیٹی نہ مرے۔ اِس لیے تُو میرے پاس آیا ہے کہ میری جان نکال لے۔ میں تجھے بتانا چاہتی ہوں کہ من نہ مہتی ام۔ میں مہتی نہیں ہوں۔ من یکے پیرزال محنتی ام۔ میں تو ایک بڑھیا مزدور عورت ہوں۔ تُو میری جان نہ نکال، مہتی کی جان نکال۔ وہ سامنے چارپائی پر پڑی ہوئی ہے۔ گویا یا تو وہ عورت یہ دعا کر رہی تھی کہ لڑکی کی موت مجھے آ جائے اور یا پھر یہ صورت ہوئی کہ گائے جو مٹکا سر پر اُٹھائے اِدھر اُدھر بھاگ رہی تھی جب اُس نے اُسے مَلَکُ الْموت سمجھا تو اُس نے کہا میں تو مہتی نہیں ہوں میں تو ایک مزدور بڑھیا عورت ہوں۔ اور بیٹی کی طرف اشارہ کر کے کہا مہتی وہ پڑی ہے۔

غرض بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ قریب ترین عزیز جو بڑی بڑی قربانیوں کا دعویٰ کرتے ہیں وہ بھی انسان کو چھوڑ کر الگ ہو جاتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ انسان کا ساتھ کبھی نہیں چھوڑتا۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھ لو باوجود اِس کے کہ جائیداد آپ کی تھی آپ نے صرف اپنی بھاوج کو خوش کرنے کے لیے اپنے بھائی کی وفات کے بعد اُن کی تمام جائیداد جس کے آپ وارث تھے اپنے بڑے بیٹے مرزا سلطان احمد صاحب کے نام لگوا دی تھی جسے انہوں نے اپنا متبنّٰی بنایا ہوا تھا۔ وہ اپنے خاوند کی وفات پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آئیں اور کہنے لگیں میں بے اولاد ہوں۔ میری تسلّی کے لیے اپنے بھائی کی جائیداد سلطان احمد کے نام لگوا دو۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی یہ بات مان لی اور وہ جائیداد مرزا سلطان احمد صاحب کے نام لگوا دی۔ مرزا سلطان احمد صاحب تو چونکہ ملازم ہو گئے تھے پہلے نائب تحصیلدار ہوئے، پھر تحصیلدار ہوئے، پھر ای۔اے۔سی بنے، پھر قائم مقام ڈپٹی کمشنر رہے اور اِس طرح خدا تعالیٰ کے فضل سے خود انہوں نے بڑی آمدن پیدا کر لی۔ اس لیے انہوں نے اپنی ساری جائیداد اپنی تائی کے سپرد کی ہوئی تھی۔ اور انہوں نے جائیداد آگے اپنے بھائی مرزا نظام دین صاحب کے سپرد کر دی تھی جو حضرت صاحب کے شدید دشمن تھے۔ مگر باوجود اِس کے کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جائیداد کھا رہی تھیں، جو کھانا وہ آپ کے لیے بھجواتی تھیں وہ نہایت ہی ادنیٰ اور ذلیل قسم کا ہوتا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سارا دن مسجد میں بیٹھے رہتے تھے اور عبادت کرتے رہتے تھے۔ اگر کوئی مسافر آ جاتا تو اُس کو وہاں لا کے آپ دین کی باتیں سناتے اور اپنا کھانا اُسے دے دیتے اور خود دو پیسہ کے چنے بھنوا کر چبا لیتے اور اُس سے گزارہ کر لیتے۔ اِس کو بعد میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی ایک عربی نظم میں یوں ادا کیا ہے کہ

لُفَاظَاتُ الْمَوَائِدِ کَانَ اُکُلِیْ وَ صِرْتُ الْیَوْمَ مِطْعَامَ الْاَھَالِیْ [6]

یعنی ایک زمانہ میں دستر خوانوں کے بچے ہوئے ٹکڑے میری خوراک ہوتے تھے کیونکہ آپ کی بھاوج اگرچہ آپ کی جائیداد پر قابض تھیں مگر جو کھانا وہ آپ کے لیے بھیجتی تھیں وہ اِس حیثیت کا ہوتا تھا کہ گویا بچے کھچے ٹکڑے ہوتے تھے جو آپ کو بھیجے جاتے تھے مگر فرماتے ہیں

وَصِرْتُ الْیَوْمَ مِطْعَامَ الْاَھَالِیْ

آج سینکڑوں خاندان خدا تعالیٰ کے فضل سے میرے ذریعہ سے پل رہے ہیں۔

درحقیقت اِس میں بھی وہی توکّل کام کر رہا تھا جو آپ کو خدا تعالیٰ کی ذات پر تھا۔ وہ جس کو آپ نے اپنی ساری جائیداد دے دی وہ تو آپ سے اتنا بُغض رکھتی تھیں کہ اپنے بچے کھچے ٹکڑے آپ کو کھانے کے طور پر دیتی تھیں مگر خدا تعالیٰ نے آپ کو اِتنا دیا کہ سینکڑوں خاندان آپ کے ذریعہ پلنے لگ گئے۔

مجھے یاد ہے ہماری تائی صاحبہ کو کسی زمانہ میں اتنا بُغض تھا کہ ہمارے مکان پر جو سیڑھیاں چڑھتی تھیں وہ اُن کے مکان کی دیوار کے پاس سے گزرتی تھیں۔ چونکہ گھروں میں آپس کی ملاقاتیں بند تھیں اِس لیے ہم سمجھتے تھے کہ یہ ہمارے دشمن ہیں۔ جب میں نے سیڑھیوں پر چڑھنا تو انہوں نے آواز دینی ''محمود! اِدھر آ، گل سن میری''۔ یعنی محمود اِدھر آؤ اور میری بات سنو۔ میں نے بھاگنا، بچپن کی وجہ سے میں نے ڈرنا کہ خبر نہیں یہ مجھے کیا سزا دیں گی۔ اِس پر انہوں نے پیچھے سے کہنا

''جیہو جیہا کاں او ہو جیہی کوکو''

یعنی جیسا اس کا باپ کوا ہے ویسا ہی یہ اس کا لڑکا کوکو ہے۔ مگر خدا کی قدرت دیکھو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک الہام تھا کہ

''تائی آئی''7

جس کے معنے یہ تھے کہ وہ ایسے زمانہ میں احمدی ہوں گی جبکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نائب اور قائمقام اُن کے خاوند کا بھتیجا ہوگا۔ وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بڑے بھائی مرزا غلام قادر صاحب کی بیوی تھیں اور میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا لڑکا ہوں جو مرزا غلام قادر صاحب کے چھوٹے بھائی تھے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے ایسا تصرف کیا کہ تائی صاحبہ نے اپنی عمر کے آخری زمانہ میں (یعنی 1921ء میں) میری بیعت کر لی اور بیعت کے بعد اُن میں اِس قدر اخلاص پیدا ہوا کہ جب وہ (دسمبر 1927ء میں) بیمار ہوئیں اور مجھے خبر پہنچی کہ وہ تین چار دن سے بیہوش پڑی ہیں تو میں اُن کی تیمارداری کے لیے گیا۔ فرش پر دری بچھی ہوئی تھی۔ میں اُن کی چارپائی کے پاس اُس دری پر بیٹھ گیا۔ اُن کی آنکھ کھلی تو انہوں نے مجھے دیکھا۔ وہ بیماری کی وجہ سے بہت زیادہ کمزور تھیں لیکن مجھے دیکھ کر لیٹے لیٹے انہوں نے اپنی ٹانگیں چارپائی سے نیچے سرکا لیں اور پاس والی عورتوں سے کہا مجھے چارپائی سے نیچے اُتار دو۔ محمود نیچے زمین پر بیٹھا ہوا ہے اور میں یہ برداشت نہیں کر سکتی کہ میں اوپر

چار پائی پر بیٹھوں اور وہ نیچے ہو۔ اب کُجا وہ زمانہ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جن کے طفیل وہ روٹی کھاتی تھیں اور جن کے طفیل ہمیں برکت ملی اُن کو تو وہ ''کاں'' کہتی تھیں اور مجھے ''کوکو'' اور کُجا ایسا وقت آیا کہ مجھے دیکھ کر انہوں نے اپنی ٹانگیں چارپائی سے نیچے سرکا لیں اور قریب بیٹھنے والوں کو کہا مجھے نیچے اُتار دو محمود نیچے بیٹھا ہے اور مجھ سے یہ برداشت نہیں ہوتا کہ وہ زمین پر بیٹھا ہو اور میں چارپائی پر لیٹی ہوں حالانکہ اُن کی حالت اُس وقت بہت نازک تھی۔ یہ اللہ تعالیٰ نے

وَصِرْتُ الْیَوْمَ مِطْعَامَ الْاَھَالِیْ

کا ایک روحانی نظارہ دکھایا کیونکہ مِطْعَام صرف دنیوی ہی نہیں ہوتا بلکہ روحانی بھی ہوتا ہے۔ جسمانی طور پر تو وہ پہلے ہی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جائیداد کی آمد کھا رہی تھیں لیکن روحانی نقطہ نگاہ سے اِس کے یہ معنے تھے کہ وہی لوگ جو مجھ کو صدقہ وخیرات کے طور پر روٹی دیتے تھے ایک دن ایسا آئے گا کہ میں ان کو روحانی غذا دینے والا بن جاؤں گا۔ چنانچہ وہ احمدی ہوگئیں اور بعد میں اپنی زندگی بڑے اخلاص سے گزاری۔

اِسی طرح مرزا سلطان احمد صاحب کو بھی اللہ تعالیٰ نے احمدیت قبول کرنے کی توفیق دی۔ مرزا سلطان احمد صاحب کے آخری عمر میں ہاتھ پاؤں رہ گئے تھے اور وہ اتنے کمزور ہوگئے تھے کہ اُن کے پاؤں آسانی سے حرکت نہیں کر سکتے تھے۔ ایک دن انہوں نے ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب کے ہاتھ مجھے پیغام بھیجا کہ میں تو چل نہیں سکتا، آپ کسی وقت آ کر میری بیعت لے لیں۔ چنانچہ میں اُسی دن اُن کے پاس چلا گیا اور اُن کی بیعت لے لی۔ ڈاکٹر صاحب ساتھ تھے۔ میں اُن کی چارپائی کے قریب ہی ایک کرسی پر بیٹھ گیا اور مرزا سلطان احمد صاحب نے اپنا ہاتھ بیعت کے لیے آگے بڑھا دیا اور اِسی طرح کرسی پر بیٹھے ہوئے میں نے اُن کی بیعت لے لی۔ گویا ایک طرف تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بڑے بھائی کی بیوہ نے جو آپ کی مخالف تھیں آپ کے بیٹے کے ہاتھ پر بیعت کی اور دوسری طرف مرزا سلطان احمد صاحب نے جو میرے بڑے بھائی تھے، میری بیعت کی۔ پہلے وہ شیخ یعقوب علی عرفانی صاحب سے کہا کرتے تھے کہ بڑے مرزا صاحب زندہ ہوتے تو میں اُن کی بیعت کر لیتا۔ میں نے اُن سے تو بگاڑ رکھا اب میں اپنے چھوٹے بھائی کی کس طرح بیعت کروں۔ شیخ صاحب نے اُن کو سمجھایا کہ یہ تو آپ کی اَور زیادہ عزت بڑھائے گا۔ چنانچہ آخری

عمر میں وہ بیعت کے لیے تیار ہو گئے اور (دسمبر 1930ء) انہوں نے بیعت کر لی۔

غرض یہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور احسان تھا کہ ہماری تائی صاحبہ نے بھی میری بیعت کر لی اور مرزا سلطان احمد صاحب نے بھی میری بیعت کر لی۔ ہماری تائی صاحبہ کے احمدی ہونے میں بڑا دخل مرزا احسن بیگ صاحب کا تھا۔ وہ ان کی بہن کے بیٹے تھے۔ ان کی ایک بہن اعظم آباد میں بیاہی ہوئی تھی اور اُس کے دو بیٹے تھے۔ ایک مرزا اسلم بیگ صاحب اور دوسرے مرزا احسن صاحب۔ مرزا احسن بیگ صاحب ہمارے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ سب سے پہلے اُن کی میرے ساتھ دوستی ہوئی اور پھر انہوں نے اُسی زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیعت کر لی۔ بعد میں ریاست بونذی میں ان کو بیس ہزار ایکڑ زمین ملی۔ چونکہ ریاست آباد نہیں ہوئی تھی اس لیے ریاست کے حکام نے بعض لوگوں کو بڑے بڑے علاقے دے دیئے تھے کہ ان کو آباد کرو۔ آخر میں ریاست نے کچھ زمین واپس بھی لے لی کیونکہ وہ اسے آباد نہ کر سکے مگر پھر بھی چار پانچ گاؤں ان کے پاس رہ گئے۔ اب ان کے ایک بیٹے وہاں کام کرتے ہیں۔ گو اِدھر آ جانا اُن کے لیے مبارک ہے مگر انہیں لالچ ہے کہ پانچ گاؤں کیسے چھوڑوں۔ اگر میں پاکستان آ گیا تو پیچھے گورنمنٹ یہ جائیداد ضبط کر لے گی۔ اس لیے وہ وہیں بیٹھے ہوئے ہیں حالانکہ ان کی ماں ایک بڑی مخلص احمدی تھی اور اُن کا باپ بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ پر بیعت کرنے والا تھا۔ غرض تائی صاحبہ کی یہ بہن اعظم آباد میں بیاہی گئی تھیں اور اعظم آباد والے اپنے آپ کو بڑا رئیس سمجھتے تھے۔ سارا شاہدرہ اُن کے پاس تھا۔ مرزا اعظم بیگ صاحب جو اُن کے بڑے ہیڈ تھے وہ سب سے پہلے ہندوستانی تھے جو سیٹلمنٹ آفیسر بنے۔ اس سے پہلے صرف انگریز ہی اِس عہدہ پر پہنچتے تھے۔ پھر وہ کابل میں بھی رہے اور وہاں ایمبیسی میں ان کو بڑے عہدہ پر رکھا گیا۔ بعد میں وہ ہزارہ میں سیٹلمنٹ آفیسر بن گئے۔ وہاں انہوں نے اپنی امارت کے گھمنڈ میں بڑے بڑے ظلم بھی کیے۔ چنانچہ ایک دفعہ میں کشمیر سے واپس آ رہا تھا تو مولوی سید سرور شاہ صاحب نے جو ہزارہ کے ہی رہنے والے تھے مجھے سنایا کہ جب مرزا صاحب یہاں سیٹلمنٹ آفیسر بن کر آئے تو انہوں نے اپنے غرور میں فلاں رئیس کو کہا کہ تمہارا گھوڑا مجھے بہت پسند آیا ہے وہ مجھے بھیج دو اور پھر کہا کہ دیکھنا یہ گھوڑا آج شام تک میرے پاس پہنچ جائے۔ مولوی سرور شاہ صاحب نے بتایا کہ وہ رئیس اتنا مالدار تھا کہ سارا علاقہ اُس کے پاس تھا مگر جب انہوں نے اُس کو حکم دیا تو وہ بھی

چونکہ نواب اور رئیس تھا اَڑ گیا اور کہنے لگا مرزا صاحب! اگر آپ مجھے کسی اَور کی معرفت کہلا بھیجتے کہ مجھے گھوڑا دے دو تو ایک نہیں میں دس گھوڑے بھی دے دیتا مگر آپ نے حکم دیا ہے تو اب چاہے آپ میری ساری جائیداد تباہ کر دیں اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں میں گھوڑا نہیں دوں گا۔ چنانچہ انہوں نے سیٹلمنٹ (SETTLEMENT) میں اُس کی تمام جائیداد اُس کے رشتہ داروں کے نام لکھ دی اور اُس کو تباہ کر دیا۔ مولوی صاحب کہنے لگے وہ اب تک غریب چلے آتے ہیں حالانکہ پہلے وہ بہت ہی صاحبِ رسوخ تھے۔ غرض ان کے خاندان میں ہماری وہ پھوپھی بیاہی گئی تھیں اور ہمارے دادا کی ناپسندیدگی کے باوجود بیاہی گئی تھیں۔ مرزا اعظم بیگ صاحب جو اِس خاندان کے مورثِ اعلیٰ تھے انہوں نے ہمارے دادا کے پاس پیغام بھیجا کہ ہم قادیان دیکھنا چاہتے ہیں۔ وہ چغتائی خاندان کے مغل تھے اور ہم برلاس خاندان کے ہیں اور برلاس چغتائیوں کو ذلیل سمجھتے ہیں۔ پرانے زمانہ میں یہ طریق رائج تھا کہ اگر کوئی کہے کہ ہم آپ کا گاؤں دیکھنا چاہتے ہیں تو اِس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہم آپ کی لڑکی لینا چاہتے ہیں۔ جب مرزا اعظم بیگ صاحب نے یہ پیغام بھیجا تو ہمارے دادا جلال میں آ گئے اور کہنے لگے تم چغتائیوں کو بھی یہ جرأت ہوسکتی ہے کہ ہم سے لڑکیاں مانگو۔ جاؤ اور ان سے کہہ دو کہ ہمیں نہیں منظور۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے تھے کہ ہمارے باپ کے غرور کا ہی یہ نتیجہ نکلا کہ ان کی وفات کے بعد ہماری تین لڑکیاں اُن کے خاندان میں بیاہی گئیں۔ جن میں سے ایک تو یہی ہماری پھوپھی تھیں اور ایک اَور چچا کی لڑکی تھی۔ اِس طرح اُن کے گھر میں ہماری لڑکیوں کا اچھا خاصا اجتماع ہوگیا۔ پھر نہ صرف ہماری لڑکیاں ہی اُن کے ہاں گئیں بلکہ ہماری جائیدادیں بھی اُن کے قبضہ میں جانی شروع ہوئیں۔ یہاں تک کہ قادیان کے سوا ہماری ساری جائیداد اُن لوگوں کے پاس چلی گئی۔ چنانچہ راجپورہ جو میں نے بعد میں بیس ہزار روپیہ میں خریدا وہ اُنہی لوگوں کے پاس چلا گیا تھا۔ پھر محلّہ دارالرحمت جہاں بنا ہے وہ حصہ بھی اُن لوگوں کے پاس چلا گیا تھا۔ یہ جائیداد ان کے پڑپوتے مرزا اکرم بیگ نے ایک سِکھ کے پاس اٹھارہ ہزار روپیہ میں بیچ دی تھی جو بعد میں حقِ شفعہ کے ذریعہ ہم نے واپس لی۔

مرزا اکرم بیگ کے والد مرزا افضل بیگ صاحب ایک ریاست میں سپرنٹنڈنٹ پولیس تھے اور ناچ گانے کا انہیں شوق تھا۔ شراب کی بھی عادت پڑی ہوئی تھی مگر آخر میں انہوں نے ان تمام

عادتوں سے توبہ کر لی اور قادیان آ گئے۔ بیعت کے بعد وہ ایک دفعہ بیمار ہوئے اور علاج کے لیے لاہور گئے تو ڈاکٹر نے کہا کہ اگر آپ تھوڑی سی شراب پی لیں تو آپ بچ سکتے ہیں۔ وہ کہنے لگے ایک دفعہ میں نے شراب سے توبہ کر لی ہے اب میں نہیں پیوں گا۔ چنانچہ وہ مر گئے لیکن انہوں نے شراب کو نہیں چھوا۔ غرض بیعت کے وقت جو انہوں نے عہد کیا تھا اُس پر وہ پورے اُترے لیکن ان کا بیٹا اچھا نہ نکلا۔ اُس نے دارالرحمت والی زمین ایک سِکھ کے پاس بیچ دی تھی۔ شیخ مختار احمد صاحب ایک غیر احمدی بیرسٹر تھے جو ہم سے بہت محبت رکھتے تھے۔ اللہ اُن کی مغفرت فرمائے انہوں نے مجھے لکھا کہ آپ کی اتنی قیمتی جائیداد ہے جو اکرم بیگ نے فلاں سِکھ کو اٹھارہ ہزار روپیہ میں دے دی ہے۔ یہ بڑی قیمتی جائیداد ہے۔ اگر آپ اٹھارہ ہزار روپیہ کا بندوبست کر لیں تو یہ جائیداد آپ واپس لے لیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ بہت ہی قیمتی جائیداد تھی۔ چنانچہ بعد میں ہم نے اس سے پانچ لاکھ روپیہ کمایا۔ مگر اُس وقت میرے پاس روپیہ نہیں تھا۔ میں نے کہا میرے پاس اتنا روپیہ کہاں ہے۔ انہوں نے لکھا کہ بارہ ہزار روپیہ کسی نے میرے پاس امانت رکھا ہوا ہے وہ میں آپ کو دے سکتا ہوں۔ آپ بعد میں مجھے دے دیں صرف چھ ہزار روپیہ کا آپ کسی طرح انتظام کر لیں۔ چنانچہ ایک دوست نبی بخش صاحب کشمیری امرتسر کے تھے۔ میں نے حافظ غلام رسول صاحب وزیر آبادی کو اُن کے پاس بھیجا۔ انہوں نے انہیں تحریک کی کہ وہ مجھے کچھ روپیہ قرض کے طور پر دے دیں۔ چنانچہ دوسرے دن ایک لفافہ اُن کی طرف سے آیا جس میں تین ہزار روپیہ تھا اور ساتھ لکھا تھا کہ یہ تین ہزار روپیہ میرے پاس تھا۔ حافظ غلام رسول صاحب وزیر آبادی میرے پاس آئے تھے اور انہوں نے مجھے تحریک کی تھی جس پر میں یہ روپیہ آپ کو بھیج رہا ہوں۔ جب آپ کو توفیق ہو مجھے واپس کر دیں۔ اُسی دن ڈاکٹر فضل کریم صاحب کا افریقہ سے خط آیا کہ میں سترہ سو روپیہ آپ کو بھجوا رہا ہوں۔ وہ غالباً کسی جنگ پر گئے تھے اور اُن کی تنخواہ جمع تھی جو بعد میں انہیں ملی اور انہوں نے مجھے بھجوا دی۔ اِس طرح چار ہزار سات سو روپیہ ہو گیا اور بارہ ہزار روپیہ شیخ مختار احمد صاحب بیرسٹر نے دیا۔ اب صرف ایک ہزار تین سو کی کمی رہ گئی تھی وہ میں نے اپنی بیویوں کے زیورات بیچ کر پوری کر لی اور زمین خرید لی۔ اس زمین پر دارالرحمت کا محلّہ آباد ہوا۔

اِسی طرح جس زمین پر محلّہ دارالفضل آباد ہے یہ زمین بھی میں نے مرزا اکرم بیگ سے لی۔ انہوں نے اس زمین کا ایک ہندو سے ڈیڑھ لاکھ میں سودا کیا تھا۔ میں نے خیال کیا کہ اٹھارہ ہزار تو

کسی نہ کسی طرح جمع ہو گیا تھا۔ اب ڈیڑھ لاکھ کہاں سے آئے گا۔ اس کے لیے میں نے جماعت میں اعلان کر دیا کہ جو چاہے زمین خرید سکتا ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے جماعت کو اتنی ہمت دی کہ اس میں سے ایک لاکھ سے زائد کے گاہک بن گئے اور باقی روپیہ کا ہم نے خود انتظام کر لیا اور اس طرح وہ محلّہ بھی خرید لیا گیا۔

تو اللہ تعالیٰ جب دینے پر آتا ہے تو اِس طرح دیتا ہے۔ اِسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں

لُفَاظَاتُ الْمَوَائِدِ کَانَ اُکُلِیْ وَصِرْتُ الْیَوْمَ مِطْعَامَ الْاَھَالِیْ

دیکھو جب رمضان آتا ہے تو لوگ "لُفَاظَاتُ الْمَوَائِدِ" ہی کھاتے ہیں یعنی سارا دن بھوکے رہتے ہیں۔ صبح کے وقت جو روٹی انہیں مل جائے کھا لیتے ہیں لیکن جب عید آتی ہے تو وَصِرْتُ الْیَوْمَ مِطْعَامَ الْاَھَالِیْ والا نظارہ ہوتا ہے۔ اُس دن خدا تعالیٰ کھلانے پر آ جاتا ہے۔ رمضان کے دنوں میں تو کہتا ہے کہ خبردار! جس نے دن کے وقت کھانا کھایا میں اُسے سزا دوں گا اور عید کے دن کہتا ہے کہ جس نے نہ کھایا میں اُسے سزا دوں گا۔ گویا وہی صورت ہو جاتی ہے کہ

لُفَاظَاتُ الْمَوَائِدِ کَانَ اُکُلِیْ وَ صِرْتُ الْیَوْمَ مِطْعَامَ الْاَھَالِیْ

پہلے تو غریبوں کا سا کھانا دیا جاتا تھا اور عید کے دن امیروں کا سا کھانا میسر آ جاتا ہے۔ سحریاں بھی امیروں کی ہی ہوتی ہیں ورنہ غریبوں کا کیا ہے۔ انہیں تو جو معمولی چیز بھی مل جائے اُس سے روزہ رکھ لیتے ہیں۔ مجھے یاد ہے بچپن میں ایک عورت مجھے کھلایا کرتی تھی۔ وہ ایک دن مجھے ایک کمرہ میں کھلاتی جاتی تھی اور ساتھ ساتھ ایک باسی روٹی کا ٹکڑا جو اُس کے ہاتھ میں تھا وہ کھاتی جاتی تھی۔ مجھے یاد ہے کہ وہ باسی روٹی مجھے اُس وقت اِتنی بڑی نعمت معلوم ہوتی تھی کہ اگر آج دنیا کی ساری نعمتیں بھی مجھے مل جائیں تو مجھے اُن میں وہ مزہ نہ آئے جتنا اُس باسی روٹی کے ٹکڑے کی خوشبو میں آتا تھا۔ تو غریب کو تو باسی روٹی بھی مل جائے تو وہ سمجھتا ہے یہ اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے جو مجھے میسر آ گئی۔ اِسی طرح شام کو روزہ کھلتا ہے تو جو لوگ آسودہ حال ہوتے ہیں وہ تو افطاری کے لیے قسم قسم کی چیزیں بناتے ہیں لیکن غریب لوگ پانی کے ایک گھونٹ سے ہی روزہ کھول لیتے ہیں۔ آخر یہی چیز خدا تعالیٰ کے سامنے پیش ہوتی ہے۔ خدا تعالیٰ تو کھانے والا نہیں، کھاتے تو ہم ہیں مگر ہمارے کھانے کو خدا تعالیٰ

اپنا کھانا قرار دے دیتا ہے۔ جیسے کہ بائیبل میں بھی آتا ہے اور حدیثوں میں بھی کہ قیامت کے دن جب لوگ خداتعالیٰ کے سامنے پیش ہوں گے تو وہ کہے گا میں بیمار تھا تم نے میری عیادت کیوں نہیں کی؟ میں ننگا تھا تم نے مجھے کپڑا کیوں نہیں پہنایا؟ میں بھوکا تھا تم نے مجھے کھانا کیوں نہیں کھلایا؟ لوگ کہیں گے اے ہمارے ربّ! تُو بڑی شان والا ہے تُو کب بھوکا تھا جو ہم نے تجھے کھانا نہیں کھلایا؟ تو کب ننگا تھا کہ ہم نے تجھے کپڑا نہیں پہنایا؟ تُو کب بیمار تھا کہ ہم تیری عیادت کو نہیں آئے؟ تو خداتعالیٰ جواب دے گا کہ جب میرا غریب سے غریب بندہ تمہارے پاس آیا اور وہ بھوکا تھا اور اُسے تم نے کھانا نہیں کھلایا تو تم نے مجھے کھانا نہیں کھلایا۔ اور جب میرا غریب سے غریب بندہ تمہارے پاس آیا اور وہ ننگا تھا اور تم نے اسے کپڑا نہیں پہنایا تو تم سمجھو کہ میں ہی ننگا تھا جسے تم نے کپڑا نہیں پہنایا۔ اور جب میرا غریب سے غریب بندہ بیمار ہوا اور تم نے اس کی عیادت نہیں کی تو تم نے میری عیادت نہیں کی۔8 گویا خداتعالیٰ بندہ کا قائم مقام بن جاتا ہے۔

یہی چیز رمضان میں ہوتی ہے۔ اس میں جو کچھ کھایا جاتا ہے چاہے غریب کھائے یا امیر کھائے وہ ایک رنگ میں خداتعالیٰ ہی کھاتا ہے کیونکہ بندہ خداتعالیٰ کے حکم سے ہی کھاتا ہے۔ پس ہمارا کھانا بھی خداتعالیٰ کا ہی کھانا ہوتا ہے۔ چاہے وہ معمولی کھانا ہو یا اچھا۔ پھر عید کے دن بھی جو ہم کھاتے ہیں وہ بھی خداتعالیٰ ہی کا کھانا ہوتا ہے کیونکہ عید بھی ہم اس کے حکم سے مناتے ہیں۔ خدا نے ہی حکم دیا ہے اور ہم عید منانے لگ گئے ہیں۔ پس اگر ہمیں عید کے دن کھانا ملتا ہے تو درحقیقت وہ بھی خداتعالیٰ ہی کے گھر سے آتا ہے خداتعالیٰ کھاتا نہیں مگر ہم کھاتے ہیں۔ اِسی طرح اگر ہم روزہ میں فاقہ کرتے ہیں تو وہ ایسا ہی ہوتا ہے کہ گویا خداتعالیٰ نے فاقہ کر لیا کیونکہ رمضان اور عید میں ہم خداتعالیٰ کے قائم مقام بن جاتے ہیں۔ ہمارا بھوکا رہنا خداتعالیٰ کا بھوکا رہنا ہوتا ہے اور عید کے دن ہمارا کھانا خداتعالیٰ کا کھانا ہوتا ہے۔ گویا ان دنوں میں اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اپنا جُبّہ ہمیں پہنا دیتا ہے۔ جب خداتعالیٰ کا کوئی بندہ روزہ رکھتا ہے تو خداتعالیٰ کہتا ہے کہ یہ میں ہی ہوں جو روزہ رکھ رہا ہوں کیونکہ میرے بندے نے جو کچھ کیا ہے میرے حکم سے کیا ہے۔ پھر ہم عید کے دن کھاتے ہیں تو خداتعالیٰ کہتا ہے کہ میرا بندہ نہیں کھا رہا بلکہ میں کھا رہا ہوں کیونکہ وہ کھا رہا ہے تو میرے حکم سے کھا رہا ہے اور اُس کے پیٹ میں نہیں جا رہا بلکہ میرے پیٹ میں جا رہا ہے۔ اِس طرح ہمارے جتنے بھی اعمال ہیں وہ نیکی

بن جاتے ہیں اور وَّ الَّذِیْنَ ھُمْ مُّحْسِنُوْنَ کے ماتحت آ جاتے ہیں۔ بندہ کوئی بھی حرکت کرے وہ اُس کے نام نیکی بن کر لکھی جاتی ہے۔ یہی خدا تعالیٰ کی سنت ہے۔ اگر خدا تعالیٰ کی یہ سنت نہ ہوتی اور انسان اپنے اعمال کی وجہ سے بخشا جاتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کیوں فرماتے کہ اے عائشہ! میں بھی اپنے اعمال سے نہیں بخشا جاؤں گا بلکہ خدا تعالیٰ کے فضل سے بخشا جاؤں گا9 اور جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی خدا تعالیٰ کے فضل سے ہی بخشے جائیں گے تو ہم کون ہیں جو کہہ سکیں کہ ہم اپنے اعمال سے بخشے جائیں گے۔ ہم یقیناً محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ اس کے فضل کے محتاج ہیں۔ ہم پر تو اَور بھی خدا تعالیٰ کا فضل ہوگا تو ہم بخشے جائیں گے ورنہ ہمارے بخشے جانے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ صرف یہی خیال ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں بیان کردہ اپنی صفات کو سامنے لا کر ہمیں بخش دے تو یہ اُس کا احسان ہوگا۔ اور اگر نہ بخشے تو ہمیں اُس پر کوئی اعتراض نہیں وہ ہمیں جو بھی سزا دے وہ اس میں حق پر ہے۔ اور ہمیں جو بھی سزا ملے ہم اس کے مستحق ہیں۔ اور وہ جو احسان ہم پر کرے وہ بہرحال اُس کا احسان ہے ہمارے کسی عمل کا نتیجہ نہیں"۔

(الفضل 12 /اپریل 1958ء)

1: النحل: 129

2: بخاری کتاب التفسیر۔ تفسیر سورۃ الفتح۔ باب قولہٖ اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِيْنًا

3: بخاری کتاب الرقاق باب القصد والمداومة علی العمل

4: ترمذی ابواب المناقب باب مناقب ابی بکر الصدیق

5: بخاری کتاب الایمان باب سؤَالُ جِبْرِيْلَ النَّبِيَّ ﷺ عَنِ الْاِيْمَان

6: آئینہ کمالاتِ اسلام۔ روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 596

7: تذکرہ صفحہ 781 طبع چہارم

8: مسلم کتاب البر وَالصِّلَة باب فَضْلُ عِيَادَةِ الْمريض

9: بخاری کتاب الرِّقَاقِ بابُ الْقَصْدِ وَ الْمُدَاوَمَةِ عَلَى الْعَمَلِ

(10)

اگر تم صحیح معنوں میں ذکرِ الٰہی کرو گے تو یقیناً اس کے نتیجہ میں کفر کو شکست ہوگی اور اسلام کو غلبہ حاصل ہوتا چلا جائے گا

(فرمودہ 11 اپریل 1958ء بمقام ربوہ)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل آیت قرآنیہ کی تلاوت فرمائی: "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ"۔1

اس کے بعد فرمایا:

"رمضان کے دن خاص طور پر ذکرِ الٰہی کے دن ہوتے ہیں لیکن دنیا میں عام طور پر جب ذکرِ الٰہی کرنے والا ذکر کرتا ہے تو اُسے پتا نہیں لگتا کہ میرا ذکر صحیح تھا یا نہیں۔ بلکہ بعض اوقات تو انسان یہ بھی نہیں سمجھتا کہ میں غلطی کر رہا ہوں۔ وہ سمجھ رہا ہوتا ہے کہ میں نماز پڑھ رہا ہوں حالانکہ وہ نماز نہیں پڑھ رہا ہوتا۔ وہ سمجھ رہا ہوتا ہے کہ میں بڑا ذکر کر رہا ہوں حالانکہ وہ ذکر نہیں کر رہا ہوتا۔ اِس آیت میں

اللہ تعالیٰ نے ایک گُر بتایا ہے جس سے پتا لگ سکتا ہے کہ انسان سچا ذکر کر رہا ہے یا نہیں۔ فرماتا ہے سچے ذکر کی علامت یہ ہے کہ لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ تم جب بھی ذکرِ کثیر کرو گے اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم اپنے مقاصد میں کامیاب ہو جاؤ گے۔ دشمن کے مقابلہ میں تمہیں فتح ہوگی اور اُس کو ذلت اور شکست نصیب ہوگی کیونکہ اس سے پہلے اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً میں دشمن کا ہی ذکر کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ جب دشمن کے مقابلہ میں تم کھڑے ہو تو استقلال کے ساتھ اُس کا مقابلہ کرو۔

اِس وقت ہمارا سب سے بڑا دشمن عیسائیت ہے جس کے ساتھ دہریت بھی مل گئی ہے اور احمدی جماعت کے سوا کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر رہا۔ آجکل تلوار کی لڑائی نہیں بلکہ آجکل مذہب میں دجالیّت اور وسوسہ اندازی کی جاتی ہے اور تبلیغی ہتھیاروں سے ہمیں اس کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ پس فرماتا ہے اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً اے مومنو! جب تم کسی جماعت کے مقابلہ میں آ جاؤ جیسا کہ ہم اِس وقت ایک جماعت کے مقابلہ میں آئے ہوئے ہیں یعنی عیسائیت اور دہریت کے مقابلہ میں۔ تو فَاثْبُتُوْا تم ثابت قدم رہو۔ یہ نہ ہو کہ کچھ مدت کام کرنے کے بعد تمہارے اندر کمزوری پیدا ہو جائے۔ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ اور اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرو تاکہ تمہیں کامیابی حاصل ہو۔

پھر فرماتا ہے وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْهَبَ رِيْحُكُمْ 2 تم تنازعہ مت کرو ورنہ تمہاری طاقت کمزور ہو جائے گی۔ دنیا میں بعض لوگ تنازعہ تو کرتے ہیں مگر کہتے ہیں کہ ہم تنازعہ نہیں کرتے بلکہ ہم اپنا حق لے رہے ہیں۔ جیسے قرآن کریم میں آتا ہے کہ جب منافقوں کو یہ کہا جائے کہ تم مومنوں کی طرح ایمان کیوں نہیں لاتے؟ تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ کیا ہم بھی سفہاء بن جائیں؟ یہ تو سفہاء ہیں جو ایمان لے آئے ہیں۔ 3

اِسی طرح بعض دفعہ جب تنازعہ کرنے والے کو کہا جاتا ہے کہ تم تنازعہ نہ کرو تو کہتا ہے میں تو اپنا حق مانگتا ہوں، میں تنازعہ تو نہیں کرتا۔ فرماتا ہے کہ ہم تمہیں ایک ایسا ثبوت دیتے ہیں جس سے تمہیں پتا لگ جائے گا کہ کوئی حق مانگ رہا ہے یا نہیں۔ فرماتا ہے تنازعہ کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دشمن کے مقابلہ میں کمزوری پیدا ہو جاتی ہے اور قوم کا رعب جاتا رہتا ہے۔ پس اگر تمہارے اختلاف کے نتیجہ میں تمہارے اندر بزدلی پیدا ہوا اور تم دشمن کے مقابلہ میں کوتاہی کرنے لگ جاؤ تو سمجھ لو کہ تم اپنا حق نہیں

مانگ رہے بلکہ تنازعہ کر رہے ہو۔

دیکھو! جب خلافت کے متعلق جھگڑا پیدا ہوا تو مولوی محمد علی صاحب نے یہی کہا کہ ہم تو اپنا حق پیش کرتے ہیں مگر پھر خود ہی انہوں نے لکھا کہ اگر خلافت کا سوال میاں صاحب نہ اُٹھاتے تو ہم ساری دنیا پر غالب آ جاتے۔ گویا انہوں نے تسلیم کر لیا کہ اس کے نتیجہ میں اُن کی طاقت کمزور ہوگئی اور یہی تنازعہ کا نتیجہ ہوتا ہے۔ فرماتا ہے فَتَفۡشَلُوۡا وَ تَذۡهَبَ رِيۡحُكُمۡ تنازعہ کے نتیجہ میں بزدلی پیدا ہو جاتی ہے اور دنیا میں جو رُعب حاصل ہوتا ہے وہ جاتا رہتا ہے۔ پس اگر تمہارے اختلاف کے نتیجہ میں رُعب بڑھ جائے تو پھر تو سمجھ لو کہ تم نے کوئی اختلاف نہیں کیا۔ لیکن اگر رُعب کم ہو جائے تو سمجھ لو کہ تم نے اختلاف کیا تھا۔ اور یہ جو تم کہہ رہے ہو کہ ہم اختلاف نہیں کر رہے بلکہ حق مانگ رہے ہیں جھوٹ ہے۔ دیکھو! سچے مومن کی علامت یہی ہوتی ہے کہ وہ دشمن کے مقابلہ میں اپنے اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر پوری قوت کے ساتھ اُس کے مقابلہ کے لیے کھڑا ہو جاتا ہے۔

جب حضرت معاویہؓ حضرت علیؓ کے خلاف لڑ رہے تھے تو انہیں پتا لگا کہ روم کا بادشاہ حملہ کر کے عرب میں داخل ہونا چاہتا ہے۔ چونکہ مسلمانوں نے اُس کے لشکر کو جنگ میں شکست دی تھی اس لیے اُس نے ان کی باہمی خانہ جنگی کو دیکھتے ہوئے چاہا کہ اس موقع سے فائدہ اُٹھائے۔ تاریخوں میں آتا ہے کہ جب اُس نے اپنے اِس ارادہ کا اظہار کیا تو اُس کے دربار کا ایک پادری کھڑا ہو گیا اور اُس نے کہا حضور! اِن مسلمانوں کے اختلاف کی طرف نہ جائیے۔ یہ آپ کے حملہ کی خبر سن کر اکٹھے ہو جائیں گے۔ پھر کہنے لگا اچھا! میں آپ کو ایک مثال دیتا ہوں۔ کچھ کُتے منگوایئے اور انہیں چند دن بھوکا رکھ کر اُن کے آگے گوشت ڈالیے۔ بادشاہ نے ایسا ہی کیا۔ جب ان کے آگے گوشت ڈالا گیا تو وہ آپس میں لڑنے لگ گئے۔ اِس پر پادری نے کہا اب ایک شیر ان پر چھوڑ دیجیے۔ جب شیر آیا تو وہ کُتے اپنی لڑائی چھوڑ کر اُس پر جھپٹ پڑے اور اُسے بھگا دیا۔ وہ پادری چونکہ اسلام کا دشمن تھا اس لیے اُس نے مسلمانوں کو کُتوں سے تشبیہہ دی مگر بہرحال اُس نے کہا کہ آپ ان کے اختلاف کی طرف نہ جائیں۔ بیشک یہ آپس میں لڑ رہے ہیں لیکن جب ان پر کوئی باہر سے حملہ آور ہوا تو وہ سب متحد ہو جائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب حضرت معاویہؓ کو اس بات کا علم ہوا تو انہوں نے اُسے کہلا بھیجا کہ گو میں حضرت علیؓ سے لڑ رہا ہوں لیکن اگر تم حملہ آور ہوئے تو سب سے پہلا جرنیل جو علیؓ کی طرف

سے تلوار لے کر تمہارے مقابلہ میں نکلے گا وہ میں ہوں گا۔4 نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ڈر گیا اور اس نے حملہ کا ارادہ ترک کر دیا۔

تو نزاع اور اختلاف کی یہی علامت ہوا کرتی ہے کہ اس کے نتیجہ میں قوم میں کمزوری پیدا ہو جاتی ہے اور اُس کا رُعب جاتا رہتا ہے۔ لیکن اگر نزاع حقیقی نہ ہو بلکہ واقع میں کوئی انسان اپنا حق لینے کے لیے جھگڑ رہا ہو تو اس کے نتیجہ میں بزدلی پیدا نہیں ہوتی اور نہ قوم کا رُعب دنیا سے مٹتا ہے بلکہ ایسا انسان اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ جس کی طرف لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ کے الفاظ اشارہ کر رہے ہیں۔ ایسے شخص کو یہ کبھی نہیں کہنا پڑتا کہ اگر یہ خلیفہ ہمارا مقابلہ نہ کرتا تو ہم ساری دنیا پر غالب آ جاتے۔ گویا دوسرے الفاظ میں مولوی محمد علی صاحب نے اپنے متعلق اقرار کر لیا کہ وہ غالب نہیں آئے۔ اس کے مقابلہ میں خدا تعالیٰ کے فضل سے ہم کمزور ہونے کے باوجود کامیاب ہو رہے ہیں اور دنیا کے گوشہ گوشہ میں ہمارے ذریعہ سے اسلام کا نام پھیل رہا ہے۔

پس یہ رمضان کے دن ذکرِ الٰہی کے دن ہیں۔ اِن دنوں سے فائدہ اُٹھاؤ اور سمجھ لو کہ اگر ذکرِ الٰہی کے نتیجہ میں تمہیں یہ دکھائی دے کہ اسلام کو غلبہ حاصل ہو رہا ہے تو تمہارا ذکر صحیح تھا کیونکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر تم ذکرِ کثیر کرو گے تو تم ضرور کامیاب ہو گے۔ لیکن اگر تمہاری کوشش اور ذکرِ الٰہی کے باوجود اور تمہارے روزوں کے باوجود جن کے متعلق خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان کے نتیجہ میں خدا تعالیٰ قریب آ جاتا ہے۔5 یہ نتیجہ نکلے کہ تمہیں کامیابی حاصل نہ ہو اور دشمن بڑھتا چلا جائے تو اس کے معنے یہ ہوں گے کہ تمہارے روزے بھی جھوٹے تھے، تمہارا ذکر بھی جھوٹا تھا اور تمہارا اتحاد بھی جھوٹا تھا۔ ورنہ اگر تقوٰی کے ساتھ روزہ رکھا جائے اور صحیح طور پر ذکرِ الٰہی کیا جائے اور کوشش یہ کی جائے کہ ہمارے اندر لڑائی جھگڑا نہ ہو تو یقیناً اس کے نتیجہ میں بہادری اور جرأت پیدا ہوتی ہے اور ایک ایک ہزار دشمن کے مقابلہ میں ایک ایک مسلمان نکل کھڑا ہوتا ہے۔ دیکھ لو مسلمانوں کے مختلف ادوار میں ایسے ایسے نوجوان اسلام کی خدمت کے لیے نکلے ہیں جن کو آجکل ہم کھیل کُود کے زمانہ والے کہتے ہیں لیکن انہوں نے بڑی بڑی کامیابیاں حاصل کیں۔

جب محمد بن قاسم نے سندھ پر حملہ کیا تو اُس کی عمر صرف اٹھارہ سال کی تھی اور پھر وہ اپنے ساتھ جو لشکر لایا وہ جلدی میں بھرتی کیا ہوا تھا کیونکہ اُس وقت مسلمان سپین اور سسلی وغیرہ میں بھی

لڑ رہے تھے اور خزانہ بالکل خالی تھا۔ سب سے پہلے اُس کی اپنی ماں اور بیوی نے اپنے زیور بیچ کر سواریاں مہیا کیں اور پھر بادشاہ نے اپنے کچھ زیورات بیچ دیئے۔ ولید بن عبدالملک ایک بہت نیک بادشاہ تھا۔ اُس نے بڑی قربانی کی اور محمد بن قاسم کو سندھ کی طرف بھجوا دیا اور اُس نے دو ماہ کے اندر اندر ملتان تک کا سارا علاقہ فتح کر لیا۔ لیکن اس کے بعد جیسا کہ پہلے زمانہ میں ایک یزید پیدا ہوا تھا مسلمانوں کی بدقسمتی سے سلیمان بن عبدالملک ایک خبیث بادشاہ تخت نشین ہوا اور اُس نے اپنی ایک ذاتی عداوت کی بناء پر محمد بن قاسم کو میدانِ جنگ سے بُلا لیا۔ جب اس نے محمد بن قاسم کو واپس بلایا تو وہ نَومسلم جو محمد بن قاسم کی وجہ سے اسلام لائے تھے اکٹھے ہوگئے اور انہوں نے کہا وہ تمہارا خلیفہ ہوگا ہمارا نہیں۔ ہمارا تو بادشاہ ہے اور ہم لاکھوں آدمی لے کر اُس پر حملہ کرنے کے لیے تیار ہیں۔ اس لیے جب تک وہاں سے یہ اطلاع نہ آ جائے کہ بادشاہ کے ارادے بد نہیں ہیں آپ وہاں نہ جائیں۔ لیکن محمد بن قاسم جو ایک جوشیلا نوجوان تھا اُس نے کہا اے میرے دوستو! تم مجھے میرے ایمان سے نہ ورغلاؤ۔ ہمارا ایمان یہ ہے کہ خلیفہ کی اطاعت کی جائے اور تم کہتے ہو کہ وہاں نہ جاؤ بلکہ یہ بھی کہتے ہو کہ ہم لشکر لے کر اُس پر حملہ کر دیں گے۔ تمہارے لشکر چاہے مصر تک بھی فتح کر کے تیونس میں داخل ہو جائیں میں خدا تعالیٰ کے سامنے کیا جواب دوں گا؟ تمہارے لشکر مجھے دنیا کا بادشاہ بنا سکتے ہیں مگر خدا تعالیٰ کے سامنے میری کوئی مدد نہیں کر سکتے۔ جس کو ہم نے خلیفہ تسلیم کر لیا اور بادشاہ مان لیا وہ لاکھ نالائق سہی مگر ہم نے تو اُسے مان لیا ہے۔ اُس کی لیاقت یا نالائقی اُس کی ذاتی چیز ہے۔ بہرحال جب وہ تسلیم شدہ قانون کے ماتحت ہمارا حاکم بن گیا تو میں اگر اسے چھوڑوں گا تو تم قیامت کے دن مجھے نہیں بچا سکتے۔ تمہارے پاس بیشک سات آٹھ لاکھ کا لشکر ہے اور کیا مرد اور کیا عورتیں اور کیا بچے سارے کے سارے اِسی بات پر تُلے ہوئے ہیں کہ ہم شام پر جا کر حملہ کریں گے اور بادشاہ کو سزا دیں گے جس نے تمہارے جیسے آدمی کو جس نے ہم تک اسلام پہنچایا اور اسلام کو سندھ میں لا کر داخل کیا عین فتح کے وقت واپس بلا لیا لیکن میں اُس کا حکم ماننے سے انکار نہیں کر سکتا۔ جب وہ واپس چلا تو اُس وقت سندھیوں کی زبان سے یہ الفاظ نکلے جو اپنے اندر ایک پیشگوئی کا رنگ رکھتے تھے کہ جس وقت سندھ میں اسلام کا سورج طلوع ہونے لگا تھا اُسی وقت اُس کے غروب ہونے کا وقت آ گیا۔ چنانچہ جب محمد بن قاسم وہاں پہنچا تو سلیمان بن عبدالملک نے اپنے ایک درباری کو حکم دیا کہ وہ محمد بن قاسم کو

قتل کر دے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز ایک بڑے نیک آدمی تھے۔ انہوں نے سلیمان بن عبدالملک کو پوچھا کیا تم نے واقعی حکم دے دیا ہے کہ محمد بن قاسم کو مار دو؟ اُس نے کہا ہاں! میں یہ حکم بھیج چکا ہوں۔ انہوں نے کہا اِس حکم کو منسوخ کر دو اور دوبارہ حکم بھیجو کہ اس کو نہ مارا جائے۔ اُس نے کہا میں لکھ تو دیتا ہوں مگر یہ پیغام وہاں پہنچے گا کیسے؟ اُن کا ایک دوست تھا اُس نے کہا جس طرح ہوگا میں یہ پیغام وہاں پہنچاؤں گا۔ میں سندھ سے بھاگا ہوا آیا ہوں اور یہاں پہنچا ہوں اور یہاں پہنچنے سے پہلے مدینہ گیا تھا۔ وہاں سے دمشق آیا ہوں۔ رستہ میں مَیں نے کہیں آرام نہیں کیا۔ سوائے اِس کے کہ کہیں سواری پر ہی بیٹھے بیٹھے میں سو گیا ہوں اور بے حد تھکا ہوا ہوں لیکن میں پھر بھی جاؤں گا اور جا کر یہ حکم اُس درباری کو پہنچاؤں گا۔ لیکن جب وہ وہاں پہنچا تو اُس نے دیکھا کہ ایک جنازہ پڑا ہوا ہے۔ جب اُس نے دریافت کیا کہ یہ کس کا جنازہ ہے؟ تو وہی فقرہ جو اللہ تعالیٰ نے پیشگوئی کے طور پر سندھیوں کے منہ سے نکلوایا تھا کہ اسلام کا سورج سندھ میں طلوع ہوتے ہی غروب ہو گیا وہی اُن لوگوں کی زبان سے نکلا جو جنازہ کے پاس اکٹھے تھے اور انہوں نے کہا کہ اسلامی فتوحات کا سورج عین ظہر کے وقت غروب ہو گیا۔ یہ محمد بن قاسم کی لاش پڑی ہے۔ غرض اللہ تعالیٰ مسلمانوں میں ہر زمانہ میں ایسے آدمی پیدا کرتا رہا ہے جنہوں نے اسلام کے لیے کسی قسم کی قربانی سے بھی دریغ نہیں کیا اور آئندہ بھی امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اِس سلسلہ کو جاری رکھے گا۔

جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام فوت ہوئے تو ایک شخص نے جو بہت مخلص احمدی تھے اُس وقت یہ شبہ ظاہر کیا کہ ابھی تو بہت سی پیشگوئیاں پوری نہیں ہوئیں اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام وفات پا گئے ہیں۔ جب مجھے اِس بات کا علم ہوا تو میں نے آپ کے سرہانے کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کو مخاطب کر کے کہا کہ یا اللہ! اگر ساری دنیا بھی انہیں چھوڑ دے تو میں انہیں نہیں چھوڑوں گا اور میں اُس وقت تک دم نہیں لوں گا جب تک کہ ساری دنیا کو احمدیت میں داخل نہ کر لوں۔ یہ الفاظ اگرچہ اُس وقت محمد بن قاسم کی عمر کے ایک بچہ نے کہے تھے (میری عمر اُس وقت اٹھارہ اُنیس سال کی تھی) لیکن پھر بھی خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے مجھے اس عہد کو عملاً پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ اُس وقت سے اِس وقت تک ہزاروں نہیں لاکھوں آدمی میرے ذریعہ سے احمدیت میں مضبوط ہوئے اور پھر خدا تعالیٰ کے فضل سے ہماری جماعت روز بروز بڑھتی چلی گئی اور اب تو کئی غیر ممالک میں بھی ہماری جماعتیں قائم

ہو چکی ہیں۔ ضرورت اِس بات کی ہے کہ یہ سلسلہ جاری رہے اور اسلام کی روشنی ساری دنیا میں پہنچتی رہے۔ فرداً فرداً تو ایسی قربانی کرنے والے لوگ ہماری جماعت میں اب بھی پائے جاتے ہیں۔

چنانچہ یہاں ایک مخلص عورت رہتی تھی وہ بیچاری بیمار ہوگئی تو باہر اپنے رشتہ داروں کے پاس چلی گئی اور وہاں جا کر فوت ہوگئی۔ اُس کے غیر احمدی رشتہ داروں نے اُسے وہیں غیر احمدیوں کے قبرستان میں دفن کر دیا۔ لیکن ایک احمدی کو پتا لگا تو سارے گاؤں کی مخالفت کے باوجود اُس نے قبر کھدوائی اور اُس کی لاش اپنے خرچ پر یہاں پہنچا دی۔ یہ بھی ایسی ہی جرأت کا کام تھا جیسے محمد بن قاسم نے کیا۔ اُس نے یہ پسند نہ کیا کہ ایک احمدی عورت جو ربوہ میں دفن ہونا چاہتی تھی وہ کسی اَور جگہ دفن ہو۔

اِسی طرح پچھلے سال افریقہ سے ایک دوست کی لاش آئی تھی وہ پرانے احمدی تھے جو وہاں فوت ہوگئے غیر احمدیوں نے انہیں اپنے مقبرہ میں دفن نہ ہونے دیا۔ مخالفت بہت تھی۔ آخر گورنمنٹ نے کچھ زمین دی اور وہاں انہیں دفن کروایا۔ مگر اُن کی بیوی نے کہا کہ میں انہیں یہاں دفن نہیں رہنے دوں گی بلکہ ربوہ پہنچاؤں گی۔ چنانچہ وہ اپنے خاوند کی لاش وہاں سے ربوہ لے آئی اور یہاں دفن کیا۔ اِس سے پتا لگتا ہے کہ ہمارے اندر بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایسے جوشیلے لوگ موجود ہیں جو نہ روپیہ کی پروا کرتے ہیں، نہ سفر کی پروا کرتے ہیں، نہ جان کی پروا کرتے ہیں، نہ عزت کی پروا کرتے ہیں، نہ آبرو کی پروا کرتے ہیں بلکہ ہر طرح دین کی خدمت کرنے اور اس کا جھنڈا اونچا رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ لوگ جب تک رہیں گے اور خدا کرے کہ قیامت تک رہیں احمدیت کا سر اونچا رکھیں گے۔ اور ان کے ہوتے ہوئے کوئی شخص احمدیت کی طرف بُری نگاہ سے نہیں دیکھ سکے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہ زمانہ آ جائے گا جب دنیا میں چاروں طرف احمدیت ہی احمدیت ہوگی۔ بیشک وہ زمانہ بظاہر دور نظر آتا ہے لیکن کئی کام ہوتے ہیں جو انسان کی نظر میں تو عجیب ہوتے ہیں مگر خدا تعالیٰ کی نظر میں عجیب نہیں ہوتے۔ خدا تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ دنیا خواہ کتنی مخالفت کرے اور خواہ کتنی روکیں پیدا کرے۔ وہ ہر روک کے مقابلہ میں کسی بظاہر بچہ نظر آنے والے وجود کو کھڑا کر دے گا اور خدا تعالیٰ کے فرشتے آسمان سے اُتر کر اس کی مدد کریں گے اور وہ غالب آ جائے گا۔ اس کی نالائقی اور اس کی جہالت اور اس کی ناتجربہ کاری اور اس کا بچہ ہونا سب غائب ہو جائے گا اور اس کا ایمان اور اس کی غیرت غالب آ جائیں گے۔ نہ اس کی ناتجربہ کاری روک بنے گی نہ اس کا جاہل ہونا روک بنے گا اور نہ

اس کا بچہ ہونا روک بنے گا بلکہ اُس کا ایمان اور اس کی غیرت اِن سب چیزوں کو خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے جائے گی اور فتح کا جھنڈا اُس کے ہاتھ میں دے دے گی۔ پس اپنے ایمانوں کو بڑھاؤ۔ اپنے تفرقے دور کرو اور ذکرِ الٰہی کی کثرت کرو۔

ذکرِ الٰہی کی کثرت کا ایک طریق قرآن کریم کا پڑھنا بھی ہے۔ مجھے یاد ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی میں ایک دفعہ ایک دوست حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مجلس سے آئے۔ مجھے شبہ پڑتا ہے کہ وہ مولوی فضل دین صاحب تھے یا ممکن ہے کوئی اَور دوست ہوں۔ اور کہنے لگے حضرت صاحب نے فرمایا ہے کہ میں نے کوئی اڑھائی ہزار دفعہ قرآن کریم پڑھا ہے یہ کس طرح ہوسکتا ہے؟ میں نے کہا ہو تو سکتا ہے۔ جس کے دل میں عشق ہو وہ اِتنی دفعہ قرآن کریم پڑھ سکتا ہے۔ کہنے لگے مجھے تو سمجھ نہیں آتا۔ میں نے کہا مجھے تو یہ عجیب معلوم نہیں ہوتا۔ اگر انسان کے اندر باقاعدگی پائی جاتی ہو اور اُسے چالیس پچاس سال کی زندگی مل جائے تو وہ ہزاروں دفعہ قرآن کریم پڑھ سکتا ہے۔ غالباً حضرت صاحب نے احتیاطاً ایسا کہہ دیا ہوگا تا کہ جھوٹ نہ بن جائے ورنہ اگر ایک شخص کو بیس سال بھی کام کرنے کا موقع ملے تو بیس سال کے معنے یہ ہیں کہ تہتّر سو دن ہوئے۔ اور ایک دن میں انسان دس پندرہ بلکہ بیس سیپارے بھی اگر پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے۔ اور اگر کوئی شخص پندرہ سیپارے روزانہ پڑھے تو وہ بیس سال میں تین ہزار چھ سو پچاس دفعہ قرآن کریم پڑھ سکتا ہے اور حضرت صاحب نے تو اڑھائی ہزار دفعہ کہا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے بڑی احتیاط سے کام لیا ہے ورنہ حضرت صاحب نے تو اِس سے بھی زیادہ پڑھا ہوگا یا ممکن ہے حضرت صاحب نے پڑھنے سے مراد غور سے پڑھنا لیا ہو۔

قرآن کریم کے ذکر میں مجھے یاد آیا کہ "تفسیر صغیر" ہم نے بڑی محنت سے لکھی تھی لیکن کئی باتیں اُس میں پھر بھی رہ گئی ہیں۔ مثلاً ایک بات تو یہ ہے کہ ضمیمہ میں جتنے نوٹ ہیں وہ سب سورۃ حج کے بعد کے ہیں حالانکہ پہلے بھی اور کئی نوٹوں کی ضرورت تھی۔ میں نے تلاوت کے وقت کئی آیات نکلوا کر دیکھی ہیں جن پر کوئی نوٹ نہیں آیا۔ مثلاً سورۃ کہف میں آتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے معراج میں خدا تعالیٰ کے ایک برگزیدہ بندہ کے ساتھ جب ایک گاؤں میں گئے تو انہوں نے کھانا مانگا مگر لوگوں نے انہیں اپنا مہمان بنانے سے انکار کر دیا۔ پھر انہوں نے اُس بستی میں ایک ایسی دیوار پائی

جو گرنے کو تھی۔ اِس پر اُس برگزیدہ بندے نے اُسے درست کر دیا۔ اِس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے قرآن کریم میں یہ الفاظ آتے ہیں کہ فَوَجَدَا فِيهَا جِدَارًا يُّرِيدُ اَنْ يَّنْقَضَّ 6 اِس آیت کا لفظی ترجمہ تو یہ ہے کہ ان دونوں نے اس بستی میں ایک ایسی دیوار پائی جو گرنے کا ارادہ کر رہی تھی لیکن ہم نے یہ ترجمہ کیا ہے کہ انہوں نے اُس بستی میں ایک ایسی دیوار پائی جو گرنے کو تھی کیونکہ عربی زبان میں اَرَادَ کا لفظ صرف دماغی ارادہ کے لیے استعمال نہیں ہوتا بلکہ ایسی چیز کے لیے بھی اس لفظ کا استعمال کر لیا جاتا ہے جس پر قریب زمانہ میں وہ حالت آنے والی ہو۔ لیکن سوال تو یہ ہے کہ دوسرا شخص ہمارے اِس ترجمہ کو کب تسلیم کر سکتا ہے۔ اس کے لیے تو ضرورت تھی کہ جہاں جہاں پہلی کتابوں سے حوالے مل سکتے وہاں وہ حوالے دے دیئے جاتے اور اس کے متعلق ایک اعلیٰ درجہ کا حوالہ موجود تھا۔ چنانچہ ابو منصور ثعلبی جو لغت کے مشہور امام ہیں انہوں نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام فقہ اللّغہ ہے۔ اس میں عربی زبان کی باریکیاں بیان کی گئی ہیں۔ اس کتاب میں مصنف نے خاص طور پر يُّرِيدُ اَنْ يَّنْقَضَّ پر بحث کی ہے اور لکھا ہے کہ ایک دفعہ ہم کچھ لوگ خاندانِ عباسیہ کے ایک وزیر ابو العباس احمد بن حسین کے دربار میں بیٹھے اُس کی آمد کا انتظار کر رہے تھے کہ ابو خراس نے جو ایک مشہور ادیب تھا اور دل سے اسلام کا منکر تھا اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ کیا کسی عرب نے کسی عقل نہ رکھنے والی چیز کے بارہ میں بھی کبھی کہا ہے کہ اُس نے ارادہ کیا؟ میں نے کہا عرب بعض دفعہ ایک غیر ذی روح چیز کے متعلق کہہ دیتے ہیں کہ اس نے یوں کہا جیسے مثال مشہور ہے کہ

اِمْتَلَأَ الْحَوْضُ فَقَالَ قَطْنِىْ 7

یعنی حوض بھر گیا اور اُس نے کہا بس بس۔ حالانکہ حوض بولتا نہیں۔ اُس نے کہا میں قول کا ذکر نہیں کرتا۔ تم یہ بتاؤ کہ کیا عقل نہ رکھنے والی اشیاء کی نسبت بھی کبھی ارادہ کا لفظ استعمال ہوتا ہے؟ اُس کی غرض یہ تھی کہ آیت يُّرِيدُ اَنْ يَّنْقَضَّ پر اعتراض کرے کہ کیا کبھی دیوار بھی گرنے کا ارادہ کیا کرتی ہے؟ اُس وقت اللہ تعالیٰ نے میری مدد کی اور عرب کے شاعر الراعی کا یہ شعر میرے ذہن میں آ گیا جو میں نے اُس کے سامنے پڑھا

فِىْ مَهْمَهٍ فُلِقَتْ بِهٖ هَامَاتُهَا فَلْقَ الْفُؤُوْسِ إِذَا اَرَدْنَ نُصُوْلَا 8

یعنی ایک جنگل میں اُس قوم کی کھوپڑیاں اِس طرح توڑی گئیں جس طرح کلہاڑا جب چلنے کا

ارادہ کرتا ہے تو (لکڑیوں کو) کاٹتا چلا جاتا ہے۔ میں نے کہا اِس جگہ کلہاڑے کی طرف چلنے کا ارادہ منسوب کیا گیا ہے۔ کیا اس میں ارادہ ہوتا ہے؟ یہ شعر پڑھنا تھا کہ اُس کا منہ بند ہو گیا اور وہ سخت شرمندہ ہوا۔

اِسی طرح وہ ابو محمد یزیدی کا واقعہ لکھتے ہیں کہ میں اور مشہور نحوی کسائی، عباس بن حسن کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں اُن کا ایک نوکر آیا اور کہنے لگا کہ حضور! میں فلاں شخص کے پاس سے آیا ہوں۔ هُوَ يُرِيْدُ اَنْ يَّمُوْتَ کہ وہ تو مرنے کا ارادہ کر رہا ہے۔ اِس پر ہم سب ہنس پڑے کہ کیا کوئی مرنے کا بھی ارادہ کیا کرتا ہے؟ عباس بن حسن نے کہا تم کس بات پر ہنسے ہو؟ کیا اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نہیں فرمایا کہ فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ۔ اِس پر ہم سمجھ گئے کہ ''اَرَادَ'' کا لفظ کبھی قُربِ وقوع پر دلالت کرنے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے9۔ لیکن میں نے جب اس آیت کو دیکھا تو اس پر کوئی نوٹ درج نہیں تھا۔ اگر وہاں اِس آیت کے نیچے فقہ اللّغۃ کا حوالہ دے دیا جاتا تو اعتراض کرنے والے کا منہ بند ہو جاتا اور وہ سمجھ لیتا کہ جو ترجمہ ہم نے کیا ہے وہی درست ہے اور علمائے لغت نے اس کی تصدیق کی ہے۔

اِسی طرح میں نے چار پانچ اَور آیات نکلوائیں تو اُن میں سے بھی کسی پر کوئی نوٹ نہ تھا حالانکہ میرے نوٹ موجود تھے۔ میں نے اپنا قرآن کریم چار حصوں میں جلد کروایا ہوا تھا اور میری عادت تھی کہ میں جب قرآن کریم پڑھتا تو اُس کے حاشیہ پر تشریح کر دیتا۔ جب ہم جابہ میں تفسیر صغیر لکھ رہے تھے تو ایک آیت کی کہیں تشریح نہیں ملتی تھی۔ آخر میں نے کہا کہ میرا قرآن کریم نکالو۔ جب نکالا گیا تو میں نے دیکھا کہ وہاں اُس آیت کی تشریح موجود تھی جس سے وہ تمام آیت حل ہو گئی۔ پس میرے اس قرآن میں یہ سارے حوالے موجود ہیں کیونکہ میری عادت تھی کہ میں کتابیں پڑھتا تو قرآن پر نوٹ لکھ دیا کرتا۔ اس لیے کوئی مشکل نہیں تھی۔ اول تو ممکن ہے میں نے یہ بات کسی خطبہ میں بھی بیان کر دی ہو لیکن خطبوں میں تلاش کرنا تو مشکل ہوتا ہے۔ میرا قرآن کریم ہی دیکھ لیا جاتا تو یہ نوٹ آ جاتا۔ یہ قرآن کریم مولوی یعقوب صاحب کے پاس ہے اور مولوی نور الحق صاحب بھی ان کے ساتھ کام کرتے ہیں۔ اس قرآن سے یہ سب حوالے دیکھے جا سکتے تھے۔ بہرحال ہمیں ضرورت ہے کہ ہم قرآن کریم کی ایسے مفید طور پر اشاعت کریں کہ دشمن کو اعتراض کا موقع نہ ملے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ غیر احمدی اس کی بڑی تعریف کرتے ہیں مگر اس کی وجہ یہ ہے کہ اُن کو اعتراض نہیں سُوجھتا۔ اعتراض ہم کو سُوجھتا ہے اور جواب بھی ہم ہی دیتے ہیں۔ پس صرف اُن کی تعریف پر ہمیں خوش نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اُن کی تعریف بالکل ایسی ہی ہے جیسے کہتے ہیں کہ کسی گاؤں میں ایک ہاتھی آیا تو لوگ اُس کو دیکھنے کے لیے دوڑ پڑے۔ ایک اندھے نے دوسرے سے کہا کہ تم مجھے بھی ساتھ لے چلو۔ اُس نے کہا تمہیں کیا نظر آئے گا؟ وہ کہنے لگا چاہے مجھے کچھ نظر نہ آئے مجھے لے چلو میں ہاتھ لگا کر ہی دیکھ لوں گا۔ جب واپس آئے تو لوگوں نے آپس میں گفتگو شروع کر دی کہ ہاتھی کیسا ہوتا ہے۔ اُس اندھے نے اُن کی باتیں سن کر کہا یہ سب جھوٹ ہے۔ اُس نے ہاتھی کے سونڈ اور ٹانگوں پر ہاتھ لگایا تھا اور پھر پیٹ پر بھی ہاتھ پھیرا تھا۔ وہ کہنے لگا وہ تو ایک موٹی سی چیز ہوتی ہے جو چار ستونوں پر رکھی ہوئی ہوتی ہے اور ایک پانچواں ستون اَور ہوتا ہے جو اُس کے آگے ہوتا ہے۔ یہی حال غیروں کی تعریف کا ہے۔ انہوں نے نہ قرآن کریم پر کبھی غور کیا اور نہ دشمن کے اعتراضات کا انہیں علم ہے۔ پس ہمیں اِس پر خوش نہیں ہونا چاہیے۔ ہمیں اُن کے ہاتھ میں قرآن کریم مکمل صورت میں دینا چاہیے تا انہیں پتا لگے کہ یہ معنے صرف احمدیوں کے ہی نہیں بلکہ ہمارے گزشتہ بزرگ بھی ان معنوں کی تصدیق کرتے رہے ہیں۔

مثال کے طور پر دیکھ لو وفاتِ مسیح کا مسئلہ کیسا واضح ہے لیکن غیر احمدی اب تک ہمارے معنوں کی مخالفت کرتے چلے آ رہے ہیں۔ حالانکہ یہ ایک واضح بات ہے کہ اگر کوئی کہے کہ تَوَفّٰی فُلَانٌ تو اِس کے معنے یہ ہوتے ہیں کہ وہ شخص مر گیا ہے۔ گورنمنٹ کے کاغذات میں بھی لکھا ہوتا ہے کہ یہ فلاں متوفّٰی کا بیٹا ہے اور کوئی نہیں کہتا کہ وہ آسمان پر بیٹھا ہوا ہے۔ پس جن لوگوں نے ساٹھ ستّر سال میں بھی ہمارے ایک لفظ کے معنے کو تسلیم نہیں کیا وہ ایک دن میں ہمارے تمام قرآن کے معنوں کو کب تسلیم کر لیں گے۔ بہرحال تمام قرآن مجید دوسروں سے منوا لینا اور اُن کو سمجھا دینا بہت مشکل امر ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ قرآن کریم آسمان پر چلا جائے گا۔ صرف اس کا خط باقی رہ جائے گا10 اور جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود فرماتے ہیں کہ ایک زمانہ میں قرآن کریم کے معنے زمین سے اُٹھ جائیں گے اور صرف تحریر باقی رہ جائے گی تو تم کس طرح خیال کرتے ہو کہ تمہارے کیے ہوئے معنے فوراً مان لیے جائیں گے۔ اس کے لیے تو خدا تعالیٰ کی نصرت اور

فضل اور بڑے جہاد کی ضرورت ہے۔ اس جہاد کے بعد کہیں وہ معنے قائم ہوں گے۔ اگر ایک دن میں قائم ہو جائیں تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشگوئی جھوٹی نکلتی ہے کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا جب قرآن کریم کے مطالب زمین سے اُٹھ جائیں گے۔ پس اِن معانی کو قائم کرنے کے لیے بہت بڑے جہاد کی ضرورت ہے۔ اِس سے ہزاروں گُنا زیادہ جہاد کی ضرورت ہے جو لفظ توفّی کے لیے کیا گیا۔ کیونکہ وہ ایک لفظ تھا اور یہ سارا قرآن ہے جس میں کوئی ستّر ہزار الفاظ ہوں گے۔ اگر ایک لفظ پر اتنی لمبی مدت صَرف ہوئی ہے تو سارے قرآن کریم کے لیے تو صدیاں درکار ہوں گی۔ لیکن اگر اللہ تعالیٰ کا فضل ہو اور وہ چاہے تو دوسروں کو جلدی بھی سمجھ دے سکتا ہے''۔

(الفضل 25 اپریل 1958ء)

1: الانفال: 46

2: الانفال: 47

3: وَ اِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ اٰمِنُوۡا كَمَاۤ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوۡۤا اَنُؤۡمِنُ كَمَاۤ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ؕ (البقرة: 14)

4: اَلْبِدَایة وَالنهایة جلد 8 صفحہ 126 مطبوعہ بیروت 2001ء

5: وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِىۡ عَنِّىۡ فَاِنِّىۡ قَرِيۡبٌ ؕ اُجِيۡبُ دَعۡوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلۡيَسۡتَجِيۡبُوۡا لِىۡ وَلۡيُؤۡمِنُوۡا بِىۡ لَعَلَّهُمۡ يَرۡشُدُوۡنَ ﴿۱۸۷﴾ (البقرة: 187)

6: الکهف: 78

7 تا 9: فقه اللُّغة و سِرُّ العربية جزء 1 صفحه 254، 255 مطبوعه 2002ء

10: مشکوٰۃ (مترجم) کتاب العلم الفصل الثالث جلد 1 صفحہ 73 مطبوعہ لاہور 1993ء

11

جماعت احمدیہ کا مقصد دنیا میں توحید حقیقی کا قیام ہے

توحید محض زبانی اقرار کا نام نہیں ہے
تمہارا ہر فعل اور ہر عمل توحیدِ الٰہی کا مظہر ہونا چاہیے

(فرمودہ 18/اپریل 1958ء بمقام لاہور)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''دنیا میں ہر عقلمند انسان اپنے کاموں کا کوئی نہ کوئی مقصد قرار دیتا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا 1 ہر انسان کا کوئی نہ کوئی مقصود ہوتا ہے جس کی طرف وہ توجہ کرتا ہے۔ کوئی انسان دنیا میں عزت کے پیچھے پڑا ہوتا ہے، کوئی عملی ترقی کے پیچھے پڑا ہوتا ہے، کوئی اپنے پیشہ کی ترقی کے پیچھے پڑا ہوتا ہے، کوئی مال اور اولاد کی زیادتی کی جستجو میں ہوتا ہے، کوئی حکومت کے پیچھے پڑتا ہے، کوئی دنیا کی خدمت میں لگا ہوتا ہے۔ غرض جو بھی انسان کہلانے کا مستحق ہے اُس کے سامنے کوئی نہ کوئی مقصد ایسا ضرور ہوتا ہے جس کی طرف رات دن اس کا خیال لگا رہتا ہے۔ پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو انبیاء دنیا میں آئیں وہ کوئی مدعا لے کر نہ

آئیں۔ یہ مدعا جو انبیاء لے کر آتے ہیں وہ نمایاں صورت میں توحیدِ الٰہی کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے کیونکہ دنیا میں جتنی خرابیاں اور تباہیاں آتی ہیں وہ توحید کے نہ سمجھنے اور اس پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے آتی ہیں۔ تمام گناہوں، تمام سُستیوں اور غفلتوں اور تمام جُرموں کی جڑ شرک ہے۔

منہ سے بیشک لوگ خدا تعالیٰ کو ایک کہتے ہیں مگر منہ سے کہنے اور عمل کرنے میں بڑا فرق ہے۔ اجمالی ایمان کے لحاظ سے اِس وقت بھی دنیا میں توحید کے ماننے والوں کی کثرت ہے مگر تفصیلی ایمان کے لحاظ سے اس وقت دنیا میں توحید بہت کم ہے۔ عیسائی بڑے زور سے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ توحید کے قائل ہیں بلکہ میں نے بعض عیسائی مصنفین کی کتابیں پڑھی ہیں جن میں وہ مسلمانوں پر اعتراض کرتے ہیں کہ اُن کے اندر توحید نہیں اور کہ اصل اور سچی توحید اُن کے اندر ہی پائی جاتی ہے۔ ہندوؤں میں سے آریہ سماجی توعَلَی الْاِیْمَان اِس بات کا اظہار اپنی کتابوں میں کرتے ہیں کہ توحید کے صحیح حامل وہی ہیں اور دوسروں پر اعتراض کرتے ہیں کہ ان کے اندر توحید نہیں۔ تو جو لوگ بظاہر مشرک نظر آتے ہیں اگر ان کے محققین کی کتابیں دیکھی جائیں تو وہ بھی توحید کے قائل نظر آتے ہیں۔ بُتوں کی پوجا کرنے والے کہتے ہیں کہ ہم بیشک بُتوں کی پوجا کرتے ہیں مگر اس لیے نہیں کہ ہم ان کو خدا تعالیٰ کا شریک سمجھتے ہیں بلکہ محض اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ قائم رکھنے کے لیے ایسا کرتے ہیں۔

مکہ کے مشرک جو سر سے لے کر پیر تک شرک میں ڈوبے ہوئے تھے قرآن کریم بتاتا ہے کہ جب اُن پر یہ اعتراض کیا جاتا کہ تم مشرک ہو تو وہ جواب دیتے کہ ہم مشرک نہیں، ہم تو ان بُتوں کی پوجا اس لیے کرتے ہیں کہ لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى 2 تا کہ یہ ہمیں خدا تعالیٰ کے قریب کر دیں۔ تو منہ کی توحید دنیا میں اکثر پائی جاتی ہے مگر باوجود اِس کے قرآن کریم توحید پر زور دیتا اور دوسری قوموں پر شرک کا الزام لگاتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس توحید کو قرآن کریم پیش کرتا ہے وہ صرف زبانی اقرار کا نام نہیں۔ اگر یہی توحید ہوتی تو چاہیے تھا کہ جب مشرک کہتے کہ ہم بتوں کو خدا نہیں مانتے بلکہ اُن کی پرستش اِس وجہ سے کرتے ہیں کہ لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى تو پھر قرآن کریم ان پر شرک کا الزام لگانا چھوڑ دیتا مگر ایسا نہیں قرآن کریم ان کو بدستور مشرک قرار دیتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم نے ان کے جواب کو صحیح نہیں قرار دیا اور باوجود ان کے ادّعا کے اُن کو مشرک قرار دیا ہے۔ پھر باوجود اِس کے کہ عیسائی توحید کا دعویٰ کرتے ہیں قرآن کریم اُن پر

شرک کا الزام لگا تا ہے۔ ان کے علاوہ یہود ہیں جو قطعی طور پر بُت پرستی کے خلاف تھے بلکہ بُت پرستی کے خلاف ان کے اندر اِس قدر جذبہ پایا جاتا ہے کہ جس طرح مسلمان بُتوں سے سلوک کرتے ہیں اِس سے بہت زیادہ یہودی کرتے ہیں۔ مسلمانوں میں تو اِس امر کو جائز نہیں سمجھا جاتا کہ کسی کے بُت خانہ کو گرا دیا جائے اور اگر اسلامی حکومت ہو تو از روئے شریعت اسے اجازت نہیں کہ کسی قوم کے مَعبد کو خواہ وہ بُت خانہ ہی کیوں نہ ہو توڑ دے سوائے اِس کے کہ وہ معبد اپنا ہو جیسے مکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جو بڑے پکے موحّد تھے بنایا ہوا تھا اور ان کے علاوہ بعض دوسرے انبیاء کا بھی اس میں دخل تھا اس لیے اسے شرک سے پاک کرنا جائز تھا۔ گویا توحید کے مَعبد کو اگر بُت خانہ میں تبدیل کیا گیا ہو تو دوبارہ اسے شرک سے پاک کرنے کی اجازت ہے ورنہ نہیں لیکن یہود کے عقائد کے رُو سے بُت خانوں کا جلا دینا اور مٹا دینا ضروری ہے اور ایسا نہ کرنے والوں کا ان کے نزدیک مؤاخذہ ہوگا۔ یہود کے مذہب پر تین ہزار سال سے زائد عرصہ ہو چکا ہے مگر یورپ میں رہنے کے باوجود آج تک ان کے اندر شرک نہیں آیا۔ وہ توحید کے ظاہری مفہوم کے لحاظ سے ایسے ہی سخت ہیں جیسے اہلِ حدیث سمجھے جاتے ہیں مگر قرآن کریم ان کو بھی مشرک قرار دیتا ہے حالانکہ ظاہری توحید کے لحاظ سے وہ مسلمانوں سے کسی صورت میں کم نہیں۔ وہ نہ حضرت موسیٰؑ اور نہ کسی اَور کا کوئی بُت بناتے ہیں۔ ان کے معابد بُتوں سے ایسے ہی خالی ہوتے ہیں جیسے مساجد مگر باوجود اِس کے قرآن کریم ان کو مشرک قرار دیتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ قرآن کریم توحید کا جو مفہوم لیتا ہے وہ وہ نہیں جو عام طور پر دنیا میں سمجھا جاتا ہے۔

دنیا میں شرک کے معنے یہ لیے جاتے ہیں کہ بتوں کی پرستش کی جائے، انسانوں کی طرف وہ باتیں منسوب کی جائیں جو خدا تعالیٰ سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس میں شُبہ نہیں کہ یہود کا ایک قلیل طبقہ ایسا تھا جو عزیر کو ابن اللہ سمجھتا تھا مگر وہ ایسا چھوٹا فرقہ تھا کہ اسے ساری قوم کی طرف منسوب ہی نہیں کیا جا سکتا۔ جیسے مسلمانوں میں بھی فقراء کے بعض ایسے گروہ ہیں جو قبروں کی پوجا کرتے ہیں مگر ان کی تعداد چند سو یا چند ہزار سے زیادہ نہ ہوگی اور وہ اِس قدر قلیل تعداد میں ہیں کہ ان کی باتیں مسلمانوں کی طرف منسوب نہیں کی جاسکتیں۔ اِسی طرح یہود میں بھی نہایت محدود طبقہ ایسا تھا جو عزیر کو ابن اللہ کہتا تھا لیکن وہ مٹ گیا اور اِس زمانہ میں ایسے لوگ یہود میں بالکل نہیں ہیں۔ اِسی لیے یہود قرآن کریم پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اس نے یہ غلط بات یہودیوں کی طرف منسوب کی ہے۔ اِسی طرح عیسائی بھی یہ

اعتراض کرتے ہیں کہ کون یہودی عزیر کو ابن اللہ کہتا ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ایک چھوٹا سا صدوقی فرقہ تھا جو اِس عقیدہ کا قائل تھا مگر اب یہ فرقہ دنیا سے مٹ چکا ہے اور آج یہودیوں میں ایسا عقیدہ رکھنے والا کوئی شخص نہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد شاید پہلی یا دوسری صدی تک یہ لوگ رہے اور مِٹ گئے۔ اِسی طرح آج عیسائیوں کا کوئی فرقہ ایسا نہیں جو حضرت مریمؑ کو خدا کہے اور اس پر بھی عیسائی اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن نے جو بات کہی ہے یہ غلط ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ یہ کبھی کوئی چھوٹا سا فرقہ تھا جو اب مِٹ چکا ہے۔ عیسائیوں کو ہم یوں بھی مجرم کرتے ہیں کہ گرجاؤں پر حضرت مسیحؑ کی والدہ کی تصویر بھی لگائی جاتی ہے اور اس سے بھی وہ دعائیں کرتے ہیں اور ہم کہتے ہیں کہ یہی شرک ہے۔ لیکن اصل بات یہی ہے کہ ابتدائی زمانہ میں ایسے چھوٹے چھوٹے فرقے تھے جو اَب مِٹ چکے ہیں۔

تو میں بیان کر رہا تھا کہ جو لوگ بظاہر توحید پرست ہیں قرآن کریم نے اُن کو بھی مشرک قرار دیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کے نزدیک توحید کا جو مفہوم ہے وہ اُس سے مختلف ہے جو عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔ مثلاً ہم یہود کو ہی لیتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے اُن کے متعلق فرمایا کہ وہ مشرک ہیں تو ہمیں دیکھنا چاہیے کہ قرآن کریم نے ان کو کن معنوں میں مشرک قرار دیا ہے۔ اس غرض کے لیے جب ہم قرآن کریم پر غور کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم یہ نہیں کہتا کہ یہ لوگ بُت بناتے یا ان کی پوجا کرتے ہیں بلکہ فرماتا ہے کہ ان کے اندر یہ شرک ہے کہ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ[3] جو کچھ بھی ان کے علماء کہتے ہیں اُسی کو درست مان لیتے ہیں۔ یہ لوگ ایک انسان کی بات پر اِتنا بھروسا رکھتے ہیں کہ ان کے نزدیک وہ بالکل صحیح ہو جاتی ہے اور اس کے مقابل پر الہام کو بھی ردّ کر دیتے ہیں اور اس طرح الہام کا دروازہ بند کرتے ہیں۔ اُن کے اندر یہ احساس راسخ ہو چکا ہے کہ اُن کے علماء جو بات کہیں وہی درست ہے اور ان کو وحیِ الٰہی اور کسی تعلیم کی ضرورت نہیں۔ اور جو یہ خیال کر لے کہ ہمیں خدائی ہدایت کی احتیاج نہیں اُس کے اندر شرک پیدا ہونا لازمی ہے۔ شرک کی یہ تعریف جو قرآن کریم نے یہودیوں کے متعلق کی ہے آج مسلمانوں میں بھی پائی جاتی ہے کیونکہ وہ بھی یہی عقیدہ رکھتے ہیں کہ جو بات ہمارے علماء کہتے ہیں وہی ٹھیک ہے۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہمیں کسی ہدایت کی ضرورت نہیں۔ اِسی چیز کا نام قرآن کریم میں

یہود کے بارہ میں شرک رکھا گیا ہے۔ جو قوم یہ خیال کر لیتی ہے کہ ہم اپنی ہدایت کا سامان خود کر سکتے ہیں اور ہمارے علماء ہمیں غلط رستے سے بچانے کے لیے کافی ہیں اُس کا یہ خیال اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ قرار دینا ہے۔ خدا تعالیٰ نے یہ حق اپنے لیے رکھا ہے کہ جب کوئی خرابی بندوں میں پیدا ہو وہ اُن کی ہدایت کا انتظام کرے۔ پس جو شخص یہ خیال کرتا ہے کہ ہدایت کا کام بندے کر سکتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی جو کتاب ہم میں موجود ہے اُس سے ہمارے لیے ہدایت کا رستہ تلاش کر کے ہمیں بتا سکتے ہیں وہ شرک کرتا ہے۔ اب بتاؤ کیا کوئی قوم دنیا میں ایسی ہے جو توحید کا یہ مفہوم سمجھتی ہو کہ خدا تعالیٰ کو ہادی سمجھا جائے اور اُس کی طرف سے ہر وقت ہدایت کے دروازہ کو کھلا سمجھا جائے۔ یہ وہ توحید ہے جسے قائم کرنے کے لیے انبیاء دنیا میں آتے ہیں۔ جب کسی قوم میں یہ خرابی پیدا ہو جائے کہ وہ اپنی ہدایت کے لیے الہامِ الٰہی سے اپنے آپ کو مستغنی سمجھنے لگ جائے تو یہ اپنی ذات میں اس بات کے لیے کافی ہوتا ہے کہ نبی آ جائے۔ جب بندے یہ کہیں کہ ہمارے لیے پہلے سے نازل شدہ کلام ہی کافی ہے اور ہم اپنے زور سے اس میں سے ہدایت نکالیں گے تو اس غلطی کا جواب یہی ہو سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ اپنی طرف سے کسی بندے کو بھیج کر یہ بتا دے کہ تمہارا یہ خیال غلط ہے۔ یہی عقیدہ انسان کو مشرک بنا دینے کے لیے کافی ہے۔ جب کسی قوم میں یہ عقیدہ پیدا ہو جائے تو وہ خدا تعالیٰ کی محبت سے محروم ہو جاتی ہے کیونکہ جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے مجھے جو کچھ دینا تھا دے دیا اب اُس کی طرف سے مجھے کچھ حاصل نہیں ہو سکتا اُسے خدا تعالیٰ کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ توجہ تو وہی کرے گا جو یہ سمجھتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا کلام موجود ہونے کے باوجود مجھے اس کی طرف توجہ کی ضرورت ہے۔ جب کسی کے دل میں یہ خیال پیدا ہو جائے کہ ہدایت کے لیے میں اللہ تعالیٰ کا محتاج نہیں ہوں تو اُس کے دل سے محبتِ الٰہی بھی مِٹ جائے گی اور اس کی توجہ بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے ہٹ جائے گی اور یہی اس کی روحانی موت کا دن ہوگی۔ جب یہ خیال پیدا ہو جائے کہ ہمارے علماء کافی ہیں، قرآن کریم عربی زبان میں ہے اور وہ اس کے معنے ہمیں بتا سکتے ہیں تو اس کے یہ معنے ہوں گے کہ اب خدا تعالیٰ کی طرف سے ہمیں کسی خاص ہدایت کی حاجت نہیں۔ پھر خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت ہی کیا رہ جاتی ہے۔ جب بچہ روٹی کھانے لگ جائے تو پھر ماں کی چھاتیوں کی طرف اس کی توجہ نہیں رہتی لیکن جب تک وہ دودھ پیتا ہے اُس وقت تک ہر وقت وہ ماں کی گود میں رہتا ہے۔ اِسی طرح جب

تک کوئی بندہ یہ محسوس کرے کہ مجھے روحانی غذا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتی ہے اور ملتی رہے گی اُس وقت تک وہ کوشش کرے گا کہ خدا تعالیٰ کا قُرب حاصل کر سکے مگر جب اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے جو کچھ ملنا تھا مل چکا اَور کچھ نہیں مل سکتا تو پھر وہ خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ نہیں ہوگا بلکہ اُس چیز کے اردگرد گھومتا رہے گا۔

اِس نکتہ کو سمجھتے ہوئے ہماری جماعت کو دو باتوں کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔ ایک تو یہ کہ دنیا جب اِس قدر خطرناک طور پر شرک کی بَلا میں مبتلا ہے جس کے معنے یہ ہیں کہ خدا تعالیٰ کی حکومت سے دنیا باہر ہو رہی ہے ہمارے دائیں بائیں اور آگے پیچھے خدا تعالیٰ کو ماننے اور اُس سے محبت کا دعوٰی کرنے والے اُس کی حکومت سے باہر اور اُس سے بغاوت کر رہے ہیں تو ہمارے اندر کس قدر گھبراہٹ پیدا ہونی چاہیے۔ کوئی ملک جس میں بغاوت پیدا ہو چکی ہو اُس اطمینان سے نہیں بیٹھ سکتا جس اطمینان سے ہماری جماعت کے لوگ بیٹھے ہیں۔ فرض کرو انگلستان میں بغاوت ہو جائے یا کسی اَور ملک مثلاً جرمنی، اٹلی یا فرانس میں بغاوت ہو جائے تو کیا تم سمجھتے ہو کہ حکومت کے سپاہی اس اطمینان سے بیٹھے رہیں گے جس اطمینان سے ہم بیٹھے ہیں؟ یا وہ رات دن لڑائی اور مقابلہ کے لیے تیاری کریں گے؟ شرک بھی ایک روحانی بغاوت ہے۔ اس لیے جو لوگ سمجھتے ہیں کہ اس کے نتیجہ میں دنیا سے روحانی بادشاہت مٹ جائے گی انہیں دن رات یہ گھبراہٹ ہونی چاہیے اور چَین نہیں لینا چاہیے جب تک اس بغاوت کو فرو نہ کر لیں۔ حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کی طرف جو الفاظ منسوب کیے گئے ہیں بیشک اُن الفاظ پر ہم اعتراض کرتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ اُن کی یہ دعا کہ "اے ہمارے باپ! تُو جو آسمان پر ہے تیرا نام پاک مانا جائے، تیری بادشاہت آئے، تیری مرضی جیسی آسمان پر پوری ہوتی ہے زمین پر بھی ہو"۔4 بالکل صحیح ہے اور اِس کے معنے یہ ہیں کہ دنیا میں شرک قائم ہو کر اللہ تعالیٰ کی بادشاہت مِٹ چکی ہے اور وہ اپنے صحابہ کو یہ بتا رہے تھے کہ تم پر لازم ہے کہ دنیا میں خدا تعالیٰ کی بادشاہت قائم کرو اور وہ ان کے اندر ایک درد پیدا کرنا چاہتے تھے۔

آج بھی یہی حالت ہے کہ ہر شخص نے ظاہری اور باطنی معبود بنائے ہوئے ہیں اور سب خدا تعالیٰ سے دور ہو رہے ہیں۔ کوئی تو یہ کہتا ہے کہ ہمارے فلاں فلاں آدمیوں کو خدائی طاقتیں حاصل ہو گئی ہیں اور کوئی کہتا ہے کہ یہ طاقتیں ہم کو مل گئی ہیں۔ عیسائیوں میں جو شرک ہے وہ

آٹوکریسی (AUTOCRACY) ہے یعنی انہوں نے خدا تعالیٰ کی بادشاہت ایک یا چند اشخاص تک محدود کر دی ہے مگر مسلمانوں اور یہودیوں میں جو شرک ہے وہ ڈیما کریسی (DEMOCRACY) ہے۔ انہوں نے خدا تعالیٰ سے خدائی صفات چھین کر آپس میں بانٹ لی ہیں لیکن خدا تعالیٰ سے بہر حال بغاوت کی گئی ہے۔ کسی راجہ کے خلاف بغاوت ہو جائے تو وہاں خواہ کوئی اَور راجہ اپنی حکومت قائم کرے یا لوگ کوئی پارلیمنٹ بنا لیں اُس کی حکومت تو بہر حال مٹ جائے گی۔ اِس زمانہ میں سوائے اس قوم کے جو یہ عقیدہ رکھتی ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہدایت کی ضرورت ہمیشہ رہی ہے اور رہے گی اس کی طرف سے ہدایت کا زمانہ کبھی ختم نہیں ہوسکتا اور نہ ہوگا۔ قرآن کریم ایک سربمہر ہدایت ہے اور اس کے سمجھنے کے لیے ایک قلبِ مطہّر کی ضرورت ہے۔ تمام دنیا خدا تعالیٰ کی بادشاہت سے خالی ہے بلکہ اس کی بادشاہت کے خلاف دنیا میں ایک عام بغاوت ہو رہی ہے اور اس کے سپاہی آرام کے ساتھ بیٹھے ہیں اور انہیں پتا ہی نہیں کہ ملک تباہ ہو چکا ہے۔ اگر واقع میں وہ خدا تعالیٰ کے سپاہی ہیں تو یہ کس طرح ممکن ہے کہ وہ گھروں میں بیٹھے رہیں۔ کسی کی چپہ بھر زمین پر کوئی قبضہ کر لے تو زمینداروں میں خون ہو جاتے ہیں اور درجنوں آدمی قتل ہو جاتے ہیں۔ بلکہ کسی کے درخت کی شاخ اگر دوسرے کے کھیت میں چلی گئی ہو اور وہ اُس کو کاٹ لے تو اِسی پر خون ہو جاتے ہیں۔ کاٹنے والا کہتا ہے یہ میرے کھیت میں تھی مگر دوسرا کہتا ہے کہ اس کی جڑ میرے کھیت میں تھی اِس لیے یہ میری ہے۔ مگر خدا تعالیٰ کی بادشاہت دنیا سے بالکل مٹ چکی ہے اور خدا تعالیٰ کے سپاہی کہلانے والوں میں اس کے متعلق کوئی درد نہیں، کوئی غم نہیں اور وہ بالکل اطمینان سے بیٹھے ہوئے ہیں۔ پس ایک تو یہ بات ہے جس کی طرف میں جماعت کو توجہ دلاتا ہوں۔ میں دیکھتا ہوں کہ اِس وقت جماعت کو جس مستعدی سے کام کرنا چاہیے وہ موجود نہیں۔ قرآن کریم نے ایسی بغاوتوں کے مقابلہ کے لیے جو انتظام کیا ہے اس کا نام دعوت رکھا ہے جسے اِس زمانہ میں تبلیغ بھی کہا جاتا ہے مگر ہماری جماعت کو اس کی طرف وہ توجہ نہیں جو ہونی چاہیے۔ کسی مجلس میں احمدیت کو پیش کر دینا یا کسی اعتراض کا جواب دے دینا اَور بات ہے مگر قرآن کریم نے کیا لطیف بات پیش کی ہے۔ فرمایا اپنی اپنی جگہ پر غور کرو کہ کیا تم نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے؟ اگر تمہارے دل گواہی دیں کہ نہیں تو پھر باتیں بنانے سے کیا حاصل۔ سو جماعت کے دوست بھی اس بات پر غور کریں کہ کیا وہ اپنا فرض ادا کر رہے ہیں۔ مثلاً لاہور کی جماعت ہے۔ لاہور چونکہ ایک

مرکزی جگہ ہے اور یہاں کی جماعت کو خاص اہمیت حاصل ہے اس لیے یہاں کے دوستوں کو بھی اپنے فرائض بہت زیادہ تندہی سے ادا کرنے چاہییں مگر باوجودیکہ میں ہر سفر کے موقع پر یہاں احباب کو توجہ دلاتا ہوں کہ تبلیغ کرو اور جماعت کو بڑھاؤ جب بھی میں آتا ہوں نئی تجاویز تو بہت پیش ہوتی ہیں لیکن عملی نتیجہ بہت کم نظر آتا ہے۔ آپ لوگ جو یہاں موجود ہیں غور کریں کہ آپ نے تبلیغ میں کیا کوشش کی ہے اور خدا تعالیٰ کی حکومت کو دنیا میں قائم کرنے کے لیے کیا جدوجہد عمل میں لائے ہیں۔ بعض لوگ یونہی کہہ دیتے ہیں کہ کیا کریں، لوگ ہماری بات سنتے ہی نہیں۔ مگر میں سمجھتا ہوں یہ صحیح نہیں یہ انسانی فطرت کا غلط مطالعہ ہے۔ انسانی فطرت کو اللہ تعالیٰ نے ایسا بنایا ہے کہ وہ عجوبہ کے طور پر بھی دوسرے کی بات سنتا ہے۔ غلطی ہماری ہے کہ جس رنگ میں ہم بات کو پیش کرتے ہیں وہ سننے کے قابل نہیں ہوتی۔ ہماری جماعت میں عام طریق یہی ہے کہ کسی کو تبلیغ کرتے وقت وفاتِ مسیح کو شروع کر دیں گے یا ضرورتِ نبوت کا مسئلہ پیش کر دیں گے۔ وہ یہ نہیں جانتے کہ بعض دماغ اتنے زنگ آلود ہوتے ہیں کہ ان میں ایسی باتوں کے لیے کوئی جگہ ہی نہیں ہوتی۔ بھلا جو شخص خدا کا ہی قائل نہیں یا نبوت کا قائل نہیں وہ ان باتوں میں کیا دلچسپی لے سکتا ہے۔ مسلمانوں میں کئی لوگ ایسے ہیں جو یوں تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بڑی غیرت کا اظہار کرتے ہیں لیکن اندرونی طور پر وہ خدا تعالیٰ کے بھی منکر ہوتے ہیں۔ یونہی ماں باپ سے سن کر وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں ورنہ اسلام سے اُن کو کوئی وابستگی نہیں ہوتی۔ ایسے لوگوں کے دلوں میں پہلے خدا تعالیٰ کی خشیت پیدا کرنی چاہیے تا وہ دینی باتوں کو سننے لگ جائیں اور خشیت سب سے بہتر نمونہ سے پیدا کی جا سکتی ہے باتوں سے نہیں۔ جب کوئی دیکھے کہ اس شخص میں ایسی روحانیت ہے جو دوسروں میں نہیں تو اُس کا دل خود بخود اُس کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔

حضرت حمزہؓ کے اسلام لانے کی وجہ یہی تھی کہ انہوں نے اُن تکالیف کو دیکھا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دی جا رہی تھیں اور پھر اُس سنجیدگی کو دیکھا جس سے آپ اُن کو برداشت کرتے جا رہے تھے اور اِس طرف بھی اُن کو ایک غلام اور جاہل عورت نے متوجہ کیا۔ آپ نے کوئی دلائل نہیں سنے کہ کوئی خدا ہے یا نہیں، اور کوئی الہام نازل ہوتا ہے یا نہیں، صرف اِس بات کو دیکھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سنجیدگی کے ساتھ اپنی بات پر قائم ہیں اور سمجھتے ہیں کہ دنیا کا غم مجھ ہی کو ہے۔ اِس چیز

نے اُن کا دل بدل دیا اور وہ ایمان لے آئے۔ احادیث میں آتا ہے کہ حضرت حمزہؓ ایک دن شکار کے لیے باہر گئے ہوئے تھے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ابوجہل نے مارا اور گالیاں بھی دیں۔ آپؐ اُس وقت پتھر کی ایک چٹان پر بیٹھے کچھ سوچ رہے تھے کہ ابوجہل آگے بڑھا اور اُس نے آپ کو گالیاں دینی شروع کر دیں اور پھر زور سے ایک تھپڑ آپ کے منہ پر مار دیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے کچھ نہیں کہا۔ آپ خاموشی سے اُٹھے اور گھر تشریف لے گئے۔ حضرت حمزہؓ کی ایک لونڈی یہ نظارہ دیکھ رہی تھی۔ وہ عورت ذات تھی خود تو کچھ نہ کر سکتی تھی منہ میں بڑبڑاتی ہوئی رہ گئی اور شام تک غصہ میں بھری رہی۔ شام کو حضرت حمزہؓ کمان اور ترکش لٹکائے ہوئے گھر آئے، ہاتھ میں شکار پکڑا ہوا تھا اور اِس انداز سے چلے آ رہے تھے کہ گویا کوئی بڑا کارنامہ سرانجام دے کر آئے ہیں۔ جب گھر کے اندر داخل ہوئے تو وہ لونڈی جو مسلمان نہ تھی مگر اِس قربانی کا نظارہ دیکھ چکی تھی کہ لوگ مارتے ہیں صرف اِس وجہ سے کہ آپ خدا کا نام لیتے ہیں اُس نے حضرت حمزہؓ سے مخاطب ہو کر کہا کہ بڑے سپاہی بنے پھرتے ہو کیا کام کر کے آئے ہو؟ تمہارے بھتیجے کو آج ابوجہل نے مارا صرف اس وجہ سے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا نام لیتا تھا۔ تم کس برتے پر بہادر بنے پھرتے ہو؟ حضرت حمزہؓ نے شکار کے شوق میں کبھی یہ نظارہ دیکھا ہی نہ تھا کہ مکہ میں کیا فساد برپا ہے۔ آپ نے لونڈی سے پوچھا کہ کیا ہوا؟ اُس نے کہا کہ اِس طرح وہ اکیلا بیٹھا ہوا تھا کہ ابوجہل نے اُسے مارا۔ یہ سُن کر آپ نے شکار کا سامان نہیں اُتارا اُسی طرح کمان ہاتھ میں پکڑے گئے اور جا کر وہی کمان ابوجہل کے منہ پر ماری اور کہا کہ بڑے بہادر بنے پھرتے ہو! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مارتے ہو! اگر جرأت ہے تو آؤ مجھے مارو۔ یہ دیکھ کر لوگ اُٹھے کہ ہیں ہیں یہ کیا؟ وہ تو دین میں تغیر کرتا ہے۔ اِس پر حضرت حمزہؓ نے کہا کہ اچھا! اگر وہ دین میں تغیر کرتا ہے تو سُن رکھو کہ میرا بھی وہی دین ہے۔ آؤ! اگر لڑنا چاہتے ہو تو مجھ سے لڑ لو۔5

تو یہ سنجیدگی ہی تھی جس کا یہ اثر تھا اور خشیت تھی جو لونڈی نے پیدا کر دی تھی۔ وہ دیکھ رہی تھی کہ آخر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا قصور کیا ہے۔ وہ کسی کی زمین پر قبضہ نہیں کرتے، کسی کا مال نہیں چھینتے، کسی شخص کو اُس کے کسی حق سے محروم نہیں کرتے صرف خدا کا نام لیتے ہیں اور یہ لوگ محض اِس غرور میں کہ یہ طاقتور ہیں آپ کو مارتے ہیں۔ اُن کے اِس مارنے نے حضرت حمزہؓ کی شرافت کو گھائل کر دیا اور انہوں نے کہا کہ اگر انسانیت اِس قدر گر گئی ہے تو جو شخص خدا تعالیٰ کے لیے تکلیف اُٹھا رہا

ہے یقیناً وہی سچا ہے اور میں بھی اُس کے ساتھ ہوں۔ انہوں نے کوئی دلیل نہیں سنی، کوئی مسائل نہیں سمجھے۔ اِس سے قبل وہ خدا تعالیٰ کی توحید کے دلائل بھی سنتے ہوں گے اور نبوت کے ثبوت بھی مگر ایک کان سے سُن کر دوسرے کان سے نکال دیتے ہوں گے۔ وہ فرشتوں کا ذکر بھی سنتے ہوں گے اور قیامت کا بھی مگر کسی کی پروا اُن کو نہ تھی اور نہ اُن میں سے کوئی چیز اُن پر اَثر انداز ہوتی تھی۔ مگر جب اُن کو یہ خیال ہوا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعلیم تو معلوم نہیں اچھی ہے یا بُری۔ مگر وہ سنجیدگی سے اس پر قائم ہیں اور دنیا کی مخالفت کی اُن کو کوئی پروا نہیں تو حمزہؓ کی شرافت نے جوش مارا اور انہوں نے کہا کہ یہ شخص اصول کے لیے قربانی کر رہا ہے اور بے ضرر ہونے کے باوجود دنیا کی مخالفت کا شکار بنا ہوا ہے۔ اس کے پاس ضرور کوئی ایسی چیز ہے جس سے دنیا ڈرتی ہے اور وہ ہدایت کی طرف آ گئے۔ اِسی طرح ہزاروں لاکھوں انسان ایسے ہوں گے جن کی شرافتِ طبعی اُن کو اسلام کی طرف لے آئی۔ انہوں نے دیکھا کہ علماء جب دلائل سے اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو پھر دُکھ دینے لگتے ہیں اور اس کے مقابلہ میں آپ کی قربانی کو دیکھ کر وہ اسلام کی صداقت کے قائل ہو گئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں یہ بات رکھی ہے کہ سنجیدگی سے وہ ضرور متأثر ہوتا ہے۔ اور جب کوئی شخص سنجیدگی سے کسی بات پر قائم ہو جائے تو لوگ ضرور اُس کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ لیکن اگر کہا کچھ جائے اور کیا کچھ جائے تو پھر کوئی پروا نہیں کرتا۔

پچھلے دنوں بعض طالب علم مجھے ملے اور انہوں نے کہا کہ لوگ ہماری باتوں کو سنتے نہیں۔ میں نے کہا کہ تم پہلے اپنی شکلوں کو تو دیکھو! کیا یہ ویسی ہی ہیں جیسی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قائم کرنا چاہتے تھے؟ اگر نہیں تو پھر لوگ تمہاری منہ کی باتوں کو کس طرح توجہ سے سن سکتے ہیں۔ جسے تم سنانے لگو گے وہ کہے گا کہ عمل نہ اس کا ہے نہ میرا۔ پھر باتوں کا کیا فائدہ۔

یاد رکھو! جب انسان کے دل میں جوش ہو تو اُس کے ساتھ اُس کے اندر ایک تغیر بھی ہوتا ہے اور یہی تغیر دراصل لوگوں پر اثر ڈالتا ہے۔ کئی لوگ مجھ سے کہتے ہیں کہ لوگوں پر سِکھوں کا بہت رُعب ہے۔ میں ہمیشہ اُن کو یہی کہتا ہوں کہ انہوں نے اپنے ظاہری عمل سے اپنا رُعب قائم کیا ہے۔ وہ اپنی روایات پر اس شدت کے ساتھ عمل کرتے ہیں کہ مسلمانوں کو شرم آ جانی چاہیے۔ تم گرمی کے موسم میں تھوڑے عرصہ کے لیے بھی بال نہیں رکھ سکتے مگر وہ رکھتے ہیں اور شوق کے ساتھ رکھتے ہیں۔ لوگ ہمیشہ

اصول کی پابندی کو دیکھتے ہیں اور پھر وہ سمجھتے ہیں کہ ضرور کوئی نہ کوئی بات ایسی ہے جس کے لیے یہ لوگ تکالیف اُٹھاتے ہیں۔ پس پہلی اور ضروری چیز یہ ہے کہ اپنے نمونہ سے ثابت کرو کہ جس چیز کو تم نے اختیار کیا ہے اس کی عظمت تمہارے دل میں ہے۔

ایک دفعہ ایک نوجوان مجھ سے گفتگو کر رہا تھا۔ ایک سوال کے جواب میں وہ کہنے لگا کہ کیا اسلام کی بنیاد داڑھی پر ہے؟ وہ سمجھتا تھا کہ یہ کہیں گے نہیں تو میں کہہ دوں گا کہ پھر اگر میں نے چھوڑ دی تو کیا حرج ہے مگر میں نے کہا کہ اسلام کی بنیاد داڑھی پر تو بیشک نہیں مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت پر ضرور ہے۔ اس کے آگے پھر وہ بات نہیں کر سکا۔ میں نے اُسے کہا کہ بیشک داڑھی کا سوال کوئی اہم نہیں مگر محمد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا سوال بے حد اہم ہے۔ جب کوئی شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتنا معمولی سا حکم نہیں مان سکتا تو پھر اُس سے یہ کیونکر امید کی جا سکتی ہے کہ وہ کوئی بڑا حکم مانے گا۔ داڑھی نہ رکھنے والے کی تو یہی مثال ہے کہ جیسے کوئی شخص کہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چونکہ مجھ سے ایک پیسہ مانگا تھا اس لیے میں نے نہیں دیا۔ یہ بات سننے والے سب اسے پاگل کہیں گے اور کہیں گے کہ اگر تم سے لاکھ روپیہ مانگا جاتا تو کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ تم ادا کر دیتے۔ تم خود اقرار کرتے ہو کہ تم سے جو مانگا گیا وہ بہت تھوڑا تھا اور جب تم اقرار کرتے ہو کہ تم نے وہ بھی پیش نہیں کیا تو پھر جب زیادہ قربانی کا موقع آئے تو تم سے کیا اُمید کی جا سکتی ہے۔

اسلامی تمدن اور اس کے اصول کو دنیا میں قائم کرنا بہت بڑی تبلیغ ہے۔ جب لوگ دیکھیں گے کہ یہ لوگ جو دنیا کے نقطۂ نگاہ سے وحشی نظر آتے ہیں اپنی بات پر اس لیے قائم ہیں کہ خدا تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے اور ہمارے اثر سے باہر ہو گئے ہیں تو وہ ڈریں گے کہ اب ان کا دوسرا قدم یہ ہوگا کہ یہ ہم پر حملہ کریں گے اور دنیا میں وہ شخص یا قوم غالب نہیں ہوا کرتی جس کے گھر پر حملہ ہو بلکہ حملہ آور ہی غالب ہوا کرتا ہے۔ مگر حملہ سے یہ مُراد نہیں کہ لٹھ مار کر کسی کا سر پھوڑ دیا جائے بلکہ حملہ کا مطلب یہ ہے کہ اپنے اصول دنیا کے سامنے پیش کر کے اُن کو قائم کرنے کے لیے جدوجہد کی جائے۔ حملہ کے لئے ہمیشہ جرأت کی ضرورت ہوتی ہے اور وہی شخص دوسرے کے گھر پر حملہ کرنے کی جرأت کر سکتا ہے جس کا اپنا گھر محفوظ ہو، جس کے اپنے گھر میں بہت سے دشمن ہوں وہ کسی کے گھر پر کیا چڑھائی کرے گا۔ اِسی طرح جب ہمارا اپنا تمدن اسلامی تمدن کے خلاف ہو تو دوسروں سے اس کی فضیلت کس طرح منوا سکتے

ہیں۔ جو بات ہم اپنے نفس سے بھی نہیں منوا سکتے وہ دوسروں سے کیسے منوا سکتے ہیں۔ پس سب سے پہلے اپنے اندر سنجیدگی پیدا کرو۔ پھر دوسروں کی فطرت سے اپیل کرو بلکہ اپنے اندر سنجیدگی پیدا کرنا خود دوسروں سے اپیل کے مترادف ہوگا۔ تمہارے اردگرد بسنے والے جب دیکھیں گے کہ ہم اسلامی تعلیم پر عمل نہیں کرتے مگر یہ لوگ کرتے ہیں اور تکلیف اُٹھانے کے باوجود کرتے ہیں تو اُن پر وہی اثر ہونا لازمی ہے جو حضرت حمزہؓ پر ہوا تھا۔ وہ غور کریں گے کہ جن باتوں میں ہمیں لذت ملتی ہے اُن کو بھی ملتی ہے مگر یہ محض اسلام کی تعلیم کی وجہ سے اس سے لذّت اندوز نہیں ہوتے جس کا مطلب یہ ہے کہ اُن کے پاس ضرور کوئی ایسی چیز ہے جو اُن کے اندر مقابلہ کی قوت پیدا کرتی ہے اور پھر وہ غور کے ساتھ ہماری باتیں سُنیں گے۔

پس پہلی چیز یہ ہے کہ آپ لوگ اپنے دلوں میں خشیت پیدا کریں۔ میں نے پہلے بھی لاہور میں دوستوں کو یہ نصیحت کی تھی کہ وہ وفات مسیحؑ اور ضرورتِ نبوت پر بحث کرنے کی بجائے اگر لوگوں کے دلوں میں خشیت پیدا کریں تو تبلیغ کا دائرہ بہت وسیع ہوسکتا ہے۔ لوگ کیوں اسلام اور احمدیت کی طرف نہیں آتے؟ اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ مختلف قسم کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ اُن زنجیروں کو توڑو تو پھر آئیں گے۔ جب دل شیطان کے قبضہ میں ہوں تو اس طرف توجہ کیسے ہوسکتی ہے۔ پہلے دلوں میں خشیت پیدا کرو پھر خود بخود لوگ توجہ کرنے لگیں گے۔ مگر مجھے افسوس ہے کہ میری اِن باتوں کی طرف بہت کم توجہ کی گئی ہے۔ اگر سچائی، دیانت، نیکی، تقوٰی، احسان اور ہمدردیِ خَلق پر آپ لوگ وعظ کریں تو آپ کے اپنے اندر بھی یہ صفات پیدا ہوں گی اور آپ لوگوں کی اپنی اصلاح بھی ہوگی اور سننے والوں کی بھی، آپ کے زنگ بھی دور ہوں گے اور اُن کے بھی۔ مگر میرے بار بار توجہ دلانے کے باوجود اس طرف توجہ نہیں کی گئی۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ سلسلہ کی ترقی اس رنگ میں نہیں ہو رہی جس رنگ میں ہونی چاہیے۔ کل ہی جماعت احمدیہ لاہور کے امیر صاحب کو میں نے حساب کرکے بتایا تھا کہ جس رفتار سے جماعت احمدیہ لاہور کی ترقی ہو رہی ہے اِس کو دیکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ پچیس ہزار سال تک لاہور میں آپ لوگوں کی کثرت ہوجائے گی اور ظاہر ہے کہ لاہور دنیا کے مقابلہ میں کوئی چیز نہیں۔ اور جب اس کے لیے ہزاروں سال درکار ہیں تو پھر باقی دنیا میں احمدیت پھیلنے کے لیے کتنا عرصہ درکار ہوگا۔ اور یہ اس وجہ سے ہے کہ جماعت کے دوست یہ سمجھ کر کہ میرا باپ، بھائی اور رشتہ دار تو احمدی

ہو چکے ہیں چلو چھُٹی ہوئی، خاموش ہو کر بیٹھ جاتے ہیں اور دنیا میں خدا تعالیٰ کی بادشاہت قائم کرنے کا خیال بھی اُن کو نہیں آتا تو جو شخص تو خدا تعالیٰ کی بادشاہت کے قیام کے مقصد کو سامنے رکھتا ہے وہ اُس وقت تک آرام، چین سے نہیں بیٹھ سکتا جب تک ایک فرد بھی اِس سے باہر ہے۔ لیکن جسے اپنے آرام کا خیال ہے وہ اپنے خویش و اقارب کے احمدی ہو جانے پر مطمئن ہو سکتا ہے اور خیال کر سکتا ہے کہ اب خدا تعالیٰ کا فضل ہو گیا ہے اور امن ہو گیا ہے۔ لیکن ہمارا اپنے لیے امن حاصل کرنا نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کی بادشاہت قائم کرنا ہے اور جب تک یہ نہ ہو جائے ہمیں آرام اور چین سے نہیں بیٹھنا چاہیے اور اپنے عملی نمونہ سے ایسا رویہ اختیار کرنا چاہیے کہ لوگوں کے دل خود بخود اِس طرف کھنچے چلے آئیں۔

میں نے بارہا بتایا ہے کہ یہ تعلیم کہ ظلم برداشت کرو، یہ شکست کا ذریعہ نہیں بلکہ فتح کا ہے۔ اور یہ ہار کا نہیں بلکہ فتح کا موجب بنتا ہے۔ ظلم کو بزدلی سے برداشت کرنا پڑا ہے۔ اگر تم ظلم کو اس لیے برداشت کرتے ہو کہ اس کے مقابلہ کی طاقت تم میں نہیں تو بیشک تم بزدل ہو اور اس کا نتیجہ کچھ نہیں ہوگا۔ لیکن اگر ایسی حالت میں برداشت کرتے ہو کہ تم میں مقابلہ کی طاقت ہے، تمہارے پاس بھی ہتھیار ہے تو یہ بزدلی نہیں۔ اسی لیے میں نے بارہا کہا ہے کہ ہمیشہ اپنے پاس سوٹی رکھا کرو۔ کیونکہ اگر تم نہتّے ہو کر مار کھاؤ گے تو دنیا یہی کہے گی کہ یہ نہتا تھا۔ اگر اس کے پاس ہتھیار ہوتا تو شاید یہ بھی مارتا لیکن جب ہتھیار ہونے اور طاقت رکھنے کے باوجود تم مار کھاؤ گے تو لوگوں کے دل محسوس کریں گے کہ خدا تعالیٰ کے لیے تم نے قربانی کی ہے۔ یہاں لاہور کا ہی واقعہ ہے۔ یہاں کے دوستوں پر تبلیغ کرنے کا دورہ ایک دفعہ آیا تو بعض دوست تبلیغ کے لیے کسی گاؤں میں گئے۔ وہاں کے لوگوں نے ان کو مارا۔ یہ اگرچہ اچھی تعداد میں تھے مگر اِنہوں نے ہاتھ نہ اُٹھایا۔ ان میں سے کسی کی پگڑی بھی وہاں رہ گئی اور یہ سب چلے آئے۔ اِس پر گاؤں سے کئی میل کے فاصلہ پر سے ایک شخص آ کر اِن سے ملا۔ اُس نے پگڑی واپس کی اور کہا کہ سچائی واقعی آپ کے پاس ہے۔ مجھے اپنی باتیں سنائیں۔ تو جب طاقت رکھنے اور ہتھیار موجود ہونے کے باوجود ظلم کو برداشت کیا جائے تو دوسرے پر ضرور اثر ہوتا ہے اور انسانی فطرت اس سے متأثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی۔

اب تک لاہور کے تمام محلوں میں بھی احمدیت نہیں پھیلی اور اگر کبھی ترقی بھی ہوتی ہے تو اس کی رفتار اِتنی سُست ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ کی حکومت قریب آئی ہوئی نظر نہیں آتی۔ جن محلوں میں چند

اَفرادِ احمدی ہو گئے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ اب ہمارے لیے گھبراہٹ کی کوئی وجہ نہیں۔ انہیں کبھی خیال ہی نہیں آتا کہ اُن کا کام ساری دنیا میں خدا تعالیٰ کی بادشاہت قائم کرنا ہے۔

پس میں پھر دوستوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ اپنی ذمہ داریوں کو سمجھو اور پوری کوشش سے تبلیغ میں لگ جاؤ۔ یہ ضروری نہیں کہ سارے ہی سمجھیں تو کام شروع کیا جائے۔ اگر ایک شخص بھی اپنی ذمہ داری کو سمجھ لے تو اُسے چاہیے کہ کام شروع کر دے اور دوسروں کے انتظار میں اپنے آپ کو خدمت سے محروم نہ رکھے۔ لوگ دیکھتے رہتے ہیں کہ دوسرے کریں تو ہم بھی کریں گے حالانکہ نیک کام میں دوسروں کے انتظار کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اگر کوئی فردِ واحد بھی اپنی ذمہ داری کو سمجھ کر کام میں لگ جائے تو وہی خدا تعالیٰ کے فضلوں کا وارث ہو سکتا ہے۔ اکیلا ہونے سے گھبرانے کی کوئی وجہ نہیں جبکہ ہر نبی اکیلا تھا۔ کوئی نبی ایسا نہیں جس کے ساتھ پہلے ہی کوئی جماعت ہو اور اِس مثال سے اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ کامیاب ہمیشہ اکیلے ہی ہوا کرتے ہیں۔ جو اس امید میں بیٹھے رہتے ہیں کہ دوسرے آئیں تو ہم بھی چلیں گے وہ کبھی کامیابی کا منہ نہیں دیکھ سکتے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ[6] اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کے دل میں نیکی کی تحریک ہوتی ہے جس پر اگر وہ خاموش ہو جائے تو پھر دل مر جاتا ہے۔ پس اگر کسی ایک کے دل میں بھی یہ جوش پیدا ہو جائے کہ کام کرنا چاہیے تو وہ دوسرے کا انتظار نہ کرے اور کام شروع کر دے مگر عقلمندی کے ساتھ۔ جس طرح ایک قابل جرنیل صرف ایک ہی جگہ پر اپنی طاقت صَرف نہیں کر دیتا بلکہ کبھی ایک جگہ حملہ کرتا ہے اور کبھی دوسری جگہ، کبھی اِس طرف اور کبھی اُس طرف حتّٰی کہ وہ جگہ تلاش کر لیتا ہے جہاں سے حملہ کر کے دروازہ کو توڑا جا سکتا ہے۔

پس تبلیغ عقل کے ساتھ کرنی چاہیے۔ اگر ایک شخص بھی اپنی ذمہ داری کو سمجھتے ہوئے کام شروع کر دے تو وہ اس جگہ خدا تعالیٰ کے نبی کا قائمقام ہوگا کیونکہ انبیاء کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ اکیلے ہی کام کرتے ہیں۔ پس جو اکیلا ہو کر کام کرے گا وہ خدا تعالیٰ کے انبیاء کا ظِلّ ہوگا۔ ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہنے کا ہی یہ نتیجہ ہے کہ لاہور کی جماعت نے اب تک کوئی خاص ترقی نہیں کی اور اب بھی اگر کسی کے دل میں تحریک تو ہو لیکن وہ یہ خیال کرے کہ دوسرے اُٹھیں تو میں بھی اٹھوں گا تو نتیجہ وہی ہو گا جو اَب تک ہوا ہے۔ لیکن اگر کوئی یہ کہے کہ مجھے اِس کی پروا نہیں، کوئی میرا ساتھ دیتا ہے یا نہیں میں

اکیلے ہی کام شروع کرتا ہوں تو وہ نہ صرف یہ کہ خود کامیاب ہوگا بلکہ دوسروں کو بھی اپنے ساتھ ملا لے گا کیونکہ خدا تعالیٰ مومن کو کبھی اکیلا نہیں رہنے دیتا۔ اگر کسی ایک کے دل میں تحریک ہو تو وہی کام شروع کر دے مگر پہلے اپنے اعمال کی اصلاح کرے اور اپنی شکل و صورت سے ثابت کرے کہ وہ اسلام کی بات کو سب سے زیادہ اہم سمجھتا ہے، اپنی شکل و صورت، تمدّن، کلام، گفتگو، زبان، اخلاق کو اسلامی بناؤ۔ پھر لوگ خود بخود تمہارا اثر قبول کریں گے اور تمہارے اندر ایسی مقناطیسی طاقت پیدا ہو جائے گی جو خود بخود دوسروں کو کھینچ لے گی۔

میں اُمید کرتا ہوں کہ یہاں کی جماعت بھی اور باہر کی جماعتیں بھی میرے اس خطبہ کے بعد اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کریں گی کہ گزشتہ سُستیوں کا بھی اِزالہ ہو اور جماعت ترقی کرے اور ہمیں اسلامی تمدّن قائم کرنے میں سہولتیں میسر آ سکیں۔ کئی اسلامی احکام ایسے ہیں کہ جب تک جماعت کی تعداد زیادہ نہ ہو اُن کو قائم نہیں کیا جا سکتا۔ پس اول تو ہر شخص اپنے فرض کو ادا کرے۔ لیکن اگر کسی ایک شخص کے دل میں تحریک ہو تو وہ دوسروں کا انتظار کیے بغیر اکیلا ہی کام شروع کر دے اور پھر استقلال کے ساتھ کرتا چلا جائے تا کہ اگر دس سال کے بعد بھی کوئی پوچھے تو وہ کہہ سکے کہ میں نے اس پر عمل کیا ہے اور یقیناً ایسا شخص دوسروں کے لیے ایک نمونہ اور راہنما کا کام دے گا"۔

(الفضل 18 مئی 1960ء)

1: البقرۃ: 149

2: الزمر: 4

3: التوبۃ: 31

4: متی باب 6 آیت 9، 10

5: سیرت ابن ہشام جلد 1 صفحہ 311، 312۔ مطبوعہ مصر 1936ء

6: الانفال: 25

(12)

اِس زمانہ میں اسلام کو دنیا میں غالب کرنے کی تڑپ سب سے پہلے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دل میں پیدا ہوئی

دعا کرو کہ آپ کی یہ تڑپ ہمارے ذریعہ پوری ہو تا قیامت کے روز اسلام کی فتح کا جھنڈا ہم آپ کے قدموں میں ڈال سکیں اور آپ یہ جھنڈا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں ڈالتے ہوئے یہ کہہ سکیں کہ اے میرے آقا! دراصل یہ تیری ہی فتح کا جھنڈا ہے

(فرمودہ 25 اپریل 1958ء بمقام ربوہ)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''میری بیماری کے پچھلے تین سالوں میں جو کسی قدر مجھے صحت ہوئی تھی وہ گو درمیان میں آکر رُک گئی تھی اور بعض عوارض شروع ہو گئے تھے لیکن پھر بھی گزارہ ہو جاتا تھا اور خیال تھا کہ اب کے پہاڑ پر جانے کی وجہ سے شاید اَور زیادہ فائدہ ہو لیکن اس سال گرمی اِس غضب کی پڑی ہے کہ پچھلے سال جب ہم مئی کے مہینہ میں پہاڑ پر گئے تھے تو وہاں لحاف اوڑھ کر سوتے تھے لیکن اس دفعہ پہاڑ پر بھی اتنی

گرمی پہنچی ہے کہ وہاں بھی بغیر کپڑے کے سونا پڑا ہے اس لیے پہاڑ پر جا کر جو فائدہ ہونا چاہیے تھا وہ نہیں ہوا۔ یہاں تو انتہائی گرمی ہے۔ کل یہاں درجہ حرارت ایک سو بارہ تھا۔

مجھے یاد ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں بھی مَیں اخبارات پڑھا کرتا تھا تو ایک دفعہ اخبار میں یہ خبر شائع ہوئی کہ جیکب آباد میں درجہ حرارت ایک سو گیارہ تک جا پہنچا ہے اور اِس پر شور مچ گیا تھا کہ دوزخ کا منہ کھل گیا ہے۔ ایک حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دوزخ سال میں دو دفعہ سانس لیتا ہے۔ ایک سانس تو وہ گرمی میں لیتا ہے اور ایک سانس سردی میں لیتا ہے۔1 اِس دفعہ بھی گرمی اتنی شدید ہے کہ کمزور آدمی اس کی برداشت کی طاقت نہیں رکھتا۔ نوجوان آدمی تو اس کی پروا نہیں کرتا۔ آخر اس گرمی میں دوست روزے بھی رکھتے رہے ہیں اور سارا مہینہ بعض لوگ درس بھی دیتے رہے ہیں۔ اب تو کمزوری کی وجہ سے میں زیادہ کام نہیں کر سکتا لیکن اپنی جوانی کے زمانہ میں بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ ادھیڑ عمر میں یعنی 1922ء میں مَیں نے وہ درس دیا تھا جو تفسیر کبیر (سورۃ یونس تا کہف) کی صورت میں چھپا ہوا ہے۔ اُس وقت میری عمر چونتیس سال کی تھی اور قرآن کریم میں خدا تعالیٰ حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق فرماتا ہے کہ وہ ''کہل'' میں باتیں کیا کرتے تھے2 اور تاریخ سے پتا لگتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو تینتیس سال میں نبوت ملی تھی اور باتیں کرنے سے یہی مراد ہے کہ آپ نبوت والی باتیں کیا کرتے تھے ورنہ اڑھائی تین سال کی عمر میں سارے بچے باتیں کرنے لگ جاتے ہیں اور اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کوئی فضیلت نہیں رہتی۔ عام طور پر نبوت چالیس سال کے بعد ملتی ہے لیکن اُس زمانہ میں لوگوں کو جلد پیغام پہنچانے کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تینتیس سال کی عمر میں ہی نبوت کا مقام عطا کر دیا گیا تھا۔ اور 1922ء میں میری عمر چونتیس سال کی تھی یعنی وہ کہولت کی عمر تھی۔ گو درحقیقت یہی عمر جوانی کی انتہائی طاقت کی ہوتی ہے ورنہ جس عمر کو عُرفِ عام میں جوانی کہا جاتا ہے وہ ایک رنگ میں بچپن کا زمانہ ہوتا ہے۔ بہرحال جب میری عمر چونتیس سال کی تھی تو میری یہ حالت تھی کہ میں رمضان کے مہینہ میں روزہ رکھ کر درس دیا کرتا تھا اور یہ درس میں نو بجے صبح سے شروع کیا کرتا تھا اور شام کو ساڑھے پانچ بجے کے قریب ختم کیا کرتا تھا اور بعض دفعہ تو ایسا بھی ہوا کہ روزہ کھول کر میں نے درس بند کیا۔ مجھے یاد ہے کہ بعض دفعہ ایسا ہوا کہ درس ابھی ختم نہیں ہوا تھا کہ اذان ہوگئی، ہم نے روزہ کھولا، نماز پڑھی اور پھر دوبارہ درس

دینا شروع کر دیا۔ لیکن اب یہ ہوا کہ رمضان آیا تو میں نے کہا کہ رمضان میں قرآن کریم کی زیادہ تلاوت کرنی چاہیے۔ چنانچہ میں نے اس مہینہ میں تلاوت قرآن کریم شروع کر دی اور بارہ سیپارہ روزانہ کی تلاوت کی۔ بعض دفعہ مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جیسے میں بیہوش ہو چلا ہوں لیکن پھر بھی ہمت کر کے پڑھتا چلا گیا اور اللہ تعالیٰ نے مجھے توفیق دے دی کہ میں نے اپنا ارادہ پورا کر لیا اور آخری دم تک برابر بارہ پارے قرآن کریم کے پڑھتا رہا۔ یوں حافظ تو شاید اس سے بھی زیادہ پڑھ سکتے ہیں۔ چونکہ انہوں نے قرآن کریم حفظ کیا ہوتا ہے اس لیے وہ جلدی جلدی پڑھ سکتے ہیں لیکن جب وہ تلاوت کر رہے ہوتے ہیں تو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کیا تلاوت کر رہے ہیں۔ ہماری جماعت کے ایک مخلص دوست مولوی عبدالقادر صاحب مرحوم تھے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پرانے صحابی اور حکیم محمد عمر صاحب کے والد تھے۔ وہ بڑے نیک انسان تھے۔ لیکن جب قرآن کریم پڑھا کرتے تو اتنی جلدی جلدی پڑھتے کہ پتا نہیں لگتا تھا کہ وہ کیا پڑھ رہے ہیں۔ لیکن اگر قرآن کریم کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا جائے تو بارہ سیپارے روزانہ پڑھ لینا بڑی ہمت کا کام ہوتا ہے سوائے اِس کے کہ جو حصہ زیادہ کثرت سے پڑھا ہوتا ہے وہ نسبتاً جلدی نظر سے گزر جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم کی آخری سورتیں مجھے اکثر یاد تھیں۔ اگرچہ اب میں ان میں سے کچھ حصہ بھول گیا ہوں لیکن پھر بھی جب میں ان پر پہنچتا تھا تو میری رفتار بہت تیز ہو جاتی تھی۔ شروع میں رفتار کمزور ہوتی تھی کیونکہ صحت کی کمزوری کی وجہ سے توجہ ہٹ جاتی تھی مگر آخری حصہ باوجود بیماری کے جلدی گزر جاتا تھا۔

پس یہ گرمی ایک استثنائی صورت میں پڑی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنے مومن بندوں کی حفاظت کرے کیونکہ جیسا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے یہ گرمی دوزخ کا ایک نمونہ ہے۔<u>3</u> میں نے بتایا ہے کہ پچھلے سال ہم مئی میں پہاڑ پر گئے اور وہاں ہم لحاف لے کر سوتے تھے لیکن اس دفعہ وہاں دروازے اور کھڑکیاں کھول کر سونا پڑتا تھا۔ اِسی طرح پچھلے سال وہاں کا ٹمپریچر پچاس درجہ سے بھی کم تھا لیکن اس دفعہ چورانوے تھا اور یہ بہت بڑا فرق ہے۔

بہرحال آج شوریٰ کا اجلاس بھی ہے اور دوستوں کو وہاں جانا پڑے گا اس لیے میں دوستوں سے کہتا ہوں کہ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہماری شوریٰ میں برکت ڈالے اور ہمیں ایسا کام کرنے کی توفیق دے جس کے نتیجہ میں اسلام دنیا کے چاروں کونوں میں پھیل جائے اور یہ کام اِس چھوٹی سی جماعت

سے نہیں ہو سکتا۔ یہ صرف خدا تعالیٰ کی مدد سے ہی ہو سکتا ہے۔ اصل میں تو چھوٹے چھوٹے کام بھی خدا تعالیٰ کے فضل سے ہی ہو سکتے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہر کام جس میں کچھ نہ کچھ اہمیت نظر آتی ہو اُس سے پہلے استخارہ کر لیا کرو۔4 اس کے معنے یہی ہیں کہ درحقیقت سب کام خدا تعالیٰ کی مدد سے ہوتے ہیں لیکن دنیا کو دلائل اور قرآن کریم کے ساتھ فتح کرنا تو بہت بڑا کام ہے۔ قرآن کریم کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا۔5 یعنی ہمارے رسول نے ہمارے پاس فریاد کرتے ہوئے کہا کہ اے میرے رب! میری قوم نے اِس قرآن کو اپنی پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا ہے۔ اب بتاؤ کہ جس قرآن کو مسلمان بھی اپنی پیٹھ کے پیچھے پھینک رہے ہوں اُس قرآن کو اپنے ہاتھ میں لے کر ان عیسائیوں میں نکل جانا جو اُنیس سو سال سے برابر اسلام کو مٹانے کے لیے زور لگا رہے ہیں اور اسلام اور قرآن کریم کو دوبارہ قائم کرنا کیا کوئی معمولی بات ہے۔ اس کے لیے تو ہمیں ہمیشہ یہ دعائیں کرتے رہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے مبلغوں کو کامیاب کرے اور دوسرے نوجوانوں کو بھی جن میں طاقت اور ہمت ہے خدا تعالیٰ توفیق دے کہ وہ اپنی زندگیاں وقف کر کے دین کی خدمت کے لیے آگے نکل آئیں۔

میں نے اس غرض کے لیے وقفِ جدید کی تحریک جاری کی تھی اور اُمید تھی کہ واقفین بڑا اچھا کام کریں گے اور گو اِس کو جاری ہوئے ابھی تھوڑا عرصہ ہی ہوا ہے لیکن پھر بھی بعض لوگوں کو باہر گئے ہوئے دو دو ماہ یا اس سے زیادہ عرصہ گزر گیا ہے مگر جو نتائج ابھی تک ظاہر ہوئے ہیں وہ کوئی خوشکن نہیں ہیں۔ چنانچہ پچھلے سال مارچ کے مہینے میں دوسو آدمیوں نے بیعت کی تھی لیکن اِس سال مارچ کے مہینہ میں صرف ایک سو ایک کی بیعت ہوئی ہے۔ گویا وقف جدید کے اجرا کے بعد بیعت آدھی رہ گئی ہے۔ اس کے معنے یہ ہیں کہ انہوں نے صحیح معنوں میں کوشش نہیں کی ورنہ بیعت کا نہ صرف پہلا معیار قائم رہنا چاہیے تھا بلکہ اس سے بھی ترقی کرنا چاہیے تھا۔ اگر یہ لوگ ہماری توقع کے مطابق کام کریں اور جماعت کے دوست بھی اپنے فرائض کو سمجھیں اور خدا اور اُس کے رسول کا پیغام لوگوں تک پہنچانے میں کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہ کریں تو یہ ممکن ہی نہیں کہ لوگوں پر اثر نہ ہو۔ دیکھو اسلام پر ایک ایسا زمانہ بھی آیا تھا جبکہ منافق مسلمانوں سے کہتے تھے کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگ جاؤ، اب تمہاری خیر نہیں۔ احادیث میں آتا ہے کہ منافق کھلے بندوں کہتے پھرتے تھے کہ اب تو مسلمان عورتوں کو باہر

پاخانہ پھرنے کو بھی جگہ نہیں ملتی اور یہ لوگ مکہ فتح کرنے کے دعوے کرتے ہیں[6] مگر دیکھ لو ابھی چند سال بھی نہیں گزرے تھے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم دس ہزار صحابہؓ کے ساتھ مکہ میں داخل ہوگئے۔ اُس وقت مکہ والے ایسے گھبرائے ہوئے تھے کہ انہوں نے فتح مکہ سے چند دن پہلے ابوسفیان کو مدینہ بھیجا تا کہ صلح حدیبیہ والے معاہدہ کی ابتدا اُس دن سے شمار کی جائے جب ابوسفیان اس کی توثیق کر دے اور وہ مسلمانوں کو مکہ پر حملہ کرنے سے باز رکھے۔ ان لوگوں کو یہ تشویش اس لیے پیدا ہوئی کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر یہ فیصلہ ہوا تھا کہ عرب قبائل میں سے جو چاہیں مکہ والوں سے مل جائیں اور جو چاہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل جائیں اور یہ کہ دس سال تک دونوں فریق کو ایک دوسرے کے خلاف لڑنے کی اجازت نہیں ہوگی سوائے اِس کے کہ ایک فریق دوسرے فریق پر حملہ کر کے معاہدہ کو توڑ دے۔ اس معاہدہ کے ماتحت عرب کا قبیلہ بنوبکر مکہ والوں کے ساتھ مل گیا تھا اور خزاعہ قبیلہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل گیا تھا۔ صلح حدیبیہ پر کچھ عرصہ گزرنے کے بعد بنوبکر نے قریشِ مکہ کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے معاہد قبیلہ خزاعہ پر حملہ کر دیا اور اُن کے کئی آدمی مار ڈالے۔ وہ جانتے تھے کہ اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اِس واقعہ کا علم ہوا اور آپ کو اس کا یقیناً علم ہوگا تو آپ معاہدہ کی حرمت کو قائم رکھنے کی خاطر مکہ والوں پر حملہ کر دیں گے۔ چنانچہ انہوں نے چاہا کہ پیشتر اِس کے کہ مدینہ میں اس معاہدہ شکنی کی خبر پہنچے ابوسفیان وہاں جائے اور اس بارے میں کوشش کرے۔ مگر پیشتر اِس کے کہ قریشِ مکہ کی اس عہد شکنی کی مدینہ میں اطلاع پہنچتی حضرت میمونہؓ فرماتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات تہجد کے وقت جب وضو کرنے کے لیے اُٹھے تو میں نے سنا کہ آپ بلند آواز سے فرما رہے ہیں لَبَّیْکَ لَبَّیْکَ لَبَّیْکَ اور پھر آپ نے تین دفعہ فرمایا نُصِرْتَ نُصِرْتَ نُصِرْتَ۔ میں نے کہا یارسول اللہ! آپ نے کیا فقرات فرمائے ہیں؟ یہ تو ایسے الفاظ ہیں جیسے آپ کسی شخص سے گفتگو فرما رہے تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے ابھی دیکھا ہے کہ خزاعہ کا ایک وفد میرے پاس آیا ہے اور اُس نے کہا ہے کہ قریش نے بنوبکر کے ساتھ مل کر اُن پر حملہ کر دیا ہے آپ معاہدہ کے مطابق ہماری مدد کریں اور میں نے کہا کہ میں تمہاری مدد کے لیے تیار ہوں۔[7]

چنانچہ تیسرے دن اس قبیلہ کے نمائندے مدینہ پہنچ گئے اور انہوں نے سارا واقعہ کہہ سنایا۔ بعد میں ابوسفیان آیا اور اس نے کہنا شروع کر دیا کہ چونکہ صلح حدیبیہ کے وقت میں موجود نہیں تھا اس

لیے وہ کوئی معاہدہ نہیں تھا۔ اب میں نئے سرے سے معاہدہ کرنا چاہتا ہوں مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ آخر اُس نے بیوقوفی سے خود ہی مسجد میں جا کر یہ اعلان کر دیا کہ چونکہ میں اِس معاہدہ میں شامل نہیں تھا اور میں مکہ کا رئیس ہوں اس لیے وہ معاہدہ درست نہیں ہوسکتا۔ اب میں نئے سرے سے معاہدہ کرتا ہوں۔ یہ بات سن کر مسلمان اُس کی بیوقوفی پر ہنس پڑے اور وہ سخت شرمندہ ہوا۔ بعد میں ابوسفیان نے کہا کہ مجھ سے حضرت علیؓ نے کہا تھا کہ تم مسجد میں جا کر اِس قسم کا اعلان کر دو۔ خدا تعالیٰ بنو ہاشم کا بُرا کرے انہوں نے مجھے ذلیل کیا ہے۔ چونکہ بنو ہاشم اور بنو امیہ دونوں خاندانوں میں دیر سے رقابت چلی آتی تھی اس لیے ابوسفیان نے خیال کیا کہ حضرت علیؓ نے اس مخالفت کی وجہ سے مجھے یہاں مسلمانوں کے سامنے ذلیل کیا ہے لیکن یہ بیان صرف ابوسفیان کا ہے جو اُس وقت کافر تھا۔ اس لیے کوئی وجہ نہیں کہ اِس پر یقین کیا جائے۔ اس کے بعد ابوسفیان رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کی طرف آیا۔ اُس کی ایک بیٹی حضرت اُمِ حبیبہؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیاہی ہوئی تھیں۔ وہاں ایک گدّا بچھا ہوا تھا۔ وہ اُس پر بیٹھنے لگا تو حضرت اُمِ حبیبہ نے وہ گدّا اُس کے نیچے سے کھینچ لیا۔ ابوسفیان نے کہا بیٹی! میں اس گدّا کے قابل نہیں ہوں یا یہ گدّا میرے قابل نہیں ہے؟ اُس نے یہ خیال کیا کہ چونکہ میں بڑا آدمی ہوں اس لیے شاید میری بیٹی نے میرے اعزاز کی وجہ سے یہ گدّا اُٹھا لیا ہے۔ حضرت اُمِ حبیبہ نے کہا اے میرے باپ! معاف کرنا تم میرے باپ ہو اور ادب کی جگہ ہو مگر اس گدّا پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا کرتے ہیں اور تم ایک مشرک اور ناپاک شخص ہو سو میں اس گدّا پر جس پر خدا تعالیٰ کا رسول نماز پڑھا کرتا ہے خدا تعالیٰ کے دشمن کو بیٹھنے کی اجازت نہیں دے سکتی۔ ابوسفیان جھٹ اُٹھ کھڑا ہوا اور اس نے کہا میری بیٹی! تُو تو میرے بعد بہت بگڑ گئی ہے۔ اس کے بعد ابوسفیان مکہ والوں کو اپنی ناکامی کی خبر دینے کے لیے واپس لَوٹا اور اِدھر اسلامی لشکر جو دس ہزار کی تعداد میں تھا مدینہ سے روانہ ہو کر مکہ کے قریب خیمہ زن ہو گیا۔ مکہ والے چونکہ بہت زیادہ خوف زدہ تھے انہوں نے ابوسفیان کو پھر اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ دوبارہ مسلمانوں کے پاس جائے اور انہیں جنگ سے باز رکھے مگر مکہ سے تھوڑی دور نکلنے پر ہی ابوسفیان نے رات کے وقت جنگل کو آگ سے روشن پایا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دے دیا تھا کہ ہر خیمہ کے آگے آگ روشن کی جائے۔ ابوسفیان نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا یہ کون

لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا یہ فلاں قبیلہ کے لوگ ہیں۔ ابوسفیان کہنے لگا اُس قبیلہ کے لوگ تو بہت تھوڑے ہیں اور اِن کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ یہ وہ نہیں ہو سکتے۔ ساتھیوں نے پھر کہا یہ فلاں قبیلے کے لوگ ہوں گے۔ ابوسفیان نے کہا میں جانتا ہوں کہ اس قبیلہ کے لوگ بھی تھوڑے ہیں۔ یہ ان سے بہت زیادہ ہیں۔ ابھی وہ یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ اندھیرے میں سے آواز آئی۔ ابوحنظلہ (یہ ابوسفیان کی کُنیت تھی)۔ ابوسفیان نے آواز پہچان کر کہا عباس! تم یہاں کہاں؟ انہوں نے جواب دیا سامنے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لشکر پڑا ہے۔ ابوسفیان گھبرایا اور اپنی سواری پر کھڑا ہو گیا۔ اس نے خیال کیا کہ اب میری شامت آ گئی ہے کیونکہ میں نے ساری عمر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دُکھ دیا ہے۔ حضرت عباسؓ جو ابوسفیان کے گہرے دوست تھے اور پہرہ پر مقرر تھے انہوں نے کہا کم بخت! جلدی سے میرے پیچھے سواری پر بیٹھ جا۔ ورنہ عمرؓ میرے پیچھے آ رہا ہے وہ تیری خبر لے گا۔ چنانچہ حضرت عباسؓ نے ابوسفیان کا ہاتھ پکڑا اور کھینچ کر اپنے پیچھے بٹھا لیا اور گھوڑا دوڑاتے ہوئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا پہنچے۔ وہاں پہنچتے پہنچتے ابوسفیان مبہوت سا ہو چکا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی یہ حالت دیکھی تو حضرت عباسؓ سے فرمایا عباس! تم ابوسفیان کو اپنے ساتھ لے جاؤ اور رات کو اپنے پاس رکھو۔ صبح میرے پاس لانا۔ چنانچہ ابوسفیان ساری رات حضرت عباسؓ کے پاس رہا۔ جب صبح اُسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے تو فجر کی نماز کا وقت تھا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا رہے تھے اور دس ہزار کا لشکر پیچھے صف باندھے کھڑا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب رکوع کے لیے اپنا سر جھکایا تو دس ہزار مسلمان آپ کی اتباع میں نیچے جھک گئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم رکوع سے کھڑے ہوئے تو دس ہزار مسلمان کھڑے ہو گئے۔ پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں گرے تو دس ہزار افراد سجدہ میں گر گئے۔ پھر سجدہ سے اُٹھے تو دس ہزار افراد سجدہ سے اُٹھ بیٹھے۔ پھر دوبارہ سجدہ کے لیے جھکے تو دس ہزار افراد سجدہ میں جھک گئے۔ پھر سجدہ سے اُٹھ کر تشہّد کے لیے بیٹھے تو دس ہزار افراد تشہد میں بیٹھ گئے۔ ابوسفیان نے سمجھا کہ شاید میرے لیے یہ کوئی نئی قسم کا عذاب تجویز ہوا ہے۔ چنانچہ اس نے حضرت عباسؓ سے جو پہرہ پر مقرر ہونے کی وجہ سے نماز میں شریک نہیں ہوئے تھے دریافت کیا کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ انہوں نے کہا ابوسفیان! گھبراؤ نہیں، یہ تمہارے مارنے کی تیاری نہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا رہے

ہیں اور یہ مسلمان تو ایسے ہیں کہ اگر آپؐ فرمائیں کہ کھانا چھوڑ دو تو وہ کھانا بھی چھوڑ دیں۔ ابوسفیان پر اس بات کا بہت اثر ہوا اور اُس نے کہا میں نے کسریٰ کا دربار بھی دیکھا ہے اور قیصر کا دربار بھی دیکھا ہے لیکن اُن کی قوموں کو بھی میں نے ان کا ایسا فدائی نہیں دیکھا جیسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت اس کی فدائی ہے کہ آپ نیچے جھکے تو سب لوگ جھک گئے، سجدہ میں گرے تو سب لوگ سجدہ میں چلے گئے، تشہّد کے لیے بیٹھے تو سب لوگ تشہّد میں بیٹھ گئے۔ یہ بے نظیر اطاعت ہے جو میں نے کہیں اَور نہیں دیکھی۔8

جب نماز ختم ہو چکی تو حضرت عباسؓ ابوسفیان کو لے کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا ابوسفیان! کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تم مجھے اللہ تعالیٰ کا رسول تسلیم کر لو؟ ابوسفیان نے کچھ تردّد کا اظہار کیا لیکن پھر کچھ خوف کی وجہ سے اور کچھ حضرت عباسؓ کے زور دینے کی وجہ سے اس نے بیعت کے لیے اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا۔9 پھر اس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ تو بڑے مہربان ہیں، مکہ والے آپ کے رشتہ دار ہیں، کوئی اُن کے بچاؤ کی صورت ہو سکتی ہے یا نہیں؟ آپ نے فرمایا ہر شخص جو اپنے گھر کے دروازے بند کر لے گا اُسے امن دیا جائے گا۔ حضرت عباسؓ نے کہا یارسول اللہ! ابوسفیان کی عزت کا بھی کچھ سامان کر دیا جائے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہت اچھا! جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا اُسے بھی امن دیا جائے گا۔ ابوسفیان نے کہا یارسول اللہ! میرا گھر کتنا بڑا ہے؟ اُس میں تو سب لوگ نہیں آ سکتے۔ بیشک جو لوگ اندر آ گئے وہ تو امن میں آ جائیں گے مگر باقی لوگوں کا کیا ہو گا؟ آپ نے فرمایا جو شخص خانہ کعبہ میں گھس جائے گا اُسے بھی امن دیا جائے گا۔ ابوسفیان نے کہا یارسول اللہ! خانہ کعبہ بھی سارے مکہ والوں کو اپنے اندر نہیں سما سکتا اور نہ ہی ہر شخص اعلان سن سکتا ہے۔ کوئی ایسی صورت پیدا کی جائے جو ہر شخص کو نظر آ جائے۔ آپ نے فرمایا اچھا کچھ کپڑا لاؤ۔ چنانچہ کپڑا لایا گیا اور آپ نے اُس کا ایک جھنڈا بنایا اور وہ جھنڈا ابورویحہؓ کے ہاتھ میں دیا جن کو آپ نے حضرت بلالؓ کا بھائی بنایا ہوا تھا اور فرمایا جو شخص اس جھنڈے کے نیچے کھڑا ہو گا اُسے بھی پناہ دی جائے گی۔10

اِس حکم میں کیا ہی لطیف حکمت تھی۔ مکہ والے حضرت بلالؓ کے پَیروں میں رسّہ ڈال کر انہیں تپتی ریت پر گھسیٹا کرتے تھے۔ انہیں تپتی ریت پر لِٹا کر اُن کے سینہ پر بڑے بڑے بھاری جوتوں

سمیت کُود ا کرتے تھے۔ چنانچہ اُن کی پیٹھ کا رنگ گرگٹ کی پیٹھ کا سا ہو گیا تھا اور وہ بالعموم اپنی پیٹھ دوسرے لوگوں کو دکھایا کرتے تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیال فرمایا کہ آج بلالؓ کا دل انتقام کی طرف بار بار مائل ہوتا ہو گا اِس لیے اُس کا انتقام لینا بھی ضروری ہے لیکن میرا انتقام شاندار ہونا چاہیے۔ میری شانِ نبوت یہ ہے کہ میں سب کو معاف کر دوں لیکن بلالؓ خیال کرے گا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بھائیوں کو معاف کر دیا اور میرا انتقام یونہی رہا۔ اِس حکمت کے پیشِ نظر آپ نے ایک جھنڈا بنا کر آپ کے ایک بھائی کے ہاتھ میں دیا اور فرمایا جو شخص اس جھنڈے کے نیچے کھڑا ہو گا اُسے بھی امن دیا جائے گا اور بلالؓ کو کہا کہ تم ساتھ ساتھ یہ اعلان کرتے جاؤ تا وہ سمجھ لیں کہ آج میری وجہ سے مکہ والوں کو معاف کیا گیا ہے۔ یہ انتظام فرما کر آپ مکہ میں داخل ہوئے۔

آپ نے حضرت خالدؓ کو ایک دوسری جانب سے شہر میں داخل ہونے کا ارشاد فرمایا تھا اور انہیں سختی سے حکم دیا تھا کہ جب تک کوئی شخص تم سے لڑائی نہ کرے تم نے کسی سے لڑائی نہیں کرنی لیکن جس طرف سے حضرت خالدؓ مکہ میں داخل ہوئے غالباً اُس طرف امن کا پیغام نہیں پہنچا تھا اِس لیے اُس علاقہ کے لوگوں نے حضرت خالدؓ کا مقابلہ کیا جس میں اُن کے 24 آدمی مارے گئے۔ کسی نے دوڑ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ خبر پہنچا دی۔ آپ نے حضرت خالدؓ کو بلایا اور سرزنش کی۔ حضرت خالدؓ نے کہا یا رسول اللہ! آپ کی ہدایت مجھے یاد ہے لیکن ان لوگوں نے ننگی تلواروں کے ساتھ ہمارا رستہ روکا اور ہم پر حملہ کیا۔ 11 اگر یہ لوگ ہم پر حملہ نہ کرتے تو میں بھی ان لوگوں کو قتل نہ کرتا۔

بہرحال اِس خفیف سے واقعہ کے سوا اَور کوئی واقعہ نہ ہوا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہو گئے۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ کے پاس آ کر کھڑے ہوئے تو مکہ کے سارے رؤساء جو آپ پر تُھوکا کرتے تھے اور آپ کو مارا اور دکھ دیا کرتے تھے آپ کے سامنے کھڑے ہو گئے اور آپ نے فرمایا اے مکہ کے لوگو! تمہیں یاد ہے کہ میں نے توحید کا نعرہ بلند کیا اور تم نے مجھے گالیاں دیں، میں نے خدائے واحد کی پرستش کے لیے تمہیں کہا اور تم نے مجھ پر جھوٹے الزامات لگائے، میں نے تم کو نیکی اور تقوٰی کی تعلیم دی مگر تم نے کہا کہ یہ شخص روپیہ کمانا چاہتا ہے یا شاید کسی خوبصورت عورت سے شادی کرنا چاہتا ہے لیکن خدا نے میری مدد کی۔ میں اکیلا تھا اور تم ہزاروں کی تعداد میں تھے۔ سارا عرب تمہارے ساتھ تھا۔ تم نے دیکھ لیا کہ خدا تعالیٰ کے نشانات کس طرح

لفظ بلفظ پورے ہوئے۔اب بتاؤ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں؟ مشرکینِ مکہ کی خوش قسمتی تھی کہ انہوں نے حضرت یوسفؑ کا واقعہ کہیں سے سنا ہوا تھا۔ انہوں نے کہا محمد(صلی اللہ علیہ وسلم) ہم کیا کہیں۔ جوسلوک یوسف (علیہ السلام) نے اپنے بھائیوں سے کیا تھا وہی سلوک آپ ہم سے کریں۔ چنانچہ آپ نے فرمایا لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۔12 آج تم پر کوئی گرفت نہیں کی جاتی۔جاؤ میں نے تم سب کو معاف کر دیا ہے۔ چنانچہ مکہ والے خوش خوش اپنے گھروں کو واپس چلے گئے اور مسلمانوں کی تلواریں اپنے میانوں کے اندر چلی گئیں۔ وہ تو چاہتے تھے کہ آج مشرکینِ مکہ کو تلواروں سے ریزہ ریزہ کر دیں۔آخر وہ واقعات جواُن کے سامنے گزرے تھے اُن کی آنکھوں کے آگے پھر رہے تھے۔

ایک دفعہ آپؐ خانہ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ کسی نے آپ کی پیٹھ پر اونٹ کی اوجھڑی لا کر رکھ دی۔ وہ کافی بوجھل تھی۔ اُس کے بوجھ کی وجہ سے اُس وقت تک آپ اپنا سر نہ اُٹھا سکے جب تک کہ حضرت فاطمہؓ نے جو ابھی چھوٹی عمر کی تھیں دَوڑ کر آپ سے اُس اوجھڑی کو نہ ہٹایا۔13

اِسی طرح ایک دفعہ آپ عبادت کر رہے تھے کہ لوگوں نے آپ کے گلے میں پٹکا ڈال کر کھینچنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ آپ کی آنکھیں باہر نکل آئیں۔اتنے میں حضرت ابوبکرؓ وہاں آ گئے اور انہوں نے آپ کو چُھڑایا اور کہا اے لوگو! کیا تم ایک شخص کو صرف اِس جرم میں قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے خدا میرا آقا ہے۔آخر یہ تم سے کچھ مانگتا تو نہیں۔صرف یہ کہتا ہے کہ خدا ایک ہے، اُس کی عبادت کرو مگر تم اِسے مارنے لگ جاتے ہو۔14

یہ ان لوگوں کی حالت تھی اور تم سمجھ سکتے ہو کہ جب اِن دکھی مسلمانوں کو خدا تعالیٰ نے مشرکینِ مکہ پر غلبہ عطا کر دیا تو ان کے دلوں کی کیا حالت ہوگی مگر اِس کے باوجود جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ والوں کو معاف کر دیا تو انہوں نے بھی انہیں معاف کر دیا۔ حضرت ابوبکرؓ کے بیٹے عبدالرحمان جنگِ بدر کے بعد ایمان لائے تھے۔ جنگِ بدر کے بعد انہوں نے ایک دن حضرت ابوبکر کو سنایا کہ آپ ایک دفعہ زور سے حملہ کرتے ہوئے ہمارے لشکر تک پہنچ گئے تھے اور میں ایک پتھر کے پیچھے چُھپا ہوا تھا۔تلوار میرے ہاتھ میں تھی اور میں اگر چاہتا تو آپ پر حملہ کر سکتا تھا لیکن پھر مجھے خیال آیا کہ آپ میرے باپ ہیں اس لیے میں نے اپنا ارادہ فسخ کر دیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا تیری قسمت اچھی تھی کہ تُو مجھے نظر نہ آیا ورنہ خدا کی قسم! اگر میں تجھے دیکھ لیتا تو میں تیری بوٹیاں اُڑا دیتا اور

اِس بات کی قطعاً پروانہ کرتا کہ تُو میرا بیٹا ہے۔15 اب آپ لوگ دیکھ لیں کہ ایسے غیرت مند لوگوں کے لیے اہلِ مکہ کو معاف کرنا کس قدر مشکل تھا لیکن انہوں نے معاف کیا بلکہ اُن لوگوں کو بھی جنہیں معاف کیا گیا تھا یہ بات بڑی عجیب معلوم ہوئی اور وہ حیران ہوئے کہ انہیں کیسے معاف کیا گیا ہے۔

ابوجہل کا بیٹا عکرمہؓ اُن لوگوں میں شامل تھا جن کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا تھا کہ ان کے بعض ظالمانہ قتلوں اور ظلموں کی وجہ سے انہیں قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ وہ ڈر کے مارے حبشہ کی طرف بھاگ گیا۔ اس کی بیوی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اُس نے کہا یا رسول اللہ! کیا آپ کو یہ اچھا لگتا ہے کہ آپ کے بھائی کا بیٹا عکرمہ آپ کے ماتحت رہے یا یہ اچھا لگتا ہے کہ وہ حبشہ جا کر عیسائیوں کے ماتحت رہے؟ آپ نے فرمایا وہ بیشک یہاں رہے ہم اُسے کچھ نہیں کہیں گے، ہم اُسے معاف کرتے ہیں۔ اُس نے کہا وہ ساحلِ سمندر کی طرف بھاگ کر چلا گیا ہے اور اِس انتظار میں ہے کہ اُسے کوئی کشتی مل جائے تو وہ اُس میں سوار ہو کر حبشہ چلا جائے۔ کیا آپ اجازت دیتے ہیں کہ میں وہاں جا کر اُسے واپس مکہ لے آؤں؟ آپ نے فرمایا ہاں! میں اجازت دیتا ہوں، تم بڑی خوشی سے اُسے واپس لے آؤ۔ عکرمہ کی بیوی نے پھر کہا یا رسول اللہ! وہ بڑا غیرت مند ہے۔ شاید آپ کے دل میں یہ خیال ہو کہ وہ یہاں آ کر مسلمان ہو جائے گا وہ مسلمان نہیں ہوگا۔ کیا آپ اِس امر کی بھی اجازت دیتے ہیں کہ وہ اپنے آباء واجداد کے مذہب پر قائم رہ کر یہاں رہے؟ آپ نے فرمایا وہ بیشک اپنے مذہب پر قائم رہے ہم اُسے مسلمان ہونے پر مجبور نہیں کریں گے۔ چنانچہ وہ عکرمہ کے پیچھے ساحلِ سمندر پر پہنچی۔ عکرمہ ابھی کشتی پر سوار نہیں ہوئے تھے۔ اُس نے کہا اے میرے چچا کے بیٹے! (عرب عورتیں اپنے خاوندوں کو چچا کا بیٹا کہا کرتی تھیں) کیا تجھے یہ بات اچھی لگتی ہے کہ تُو اپنے بھائی کے ماتحت رہے یا یہ بات اچھی لگتی ہے کہ تُو کسی غیر ملک میں جا کر کسی غیر بادشاہ کے ماتحت رہے؟ عکرمہ نے کہا کیا تجھے پتا نہیں کہ اگر میں مکہ میں رہا تو میں مارا جاؤں گا؟ بیوی نے کہا نہیں میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کر لی ہے۔ اگر تُو مکہ میں واپس چلا جائے گا تو تجھے مارا نہیں جائے گا، تجھے پناہ دی جائے گی۔ عکرمہ کہنے لگے تُو مجھ سے دغا تو نہیں کر رہی؟ وہ کہنے لگی کیا میں اپنے خاوند سے دغا کروں گی؟ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اِس بارہ میں اجازت حاصل کر کے آئی ہوں۔ چنانچہ عکرمہ مان گئے اور وہ اپنی بیوی کے ساتھ مکہ واپس گئے۔ مکہ

آ کرانہوں نے اپنی بیوی سے کہا مجھے تیری باتوں پر تب یقین آئے گا جب وہ باتیں جو تُو نے کہیں ہیں محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے منہ سے بھی کہلوا دے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ راستباز انسان ہیں جھوٹ نہیں بولتے۔ چنانچہ ان کی بیوی انہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئی۔ عکرمہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میری بیوی کہتی ہے کہ آپ نے مجھے معاف کر دیا ہے اب آپ مجھے کچھ نہیں کہیں گے؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ ٹھیک کہتی ہے۔ انہوں نے کہا میری بیوی نے مجھے یہ بات بھی بتلائی ہے کہ آپ مجھے مسلمان ہونے پر مجبور نہیں کریں گے کیا یہ بات بھی سچ ہے؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ٹھیک ہے۔ عکرمہ حیران ہوئے اور انہوں نے سمجھ لیا کہ جو شخص اتنے شدید دشمنوں کو بھی معاف کر سکتا ہے وہ جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ انہوں نے یہ بات سنتے ہی فوراً کہا اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عکرمہ! یہ کیا بات ہے؟ عکرمہ نے کہا یا رسول اللہ! میں آج تک آپ کا مخالف تھا اور مجھے یقین نہیں تھا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں لیکن آج آپ نے جو سلوک مجھ سے کیا ہے وہ خدا تعالیٰ کے رسولوں کے سوا اَور کوئی نہیں کر سکتا۔16 میرے باپ اور دوسرے رشتہ داروں نے آپ کو تنگ کیا، آپ کو مارا اور کئی مسلمانوں کو قتل کیا اور پھر یہیں تک بس نہیں کی بلکہ ہماری بعض عورتوں نے مسلمان شہیدوں کے کلیجے نکلوا کر کچے چبائے، آپ کی بیٹی کو مدینہ جاتے ہوئے اونٹ سے گرایا جس کی وجہ سے اُن کا حمل ساقط ہو گیا اور وہ خود بھی اِسی صدمہ کی وجہ سے فوت ہو گئیں۔ ان سب باتوں کے باوجود جب آپ کو غلبہ ملا تو آپ نے ہم سب کو معاف کر دیا۔ یہ کام خدا تعالیٰ کے رسولوں کے سوا اَور کوئی نہیں کر سکتا۔ آپ کا یہ سلوک دیکھ کر مجھے یقین ہو گیا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور اسی لیے میں نے کلمہ پڑھا ہے۔

پھر دیکھ لو حضرت عکرمہؓ کا وہ کلمہ پڑھنا کیسا سچا تھا۔ ایک موقع پر جب حضرت عمرؓ کے زمانہ میں رومیوں سے مسلمانوں کی جنگ ہوئی تو حضرت خالدؓ نے کہا دشمن کی ہراول فوج ساٹھ ہزار کی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ صرف ساٹھ مسلمان میرے ساتھ جائیں اور وہ مسلمان ایسے ہوں جو جان دینے کے لیے تیار ہوں۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے انہیں سمجھایا کہ خالد! یہ بہت بڑی قربانی ہے۔ سارے چیدہ چیدہ

مسلمان مارے جائیں گے مگر حضرت خالدؓ نے کہا اگر ایسا نہ کیا گیا تو ہمارا دشمن پر رُعب نہیں پڑے گا۔ چنانچہ حضرت ابو عبیدہؓ مان گئے اور جو ساٹھ آدمی منتخب کیے گئے اُن میں حضرت عکرمہؓ بھی شامل تھے۔ اس جنگ میں رومی لشکر کا کمانڈر انچیف ایک ایسا شخص تھا جس سے بادشاہ نے وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ مسلمانوں کے مقابلہ میں جنگ جیت گیا تو وہ اُسے اپنی آدھی سلطنت دے دے گا اور اپنی لڑکی اُس کے نکاح میں دے دے گا۔ چنانچہ ساٹھ آدمی حملہ کے لیے چلے گئے۔ ان میں حضرت فضل بن عباسؓ بھی شامل تھے۔ ان لوگوں نے رومی لشکر پر اِس تیزی سے حملہ کیا کہ گو دشمن ساٹھ ہزار کی تعداد میں تھا اور یہ صرف ساٹھ افراد تھے مگر دشمن گھبرا گیا اور یہ نہ سمجھ سکا کہ یہ ساٹھ آدمی انسان ہیں یا جِنّ ہیں۔ یہ لوگ لشکر کے عین وسط میں گھس گئے اور اُس جگہ پر پہنچ گئے جہاں کمانڈر انچیف تھا اور وہاں جا کر اسے ٹانگ سے پکڑ کر سواری سے نیچے گھسیٹ لیا اور اُسے مار ڈالا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سارا لشکر بھاگ گیا17 مگر کمانڈر انچیف پر حملہ کرنا آسان نہیں تھا۔ یہ سارے لوگ یا تو زخمی ہو گئے یا وہیں ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ چند زخمی صحابہؓ ایک ایک جگہ پڑے ہوئے تھے کہ ایک شخص پانی لے کر وہاں پہنچا۔ حضرت عکرمہؓ کی اسلام لانے سے پہلے بھی بڑی شان تھی اور اسلام لانے کے بعد بھی بڑی شان تھی۔ اس لیے وہ پہلے ان کے پاس گیا اور کہنے لگا عکرمہ! آپ شدید پیاسے معلوم ہوتے ہیں تھوڑا سا پانی پی لیں۔ حضرت عکرمہؓ نے اپنے دائیں طرف دیکھا تو حضرت فضل بن عباسؓ بھی زخمی پڑے ہوئے تھے۔ انہوں نے اس شخص کو کہا مجھے نظر آ رہا ہے کہ اِس وقت میرا ایک اَور ساتھی پانی کا سخت محتاج ہے۔ وہ مجھ سے پہلے اسلام لایا ہے اس لیے مجھ سے زیادہ مستحق ہے۔ تمہیں خدا کی قسم! پہلے انہیں پانی پلاؤ پھر میرے پاس آنا۔ چنانچہ وہ شخص اُن کے پاس گیا اور اُن سے پانی پینے کے لیے کہا لیکن انہوں نے بھی پاس والے زخمی صحابی کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ پہلے انہیں پانی پلاؤ پھر میرے پاس آؤ۔ وہ سات صحابہؓ تھے۔ پانی پلانے والا شخص پانی لے کر ساتوں کے پاس باری باری گیا لیکن ان میں سے ہر ایک نے دوسرے کی طرف اشارہ کیا۔ جب آخری صحابی کے پاس پہنچا تو وہ فوت ہو چکے تھے اور جب وہ واپس عکرمہؓ کے پاس آیا تو وہ بھی دم توڑ چکے تھے۔18 تو دیکھو اتنے شدید دشمن کو بھی خدا تعالیٰ نے کس قدر مخلص بنا دیا تھا۔

ہمیں بھی چاہیے کہ ہم اپنے اندر ایسا تغیر پیدا کر لیں اور ایسے اعمال بجا لائیں جن سے لوگوں

کی دشمنی دور ہو جائے اور ہماری محبت اُن کے دلوں میں پیدا ہو جائے۔ مگر اِس کے یہ معنے نہیں کہ دین کے معاملہ میں مداہنت سے کام لیا جائے۔ یہ کام تو منافق بھی کر سکتا ہے۔ حقیقی ایمان کی علامت یہ ہے کہ جہاں اپنوں اور بیگانوں سے حُسنِ سلوک کیا جائے وہاں دین کے معاملہ میں ایسی غیرت رکھی جائے کہ اگر عزیز سے عزیز وجود کو بھی خدا تعالیٰ کے لیے ترک کرنا پڑے تو انسان اسے فوراً ترک کر دے۔ صحابہؓ کو دیکھ لو انہوں نے اپنے ایمان کا ایک عظیم الشان مظاہرہ کیا۔ عبداللہ بن اُبی بن سلول نے ایک موقع پر کہا تھا اور قرآن کریم میں بھی اس کا ذکر آتا ہے کہ مجھے مدینہ میں داخل ہو لینے دو مدینہ کا سب سے زیادہ معزز شخص یعنی وہ کمبخت خود سب سے زیادہ ذلیل شخص یعنی نَعُوْذُ بِاللّٰہِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہاں سے نکال دے گا۔19 یہ بات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی پہنچ گئی۔ عبداللہ بن اُبی بن سلول کا بیٹا جس کا پہلا نام حباب تھا مگر بعد میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کا نام بھی عبداللہ رکھ دیا تھا بھاگتا ہوا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اُس نے کہا یا رسول اللہ! میرے باپ نے ایسی بات کہی ہے اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اس کی سزا سوائے قتل کے اَور کوئی نہیں ہو سکتی، میں صرف یہ درخواست کرنے کے لیے آیا ہوں کہ اگر آپؐ نے اسے قتل کرانا ہو تو مجھ سے کرائیں تا ایسا نہ ہو کہ کوئی اَور صحابیؓ اسے قتل کرے تو بعد میں کسی وقت مجھے جوش آ جائے اور میں اُسے قتل کر بیٹھوں اس لیے کہ اس نے میرے باپ کو مارا ہے لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمارا ایسا کوئی ارادہ نہیں۔ اب گو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا یہ گناہ معاف کر دیا تھا مگر اس کے بیٹے نے اسے معاف نہ کیا۔ جب لشکر مدینہ کو واپس چلا تو اُس کا بیٹا جلدی سے آگے نکل کر شہر کے دروازہ پر کھڑا ہو گیا۔ تلوار اُس کے ہاتھ میں تھی۔ جب عبداللہ بن اُبی بن سلول مدینہ میں داخل ہونے لگا تو اُس کے بیٹے نے کہا میں تمہیں اُس وقت تک شہر میں داخل نہیں ہونے دوں گا جب تک تُو یہاں کھڑا ہو کر اس بات کا اقرار نہ کرے کہ تُو مدینہ کا سب سے زیادہ ذلیل انسان ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے سب سے زیادہ معزز شخص ہیں۔ اگر تُو نے اِس بات کا اقرار نہ کیا تو خدا کی قسم! میں اس تلوار سے تیرے ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا اور اِس بات کی قطعاً پروا نہیں کروں گا کہ تُو میرا باپ ہے۔ بیٹے کے منہ سے یہ بات سن کر وہ بہت گھبرایا اور جھٹ گھوڑے سے اُتر آیا اور مدینہ کے دروازہ میں کھڑے ہو کر اُس نے کہا اے لوگو! سن لو اور گواہ رہو کہ میں مدینہ کا سب سے زیادہ ذلیل

انسان ہوں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے سب سے زیادہ معزز انسان ہیں۔ اِس کے بعد اُس کے بیٹے نے کہا اب تم اندر جاسکتے ہو ورنہ خدا کی قسم! اگر تم یہ اقرار نہ کرتے تو میں تمہیں شہر میں داخل ہونے کی اجازت نہ دیتا بلکہ یہیں تمہیں قتل کر دیتا۔20

تو دیکھو ان لوگوں نے کیسی شاندار قربانیاں کی تھیں۔ آجکل تو کوئی اپنے دوست کے خلاف بھی بات نہیں سن سکتا لیکن وہاں بیٹا اپنے باپ کا رستہ روک کر کھڑا ہو جاتا ہے اور کہتا ہے کہ تم یہ اقرار کرو کہ میں مدینہ کا سب سے زیادہ ذلیل شخص ہوں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے سب سے زیادہ معزز شخص ہیں ورنہ میں تمہیں شہر میں داخل نہیں ہونے دوں گا بلکہ تلوار سے اسی جگہ ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا۔

ہماری جماعت کو بھی دینی معاملات میں اِسی قسم کی غیرت دکھانی چاہیے اور پھر انتظار کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ان کی کس طرح مدد کرتا ہے۔ یقیناً اگر وہ ایسا کریں گے تو آسمان سے خدا تعالیٰ کے فرشتے پرے21 باندھ کر نیچے اتریں گے اور وہ لوگوں کے دل دھو دھو کر احمدیت کے لیے صاف کر دیں گے۔ اور جو لوگ ان سے پہلے ایمان لاتے ہیں بعد میں آنے والے ان کے قدم چومیں گے اور ان کی قدر کریں گے کیونکہ جو شخص ایمان لے آتا ہے اُس کے اندر ایمان کی قدر بھی ہوتی ہے اور وہ جانتا ہے کہ پہلے ایمان لانے والے کی غیرت اس سے بہر حال زیادہ ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ایران سے عرب میں چکیاں آئیں جو نہایت باریک آٹا پیستی تھیں۔ جب ان چکیوں پر پہلی دفعہ آٹا پِسا تو وہ حضرت عمرؓ کے پاس لایا گیا۔ آپ نے فرمایا یہ آٹا ہمیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل ملا ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو چکے ہیں۔ اس لیے یہ آٹا سب سے پہلے حضرت ام المومنین عائشہؓ کے پاس لے جاؤ۔ چنانچہ آٹا حضرت عائشہؓ کے پاس لایا گیا۔ آپ نے اُس کی روٹی پکوائی۔ چونکہ آٹا میدہ کی قسم کا تھا اس لیے نہایت ملائم روٹی پکی۔ جب آپ نے ایک لقمہ منہ میں ڈالا تو آپ کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگ گئے۔ وہ خادمہ جس نے روٹی پکائی تھی گھبرا کر کہنے لگی آٹا تو بہت ملائم ہے اور روٹی بھی اچھی پکی ہے پھر آپ روتی کیوں ہیں؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا تُو نہیں جانتی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دانت آخری عمر میں کمزور ہو گئے تھے اور ہم دانوں کو پتھروں سے کُوٹ کر روٹیاں پکایا کرتی تھیں۔ چنانچہ جو روٹیاں تیار

ہوتی تھیں وہ بڑی سخت ہوتی تھیں اور وہی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھایا کرتے تھے۔ آج اُن کے طفیل ہمیں یہ ملائم آٹا ملا ہے مگر مجھے یہ خیال کر کے رونا آیا کہ جن کے طفیل ہمیں یہ نعمت ملی وہ تو اس دنیا میں نہ رہے اور ہمیں یہ چیز مل گئی۔

حقیقتاً ہماری حالت بھی حضرت عائشہؓ جیسی ہی ہے۔ اسلام کو دنیا میں پھیلانے کے خواب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دیکھے تھے۔ آپ کے اشتہارات اِس بات سے بھرے پڑے ہیں کہ ہم نے یورپ اور امریکہ میں اسلام پھیلانا ہے لیکن آپ ساری عمر اپنے مخالفوں سے گالیاں کھاتے رہے بلکہ آپ کی وفات پر بھی لاہور والوں نے آپ کا مصنوعی جنازہ نکالا اور خوشیاں منائیں لیکن آپ کی وفات کے بعد اللہ تعالیٰ نے ہمیں وہ دن نصیب کیا کہ ہم یورپ اور امریکہ میں تبلیغِ اسلام کر کے آپ کی خوابوں کو پورا کر رہے ہیں حالانکہ یہ سب کچھ اُنہی کے طفیل ہے اور ہمارا یہ کام آپ کی ہی دعاؤں اور تعلیم کا نتیجہ ہے۔ آپ نے ہمیں قرآن کریم کی وہ تفسیر سکھائی جس کی وجہ سے آج سارے پادری کہتے ہیں کہ اسلام کی تعلیم کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ یہ بالکل حضرت عائشہؓ والی مثال ہے کہ ملائم آٹا جن کے طفیل ملا وہ تو دنیا میں نہ رہے اور بعد میں آنے والوں نے اس سے فائدہ اُٹھایا۔ ہم کو بھی اسلام کی اشاعت کی توفیق ملی مگر اُس وقت جب ہمارے ہاتھ میں یہ ہتھیار دینے والا اور اسلام کے غلبہ کی خوابیں دیکھنے والا اِس دنیا میں نہیں ہے اب بھی ہماری خواہش یہی ہے کہ ہمارے ذریعہ اسلام اِس طرح پھیلے اور اِس طرح اس کی اشاعت ہو کہ ہم اسلام کی فتح کا جھنڈا قیامت کے روز آپؑ کے قدموں میں ڈال دیں اور کہیں اے مسیح موعود! یہ تیرے خوابوں کی تعبیر ہے، یہ تیری خواہشات کا ظہور ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اسلام پہلے بھی موجود تھا، قرآن پہلے بھی موجود تھا مگر کسی مسلمان کے دل میں کبھی یہ خیال پیدا نہ ہوا کہ اسلام دنیا پر غالب ہو۔ تیرے ہی دل میں یہ خیال پیدا ہوا اور تُو نے ہی ہمیں وہ تفسیر سکھائی جس کی وجہ سے ہم ہر جگہ غالب ہو رہے ہیں۔ یہ جھنڈا تیرا ہی ہے اس لیے ہم اسے تیرے ہی قدموں میں ڈالتے ہیں۔ اب تیرا یہ منصب ہے کہ تُو یہ جھنڈا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں ڈال دے کیونکہ اسلام لانے والے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور تیرے متعلق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی خبر دی تھی کہ تُو دنیا میں آئے گا اور اسلام کو دنیا میں غالب کرے گا۔ اس لیے تیری فتح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فتح ہے اور محمد رسول اللہ کی فتح

خدائے واحد کی فتح ہے۔ ہم تیرے آگے جھنڈا ڈالتے ہیں کیونکہ تُو نے ہمیں ہدایت دی۔ تُو آگے اسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں ڈال دے اور وہ آگے اسے خدا تعالیٰ کے حضور پیش کر دیں اور کہیں اے خدا! تُو نے مجھے توحید کی اشاعت کے لیے دنیا میں بھیجا تھا۔ میں نے وہ توحید دنیا میں قائم کر دی اور پھر اس کے بعد میں نے تیری ہدایت اور تیرے دیئے ہوئے علم کے ماتحت ایک آنے والے موعود کی خبر دی جس نے اسلام کو ساری دنیا میں غالب کر دیا اب میں یہ اسلام کا جھنڈا تیری خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ یہ توحید کا تحفہ ہے۔ یہ اِس بات کی علامت ہے کہ جو کام تُو نے ہمارے سپرد کیا تھا اُسے ہم نے پورا کر دیا ہے۔ پس اِس خوشی میں ہم یہ جھنڈا تیری خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

خدا کرے یہ مضمون ہمارے مبلغوں کے ذہن نشین ہو جائے اور وہ بھی جلدی جلدی کام کریں۔ ان میں سے بعض سُست ہیں اور بعض چُست ہیں۔ جو سُست ہیں اُن کو یاد رکھنا چاہیے کہ انہوں نے ایک دن مرنا ہے، قیامت کے دن ان کو کوئی عزت نہیں دی جائے گی لیکن جو چُست ہیں اور خدا تعالیٰ کی توحید کو دنیا میں پھیلانے کی کوشش کر رہے ہیں اُن کو یاد رکھنا چاہیے کہ خدا تعالیٰ قیامت کے دن انہیں اپنے عرش کے دائیں طرف بٹھائے گا اور اُن سے وہی سلوک کرے گا جیسے باپ اپنے بیٹے سے کرتا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ کو اپنی توحید سے ویسی ہی محبت ہے جیسے باپ کو اپنے بیٹے سے ہوتی ہے۔ پس جب وہ خدا تعالیٰ کی توحید کو دنیا میں پھیلائیں گے تو خدا تعالیٰ بھی ان سے ویسی ہی محبت کرے گا جیسے باپ اپنے بیٹے سے محبت کرتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فرمایا اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ تَوْحِیْدِیْ وَتَفْرِیْدِیْ 22 یعنی تُو مجھے ایسا ہی پیارا ہے جیسے مجھے اپنی توحید اور تفرید پیاری ہے۔ آخر ساری دنیا سے عیسائیت اور شرک کا مٹانا کتنا بڑا کام ہے۔ وہ مسیح جسے عیسائیوں نے عرش پر بٹھا رکھا ہے اُسے زمین پر نیچے اُتار دینا معمولی آدمی کا کام نہیں تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے عیسائیوں کے مصنوعی خدا کو عرش سے نیچے پھینک دیا اور اس کی اپنی قوم سے اقرار کروا لیا کہ مسیح ناصریؑ نیچے تھے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اونچے تھے۔

مجھے یاد ہے کہ جب مجھ پر بیماری کا حملہ ہوا اور میں علاج کی غرض سے لندن گیا تو ایک بہت بڑا مصنف ڈسمنڈ شا میرے پاس آیا اور اُس نے کہا شاید آپ مجھے پاگل قرار دیں گے کہ عیسائی ہو کر میں ایسی باتیں کرتا ہوں۔ یہ ٹھیک ہے کہ میں عیسائی ہوں لیکن مجھے یقین ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

مسیح ناصریؑ سے بڑے تھے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو اعلیٰ تعلیم دنیا میں لائے وہ مسیح ناصریؑ نہیں لائے تھے۔ آپ حیران ہوں گے کہ میں عیسائی ہو کر ایسی بات کر رہا ہوں لیکن میں سچی بات کا انکار کیسے کر سکتا ہوں۔ میں جب اُسے رُخصت کر کے اپنے کمرہ کی طرف آیا تو مجھے محسوس ہوا کہ میرے پیچھے پیچھے کوئی آرہا ہے۔ میں نے مُڑ کر دیکھا تو ڈسمنڈ شا آرہا تھا۔ وہ کہنے لگا میرے دل میں ایک سوال پیدا ہوا تھا میں نے چاہا کہ آپ سے پوچھ لوں۔ میں نے کہا پوچھو کیا سوال ہے؟ وہ کہنے لگا جب میں یہ تقریر کرتا ہوں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بڑے نبی تھے تو مجھے یوں معلوم ہوتا ہے کہ میری زبان سے خدا بول رہا ہے مگر یہ عیسائی لوگ پھر بھی نہیں مانتے۔ میں نے کہا ڈسمنڈ شا! جب آپ محسوس کرتے ہیں کہ خدا آپ کے اندر بول رہا ہے تو آپ سمجھتے ہیں کہ شاید دوسرے لوگ بھی اس آواز کو سن رہے ہیں حالانکہ دوسرے لوگ صرف تمہاری آواز سنتے ہیں وہ خدا تعالیٰ کی آواز نہیں سنتے اس لیے وہ تمہاری بات نہیں مانتے۔ وہ ایک کان سے سنتے ہیں اور دوسرے کان سے نکال دیتے ہیں۔ جب یہ لوگ بھی خدا تعالیٰ کی آواز سننے لگ جائیں گے اور خدا تعالیٰ ان کے دلوں میں بھی بولا تو ان پر بھی اثر ہو جائے گا۔ میں نے کہا ابھی اِن لوگوں کا یہ حال ہے کہ جب تم بولتے ہو تو یہ لوگ صرف تمہاری آواز سنتے ہیں۔ تم انتظار کرو اور اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگو کہ جب تم بولا کرو تو خدا صرف تمہاری زبان سے نہ بولے بلکہ لوگوں کے دلوں میں بھی بولے۔ اور جس دن وہ لوگوں کے دلوں میں بولنے لگے گا لمبی چوڑی تقریروں کی ضرورت نہیں رہے گی سارا یورپ تمہاری بات ماننے لگ جائے گا"۔ (الفضل 20 مئی 1958ء)

1: بخاری کتاب بدء الخلق باب صفة النار و انها مخلوقة

2: وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا (آل عمران :47)

3: بخاری کتاب بدء الخلق باب صفة النّار (الخ)

4: بخاری کتاب التهجد باب ماجاء فی التطوع مثنیٰ مثنیٰ

5: الفرقان: 31

6: سیرت ابن ہشام جلد 3 صفحہ 233 مطبوعہ مصر 1936ء

7: السيرة الحلبية جلد 3 صفحہ 83 مطبوعہ مصر 1935ء

8: السيرة الحلبية جلد 3 صفحہ 92 مطبوعہ مصر 1935ء

9: سیرت ابن هشام جلد 2 صفحہ 1196 مطبوعہ دمشق 2005ء

10: السيرة الحلبية جلد 3 صفحہ 93 مطبوعہ مصر 1935ء

11: السيرة الحلبية جلد 3 صفحہ 97 مطبوعہ مصر 1936ء

12: السيرة الحلبية جلد 3 صفحہ 89 مطبوعہ مصر 1935ء

13: بخاری کتاب الصّلوٰة باب الْمَرْأَةِ تطرح عَنِ الْمُصَلّى شَيْئًا (الخ)

14: بخاری کتاب مناقب الانصار باب مَا لَقِيَ النَّبِيُّ صلى اللّٰه عليه وسلم وَاَصْحَابُهُ (الخ)

15: مستدرک حاکم جلد 3 صفحہ 475 مطبوعہ بیروت 1978ء

16: السيرة الحلبية جلد 3 صفحہ 106، 107 مطبوعہ مصر 1935ء

17: تاریخ ابن اثیر جلد 2 صفحہ 413۔ مطبوعہ بیروت 1965ء

18: الاستيعاب في مَعْرِفَةِ الْاَصْحَاب جلد 3 صفحہ 191 مطبوعہ بیروت 1995ء

19: يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ (المنافقون: 9)

20: سیرت ابن ہشام جلد 3 صفحہ 304، 305 مطبوعہ مصر 1936ء۔
السيرة الحلبية جلد 2 صفحہ 306 مطبوعہ مصر 1935ء

21 پَرے: قطاریں۔ جماعتیں

22: تذکرہ صفحہ 66 طبع چہارم

13

جو لوگ صحیح معنوں میں رضائے الٰہی کے حصول کے لیے کوشش کرتے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ یقیناً ہر میدان میں کامیابی بخشتا ہے

(فرمودہ 9 مئی 1958ء بمقام مری)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور نے قرآن کریم کی درج ذیل آیت کی تلاوت فرمائی:''وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ '' 1-

اس کے بعد فرمایا:

''اِس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ لوگ جو ہم سے ملنے کی کوشش کرتے ہیں ہم یقیناً اُن کو اپنے اُن راستوں کی طرف آنے کی توفیق دے دیتے ہیں جن پر چل کر وہ ہمارے مقرب ہو جاتے ہیں۔ لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ کے معنے بعض لوگ یہ بھی کر سکتے ہیں کہ ہم ان کو اپنی شریعت بتا دیتے ہیں مگر یہ درست نہیں کیونکہ اگر شریعت پہلے سے نہ بتائی جا چکی ہو تو وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا

کے کوئی معنی ہی نہیں رہتے۔ جَاهَدُوْا فِيْنَا کے معنی اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کرنے کے ہیں اور جہاد فی سبیل اللہ تبھی ہو سکتا ہے جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی شریعت آئی ہوئی ہو۔ پس اِس جگہ لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا کے یہ معنے نہیں کہ ہم اُن کو اپنی شریعت بتا دیتے ہیں کیونکہ شریعت ہمیشہ پہلے آتی ہے اور جہاد بعد میں ہوتا ہے۔ اس جگہ لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا کے یہی معنی ہیں کہ ہم ان کو اپنے قُرب کی راہیں بتا کر اپنا مقرب بنا لیتے ہیں۔

ہماری جماعت بھی اس وقت وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا کی مصداق ہے کیونکہ وہ تمام دنیا میں اسلام کی اشاعت اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بلند کرنے کے لیے کوشش کر رہی ہے۔ آخر جَاهَدُوْا فِيْنَا سے جہاد بالسیف تو مُراد نہیں ہو سکتا۔ اگر اِس سے جہاد بالسیف مراد ہوتا اور وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا کہنے کی بجائے وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مُطَابِقًا شَرِيْعَتَنَا یا جَاهَدُوْا اَحْكَامَنَا کہا جاتا تب تو بے شک یہ معنے بھی کیے جا سکتے تھے کہ شریعت کے مطابق جہاد چونکہ بعض لوگوں کے نزدیک صرف تلوار ہے اس لیے جَاهَدُوْا فِيْنَا سے وہی لوگ مراد ہیں جو جہاد بالسیف کر رہے ہوں مگر اللہ تعالیٰ نے جَاهَدُوْا فِيْنَا فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ کے پاس تلوار سے کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ اُس کے پاس تو اُنہی کاموں سے پہنچ سکتا ہے جن سے وہ خوش ہو۔ یعنی ایسے کاموں سے جن سے اسلام کی دنیا میں اشاعت ہو اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت بڑھے۔ پس اِس وقت ہماری جماعت ہی ہے جو یہ کام کر رہی ہے اور وہی ہے جو اِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ کی مصداق ہے۔ مُحسِن کے معنی عربی زبان میں اُس شخص کے ہوتے ہیں جو حکم کو اُس کی تمام شرائط کے ساتھ پورا کرے۔ پس اِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ کہہ کر اللہ تعالیٰ نے اس امر کی طرف توجہ دلائی ہے کہ جو لوگ اس پہلی بات پر پوری طرح عمل کریں گے جو ہم نے کہی ہے یعنی وہ پوری طرح جہاد کریں گے اور ہماری رضا کے حصول کی کوشش کریں گے ہم اُن کے ساتھ ہوں گے اور ہر میدان میں اُن کو کامیابی بخشیں گے۔ پس جو لوگ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کی کوشش تو کریں مگر ان کی کوششوں کا کوئی نتیجہ نہ نکلے انہیں سمجھ لینا چاہیے کہ وہ کوئی نہ کوئی غلطی کر رہے ہیں جس کی وجہ سے وہ خدائی قُرب اور اس کی نُصرت سے محروم ہیں۔ گویا بجائے اِس کے کہ خدا تعالیٰ پر الزام لگایا جائے اور کہا جائے کہ اس نے ہماری طرف توجہ نہیں کی ہمیں اپنی ذات پر الزام لگانا چاہیے اور سمجھ لینا چاہیے کہ ہم محسنوں والا کام نہیں

کررہے ورنہ خدا جھوٹا نہیں ہوسکتا۔ وہ اپنے وعدوں میں سچا ہے اور وہ جو بات بھی کہتا ہے اُسے پورا کر کے رہتا ہے۔ جھوٹے ہم ہی ہیں کہ ہم خدا تعالیٰ کی محبت کا تو دعوٰی کرتے ہیں مگر اس کے مطابق اپنے اندر کوئی تغیر پیدا نہیں کرتے۔

احادیث میں آتا ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا یارسول اللہ! میرے بھائی کو دست آ رہے ہیں۔ چونکہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ شہد میں شفاء ہے۔2 اس لیے آپ نے فرمایا کہ اپنے بھائی کو شہد پلاؤ۔ حالانکہ طبی طور پر شہد دست لاتا ہے انہیں بند نہیں کرتا۔ وہ گیا اور اُس نے جاکر شہد پلا دیا۔ مگر اُس کے بھائی کے دست اَور بھی بڑھ گئے۔ وہ پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ! میرے بھائی کے دست تو اَور زیادہ ہوگئے ہیں۔ آپ نے فرمایا جاؤ اور اَور شہد پلاؤ۔ وہ گیا اور پھر اُس نے شہد پلا دیا جس پر اُس کے اسہال اَور بھی بڑھ گئے۔ وہ پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس آیا اور اُس نے کہا یا رسول اللہ! اُس کو تو اَور زیادہ دست آنے لگ گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے اور خدا سچا ہے۔ جاؤ اور اُس کو اَور شہد پلاؤ۔ چنانچہ اُس نے پھر شہد پلایا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُس کے اندر سے ایک بڑا سا سُدّہ نکلا اور اُس کے اسہال جاتے رہے۔3 اسی طرح اگر ہماری کوششوں کا کوئی نتیجہ نہ نکلے تو ہم اپنے متعلق کہیں گے کہ ہم جھوٹے ہیں اور ہم نے وہ شرطیں پوری نہیں کیں جن کے پورا کرنے سے اللہ تعالیٰ کا قُرب حاصل ہوسکتا تھا۔ ورنہ خدا سچا ہے۔ اگر ہم اُس کی شرائط کو پورا کرتے تو خدا بھی اپنے وعدے کو پورا کرتا۔

ہماری جماعت کے وہ معلّم اور مربّی جو اِس وقت پاکستان میں یا پاکستان سے باہر یورپ اور امریکہ میں کام کررہے ہیں اُن کو چاہیے کہ وہ اِس آیت کو مدنظر رکھتے ہوئے اِس تندہی سے دین کی خدمت بجالائیں کہ انہیں خدا تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہوجائے اور وہ ان کے کام میں زیادہ سے زیادہ برکت دے اور ان کو ہر رنگ میں کامیابی نصیب کرے۔ اگر وہ ایسا کریں گے تو یقیناً ان کی مساعی کی وجہ سے اسلام کی بھی عزت بڑھے گی۔ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی عزت بڑھے گی اور جو شخص اسلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت بڑھاتا ہے یہ ناممکن ہے کہ خدا اُس کی عزت نہ بڑھائے۔ جو کام خدا کررہا ہو اگر وہی کام بندہ کرنے لگ جائے تو وہ خدا تعالیٰ کا بہت ہی عزیز ہوجاتا

ہے۔ جیسے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ایک دوسرے مقام پر فرماتا ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۭ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا 4 یعنی خدا اور اس کے فرشتے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیج رہے ہیں اے مومنو! تم بھی یہی کام کرو اور اس پر درود اور سلام بھیجو۔ یہی وجہ ہے کہ التحیات میں درود کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ پس جب ہم درود پڑھتے ہیں تو درحقیقت وہی کام کرتے ہیں جو خدا اور اس کے فرشتے کر رہے ہیں اور چونکہ ہم خدا اور اُس کے فرشتوں والا کام کرتے ہیں اس لیے ہم پر بھی خدا اور اُس کے فرشتے سلامتی بھیجنے لگ جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نصرت ہمارے شاملِ حال ہو جاتی ہے"۔ (الفضل 23 مئی 1958ء)

1: العنکبوت: 70

2: فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ۭ (النحل: 70)

3: بخاری کتاب الطب باب الدواء بالعسل

4: الاحزاب: 57

(14)

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے محبت رکھتا ہے اسی لیے وہ ہمیشہ ان کے لیے رحمت و برکت کے سامان مہیا فرماتا ہے

انسان متواتر اس کی نافرمانی اور ناشکری کا مرتکب ہوتا ہے لیکن وہ پھر بھی ہمیشہ اسے ہدایت کی راہوں کی طرف بلاتا چلا جاتا ہے

(فرمودہ 16 مئی 1958ء بمقام مری)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور نے قرآن کریم کی درج ذیل آیت کی تلاوت فرمائی: ''اَفَنَضۡرِبُ عَنۡکُمُ الذِّکۡرَ صَفۡحًا اَنۡ کُنۡتُمۡ قَوۡمًا مُّسۡرِفِیۡنَ''۔1

اس کے بعد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں سے جو محبت ہے اُس کا ذکر وہ اِس آیت میں اِن الفاظ میں فرماتا ہے کہ کیا تم سمجھتے ہو کہ میں تمہیں یاد دہانی کرانے اور تمہیں نصیحت کرنے اور تمہاری طرف اپنی نبوت اور رسالت بھجوانے سے اِس وجہ سے اعراض کر جاؤں گا کہ تم ایک مُسرِف قوم ہو؟ یعنی تمہارا اسراف

اور تمہارا حد سے بڑھ جانا چاہتا تھا کہ میں تمہیں سزا دوں لیکن میں رحیم خدا ہوں اور میں چاہتا ہوں کہ کسی طرح تم اس سزا سے بچ جاؤ۔ اس لیے باوجود تمہاری نافرمانیوں کے اور باوجود تمہارے اعراض کے اور باوجود تمہارے حد سے بڑھ جانے کے میں ہمیشہ تمہاری طرف اپنی وحی نازل کرتا رہتا ہوں اور تمہیں ہدایت کی راہوں کی طرف بلاتا رہتا ہوں تا کہ تم میں سے جو ہدایت پاسکیں وہ ہدایت پا جائیں اور جنہیں سزا ملے وہ یہ نہ کہیں کہ ہمارے باپ دادوں سے جو قصور ہوا تھا اُس کی ہمیں کیوں سزا دی گئی ہے۔ ممکن ہے اگر ہمارے پاس تیری ہدایت آتی یا تیرے احکام کی طرف توجہ دلانے والا کوئی رسول آتا تو ہم اُن سے زیادہ شریعت پر عمل کر کے دکھا دیتے۔ پس اس الزام سے بچنے کے لیے میں لوگوں کی طرف اپنی تازہ ہدایت بھیجتا ہوں تا کہ ان کو اس اعتراض کا موقع نہ ملے اور وہ اپنی اصلاح کر لیں اور خدا تعالیٰ کی نافرمانی کرنے اور اُس کے احکام سے گریز کرنے کی سزا سے بچ جائیں۔

یہ ایک ایسی سچائی ہے جس کا ہر زمانہ میں ہمیں ثبوت نظر آتا ہے مگر پھر یہ دیکھ کر حیرت آتی ہے کہ کس طرح انسان خدا تعالیٰ کے اس انعام کو ٹھکرا دیتا اور اس کے احکام کی نافرمانی کرنے لگ جاتا ہے۔ ایک انسان جو اپنے اندر کوئی طاقت نہیں رکھتا اور سخت کمزور ہوتا ہے وہ بھی جب کوئی حکم دیتا ہے اور دوسرا شخص اُسے نہیں مانتا تو وہ غصے میں آجاتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو بھیجا تو ابلیس جیسے لوگ اس کے مقابلہ کے لیے کھڑے ہو گئے، نوحؑ کو بھیجا تو تمام قوم نے ان کا انکار کیا یہاں تک کہ حضرت نوحؑ خود کہتے ہیں کہ میں نے ان لوگوں کو علیحدگی میں بھی سمجھایا اور مجلس میں بھی سمجھایا، رات کو بھی سمجھایا اور دن کو بھی سمجھایا مگر انہوں نے خدا کے کلام کو قبول کرنے سے ہمیشہ اعراض کیا اور کبھی بھی اس کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہوئے۔2 پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام آئے تو اُن کا انکار کیا گیا، لوطؑ آئے تو اُن کا انکار کیا گیا، اسحاقؑ آئے تو اُن کا انکار کیا گیا، یعقوبؑ اور یوسفؑ آئے تو اُن کا انکار کیا گیا، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام آئے تو اُن کا انکار کیا گیا، ایلیاءؑ آئے تو اُن کا انکار کیا گیا، حزقیلؑ آئے تو اُن کا انکار کیا گیا، یرمیاہؑ آئے تو اُن کا انکار کیا گیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئے تو اُن کا انکار کیا گیا، پھر آخر میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو اُن کا بھی انکار کیا گیا مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی طاقت اور قوت کے باوجود اور بنی نوع انسان کی انتہا درجہ کی ناشکریوں اور اعراض کے باوجود انسانوں سے اپنا کلام نہ روکا بلکہ برابر اُن کو یہ انعام دیتا چلا گیا۔ چنانچہ اِس امت میں بھی ہزاروں بزرگ ایسے

گزرے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ ہمکلام ہوتا رہا اور جن کو اپنی مرضی بتاتا رہا۔ اور اب آخری زمانہ میں اُس نے پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھیجا جن سے وہ ہمکلام ہوا۔ اور آپ کے بعد آپ کی جماعت میں بھی ایسے بہت سے لوگ پائے جاتے ہیں کہ خواہ انہیں رؤیا و کشوف ہوں یا ان پر اللہ تعالیٰ کا الہام نازل ہو بہرحال اُنہیں اِس انعام سے حصہ ملا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی اِس رحمت کو جانتے ہیں کہ وہ کس طرح اپنے بندوں پر فضل کرتا اور مشکلات میں ان کی راہنمائی کرتا ہے۔ یہ اُس کے فضل اور رحم کی علامت ہے ورنہ جیسا کہ میں نے بتایا ہے انسان کو ذراسی بھی طاقت حاصل ہو تو دوسرے کی معمولی نافرمانی پر بھی وہ اتنا بگڑ جاتا ہے کہ اس کا تہس نہس کر کے رکھ دیتا ہے"۔

(الفضل 23 مئی 1958ء)

1: الزخرف: 6

2: قَالَ رَبِّ اِنِّیۡ دَعَوۡتُ قَوۡمِیۡ لَیۡلًا وَّ نَہَارًا ۙ﴿۶﴾ فَلَمۡ یَزِدۡہُمۡ دُعَآءِیۡۤ اِلَّا فِرَارًا ﴿۷﴾ وَ اِنِّیۡ کُلَّمَا دَعَوۡتُہُمۡ لِتَغۡفِرَ لَہُمۡ جَعَلُوۡۤا اَصَابِعَہُمۡ فِیۡۤ اٰذَانِہِمۡ وَ اسۡتَغۡشَوۡا ثِیَابَہُمۡ وَ اَصَرُّوۡا وَ اسۡتَکۡبَرُوا اسۡتِکۡبَارًا ۚ﴿۸﴾ ثُمَّ اِنِّیۡ دَعَوۡتُہُمۡ جِہَارًا ۙ﴿۹﴾ ثُمَّ اِنِّیۡۤ اَعۡلَنۡتُ لَہُمۡ وَ اَسۡرَرۡتُ لَہُمۡ اِسۡرَارًا ۙ﴿۱۰﴾ (نوح: 6 تا 10)

15

حقیقی طور پر اللہ تعالیٰ کا موحّد بندہ وہی ہے جو شرک فی الذات اور شرک فی الصفات دونوں سے بچے

(فرمودہ 23 مئی 1958ء بمقام مری)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

"ہم لوگ روزانہ ہر نماز میں بلکہ نمازوں کے علاوہ بھی درود پڑھتے ہیں لیکن کبھی اس امر کی طرف توجہ نہیں کرتے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے کیا مقام دیا تھا اور کس وجہ سے دیا تھا۔ قرآن کریم نے اِس کی وجہ خود بیان کی ہے اور فرمایا ہے کہ ہم نے ابراہیمؑ کو اِس دنیا میں بھی بڑی عزت دی تھی اور قیامت کے دن بھی اسے بڑی عزت دیں گے اور ہم نے اُسے مناسبِ حال عمل کرنے والوں اور مقتضائے شریعت اور مقتضائے فطرت کو ملحوظ رکھنے والوں میں سے بنایا ہے [1] اور اِس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ [2] ہم نے تجھ کو بھی ہدایت دے دی کہ تُو بھی ملتِ ابراہیمی کی اتباع کر کیونکہ وہ مقتضائے شریعت اور مقتضائے فطرت کو ملحوظ رکھنے والا اور ان کے مطابق عمل کرنے والا تھا اور اس کے اندر کسی قسم کی کجی نہیں پائی جاتی تھی یعنی وہ پورا موحّد تھا۔ حنیف کے معنے سیدھے کے ہوتے ہیں۔

مگر سیدھے کے لفظ سے ہی یہ مفہوم بھی نکلتا ہے کہ وہ موحّد ہو کیونکہ جو سیدھا ہو گا وہی بُتوں کی طرف نہیں جائے گا یا ایسے کاموں میں مشغول نہیں ہو گا جن میں خدا تعالیٰ کی اتباع سے منحرف ہونا پڑتا ہو مگر چونکہ ہر شخص حنیف کے لفظ سے یہ مفہوم سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے ساتھ ہی فرما دیا کہ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسے شرک سے سخت نفرت تھی اور اس کی توجہ ہمیشہ اپنے واحد خدا کی طرف رہتی تھی۔

شرک کا لفظ تو ایسا ہے جسے سب لوگ سمجھتے ہیں مگر شرک کے معنے صرف بُتوں کے آگے سجدہ کرنے کے نہیں۔ ایسا شرک تو آجکل عیسائیوں اور نو تعلیم یافتہ ہندوؤں میں بھی نہیں پایا جاتا اور وہ بھی بُتوں کے آگے سجدہ نہیں کرتے۔ پس مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ کے یہ معنے نہیں کہ وہ بُتوں کے آگے سجدہ نہیں کرتا تھا بلکہ درحقیقت شرک کئی قسم کا ہوتا ہے۔ ایک تو شرک فی الذات ہے یعنی کسی کو ایسا سمجھ لینا کہ وہ خدا تعالیٰ کی طرح ازلی ابدی ہے۔ جیسے عیسائی کہتے ہیں کہ باپ بھی ازلی ہے، بیٹا بھی ازلی ہے اور روح القدس بھی ازلی ہے۔ اور ایک شرک فی الصفات ہوتا ہے جیسے خدا تعالیٰ نے کہا ہے کہ میں ہی پیدا کیا کرتا ہوں۔ اب اگر کسی انسان کے متعلق یہ سمجھ لیا جائے کہ وہ بھی خَلق کیا کرتا تھا تو یہ شرک فی الصفات ہوگا۔ جیسے بعض مسلمان سمجھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پرندے پیدا کیا کرتے تھے۔ یا مثلاً مُردے کو زندہ کرنا خدا تعالیٰ نے اپنے اختیار میں رکھا ہے مگر بعض مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ سید عبدالقادر صاحب جیلانی بھی مُردوں کو زندہ کیا کرتے تھے۔

قادیان کی بات ہے وہاں غیر احمدی مولویوں نے ایک دفعہ جلسہ کیا جس میں مولوی ثناءاللہ صاحب بھی آئے اور انہوں نے ہمارے خلاف بڑی تقریریں کیں۔ اسی جلسہ میں ایک حنفی مولوی نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ مرزائی کہا کرتے ہیں مرزا صاحب کی فلاں پیشگوئی پوری ہوئی اور انہوں نے فلاں نشان دکھایا۔ بھلا یہ بھی کوئی معجزے ہیں معجزہ تو یہ ہوتا ہے کہ ایک دفعہ سید عبدالقادر صاحب جیلانیؒ کے پاس اُن کا ایک مُرید آیا اور کہنے لگا حضور! میرا بیٹا بیمار ہے دعا کریں کہ وہ اچھا ہو جائے۔ انہوں نے کہا بہت اچھا۔ ہم دعا کریں گے وہ ٹھیک ہو جائے گا مگر وہ مر گیا۔ اِس پر وہ پھر آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا حضور! میرا بیٹا تو مر گیا۔ کہنے لگے ہیں! مر گیا؟ اب عزرائیل میں بھی اتنی جرأت ہو گئی ہے کہ وہ میرے حکم کی خلاف ورزی کرے؟ انہوں نے

اُسی وقت ڈنڈا اٹھایا اور آسمان کی طرف چڑھنا شروع کر دیا۔ عزرائیل آگے آگے بھاگا جا رہا تھا اور وہ ڈنڈا اُٹھائے اُس کے پیچھے دوڑ رہے تھے۔ وہ آسمان میں داخل ہی ہونے لگا تھا کہ یہ اُس کے پاس پہنچ گئے اور زور سے اُسے ڈنڈا مارا جس سے وہ لنگڑا ہو گیا اور روحوں کی تھیلی اُس کے ہاتھ سے چھین کر اُس کا منہ کھول دیا۔ وہ روتا روتا خدا تعالیٰ کے پاس گیا اور کہنے لگا خدایا! میں تو تیرے کام گیا تھا مگر عبدالقادر جیلانی نے مجھے ڈنڈا مارا اور میرے ہاتھ سے روحوں کی تھیلی چھین کر انہوں نے ساری روحوں کو آزاد کر دیا۔ اب میرا کام کیا رہ گیا۔ میری جگہ کسی اَور کو مقرر کر دیجیے۔ پھر انہوں نے صرف وہی روح نہیں نکالی جو اُن کے مرید کے لڑکے کی تھی بلکہ جتنی روحیں تھیلی میں بند تھیں وہ سب کی سب انہوں نے کھول دی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جب یہ بات سنی تو فرشتہ سے کہنے لگا چُپ چُپ! اگر عبدالقادر جیلانی نے یہ بات سن لی تو میرا کیا بنے گا؟ تُو خوامخواہ شور مچا رہا ہے۔ اگر عبدالقادر جیلانی کے کان میں یہ بات پڑ گئی تو نَعُوْذُ بِاللّٰہِ میری بھی خیر نہیں۔ اب اس قسم کا عقیدہ بھی شرک میں ہی داخل ہے۔

اِسی طرح خدا اَلسَّمِیْع ہے۔ اس لیے لوگ اپنے بچوں کا نام عَبْدُ السَّمِیْع رکھا کرتے ہیں اور اَلسَّمِیْع کے معنے یہ ہوتے ہیں کہ وہ لوگوں کی دعائیں سنتا ہے اور نرالے طور پر سنتا ہے اور یہ کہ اس کے سوا نہ زندہ آدمی دوسروں کی دعائیں سُن سکتے ہیں اور نہ مُردہ۔ صرف خدا ہی ہے جو لوگوں کی دُعائیں سنتا اور ان کو قبول فرماتا ہے۔ چنانچہ دیکھ لو کوئی یورپ میں دُعا مانگ رہا ہوتا ہے، کوئی ایشیا میں مانگ رہا ہوتا ہے، کوئی چین میں مانگ رہا ہوتا ہے، کوئی جاپان میں مانگ رہا ہوتا ہے، کوئی روس میں مانگ رہا ہوتا ہے، کوئی مصر، شام اور فلسطین میں مانگ رہا ہوتا ہے مگر خدا ان سب کی دعائیں سن رہا ہوتا ہے لیکن بعض مسلمان خیال کرتے ہیں کہ زندہ تو الگ رہے مُردے بھی لوگوں کی دعاؤں کو سن لیتے ہیں۔

مجھے یاد ہے 1912ء میں مَیں لکھنؤ گیا تو ندوہ جہاں سب سے اعلیٰ اور نئی طرز کی تعلیم دی جاتی ہے اُس کو دیکھنے کے لیے بھی ہم چلے گئے۔ وہاں ہمارے ساتھ یہ سلوک کیا گیا کہ حافظ روشن علی صاحب جو میرے ساتھ تھے انہوں نے لڑکوں سے ایک سوال کیا تو شبلی صاحب کے ایک خاص الخاص شاگرد نے لڑکوں کو ڈانٹ دیا کہ خبردار! جو اس کا جواب دیا۔ بعد میں شبلی صاحب کو پتا

لگا تو انہوں نے بڑے افسوس کا اظہار کیا اور کہا کہ میں تو ان لوگوں کو سمجھاتے سمجھاتے تھک گیا ہوں مگر یہ مولوی سمجھتے ہی نہیں۔ اس کے مقابلہ میں فرنگی محل کا مدرسہ جو سب سے پرانا مُدرسہ ہے اور جہاں درسِ نظامی پڑھایا جاتا تھا اور حنفیوں کا تھا وہاں ہم گئے تو باوجود اِس کے کہ وہ چُھٹی کا دن تھا اساتذہ نے تمام لڑکوں کو جمع کر لیا اور ہمیں اپنا سکول دکھایا اور ہم سے مختلف امور پر گفتگو کرتے رہے۔ مولوی عبدالعلی صاحب ان کے مشہور عالم تھے۔ اِسی طرح مولوی عبدالحی صاحب مرحوم بھی ان کے بڑے مشہور عالم گزرے ہیں بلکہ مولوی عبدالحی صاحب تو اتنے بڑے پایہ کے تھے کہ مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی جو بڑے مشہور بزرگ تھے وہ اپنی کتابوں پر ہمیشہ مولوی عبدالحی صاحب سے ریویو مانگا کرتے تھے اور جب وہ ریویو کر دیتے تو سمجھتے تھے کہ اب یہ کتاب مستند ہوگئی ہے۔ مولوی عبدالحی صاحب تو اُس وقت فوت ہو چکے تھے مگر ان کا ایک لڑکا دس گیارہ سال کی عمر کا تھا۔ انہوں نے کہا کہ یہ لڑکا بڑا ذہین ہے۔ آپ اس سے کوئی سوال کیجیے۔ چنانچہ ہم نے سوالات کیے تو واقع میں اُس نے ایسے جواب دیئے جن سے اس کی اعلیٰ درجہ کی ذہانت اور دماغی قابلیت ظاہر ہوتی تھی۔ مگر جب ہم واپس آ گئے تو چند دنوں کے بعد ہمیں پتا لگا کہ وہ لڑکا فوت ہو گیا ہے۔ مولوی عبدالعلی صاحب کا ایک خاص شاگرد تھا جس کو انہوں نے سکول دکھانے کے لیے ہمارے ساتھ مقرر کیا اور اُس نے ہمیں تمام سکول دکھایا مگر جب واپس آئے تو وہ عصر کا وقت تھا۔ راستہ میں ایک مسجد تھی، اُس میں ہم نماز پڑھنے کے لیے چلے گئے۔ نماز پڑھنے کے بعد ہم آ رہے تھے کہ ہم نے راستہ میں دیکھا کہ وہی مولوی صاحب ایک فقیر کی قبر پر سجدہ میں گرے ہوئے ہیں۔ اُسے دیکھ کر ہمیں حیرت ہوئی کہ یہ اتنا عالم آدمی ہے مگر پھر اتنا گر گیا ہے کہ ایک فقیر کی قبر پر سجدہ کر رہا ہے لیکن حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ابراہیم کسی قسم کا بھی مشرک نہیں تھا۔ الف لام جب جمع پر آئے تو اُس میں تخصیص کے معنے پیدا ہو جاتے ہیں یا الف لام اُس کو اتنا نکرہ کر دیتا ہے کہ ہر قسم اور نوع اس میں شامل ہو جاتی ہے۔ پس مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ کے یہ بھی معنے ہیں کہ وہ اپنی توحید میں ممتاز حیثیت رکھتا تھا اور یہ بھی معنے ہیں کہ اس میں کسی قسم کا بھی شرک نہیں پایا جاتا تھا۔ نہ وہ خدا تعالیٰ کی ذات میں شرک کرتا تھا اور نہ اُس کی صفات میں شرک کرتا تھا۔ یہ چیز ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ ہمیں توجہ دلاتا ہے مگر افسوس ہے

کہ لوگ اس طرف توجہ نہیں کرتے''۔ (الفضل 6 جون 1958ء)

1: وَاٰتَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ
(النحل:123)

2: النحل:124

16

اسلام نے قُربِ الٰہی کا راستہ اتنا آسان کر دیا ہے کہ اگر مومن ذرا بھی کوشش کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کو پا سکتا ہے

دیگر مذاہب نے خدا سے ملنے کی اُمید تو دلائی لیکن راستہ اتنا کٹھن بتایا کہ انسان مایوس ہو جاتا ہے

(فرمودہ 30 مئی 1958ء بمقام مری)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور نے قرآن کریم کی درج ذیل آیات کی تلاوت فرمائی: "صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً" 1
قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ"۔ 2

اس کے بعد فرمایا:

"میں نے آج رؤیا میں دیکھا کہ ایک جگہ بہت سے لوگ بیٹھے ہیں اور میں انہیں مخاطب کر کے کہتا ہوں کہ مختلف مذاہب میں جو خدا تعالیٰ کا تصور پایا جاتا ہے وہ میں تمہارے سامنے بیان کرتا ہوں۔ چنانچہ سب سے پہلے میں نے بُدھ مذہب میں جو خدا تعالیٰ کا تصور پایا جاتا ہے وہ اُن کے

سامنے بیان کیا اور اِس پر ایک تقریر کی۔

صبح کے وقت جب میں نے اپنی اِس رؤیا پر غور کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ کے تصور کے الفاظ اختصاراً بولے گئے ہیں ورنہ اس سے مُراد خدا تعالیٰ سے ملنے کا تصوّر تھا۔ چنانچہ میں نے اُن کے سامنے جو تقریر کی وہ یہ تھی کہ دیکھو! مچھلی پانی میں رہتی ہے لیکن اس پانی پر جو سورج کی شعاعیں گرتی ہیں یا دریا میں بہنے والی ریت کے ذرات سے جو چمک پیدا ہوتی ہے وہ آہستہ آہستہ مچھلی پر ایسا اثر ڈالتی ہے کہ اس پر چانے 3 پڑ جاتے ہیں۔ درحقیقت یہ چانے اس لیے ہوتے ہیں کہ دیر تک اس پر ریت کی چمک اور سورج کی شعاعوں کا اثر ہوتا رہتا ہے اور آخر اس کے جسم پر بھی ویسی ہی چمک آ جاتی ہے۔ اگر سنہری ریت ہو تو یہ چانے سنہری بن جاتے ہیں۔ چنانچہ کئی مچھلیوں پر میں نے خود سنہری رنگ کے چانے دیکھے ہیں۔ بلکہ بعض دفعہ ان پر سات سات، آٹھ آٹھ رنگ کے چانے ہوتے ہیں اور بعض دفعہ تو ایسے نیلے رنگ کا چانہ ہوتا ہے کہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ فیروزہ 4 ہے۔ پھر میں کہتا ہوں دیکھو! جسم جو ایک کثیف چیز ہے اگر اِس اتصال کے نتیجہ میں دوسری چیزوں کا اثر قبول کر لیتا ہے تو روح جو ایک نہایت ہی لطیف چیز ہے وہ کیوں اثر قبول نہیں کرے گی۔ پھر میں دوسرے مذہب پر اسلام کی فضیلت بیان کرتے ہوئے کہتا ہوں کہ دیکھو! بدھ مذہب نے صرف یہ بتایا ہے کہ خدا تعالیٰ سے اتّصال پیدا ہو سکتا ہے مگر اتّصال پیدا کرنے کا طریق اُس نے نہیں بتایا اور جو بتایا ہے وہ اتنا لمبا ہے کہ انسان کے لیے اُس پر عمل ممکن نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ بدھؑ ساٹھ سال تک اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل کرنے کے لیے ایک جنگل میں بانس کے درخت کے نیچے بیٹھا اور خدا تعالیٰ کی عبادت اور ذکرِ الٰہی میں اتنا محو ہوا کہ اُس کے نیچے سے ایک درخت نکلا جو اُس کے جسم کو چیرتا ہوا سر سے نکل گیا اور اُسے پتا تک نہ لگا۔ اب یہ ایک لایعنی سی بات ہے جسے عقل قبول نہیں کر سکتی۔ لیکن اسلام نے نہ صرف وصالِ الٰہی کا تصور بیان کیا ہے بلکہ وہ رستہ بھی بتایا ہے جس پر چل کر انسان خدا تعالیٰ تک پہنچ سکتا ہے۔ مثلاً بدھ نے دُعا کی قبولیت پر کوئی زور نہیں دیا صرف نروانا 5 پر زور دیا ہے یعنی اس نے کہا ہے کہ انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے نفس کی تمام خواہشات کو نکال دے حالانکہ خدا تعالیٰ کے قُرب کی خواہش بھی تو ایک خواہش ہی ہے۔ اگر وہ سب خواہشات کو نکالے گا تو یہ خواہش کیسے باقی رہ سکتی ہے۔ پس بدھؑ نے متضاد بات کہی ہے لیکن اسلام کہتا ہے کہ خدا کے ملنے سے انسان کے اندر بھی خدائی صفات

مجازی رنگ میں پیدا ہو جاتی ہیں مگر اس کے لیے کسی لمبے مجاہدہ کی ضرورت نہیں۔ اگر کسی شخص کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہو جائے اور وہ اُس کے حضور دُعا کرے تو وہ فرماتا ہے اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ 6 میں اس کی دُعا کو ضرور قبول کروں گا اور اسے اپنے قُرب میں جگہ دوں گا۔ اب کُجا یہ طریق کہ وہ بانس کے درخت کے نیچے ساٹھ سال بیٹھا رہا یہاں تک کہ اُس کے نیچے سے ایک درخت نکلا جو اُس کے سر سے پار ہو گیا اور کُجا یہ آسان طریق کہ اللہ تعالیٰ سے دُعا کی اور وہ جھٹ مل گیا۔

حدیثوں میں بھی اللہ تعالیٰ کی اِس محبت کی لطیف تشریح کی گئی ہے۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ ایک جنگ میں بہت سے لوگ مارے گئے اور جو باقی بچے وہ اِدھر اُدھر بھاگ گئے۔ ایک عورت بھی بھاگی اور وہ ڈر کے مارے اپنے بچہ کو بھی چھوڑ گئی۔ جب جنگ ختم ہوئی تو وہ میدانِ جنگ میں واپس آئی اور اپنے بچہ کو تلاش کرنے لگی۔ وہ ایک ایک بچہ کو دیکھتی، اُسے اٹھاتی اور پھر رکھ دیتی۔ یہاں تک کہ اُسے اپنا بچہ مل گیا اور وہ اُسے اپنے سینہ سے لگا کر بڑے اطمینان سے ایک پتھر پر جا بیٹھی اور اُسے پیار کرنے لگی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے کہا کیا تم اس عورت کو دیکھ رہے ہو؟ انہوں نے کہا ہاں! یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا اس عورت کو اپنے بچہ کے گُم ہو جانے کی وجہ سے کتنا اضطراب تھا مگر جب اسے اپنا بچہ مل گیا تو پھر اسے کتنی تسلّی ہوگئی اور کس اطمینان سے یہ علیحدہ جا کر بیٹھ گئی۔ اِسی طرح اللہ تعالیٰ کے دل میں اپنے گمراہ بندے کو دیکھ کر شدید تڑپ پیدا ہوتی ہے اور جب وہ اُس کی طرف واپس آتا ہے تو اس عورت سے بھی زیادہ اُس کو خوشی ہوتی ہے۔ 7 گویا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کی تصدیق کر دی کہ صرف بندے کے دل میں ہی خدا تعالیٰ کی محبت پیدا نہیں ہوتی بلکہ خود بھی اپنے بندے کی محبت میں بے تاب ہوتا ہے جیسے کسی شاعر نے کہا ہے کہ

الفت کا تب مزہ ہے کہ دونوں ہوں بے قرار
دونوں طرف ہو آگ برابر لگی ہوئی

بدھ نے کہا کہ بندے کے اندر خدا تعالیٰ سے ملنے کی ایک آگ ہونی چاہیے لیکن اسلام کہتا ہے کہ خدا میں بھی ایسی آگ موجود ہے اور وہ چاہتا ہے کہ بندے اُس کے پاس آ جائیں اور اُس کا قُرب حاصل کریں۔ گویا ایک نے اتّصال کی اُمید تو دلائی ہے مگر جو راستہ بتایا ہے وہ اتنا کٹھن ہے کہ

انسان مایوس ہو جاتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ میں خدا تعالیٰ سے نہیں مل سکتا لیکن اسلام میں اللہ تعالیٰ نے وصالِ الٰہی کا راستہ بہت آسان کر دیا ہے اور ایسا آسان کر دیا ہے کہ اگر مومن کے دل میں ذرا بھی محبت ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کو پا سکتا ہے اور اس کی برکات اور فیوض سے حصہ لے سکتا ہے۔ اِس بارہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات ہمارے سامنے ہیں۔

پھر موجودہ زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیں جو نمونہ دکھایا اُس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کے دل میں خدا تعالیٰ کی کتنی محبت تھی اور خدا تعالیٰ بھی آپ کے لیے کتنی غیرت رکھتا تھا۔ آپ ایک جگہ فرماتے ہیں لوگ مجھے گالیاں دیتے ہیں، مجھے بُرا بھلا کہتے ہیں، مجھ پر مختلف قسم کے حملے کرتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ میں اس پیغام کو چھوڑ دوں جس کو لوگوں تک پہنچانا خدا تعالیٰ نے میرے سپرد کیا ہے مگر میں ایسا کس طرح کر سکتا ہوں۔ میں تو دیکھتا ہوں کہ جب رات کو میرے عزیز ترین وجود مجھے چھوڑ کر چلے جاتے ہیں تو اُس وقت خدا میرے پاس آتا ہے اور کہتا ہے اے میرے بندے! میں تیرے ساتھ ہوں، اے میرے بندے! میں تیرے ساتھ ہوں۔ پس وہ جو مجھ سے اس طرح محبت کرتا ہے اور رات کو جبکہ میرا کوئی ساتھی اور مددگار موجود نہیں ہوتا میرے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ میں تیرے ساتھ ہوں۔ میں اس خدا کو ان انسانوں کی وجہ سے کس طرح چھوڑ دوں جن کی محبتیں عارضی اور بناوٹی ہوتی ہیں۔ غرض اللہ تعالیٰ نے اسلام کے ذریعہ اپنے وصال اور قُرب کے بڑے آسان رستے کھول دیئے ہیں۔

ایک بزرگ تھے جو اللہ تعالیٰ کی محبت میں ایسے محو ہوئے کہ وہ رات دن عبادت اور ذکرِ الٰہی میں لگے رہتے تھے۔ اُن کی بیوی کچھ دنیاداری کا رنگ رکھتی تھی۔ اُس نے جب دیکھا کہ گھر میں تنگی ہے اور یہ کوئی کام کاج نہیں کرتے تو اُس نے ایک اَور بزرگ کے پاس ان کی شکایت کی اور انہیں کہا کہ اپنے بھائی کو سمجھاؤ وہ سارا دن باہر بیٹھا رہتا اور ذکرِ الٰہی کرتا رہتا ہے۔ اگر وہ گھر میں آئے تو اسے پتا لگے کہ گھر کا کیا حال ہے اور کس تنگی سے گزارہ ہو رہا ہے۔ انہوں نے کہا بہت اچھا میں انہیں سمجھاؤں گا۔ چنانچہ ایک دن وہ ان کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ آپ سارا دن اللہ ہی اللہ کرتے رہتے ہیں۔ آخر آپ سوچیں کہ آپ کی بیوی کہاں سے خرچ لائے؟ اوّل تو مہمان نوازی کا بھی خرچ ہے۔ پھر آپ کا بھی کھانا ہے اور آپ کی بیوی اور بچوں کا بھی کھانا ہے ان اخراجات کے لیے وہ کہاں سے روپیہ

لائے؟ آپ کو چاہیے کہ آپ کوئی کمائی بھی کیا کریں تا کہ گھر کی ضروریات پوری ہوں۔ وہ کہنے لگے اگر آپ کسی کے گھر مہمان جائیں اور وہاں جاتے ہی کھڈی بُننے لگ جائیں یا اپنے ہاتھ سے روٹی پکانے لگ جائیں تو کیا میزبان کو غصہ نہیں آئے گا کہ یہ میری ذلت کر رہا ہے؟ جب یہ میرا مہمان تھا تو پھر اس نے اپنی روٹی کا فکر کیوں کیا۔ اِسی طرح میں بھی خدا تعالیٰ کا مہمان ہوں۔ اگر میں نے اپنے ہاتھ سے کام کرنا شروع کر دیا تو خدا تعالیٰ یہ کیوں نہیں سمجھے گا کہ میرے اس بندے نے میری ہتک کی ہے۔ وہ بھی تیز طبیعت رکھتے تھے۔ انہوں نے جب یہ بات سنی تو کہنے لگے میں مان لیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مہمانی صرف تین دن کی ہوا کرتی ہے۔8 پھر صدقہ اور مانگنے والی بات رہ جاتی ہے اور آپ نے تو اپنی عمر کا بیشتر حصہ اس مہمانی میں ضائع کر دیا ہے۔ وہ کہنے لگے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ایک بات بھول گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یہ بھی فرمایا ہے کہ اِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ 9 یعنی اللہ تعالیٰ کا ایک دن ہزار سال کے برابر ہوتا ہے چونکہ مہمانی تین دن کی ہوتی ہے اس لیے اگر مجھے تین ہزار سال کی عمر مل گئی تو میری مہمانی ختم ہو جائے گی لیکن اس سے پہلے پہلے میری مہمانی ختم نہیں ہو سکتی۔ اب دیکھو ان کے دوست نے انہیں خدا تعالیٰ کی محبت سے کھینچنا چاہا، ان کی بیوی نے بھی چاہا کہ وہ خدا تعالیٰ کا ذکر اور اُس کی عبادت چھوڑ کر دنیا کمانے کی طرف متوجہ ہوں مگر چونکہ صرف اُن کے دل میں ہی خدا تعالیٰ کی محبت نہیں تھی بلکہ خدا خود اُن سے محبت کرتا تھا اس لیے کوشش کے باوجود ان کے دل سے اس کی محبت نہ نکل سکی۔ یہ اسلام اور دوسرے مذاہب میں نمایاں فرق ہے۔ دوسرے مذاہب کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ سے محبت کرو اور اسلام کہتا ہے کہ بیشک تم بھی اس سے محبت کرو لیکن وہ خود بھی تم سے محبت رکھتا ہے اور چاہتا ہے کہ تم اس سے مل جاؤ اور ان دونوں باتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ چنانچہ جو شخص اسلام پر چلے وہ اِس دنیا میں خدا تعالیٰ کو پا سکتا اور اس کی محبت کو حاصل کر سکتا ہے لیکن جو شخص اسلام پر نہ چلے اور اُس کی محبت کو حاصل نہ کرنا چاہے وہ اگر محروم رہتا ہے تو اس میں اس کا اپنا قصور ہے کوئی دوسرا اُس کی کیا مدد کر سکتا ہے۔ جو شخص آپ تباہ ہونا چاہتا ہو اُس کو کون بچا سکتا ہے۔

جن دنوں امۃ الحی مرحومہ زندہ تھیں ایک دفعہ سلسلہ پر کوئی ابتلا کی صورت پیدا ہوئی۔ میری اُس وقت اُنہی کے ہاں باری تھی۔ میرے دل پر اِس کا اتنا بوجھ پڑا اور اس قدر افسوس ہوا کہ میں زمین

پر بستر بچھا کر سو گیا اور میں نے عہد کیا کہ جب تک یہ ابتلاء کی صورت دُور نہیں ہو گی میں چار پائی پر نہیں سوؤں گا۔ جب میں سو گیا تو رؤیا میں مَیں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ حضرت اماں جان کی شکل میں میرے پاس آیا ہے اور اُس کے ہاتھ میں درخت کی ایک تازہ سبز شاخ ہے اور جس طرح ماں بعض دفعہ اپنے بچہ پر ناراض ہوتی ہے مگر اُس کی ناراضگی کے پیچھے محبت کام کر رہی ہوتی ہے اِسی طرح اُس نے وہ شاخ مجھے مارنے کے لیے اُٹھائی اور کہا محمود! بستر پر سوتا ہے یا نہیں؟ اور اس کے ساتھ ہی اُس نے وہ شاخ نہایت نرمی سے میرے جسم کے ساتھ چُھو دی۔ اس کا میری طبیعت پر اتنا اثر ہوا کہ میں فوراً کُود کر چار پائی پر چلا گیا جو میرے پاس ہی میرے پہلو میں بچھی تھی۔ اور جب مجھے ہوش آیا تو میں نے دیکھا کہ میں زمین پر نہیں بلکہ چار پائی پر لیٹا ہوا ہوں۔ گویا اس غنودگی کی حالت میں ہی میں نے چھلانگ ماری اور چار پائی پر جا لیٹا۔ تو ہمارا خدا ہمیں ماں سے بھی زیادہ چاہنے والا ہے اور وہ خود ہمیں پیار کرنے کے لیے ہمارے پاس آتا ہے۔

اِسی طرح اس فتنہ کے وقت میں نے دیکھا کہ ایک کمرہ کی طرف سے آگ کے شعلے نکل رہے ہیں مگر جب میں ایک جگہ کی آگ بجھاتا ہوں تو دوسری جگہ سے شعلے نکلنے شروع ہو جاتے ہیں۔ دوسری جگہ کے شعلے بجھاتا ہوں تو تیسری جگہ سے نکلنے شروع ہو جاتے ہیں اور میں حیران ہوں کہ اس آگ کو کس طرح بجھاؤں۔ اتنے میں مَیں نے دیکھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے ہیں۔ آپ چونکہ اُس وقت فوت ہو چکے تھے اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ آپ کی شکل میں خدا تعالیٰ ہی اُس وقت آیا اور آپ نے ایک سوراخ کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا محمود! اس سوراخ کو بند کر دو تو ساری آگیں خود بخود بجھ جائیں گی۔ چنانچہ میں نے زور سے اُس سوراخ کو بند کر دیا اور میں نے دیکھا کہ جونہی وہ سوراخ بند ہوا یکدم ساری آگیں بجھ گئیں۔ تو ہمارے خدا کی طرف سے صرف یہی آواز نہیں آتی کہ تم مجھے مل سکتے ہو بلکہ یہ بھی آواز آتی ہے کہ میں خود تمہیں کھینچ کر اپنے پاس بلانے کے لیے بے تاب ہوں۔

دوسرے مذاہب کہتے ہیں کہ کوشش کرو، تپسّیا 10 کرو یا ریاضاتِ شاقّہ بجا لاؤ پھر تمہیں خدا ملے گا لیکن اسلام کہتا ہے کہ تم ایک سچی آہ بھی کھینچو تو میں تمہیں اپنے قُرب میں بٹھا لوں گا۔ یہ اسلام اور دوسرے مذاہب میں ایک نمایاں فرق ہے اور اس سے ہر انسان سمجھ سکتا ہے کہ اسلام کو اس بارہ میں

دوسرے مذاہب پر کتنی فضیلت حاصل ہے۔ چنانچہ دیکھ لو مکہ کے لوگ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کتنے مخالف تھے مگر باوجود اِس کے کہ انہوں نے مخالفت کی تھی تپسّیا نہیں کی تھی، آناً فاناً اُن کی آنکھیں کھل گئیں اور وہی لوگ جو آپ کے خون کے پیاسے تھے آپ پر جان دینے کے لیے تیار ہو گئے۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حُنین پر حملہ کیا تو ایک شخص جو اُس خاندان میں سے تھا جس کے پاس خانہ کعبہ کی کنجیاں تھیں اور جس کا بھائی کسی جنگ میں مارا گیا تھا اُسے خیال آیا کہ اگر میں بھی مسلمانوں کی طرف سے اِس جنگ میں شامل ہو جاؤں تو شاید مجھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کرنے کا موقع مل جائے۔ چنانچہ وہ اس جنگ میں شامل ہو گیا۔ چونکہ خدا نے اُس کو جھوٹا کرنا تھا اور اُسے حملہ کا موقع دے کر بتانا تھا کہ میں خود اپنے رسول کا محافظ ہوں اس لیے جب دشمن کے تیراندازوں نے وادی کے دونوں طرف سے تیروں کی بوچھاڑ شروع کر دی اور مسلمانوں کی سواریاں بِدک کر بھاگیں تو اُس نے سمجھا کہ حملہ کے لیے اس سے بہتر اَور کوئی موقع نہیں ہو سکتا۔ یہ ایسا نازک موقع تھا کہ حضرت ابوبکرؓ آگے بڑھے اور انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! دشمن پہاڑی پر بیٹھا دونوں طرف سے پتھر برسا رہا ہے، آپ اِس وقت آگے نہ بڑھیے بلکہ اُس وقت تک انتظار فرمائیے جب تک کہ سارے مسلمان پھر جمع نہ ہو جائیں مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے جوش سے فرمایا کہ ابوبکر! میرے گھوڑے کی باگ چھوڑ دو اور پھر آپؐ اپنی سواری کو ایڑ لگاتے ہوئے دشمن کی طرف بڑھے اور آپ نے فرمایا

اَنَــا الــنَّبِــيُّ لَا كَــذِبْ اَنَـا ابْـنُ عَبْـدِالْمُطَّلِبْ 11

یعنی میں نبی ہوں جھوٹا نہیں ہوں۔ مجھے خدا نے خبر دی ہوئی ہے کہ دشمن تجھے ہلاک نہیں کر سکتا۔ اس لیے دشمن خواہ ہزاروں تیر برسا رہا ہے اور میرے ساتھی بھی مجھے چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں (یہاں تک کہ ایک وقت میں بارہ اور دوسرے وقت میں صرف سات صحابہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہ گئے تھے) پھر بھی میں مارا نہیں جا سکتا۔ لیکن چونکہ یہ نمونہ ایسا تھا جس سے شُبہ پیدا ہو سکتا تھا کہ شاید آپ میں خدائی طاقتیں آ گئی ہوں اس لیے ساتھ ہی آپ نے فرمایا کہ

اَنَا ابْنُ عَبْدِالْمُطَّلِبْ

تم میری اِس جرأت کو دیکھ کر کہ میں دشمن کے تیراندازوں کی بوچھاڑ میں اس کی طرف بڑھتا چلا جاتا

ہوں مجھے مسیحؑ کی طرح خدائی صفات نہ دے دینا، میں عبدالمطّلب کا بیٹا ہوں اور تمہارے جیسا ایک انسان ہوں۔ جیسے مسیحؑ حضرت مریم کے بیٹے تھے مگر عیسائیوں نے تو اُن کو خدا بنا لیا تم مجھے خدا نہ بنا لینا اور میرے انسان ہونے کو کبھی فراموش نہ کرنا۔ اُس وقت وہی شخص جو آپ پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتا تھا اور جس کا نام شیبہ تھا آپ کی طرف بڑھا اور اِس نیّت سے بڑھا کہ اِس وقت آپ اکیلے ہیں اور آپ کے ساتھی بھاگ چکے ہیں میں خنجر مار کر آپ کو مار ڈالوں گا مگر جب وہ آگے بڑھا تو وہ خود کہتا ہے کہ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میرے اور آپ کے درمیان آگ کا ایک شعلہ بھڑک رہا ہے اور اگر میں آپ کے اَور قریب ہوا تو وہ شعلہ مجھے بھسم کر دے گا۔ اتنے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے دیکھ لیا اور فرمایا شَیبہ! اِدھر آؤ۔ جب وہ آپ کے قریب گیا تو آپ نے اپنا ہاتھ اُس کے سینہ پر پھیرا اور فرمایا اے خدا! شیبہ کو ہر قسم کے شیطانی خیالات سے نجات دے اور اس کے دل سے ہر قسم کا بُغض اور کینہ نکال دے۔ وہ کہتا ہے آپ کا ہاتھ ابھی میرے سینہ سے علیحدہ نہیں ہوا تھا کہ میرے دل میں آپ کی محبت کا اتنا جوش پیدا ہو گیا کہ یا تو میں آپ کو قتل کرنے کی نیت سے آیا تھا اور یا میرے دل میں اس وقت اگر کوئی خواہش تھی تو صرف یہی کہ میرا ہر ذرّہ آپ پر قُربان ہو جائے۔ پھر میں نے اپنی تلوار نکال لی اور آگے بڑھ کر دشمن کا مقابلہ کرنا شروع کر دیا اور خدا کی قسم! اگر اُس وقت میرا باپ بھی آپ پر حملہ کرنے کے لیے آگے آتا تو میں تلوار سے اُس کی گردن اُڑا دیتا۔12

اِس واقعہ پر غور کرو اور دیکھو کہ کس طرح یکدم اُس کے اندر محبت پیدا ہو گئی اور یا تو وہ آپ کو قتل کرنے کی نیت سے آیا تھا اور یا وہ کہتا ہے کہ اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرتے ہوئے میں ٹکڑے ٹکڑے بھی ہو جاتا تو مجھے بڑی خوشی ہوتی اور اگر ایسی حالت میں میرا باپ بھی میرے سامنے آتا تو میں اپنے باپ کی گردن اُڑانے سے بھی دریغ نہ کرتا۔ یہ عملی ثبوت ہے اِس بات کا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ اُسے ایک منٹ میں کھینچ کر اپنے پاس لے گیا۔ آخر شَیبہ نے کونسی تپسّیا کی تھی؟ کب وہ ساٹھ سال تک جنگلوں میں رہا؟ کب اُس نے بدھؑ کی طرح اپنی خواہشیں ماریں؟ اُس نے تو اتنی گندی خواہش کی تھی کہ جس سے بڑی گندی خواہش اَور کوئی ہو ہی نہیں سکتی۔ اُس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی خواہش کی تھی مگر وہی شخص جو گندی سے گندی خواہش لے کر آیا تھا ایک منٹ کے اندر اندر اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی طرف کھینچ لیا، اِس کی محبت کی

نظیر دوسرے مذاہب میں کہیں نظر نہیں آ سکتی۔

بائیبل کو دیکھو تو اُس میں لکھا ہے کہ حضرت ہارونؑ نے حضرت موسیٰؑ کی بدگوئی کی اور اُن پر الزام لگایا۔13 پس وہ تو نبیوں کو بھی گندہ بتاتی ہے مگر یہاں ایک کافر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے لیے آتا ہے اور اللہ تعالیٰ یکدم اسے کھینچ کر اپنے پاس بٹھالیتا اور اپنے قُرب میں جگہ دے دیتا ہے۔

اِسی طرح انجیل میں حضرت مسیحؑ کے متعلق لکھا ہے کہ گرفتاری سے ایک روز قبل جبکہ وہ تمام شاگردوں کے ساتھ مل کر کھانا کھا رہے تھے حضرت مسیحؑ نے کہا کہ ''میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ تم میں سے ایک مجھے پکڑوائے گا''۔ اِس پر انہوں نے پوچھا اے استاد! وہ کونسا خبیث انسان ہے جو تجھے گرفتار کروائے گا؟ اُس وقت وہی شخص جس نے پکڑوانا تھا اُس کا ہاتھ کھانا کھاتے ہوئے مسیحؑ کے ہاتھ سے ٹکرایا اور آپ نے کہا کہ وہی جس کا ہاتھ میرے ہاتھ کو لگ رہا ہے مجھے پکڑوائے گا۔14 چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس شخص نے یہودیوں سے صرف تیس درم یعنی اڑھائی روپے لے کر حضرت مسیحؑ کو پکڑوا دیا۔15 اس وقت پطرس جو آپ کا بہت محبوب شاگرد تھا اور حضرت مسیحؑ کا خلیفہ اوّل کہلاتا ہے کہنے لگا کہ اَور لوگ اگر ٹھوکر کھا جائیں تو یہ ممکن ہے لیکن میں کبھی ٹھوکر نہیں کھا سکتا۔ حضرت مسیحؑ نے جب یہ بات سنی تو فرمایا کہ ''میں تجھ سے سچ کہتا ہوں کہ اس رات مُرغ کے بانگ دینے سے پہلے تُو تین بار میرا انکار کرے گا''۔16

چنانچہ جب حضرت مسیحؑ کو گرفتار کر لیا گیا تو پطرس بھی آپ کے پیچھے پیچھے چلا تا کہ وہ دیکھے کہ حکومت آپ سے کیا معاملہ کرتی ہے۔ وہ وہاں صحن میں بیٹھا تھا کہ ایک لونڈی اُس کے پاس آئی اور اُس نے کہا کہ تُو بھی مسیح کے ساتھیوں میں سے معلوم ہوتا ہے۔ اِس پر پطرس ڈر گیا اور اُس نے کہا کہ میں تو اس کا ساتھی نہیں۔ پھر وہ ڈیوڑھی میں داخل ہوا تو ایک دوسری لونڈی یہودیوں سے کہنے لگی کہ یہ بھی یسوع ناصری کے ساتھ تھا۔ اِس پر اُس نے قسم کھا کر انکار کیا اور کہا کہ میں تو اس آدمی کو جانتا تک نہیں۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد چند اَور آدمیوں نے کہا کہ تُو بھی اس شخص کے ساتھیوں میں سے ہے کیونکہ تیری بولی سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ ''اس پر وہ لعنت کرنے اور قسم کھانے لگا کہ میں اس آدمی کو نہیں جانتا''۔17 اور جب اس نے تیسری بار انکار کیا اور مسیح پر لعنت ڈالی تو اُس وقت مُرغ نے

اذان دی اور پطرس کو حضرت مسیحؑ کی یہ بات یاد آ گئی کہ آج رات تُو مُرغ کے بانگ دینے سے پہلے تین بار میرا انکار کرے گا۔

یہ اُن لوگوں کا حال تھا جو حضرت مسیحؑ پر ایمان لائے مگر جہاں اپنے ساتھیوں کی تربیت اور دشمنوں کی اصلاح میں بائیبل کی رُو سے حضرت مسیحؑ بھی ناکام رہے اور حضرت موسٰیؑ بھی ناکام رہے وہاں اگر کوئی نبی کامیاب ہوا ہے تو صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کامیاب ہوئے ہیں جنہوں نے اپنے دشمنوں میں بھی اتنی محبت پیدا کردی کہ وہ آپ پر جانیں قُربان کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ اِس سے نہ صرف آپ کی زبردست قوّتِ قدسیہ کا ثبوت ملتا ہے بلکہ اسلام اور دوسرے مذاہب میں ایک عظیم الشان فرق بھی ظاہر ہوتا ہے۔ اسلام نے جو محبتِ الٰہیہ کے حصول کا طریق بتایا ہے وہ اتنا آسان ہے کہ اس پر چلنے کے نتیجہ میں خدا خود انسان کو کھینچ کر آسمان پر لے جاتا ہے۔ دوسرے مذاہب میں انسان زور لگاتے ہیں اور خدا تعالیٰ سے ملنے کی جدوجہد کرتے ہیں لیکن اسلام یہ سکھاتا ہے کہ خود اللہ تعالیٰ کے اندر تمہارے ملنے کی تڑپ پائی جاتی ہے اور وہ آپ تمہیں کھینچ کر اپنے قریب کر لیتا ہے"۔

(الفضل 18 جون 1958ء)

1: البقرة: 139

2: آل عمران: 32

3: چانے: چانا۔ مچھلی کے جسم کا پتلا چھڑا۔ (پنجابی اُردو لغت)

4: فیروزہ: ایک پتھر جو سبز زنگاری یا نیلا ہوتا ہے۔

5: نروان: نجات، رہائی اور آواگون۔

6: البقرة: 187

7: بخاری کتاب الادب باب رحمة الولد وتَقْبِيْلِهٖ (الخ)

8: بخاری کتاب الادب باب اکرام الضَّيْف وَخِدْمَتِهٖ (الخ)

9: الحج: 48

10: تپسّیا: مشقت کی عبادت

11: مسلم کتاب الجهاد باب غزوة حنين

<u>12</u>: السیرة الحلبیة جلد 3 صفحہ 127، 128 مطبوعہ مصر 1935ء

<u>13</u>: گنتی باب 12 آیت 1

<u>14</u>: متی باب 26 آیت 21 تا 23

<u>15</u>: متی باب 26 آیت 14، 15

<u>16</u>: متی باب 26 آیت 33، 34

<u>17</u>: متی باب 26 آیت 69 تا 75

17

سچا مومن وہی ہے جو قرآن کریم اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اطاعت اور فرمانبرداری اختیار کرے

تمہارا فرض ہے کہ پردہ کے متعلق خدا اور اس کے رسولؐ کے حکم کی پابندی کرو اور مداہنت سے کام نہ لو

(فرمودہ 6 جون 1958ء بمقام مری)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور نے قرآن کریم کی درج ذیل آیت کی تلاوت فرمائی: "اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ "۔1

اس کے بعد فرمایا:

"اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے حضور وہی ایمان مقبول ہوتا ہے جس میں کامل فرمانبرداری اور اطاعت اختیار کی جائے اور اللہ تعالیٰ کے کسی حکم سے بھی انحراف نہ کیا جائے۔ صرف منہ سے اپنے آپ کو مسلمان کہتے رہنا یا ظاہر میں آکر بیعت کر لینا یا کلمہ شہادت پڑھ لینا خدا تعالیٰ کے حضور کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ اِس کا نام دین رکھنا، دین سے تمسخر اور استہزا کرنا اور اپنی منافقت اور بے ایمانی کا ثبوت دینا ہے۔ وہی آدمی خدا تعالیٰ کی نگاہ میں سچا مومن سمجھا جا سکتا ہے جو

خدا تعالیٰ کے احکام کی اطاعت بھی کرتا ہے اور اُس کی غلامی کا جُوا اپنی گردن پر پوری طرح رکھتا ہے۔ اگر وہ خدا تعالیٰ کے احکام کی اطاعت نہیں کرتا تو چاہے وہ دس ہزار دفعہ کلمہ پڑھے وہ یزید کا یزید اور ابوجہل کا ابوجہل رہتا ہے اور چاہے دس ہزار دفعہ اپنے آپ کو مسلمان کہتا رہے خدا تعالیٰ کے نزدیک اس کا یہ دعوٰی ایک رائی کے برابر بھی قیمت نہیں رکھتا۔ صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کی کامل اطاعت اور کامل فرمانبرداری ہی ایک ایسی چیز ہے جو انسان کو سچا مومن بناتی ہے ورنہ وہ اگر دس کروڑ دفعہ بھی کلمہ پڑھ کر اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے تو وہ کذّاب اور جھوٹا ہے۔

ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ اِسی حقیقت کا اظہار کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ وَمَنۡ يَّبۡتَغِ غَيۡرَ الۡاِسۡلَامِ دِيۡنًا فَلَنۡ يُّقۡبَلَ مِنۡهُ[2] یعنی کامل فرمانبرداری اور اطاعت کے سوا اگر کوئی اَور طریق اختیار کرے تو اسے کسی صورت میں بھی قبول نہیں کیا جائے گا۔ پس صرف منہ سے مسلمان کہنا یا احمدی کہلا لینا کسی کو فائدہ نہیں دے سکتا جب تک کامل فرمانبرداری اور اطاعت کا نمونہ نہ دکھایا جائے۔

میں دیکھتا ہوں کہ اکثر احمدی چندہ تو دینے لگ گئے ہیں اور ان کا ایک معتد بہ حصہ نمازیں بھی باقاعدہ پڑھتا ہے لیکن جب سے پاکستان بنا ہے بعض احمدیوں میں سے پردہ اُٹھ گیا ہے اور زیادہ تر یہ نقص مالداروں میں پایا جاتا ہے۔ مجھے تعجب آتا ہے کہ یہ بے غیرت اور بزدل لوگ جنہوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات نہیں مانی انہوں نے اپنی قوم کی کیا خدمت کرنی ہے۔ قوم کی خدمت کرنے والے تو وہ لوگ تھے جنہوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا ایسا شاندار نمونہ دکھایا کہ آج بھی تاریخ کے صفحات میں اُن کے واقعات پڑھ کر انسان کا دل محبت کے جذبات کے ساتھ لبریز ہو جاتا ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ عربوں میں پردہ کا کوئی رواج نہیں تھا بلکہ اسلام میں بھی شروع میں پردہ کا حکم نازل نہیں ہوا۔ اُس زمانہ میں خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں بھی پردہ نہیں کیا کرتی تھیں مگر جب پردہ کا حکم نازل ہو گیا تو ایک نوجوان نے اپنے رشتہ کے لیے ایک گھر پسند کیا۔ باپ نے کہا مجھے تمہارا رشتہ منظور ہے، تم بڑے اچھے آدمی ہو، خوش شکل ہو اور اپنی روزی بھی کماتے ہو اس لیے مجھے تمہیں رشتہ دینے میں کوئی عذر نہیں۔ اس نے کہا اگر آپ تیار ہیں تو پھر لڑکی دکھا دیں۔ بغیر دیکھنے کے میں کس طرح شادی کرلوں۔ باپ کہنے لگا کہ میں لڑکی دکھانے کے لیے تیار نہیں۔ وہ اُسی وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا یارسول اللہ!

میں نے فلاں جگہ شادی کرنے کا ارادہ کیا ہے مگر مجھے معلوم نہیں کہ لڑکی کی شکل کیسی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ایک دفعہ اُسے دیکھ لوں تا کہ میری تسلّی ہو جائے۔ آپ نے فرمایا بیشک پردے کا حکم نازل ہو چکا ہے مگر یہ غیر عورت کے لیے ہے۔ جس لڑکی کے ساتھ رشتہ طے ہو جائے اور ماں باپ بھی منظور کر لیں اگر اُسے لڑکا دیکھنا چاہے تو ایک دفعہ دیکھ سکتا ہے۔ تم اُس کے باپ کے پاس جاؤ اور میری طرف سے کہہ دو کہ وہ تمہیں لڑکی دکھا دے۔ اگر رشتہ کا سوال نہ ہو تب تو بیشک پردہ ہوگا لیکن اگر کوئی شخص کسی جگہ رشتہ کرنے پر رضامند ہو جائے اور لڑکی کے ماں باپ بھی راضی ہو جائیں تو تسلّی کرنے کے لیے اُسے ایک دفعہ دیکھنا جائز ہے۔ وہ گیا اور اُس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام اُسے پہنچا دیا مگر معلوم ہوتا ہے اُس لڑکی کے باپ کے اندر ابھی اسلام پوری طرح راسخ نہیں ہوا تھا۔ جب اُس نے کہا کہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ آیا ہوں اور آپؐ نے فرمایا ہے کہ جب تمہارا ایک جگہ رشتہ طے ہو گیا ہے تو اب وہ تمہاری منسوبہ ہے اور منسوبہ کو شادی سے پہلے تسلّی کے لیے دیکھنا جائز ہے تو باپ کہنے لگا میں ایسا بے غیرت نہیں ہوں کہ تمہیں اپنی لڑکی دکھا دوں۔ تمہاری مرضی ہے رشتہ کرو یا نہ کرو۔ جس وقت اُس نے یہ بات کہی اُس کی لڑکی پردہ میں بیٹھی ہوئی سب باتیں سُن رہی تھی۔ وہ جھٹ اپنا منہ کھول کر سامنے آ گئی اور کہنے لگی میں ایسے باپ کی بات ماننے کے لیے تیار نہیں جو کہتا ہے کہ مجھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی بھی پروا نہیں۔ میں اب تمہارے سامنے آ گئی ہوں تم مجھے دیکھ لو۔<u>3</u> مگر وہ نوجوان بھی بڑے ایمان والا تھا۔ اس نے جھٹ اپنی آنکھیں نیچی کر لیں اور گردن جھکا لی اور کہنے لگا کہ میں تیرے جیسی مومن عورت کی شکل دیکھے بغیر ہی تجھ سے شادی کروں گا۔ میں نہیں چاہتا کہ جس عورت کے اندر اتنا اخلاص اور ایمان پایا جاتا ہے اُس کی شکل دیکھ کر اُس کی ہتک کروں۔ اب میں بغیر دیکھنے کے ہی نکاح کروں گا۔ چنانچہ اس نے نکاح کر لیا۔ یہ تھا اُن لوگوں کا اخلاص اور یہ تھی اُن لوگوں میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی اطاعت۔ پردے کا حکم نازل ہو چکا تھا مگر لڑکی کہتی ہے کہ باپ بیشک مخالفت کرتا رہے میں ایسے باپ کا حکم ماننے کے لیے تیار نہیں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اطاعت کرنے والا نہیں۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا ہے کہ منسوبہ کی شکل دیکھنی جائز ہے تو میرا باپ کون ہے جو اس میں روک بنے۔ میں اب تمہارے سامنے کھڑی ہوں تم مجھے دیکھ لو۔ اور اُس نوجوان کا اخلاص دیکھو کہ وہ کہتا ہے میں ایسا ایمان

رکھنے والی عورت کو دیکھ کر اُس کی ہتک کرنا نہیں چاہتا۔ میں اب بغیر دیکھے ہی اس سے شادی کروں گا۔ یہی لوگ تھے جو اسلام کے لیے اپنی جانیں بلا دریغ قُربان کرتے چلے جاتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ہم نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھ لیا ہے اور اب ہماری ہر چیز اُن کی ہوگئی ہے۔

اُحد کے موقع پر جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق غلط فہمی سے یہ مشہور ہوگیا کہ آپ شہید ہوگئے ہیں تو مدینہ کی عورتیں پاگل ہو کر اپنے گھروں سے نکلیں اور اُحد کی طرف دوڑ پڑیں۔ اُحد مدینہ سے آٹھ نو میل کے فاصلہ پر تھا۔ ایک عورت اسی جنون میں دوڑی چلی آ رہی تھی کہ اُسے سامنے سے اسلامی لشکر واپس لَوٹتا ہوا دکھائی دیا۔ وہ ایک صحابی کے پاس پہنچی اور کہنے لگی مجھے بتاؤ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟ وہ چونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو زندہ اور سلامت دیکھ چکا تھا اور اُس کا دل مطمئن تھا اس لیے بجائے اِس کے کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اُسے کوئی جواب دیتا اُس نے چاہا کہ اس عورت سے تعلق رکھنے والی جو بات ہے وہ میں اسے بتا دوں۔ چنانچہ وہ کہنے لگا بی بی! مجھے بڑا افسوس ہے کہ تیرا باپ اِس جنگ میں مارا گیا ہے۔ وہ کہنے لگی میں نے تجھ سے اپنے باپ کے متعلق نہیں پوچھا، میں تو تجھ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پوچھ رہی ہوں کہ آپ کا کیا حال ہے؟ وہ کہنے لگا بی بی! مجھے بڑا افسوس ہے کہ تیرا خاوند بھی اس جنگ میں مارا گیا ہے۔ اُس نے پھر کہا کہ میں نے تجھ سے اپنے خاوند کے متعلق بھی نہیں پوچھا، میں تو تجھ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق دریافت کر رہی ہوں۔ وہ کہنے لگا بی بی! مجھے بڑا افسوس ہے کہ تیرا بھائی بھی اِس جنگ میں مارا گیا ہے۔ وہ کہنے لگی میں نے تجھ سے اپنے بھائی کا حال بھی کب دریافت کیا ہے۔ میں نے تو یہ پوچھا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟ وہ کہنے لگا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو خیریت سے ہیں۔ اُس نے کہا اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خیریت سے ہیں اور آپ زندہ ہیں تو خواہ میرا باپ مارا جائے یا خاوند مارا جائے یا بھائی مارا جائے۔ مجھے اس کی کوئی پروا نہیں۔ مجھے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی ضرورت ہے۔4 پھر وہ آگے دوڑ پڑی اور اُس نے کہا مجھے بتاؤ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کہاں کھڑے ہیں تا کہ میں اپنی آنکھوں سے بھی آپ کو دیکھ لوں اور مجھے یقین ہو جائے کہ آپ زندہ اور سلامت ہیں۔ جب اُس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک جگہ تندرست کھڑے دیکھا تو وہ دوڑ کر آپ کے پاس پہنچی۔

اُس نے آپ کا دامن پکڑ لیا اور اسے محبت کے ساتھ بوسہ دیتے ہوئے کہا کہ یارسول اللہ! آپ نے یہ کیا کیا کہ آپ کے متعلق ایسی خبر مشہور ہو گئی۔ گویا اس صدمہ اور جنون کی حالت میں اُسے یہ بھی ہوش نہ رہا کہ کیا کوئی آپ بھی اپنے متعلق ایسی خبر مشہور کیا کرتا ہے اور کہنے لگی یارسول اللہ! یہ جھوٹی خبر بھی آپ کے متعلق کیوں مشہور ہو گئی۔ یہ وہ بہادر عورتیں تھیں جنہیں اسلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں کسی اَور چیز کی پروا نہیں ہوتی تھی کیونکہ ان کے اندر سچا ایمان پایا جاتا تھا وہ جانتی تھیں کہ اصل چیز محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہے۔ اگر اس راستہ میں ہمارا باپ مارا جاتا ہے یا خاوند مارا جاتا ہے یا بھائی مارا جاتا ہے تو ہمیں خدا تعالیٰ کی رضا کے لیے اس صدمہ کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنا چاہیے اور خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کو سب سے مقدّم سمجھنا چاہیے۔

اسی طرح جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اُحد سے واپس آ رہے تھے تو ایک انصاری جن کا ایک بھائی اس جنگ میں مارا گیا تھا اِس فخر میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھوڑے کی باگ پکڑے چلے آ رہے تھے کہ ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خیریت سے مدینہ میں لے آئے ہیں۔ جب آپ مدینہ کے دروازہ پر پہنچے تو وہاں ایک عورت کھڑی تھی۔ وہ انصاری کہنے لگے یارسول اللہ! میری ماں۔ یارسول اللہ! میری ماں۔ ان کا منشا یہ تھا کہ یہ میری بُڑھیا ماں ہے اور اس کا بیٹا جنگ میں مارا گیا ہے جس کی وجہ سے اسے شدید صدمہ ہوگا، آپ اس کی دلداری فرمائیں۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم قریب پہنچے تو آپ نے فرمایا مائی! مجھے بڑا افسوس ہے کہ تیرا بیٹا اِس جنگ میں مارا گیا ہے۔ اس کی بینائی کمزور تھی، اس نے بِتر بِتر <u>5</u> دیکھنا شروع کر دیا کہ یہ آواز مجھے کہاں سے آ رہی ہے۔ جب اس کی نظر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ پر ٹِک گئی اور اس نے آپ کو پہچان لیا تو وہ کہنے لگی یارسول اللہ! آپ بھی کیسی باتیں کرتے ہیں؟ جب آپ سلامت ہیں تو پھر میرے بیٹے کی وفات کیا چیز ہے کہ اس کا ذکر کیا جائے۔ <u>6</u>

قُربانی اور اخلاص اور فدائیت کے یہ عظیم الشان نمونے صحابہؓ نے اسی لیے دکھائے کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر سچے دل سے ایمان لائے تھے اور ہر قدم پر آپ کی اطاعت کرنا فرض سمجھتے تھے۔ چنانچہ سر ولیم میور اپنی کتاب ''لائف آف محمد'' میں لکھتا ہے کہ احزاب میں کفار کا اتنا بڑا لشکر جمع ہوا مگر پھر بھی شکست کھا گیا۔ اس کی وجہ صرف یہی تھی کہ کفار سے ایک سیاسی غلطی ہوئی اور وہ یہ کہ

جب وہ خندق پار کر کے اُس طرف آ جاتے تھے جہاں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خیمہ تھا تو وہ بیوقوفی سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ کی طرف بڑھنا شروع کر دیتے تھے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ آپ پر اتنے فدا تھے کہ جب وہ سمجھتے تھے کہ ان لوگوں کا منشا یہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیں تو مرد، عورتیں اور بچے پاگلوں کی طرح دشمن کے لشکر کے سامنے آ جاتے تھے اور اُس کو شکست ہو جاتی تھی۔ اگر وہ یہ بیوقوفی نہ کرتے کہ محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے خیمہ کی طرف رُخ کرتے تو ممکن ہے اُن کو احزاب میں فتح ہو جاتی۔

یہ عشق کا جنون، کامل ایمان اور کامل فرمانبرداری کی وجہ سے ہی تھا۔ ان لوگوں میں تو ایمان تھا میں تو دیکھتا ہوں کہ صحیح الفطرت غیر مسلموں میں بھی غیرت ہوتی ہے۔ جب میں نے 1912ء میں حج کیا تو میں ایک اٹالین جہاز میں بیٹھ کر پہلے مصر گیا تھا اور پھر مصر سے حج کے لیے گیا تھا۔ اُس اٹالین جہاز پر ایک ڈاکٹر تھا جس کی بیوی مر چکی تھی۔ میں نے اُس سے کہا کہ تم دوبارہ شادی کیوں نہیں کرتے؟ کہنے لگا کہ میں اگر شادی کروں گا تو ایشیا میں کروں گا میں یورپ میں نہیں کروں گا۔ اس کی طبیعت کچھ مذاقیہ تھی۔ اُس نے نقل کر کے مجھے دکھایا اور کہا کہ یورپین عورت جب خاوند آتا ہے تو منہ بسور کے بیٹھ جاتی ہے اور جب غیروں کے سامنے جاتی ہے تو پوڈر اور لپ سٹک لگاتی ہے۔ میں ایسی عورت سے شادی نہیں کروں گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلام کی شرط نہیں غیرت مند انسان خواہ کسی مذہب کا ہو ایسی حرکات سے پرہیز کرنا پسند کرتا ہے۔

پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ خطبہ پڑھ رہے تھے کہ آپ نے دیکھا کہ کچھ لوگ کناروں پر کھڑے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے مسجد میں جگہ تنگ تھی اور لوگوں نے کناروں پر کھڑے ہو کر خطبہ سننا شروع کر دیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھا تو فرمایا بیٹھ جاؤ۔ ایک صحابیؓ اُس وقت مسجد کی طرف آ رہے تھے اور ابھی گلی میں ہی تھے کہ اُن کے کانوں میں یہ آواز پہنچ گئی اور وہ اُسی وقت زمین پر بیٹھ گئے اور انہوں نے گھسٹ گھسٹ کر مسجد کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ کوئی شخص پیچھے سے آ رہا تھا۔ وہ انہیں دیکھ کر کہنے لگا آپ یہ کیا کر رہے ہیں؟ اتنے بڑے آدمی ہو کر آپ نے اکڑوں بیٹھ کر پیروں کے بل چلنا شروع کر دیا ہے؟ انہوں نے کہا میرے کان میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ابھی یہ آواز آئی تھی کہ بیٹھ جاؤ۔ اس لیے میں یہ آواز سنتے ہی بیٹھ

گیا۔ وہ کہنے لگا یہ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن لوگوں سے کہا ہوگا جو مسجد میں کھڑے ہوں گے آپ سے تو نہیں کہا۔ انہوں نے جواب دیا کہ کہا ہوگا لیکن میں نے سمجھا کہ اگر میں نے اِس حکم کی تعمیل نہ کی اور اِس وقت میری جان نکل گئی تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک حکم ایسا رہ جائے گا جس کی میں نے اطاعت نہیں کی ہوگی۔ اس لیے میں نے مناسب سمجھا کہ خواہ آپ نے کسی کو مخاطب کیا ہو، جب میرے کانوں میں آپ کی آواز پڑ گئی ہے تو میں اس کی تعمیل کروں۔7 یہ وہ اطاعت کی روح تھی جو صحابہ میں پائی جاتی تھی۔

اِسی طرح دیکھ لو شراب کی عادت کتنی خطرناک چیز ہے۔ لوگ زور لگاتے ہیں مگر یہ عادت نہیں چُھٹتی۔ عرب میں بھی اسلام سے پہلے شراب کا بہت رواج تھا۔ حتّٰی کہ امراء پانچ نمازوں کے اوقات میں پانچ دفعہ شرابیں پیا کرتے تھے اور اِس پر فخر کرتے تھے۔ جب شراب حرام ہوئی تو جس مجلس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کی حُرمت کا اعلان فرمایا اُس میں بیٹھے ہوئے لوگوں نے تو سن لیا مگر وہ لوگ جو گھروں میں تھے اُن کے کانوں تک ابھی یہ بات نہیں پہنچی تھی۔ ایک جگہ شادی کی تقریب تھی اور شراب کے مٹکے بھر کر انہوں نے رکھے ہوئے تھے۔ ایک دو مٹکے ختم ہو چکے تھے اور تین چار باقی تھے اور پھر وہ سارے کے سارے شراب کے نشہ میں مخمور تھے۔ اتنے میں ایک شخص گلی میں سے گزرا اور اُس نے کہا کہ سنو! آج محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آج سے میں مسلمانوں پر شراب کی حُرمت کا اعلان کرتا ہوں۔ اُس وقت ایک آدمی نے دوسرے کی طرف دیکھا اور کہا اس سے پوچھو تو سہی یہ کیا کہہ رہا ہے۔ دوسرے نے ڈنڈا اٹھایا اور شراب کے مٹکوں کو توڑ دیا۔ یہاں تک کہ وہ شراب بہتے ہوئے گلی تک پہنچ گئی۔8 وہ کہنے لگا تم نے یہ کیا کیا پہلے پوچھ تو لینا تھا کہ کیا بات ہوئی ہے۔ اُس نے کہا جب ہمارے کانوں میں یہ آواز پہنچ گئی ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کو حرام کر دیا ہے تو میں پہلے مٹکا کو توڑوں گا اور پھر پوچھوں گا کہ کیا بات ہے۔ یہ وہ طریق تھا جس پر صحابہؓ نے قدم مارا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو کمال تک پہنچا دیا۔

پس میں اِس خطبہ کے ذریعہ اُن لوگوں کو جو اپنی بیویوں کو بے پردہ رکھتے ہیں تنبیہ کرتا ہوں اور انہیں اپنی اصلاح کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ باقی احمدی بھی مجرم ہیں کیونکہ محض اِس لیے کہ فلاں صاحب بڑے مالدار ہیں تم اُن کے ہاں جاتے ہو، اُن سے مل کر کھانا کھاتے

ہواور اُن سے دوستی اور محبت کے تعلقات رکھتے ہو۔ تمہارا تو فرض ہے کہ تم ایسے آدمی کو سلام بھی نہ کرو۔ تب بیشک سمجھا جائے گا کہ تم میں غیرت پائی جاتی ہے اور تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی اطاعت کروانا چاہتے ہو۔ لیکن اگر تم ایسے شخص سے مصافحہ کرتے ہو، اُس کو سلام کرتے ہو اور اُس سے تعلقات رکھتے ہو تو تم بھی ویسے ہی مجرم ہو جیسے وہ ہیں۔ پس آج میں یہ اعلان کرتا ہوں کہ جو لوگ اپنی بیویوں کو بے پردہ باہر لے جاتے اور مکسڈ (MIXED) پارٹیوں میں شمولیت اختیار کرتے ہیں اگر وہ احمدی ہیں تو تمہارا فرض ہے کہ تم اُن سے کوئی تعلّق نہ رکھو، نہ اُن سے مصافحہ کرو، نہ انہیں سلام کرو، نہ اُن کی دعوتوں میں جاؤ اور نہ اُن کو کبھی دعوت میں بلاؤ تا کہ انہیں محسوس ہو کہ اُن کی قوم اِس فعل کی وجہ سے اُنہیں نفرت کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ لیکن غیر احمدیوں کے متعلق ہمارا یہ قانون نہیں کیونکہ وہ ہماری جماعت میں شامل نہیں اور ہمارے فتوی کے پابند نہیں۔ وہ چونکہ ہماری جماعت میں شامل نہیں اُن پر اُن کے مولویوں کا فتوی چلے گا اور خدا تعالیٰ کے سامنے ہم اُن کے ذمہ دار نہیں ہوں گے بلکہ وہ یا اُن کے مولوی ہوں گے۔ لیکن اگر تم ایسے لوگوں سے تعلقات رکھتے ہو جو اپنے آپ کو احمدی کہتے ہیں اور پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں تو صرف وہی نہیں بلکہ تم بھی پکڑے جاؤ گے۔ خدا کہے گا کہ ان لوگوں کو تم نے اِس گناہ پر دلیری اور جرأت دلائی اور انہوں نے سمجھا کہ ساری قوم ہمارے اِس فعل کو پسند کرتی ہے۔ پس آئندہ ایسے احمدیوں سے نہ تم نے مصافحہ کرنا ہے، نہ انہیں سلام کرنا ہے، نہ ان کی دعوتوں میں جانا ہے، نہ ان کو کبھی دعوت میں بلانا ہے، نہ ان کے پیچھے نماز پڑھنا ہے اور نہ ان کو جماعت میں کوئی عہدہ دینا ہے بلکہ اگر ہو سکے تو اُن کا جنازہ بھی نہیں پڑھنا۔ اِسی طرح ہماری جماعت کی عورتوں کو چاہیے کہ ان کی عورتوں سے کسی قسم کے تعلقات نہ رکھیں۔ تمہیں اس سے کیا کہ کوئی کتنا مالدار ہے۔ تمہیں کسی مال دار کی ضرورت نہیں۔ تمہیں خدا کی ضرورت ہے۔ اگر تم اللہ تعالیٰ کے لیے ان مال داروں سے قطع تعلق کر لو گے تو بیشک تمہارے گھر میں وہ مال دار نہیں آئے گا لیکن تمہارے گھر میں خدا آئے گا۔ اب بتاؤ کہ تمہارے گھر میں کسی مالدار آدمی کا آنا عزّت کا موجب ہے یا خدا تعالیٰ کا آنا عزت کا موجب ہے؟ بڑے سے بڑا مالدار بھی ہو تو خدا تعالیٰ کے مقابلہ میں اُس کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ پس میں یہ اعلان کرتا ہوں کہ آئندہ ایسے لوگوں سے کوئی تعلّق نہ رکھا جائے۔

تم اِس بات سے مت ڈرو کہ اگر یہ لوگ علیحدہ ہو گئے تو چندے کم ہو جائیں گے۔ جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعوٰی کیا تھا تو اُس وقت کتنے لوگ چندہ دینے والے تھے؟ مگر پھر اللہ تعالیٰ نے اتنی بڑی جماعت پیدا کر دی کہ اب صدر انجمن احمدیہ کا سالانہ بجٹ سترہ لاکھ روپیہ کا ہوتا ہے اور ہم اُمید کرتے ہیں کہ دو چار سال میں ہمارا بجٹ پچاس ساٹھ لاکھ روپیہ تک پہنچ جائے گا۔ پس اگر ایک شخص سے چل کر ہماری جماعت کو اتنی ترقی حاصل ہوئی ہے کہ لاکھوں تک ہمارا بجٹ جا پہنچا ہے تو اگر یہ دس پندرہ آدمی نکل جائیں گے تو کیا ہو جائے گا۔ ہمیں تو یقین ہے کہ اگر ایک آدمی نکلے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ ہمیں ہزار دے دے گا۔ پس ہمیں ان کے علیحدہ ہونے کا کوئی فکر نہیں ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ یہ صرف نام کے احمدی نہ ہوں بلکہ عملی طور پر بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنے والے ہوں۔

مگر یاد رکھو! پردہ سے مُراد وہ پردہ نہیں جس پر پرانے زمانہ میں ہندوستان میں عمل ہوا کرتا تھا اور عورتوں کو گھر کی چار دیواری میں بند رکھا جاتا تھا اور نہ پردہ سے مُراد موجودہ برقع ہے۔ یہ برقع جس کا آجکل رواج ہے صحابہؓ کے زمانہ میں نہیں تھا۔ اُس وقت عورتیں چادر کے ذریعہ گھونگھٹ نکال لیا کرتی تھیں۔ جس طرح شریف زمیندار عورتوں میں آجکل بھی رواج ہے۔ چنانچہ ایک صحابی ایک دفعہ کوفہ کی مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ پردہ کا ذکر آ گیا۔ اُس زمانہ میں برقع کی طرز کی کوئی نئی چیز نکلی تھی۔ وہ اُس کا ذکر کر کے کہنے لگے کہ میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس کا کوئی رواج نہیں تھا۔ اُس زمانہ میں عورتیں چدّر اوڑھ کر گھونگھٹ نکالا کرتی تھیں جس میں سارے کا سارا منہ چھپ جاتا ہے صرف آنکھیں کھلی رہتی ہیں۔ جیسے پرانے زمیندار خاندانوں میں اب تک بھی گھونگھٹ کا ہی رواج ہے۔ پس شریعت نے پردہ محض چدّر اوڑھنے کا نام رکھا ہے اور اس میں بھی گھونگھٹ نکالنے پر زور دیا ہے ورنہ آنکھوں کو بند کرنا جائز نہیں۔ یہ عورت پر ظلم ہے۔ اِسی طرح عورت کو اپنے ساتھ لے کر بشرطیکہ وہ پردہ میں ہو سیر کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ میں نے خود حضرت خلیفہ اوّل سے سنا کہ امرتسر کے سٹیشن پر ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام حضرت اماں جان کو اپنے ساتھ لے کر ٹہل رہے تھے کہ مولوی عبدالکریم صاحب بڑے جوش کی حالت میں میرے پاس آئے اور کہنے لگے مولوی صاحب! دیکھیے حضرت صاحب یہاں ٹہل رہے ہیں اور اماں جان ساتھ ہیں۔

آپ جا کر حضرت صاحب کو سمجھائیں کہ یہ مناسب نہیں۔ غیر لوگ سٹیشن پر جمع ہیں اور وہ اعتراض کریں گے۔ حضرت خلیفہ اوّل فرماتے تھے کہ میں نے کہا کہ جب آپ کے دل میں ایک اعتراض پیدا ہوا ہے تو آپ خود حضرت صاحب سے اس کا ذکر کریں، مَیں تو نہیں جاتا۔ آخر وہ خود ہی چلے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد آئے تو انہوں نے سر نیچے ڈالا ہوا تھا۔ میں نے کہا مولوی صاحب! کہہ آئے؟ کہنے لگے ہاں میں نے کہا تھا کہ یہ مناسب نہیں۔ کل ہی سارے اخبارات میں یہ بات چھپ جائے گی اور مخالف اعتراض کریں گے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ سنا تو آپ نے فرمایا مولوی صاحب! وہ کیا لکھیں گے؟ کیا یہ لکھیں گے کہ مرزا قادیانی اپنی بیوی کو ساتھ لے کر ٹہل رہا تھا؟ اور اگر وہ یہ بات لکھیں تو اس میں ڈرنے کی کونسی بات ہے۔

غرض اُس وقت پردہ میں اتنی شدّت تھی کہ اپنی بیوی کو بھی ساتھ لے کر پھرنا لوگوں کی نگاہ میں معیوب سمجھا جاتا تھا لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کی کوئی پروا نہیں کرتے تھے۔ آپ آخری دنوں میں جب لاہور میں مقیم تھے تو باقاعدہ حضرت اماں جان کو ساتھ لے کر سیر کیا کرتے تھے۔ آپ چونکہ خود بھی بیمار تھے اور اعصاب کی تکلیف تھی اور حضرت اماں جان بھی بیمار رہتی تھیں اس لیے جب تک آپ لاہور میں رہے روزانہ فٹن میں بیٹھ کر آپ سیر کے لیے تشریف لے جاتے اور حضرت اماں جان بھی آپ کے ساتھ ہوتیں۔ قادیان میں بھی یہی کیفیت تھی۔ حضرت اماں جان ہمیشہ سیر کے لیے جاتی تھیں اور ان کے ساتھ ان کی سہیلیاں وغیرہ بھی ہوا کرتی تھیں۔

پس پردہ کے یہ معنے نہیں کہ عورتوں کو گھروں میں بند کر کے بٹھا دو۔ وہ سیر وغیرہ کے لیے جا سکتی ہیں۔ ہاں! گھروں کے قہقہے سننے منع ہیں لیکن اگر دوسروں سے وہ کوئی ضروری بات کریں تو یہ جائز ہے۔ مثلاً اگر وہ ڈاکٹر سے مشورہ کرنا چاہیں تو بیشک کریں یا فرض کرو کوئی مقدّمہ ہو گیا ہے اور عورت کسی وکیل سے بات کرنا چاہتی ہے تو بیشک کرے۔ اِسی طرح اگر کسی جلسہ میں کوئی ایسی تقریر کرنی پڑے جو مرد نہیں کر سکتا تو عورت تقریر بھی کر سکتی ہے۔

حضرت عائشہؓ کے متعلق تو یہاں تک ثابت ہے کہ آپ مردوں کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں سنایا کرتی تھیں بلکہ خود لڑائی کی بھی ایک دفعہ آپ نے کمان کی۔ جنگِ جمل میں آپ نے اونٹ پر بیٹھ کر سارے لشکر کی کمان کی تھی۔ پس یہ تمام چیزیں جائز ہیں۔ جو چیز منع ہے وہ یہ ہے کہ

عورت کھلے منہ پھرے اور مردوں سے اختلاط کرے۔ ہاں! اگر وہ گھونگھٹ نکال لے اور آنکھ سے رستہ وغیرہ دیکھے تو یہ جائز ہے لیکن منہ سے کپڑا اُٹھا دینا یا مکسڈ پارٹیوں میں جانا جبکہ اِدھر بھی مرد بیٹھے ہوں اور اُدھر بھی مرد بیٹھے ہوں یہ ناجائز ہے۔ اِسی طرح عورت کا مردوں کو شعر گا گا کر سنانا بھی ناجائز ہے کیونکہ یہ ایک لغو فعل ہے۔ غرض عورتوں کا مکسڈ مجالس میں جانا، مردوں کے سامنے اپنا منہ ننگا کر دینا اور اُن سے ہنس ہنس کر باتیں کرنا یہ سب ناجائز امور ہیں۔ لیکن ضرورت کے موقع پر شریعت نے بعض امور میں انہیں آزادی بھی دی ہے بلکہ قرآن کریم نے اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا9 کے الفاظ استعمال فرما کر بتا دیا ہے کہ جو حصہ مجبوراً ظاہر کرنا پڑے اُس میں عورت کے لیے کوئی گناہ نہیں۔ اِس اجازت میں وہ تمام مزدور عورتیں بھی شامل ہیں جنہیں کھیتوں اور میدانوں میں کام کرنا پڑتا ہے اور چونکہ اُن کے کام کی نوعیّت ایسی ہوتی ہے کہ اُن کے لیے آنکھوں اور اُس کے اردگرد کا حصہ کھلا رہنا ضروری ہوتا ہے ورنہ ان کے کام میں دقّت پیدا ہوتی ہے اس لیے اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا کے ماتحت اُن کے لیے آنکھوں سے لے کر ناک تک کا حصہ کھلا رکھنا جائز ہوگا۔ اور چونکہ انہیں بعض دفعہ پانی میں بھی کام کرنا پڑتا ہے اس لیے اُن کے لیے یہ بھی جائز ہوگا کہ وہ پاجامہ اُڑس لیں اور اُن کی پنڈلی ننگی ہو جائے۔ بلکہ ہمارے علماء کا یہ فتویٰ ہے کہ اگر کوئی عورت حاملہ ہو اور کوئی اچھی دایہ میسّر نہ آسکے اور ڈاکٹر یہ کہے کہ اگر یہ کسی مرد ڈاکٹر سے اپنا بچہ نہیں جنوائے گی تو اس کی زندگی خطرہ میں ہے تو ایسی صورت میں اگر وہ کسی مرد سے بچہ نہیں جنوائے گی تو یہ گناہ ہوگا اور پردے کی کوئی پروا نہیں کی جائے گی۔ حالانکہ عام حالات میں منہ کے پردے سے ستر کا پردہ زیادہ ہے۔ لیکن اس کے لیے اعضاءِ نہانی کو بھی مرد کے سامنے کر دینا ضروری ہوگا۔ بلکہ اگر کوئی عورت مرد ڈاکٹر سے بچہ نہ جنوائے اور مر جائے تو خدا تعالیٰ کے حضور وہ ایسی ہی سمجھی جائے گی جیسے اُس نے خودکشی کی ہے۔ غرض کوئی دِقّت ایسی نہیں جس کا ہماری شریعت نے علاج نہیں رکھا مگر باوجود اتنے بڑے انعام کے کہ خدا تعالیٰ نے لوگوں کی سہولت کے لیے ہر قسم کے احکام دے دیئے ہیں اگر کوئی شخص پردہ کو چھوڑتا ہے تو اس کے معنے یہ ہیں کہ وہ قرآن کی ہتک کرتا ہے۔ ایسے انسان سے ہمارا کیا تعلّق ہوسکتا ہے۔ وہ ہمارا دشمن ہے اور ہم اُس کے دشمن ہیں اور ہماری جماعت کے مردوں اور عورتوں کا فرض ہے کہ وہ ایسے احمدی مردوں اور ایسی احمدی عورتوں سے کوئی تعلّق نہ رکھیں۔ یہ کوئی فخر کی بات نہیں کہ فلاں عورت بڑے مالدار آدمی کی بیوی ہے۔ تمہارا فخر اِس میں ہے کہ تمہارے فرشتوں سے تعلّقات

ہوں۔ اور فرشتوں سے وہی لوگ ملتے ہیں جو خدا تعالیٰ کے کامل فرمانبردار ہوں۔ پس ان لوگوں کی مت پروا کرو اور اِس بات سے نہ ڈرو کہ اگر یہ لوگ الگ ہو گئے تو کیا ہو جائے گا۔ اگر ان میں سے ایک شخص علیحدہ ہو گا تو اُس کی جگہ ہزار آدمی تم میں شامل ہو گا بلکہ آئندہ ان کی جگہ ہزاروں بڑے بڑے مالدار تم میں شامل ہوں گے اور پھر ان کی تعداد خدا تعالیٰ کے فضل سے بڑھتی چلی جائے گی۔ بلکہ میں سمجھتا ہوں اگر تم میں حیا پیدا ہو گئی تو تمہارے عمل کو دیکھ کر مسلمانوں کا شریف طبقہ بھی تمہاری اقتدا کرنے پر مجبور ہو گا بلکہ بعض باتوں میں تو اَب بھی ہماری جماعت کے نمونہ کا لوگوں پر بڑا بھاری اثر ہے۔

حال ہی میں ہماری جماعت کا ایک شخص فوت ہوا ہے۔ وہ بالکل اَن پڑھ تھا مگر احمدیت سے نہایت ہی اخلاص رکھتا تھا۔ ربوہ کے پاس ہی ایک گاؤں کا رہنے والا تھا اور پرانے زمانہ سے قادیان آیا جایا کرتا تھا۔ اُس کے باپ اور بھائی وغیرہ سب چور تھے اور علاقہ کی بھینسیں نکال لایا کرتے تھے۔ اس نے خود اپنا حال سنایا کہ اس کے بھائی ایک دفعہ کسی کی بھینس چُرا کر لے آئے۔ جنگلی لوگ کھوج لگانے میں بڑے ماہر ہوتے ہیں۔ وہ نشانات دیکھتے دیکھتے ہمارے گھر پہنچ گئے اور کہنے لگے کہ ہماری بھینس دے دو۔ انہوں نے قسمیں کھانی شروع کر دیں کہ ہم تمہاری بھینس چُرا کر نہیں لائے۔ لوگوں نے کہا ہمیں تمہاری قسموں کا کوئی اعتبار نہیں۔ ہاں! اگر تمہارا فلاں بھائی جو مرزائی ہو چکا ہے کہہ دے کہ تم ہماری بھینس نہیں لائے تو ہم اس کی بات مان لیں گے۔ انہوں نے کہا کہ وہ تو کافر ہے۔ اس کافر کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے۔ وہ کہتے کہ وہ ہے تو کافر مگر ہمیں تمہاری قسموں پر اُتنا اعتبار نہیں جتنا اس کافر کی زبان پر ہے۔ پھر اس نے کہا کہ آخر وہ میرے پاس آئے اور مجھے خوب مارا اور کہا کہ خبردار! جو باہر جا کر یہ کہا کہ بھینس ہمارے پاس ہے۔ اور جب تسلّی ہو گئی کہ اب یہ ہمارا راز افشاء نہیں کرے گا تو مجھے باہر لائے اور پوچھا کہ بتاؤ کیا ہم بھینس لائے ہیں؟ میں نے کہا کہ اگر میں نے کچھ کہا تو تم خفا ہو جاؤ گے۔ انہوں نے کہا نہیں بولو کیا ہم بھینس لائے ہیں؟ میں نے کہا ہاں لائے تو ہو، وہ اندر کھڑی ہے۔ انہوں نے پھر مجھے اندر لے جا کر مارا اور کہا ہم نے جو کہا تھا کہ نہ بتانا پھر تم نے کیوں بتایا؟ میں نے کہا کہ وہ اندر جو کھڑی ہے تو میں کیا کرتا؟ غرض احمدیوں کی سچائی کا یہ اثر تھا کہ لوگ کہتے کہ یہ ہے تو کافر مگر جو بات کہتا ہے سچ کہتا ہے۔ تو اچھے نمونہ کا دوسرے لوگوں پر بڑا بھاری اثر پڑتا ہے۔

میں جن دنوں اُمِّ طاہر کی بیماری کے سلسلہ میں لاہور ٹھہرا ہوا تھا ایک روز رات کے دس بجے

ایک غیر احمدی مولوی مجھ سے ملنے کے لیے آیا اور کہنے لگا کہ آپ کی جماعت بڑی اچھی ہے اور اسلام کی بڑی خدمت کر رہی ہے لیکن صرف ایک خرابی ہے جو نہیں ہونی چاہیے۔ اور وہ یہ کہ آپ ہم سے نہیں ملتے، نہ ہمارے پیچھے نمازیں پڑھتے ہیں اور نہ ہمیں رشتے دیتے ہیں۔ اگر یہ خرابی دور ہو جائے تو پھر آپ کی جماعت سے بہتر اَور کوئی جماعت نہیں۔ میں نے کہا مولوی صاحب! یہ لوگ جن کی آپ تعریف کر رہے ہیں آپ لوگوں میں سے ہی نکل کر آئے ہیں یا کہیں اَور سے آئے ہیں؟ جب یہ آپ لوگوں میں سے ہی نکل کر آئے ہیں اور مرزا صاحب کی تعلیم نے اِن میں اتنی بڑی تبدیلی پیدا کر دی ہے تو کیا آپ چاہتے ہیں کہ پھر یہ دوسرے مسلمانوں کے ساتھ مل کر ویسے ہی بے عمل ہو جائیں جیسے وہ ہیں؟ وہ آدمی سمجھدار تھا کہنے لگا اب میں سمجھ گیا۔ آپ مسلمانوں سے بالکل نہ ملیے اور علیحدہ ہی رہیے۔ اگر آپ کی جماعت کے لوگ پھر ان سے جا ملے تو اسلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کو پھیلانے کی جو جدوجہد آپ کی جماعت کر رہی ہے وہ بھی جاتی رہے گی اور اسلام کی تبلیغ ختم ہو جائے گی۔ اب کم از کم کوئی جماعت تو ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام پھیلا رہی ہے۔

تو دیکھو! نیک نمونہ کا لوگوں پر کتنا اثر ہوتا ہے۔ اب یہ لوگ اپنی امارت کی وجہ سے احمدیت کے رستہ میں روک بن رہے ہیں۔ اگر یہ لوگ روک نہ بنیں اور اسلام کے احکام کی اطاعت کریں تو احمدیت کو بڑی ترقی حاصل ہو سکتی ہے"۔ (الفضل 27 جون 1958ء)

1: آل عمران: 20

2: آل عمران: 86

3: ابن ماجه کتاب النکاح باب النظر الی المرأة اذا اراد ان یتزوجها

4: سیرت ابن ہشام جلد 3 صفحہ 105 مطبوعہ مصر 1936ء

5: بِٹر بِٹر دیکھنا: ٹکٹکی لگا کر دیکھنا

6: السیرة الحلبیة جلد 2 صفحہ 267، 268 مطبوعہ مصر 1935ء

7: ابو داؤد ابواب الجمعة باب الامام یکلم الرجل فی خطبته

8: بخاری کتاب التفسیر تفسیر سورة المائدة باب لَیْسَ عَلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (الخ)

9: النور: 32

18

اللہ تعالیٰ کے حضور گرو اور اُسی سے مدد مانگو کہ یہی ہماری کامیابی اور ترقی کا اصل ذریعہ ہے

خدائی جماعتیں اگر کثرت سے ذکرِ الٰہی کریں تو اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کے فرشتے آسمان سے اُتر کر اُن کی مدد کرتے ہیں

(فرمودہ 13 جون 1958ء بمقام مری)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور نے قرآن کریم کی درج ذیل آیت کی تلاوت فرمائی: ''يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ''۔1

اس کے بعد فرمایا:

''اسلام کی ہر بات چونکہ خدا تعالیٰ کے ساتھ تعلق رکھتی ہے اور اس کا مقصد انسان کی صحیح راہنمائی کرنا اور اسے ایسے راستہ کی طرف لے جانا ہے جو ہر لحاظ سے اس کے لیے مفید اور بابرکت ہو اس لیے بسا اوقات وہ ایسی تعلیم پیش کرتا ہے جو دنیا سے نرالی ہوتی ہے۔ دنیا میں جب فوجیں آپس میں لڑتی ہیں تو حکومتیں اپنے سپاہیوں کو خوب شرابیں پلاتی ہیں تا کہ اُنہیں ہوش نہ رہے اور موت کا ڈر

اُن کے دلوں سے جاتا رہے لیکن اسلام اِس کے اُلٹ تعلیم دیتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے مومنو! جب تم دشمن کے مقابلہ میں لڑائی کے لیے صف آراء ہو جاؤ تو ایک تو اپنے اندر استقلال پیدا کرو اور اس کے مقابلہ میں مضبوطی سے ڈٹے رہو اور دوسرے اللہ تعالیٰ کو ہر وقت یاد کیا کرو یعنی موت کو اپنے سامنے رکھو۔ گویا حکومتیں تو موت کو بُھلا کر لڑواتی ہیں اور اسلام موت کو یاد دِلا کر لڑواتا ہے۔ یہ ایک نہایت ہی نمایاں فرق ہے جو اسلامی تعلیم اور موجودہ زمانہ کے طریقِ کار میں پایا جاتا ہے۔ اسلام نے تو شراب کو یوں بھی حرام کیا ہوا ہے لیکن یورپین حکومتیں جنگ کے دنوں میں اپنے سپاہیوں کی شراب دُگنی کر دیتی ہیں تا کہ انہیں یہ ہوش ہی نہ رہے کہ وہ کس حالت میں ہیں مگر اسلام اس کے اُلٹ کرتا ہے اور بجائے یہ کہنے کے کہ شراب پیو، وہ کہتا ہے تم اللہ تعالیٰ کو یاد کرو کیونکہ فتح اللہ تعالیٰ کی مدد سے حاصل ہوا کرتی ہے۔ ظاہری سامانوں سے فتح حاصل نہیں ہوتی۔ اس کے بعد فرماتا ہے کہ اگر تم ایسا کرو گے تو لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ شاید تم کامیاب ہو جاؤ۔

اِس جگہ معترض اعتراض کیا کرتے ہیں کہ کیا اللہ تعالیٰ کو یہ پتا نہیں تھا کہ اگر لوگ ایسا کریں گے تو وہ کامیاب ہوں گے؟ اور اگر پتا تھا تو پھر اس نے ''شاید'' کا لفظ کیوں استعمال کیا؟ مگر یہ اُن کی جہالت کی بات ہے۔ انہوں نے لُغت کی کتابوں کو نہیں دیکھا۔ لُغت میں لَعَلَّ کے استعمال کے بارے میں لکھا ہے کہ بیشک اس کے معنے شُبہ کے ہوتے ہیں لیکن یہ ضروری نہیں کہ اس سے بولنے والے کے دل کا شبہ مراد ہو بلکہ کبھی اس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ جن لوگوں سے خطاب کیا گیا ہے اُن کے دلوں میں کوئی شُبہ ہے اور کبھی مخاطب کے علاوہ دوسرے لوگوں کے شبہ کا ذکر مراد ہوتا ہے۔ گویا بولنے والے کو تو یقین ہوتا ہے کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے درست ہے اور وہ قطعی اور یقینی ہے مگر جس کو مخاطب کیا جا رہا ہوتا ہے بعض دفعہ اُس کو کوئی شُبہ ہوتا ہے اور بعض دفعہ اس کے علاوہ دوسروں کو کوئی شُبہ ہوتا ہے۔ پس لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ کے یہ معنی ہیں کہ تمہاری فتح تو یقینی ہے لیکن اگر تم ذکرِ الٰہی کرو گے تو اللہ تعالیٰ ایسے سامان پیدا کرے گا کہ دوسرا آدمی جو تمہاری فتح کو ناممکن سمجھتا ہے وہ بھی خیال کرنے لگ جائے گا کہ شاید تم لوگ جیت جاؤ۔ انسانی اندازے چونکہ ظاہر پر ہوتے ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر تم ذکرِ الٰہی کرتے رہے اور اللہ تعالیٰ سے دُعائیں کرتے رہے تو وہ تمہاری کامیابی کے ایسے سامان پیدا فرما دے گا کہ تمہارا ساتھی جو پہلے تمہاری فتح کو ناممکن سمجھتا تھا وہ بھی سمجھنے لگ جائے گا کہ اب تو ایسے

سامان نظر آ رہے ہیں کہ شاید یہ لوگ جیت ہی جائیں۔ اللہ تعالیٰ تو پہلے ہی جانتا ہے کہ مسلمان کامیاب ہوں گے اور خود مسلمانوں کو بھی یقین ہوتا ہے کہ وہ جیتیں گے اور دشمن ہارے گا۔ مگر فرماتا ہے اس کے بعد ایسے سامان پیدا ہوں گے کہ جن کے نتیجہ میں دشمن بھی خیال کرنے لگ جائے گا کہ شاید یہ مسلمان جیت ہی جائیں۔

چنانچہ بدر کے میدان میں جب صحابہ جمع ہوئے اور کفار بھی لڑائی کے لیے آ گئے تو کفار میں سے بعض نے اپنے سرداروں کو مشورہ دیا کہ مسلمانوں سے لڑائی کرنے کی بجائے صلح کر لینی چاہیے۔ اِس پر وہ لوگ جو صلح کرنا نہیں چاہتے تھے انہوں نے ایک شخص کو جس کا کوئی بھائی کسی چھوٹی جنگ میں مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا تھا اُکسایا اور اُسے کہا تم شور مچانا شروع کر دو کہ میرا بھائی ان مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا تھا مگر آج میری قوم اس کا بدلہ لینے کے لیے تیار نہیں۔ عربوں میں رواج تھا کہ ایسے موقع پر وہ چادر کھول کر سر پر رکھ لیتے اور پھر رونا شروع کر دیتے۔ اِسی طریق کے مطابق اس نے بھی چادر کھول کر سر پر رکھ لی اور پھر رونے پیٹنے لگ گیا اور اس نے شور مچانا شروع کر دیا کہ ہائے میرے بھائی! تیری قوم نے تجھے چھوڑ دیا اور وہ تیرا بدلہ لینے کے لیے تیار نہیں ہے۔ جب اُس نے اِس طرح شور مچایا تو قوم کے اندر جوش پیدا ہو گیا اور سب کے سب مسلمانوں سے لڑنے کے لیے تیار ہو گئے۔ جب مقابلہ کا فیصلہ ہو گیا تو ابوجہل نے ایک سردار کو بلایا اور اسے کہا کہ تم ذرا جا کر پتا تو لو کہ مسلمان کتنے ہیں۔ وہ نظر تو تھوڑے آتے ہیں لیکن ممکن ہے کچھ پہاڑی کے پیچھے بھی چھپے ہوئے ہوں۔ جیسا کہ قرآن کریم میں بھی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَّيُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ 2 یعنی اُس وقت کو یاد کرو جب کہ وہ ان کفار کو تمہاری نگاہ میں لڑائی کے وقت بالکل حقیر کر کے دکھاتا تھا اور تمہیں اُن کی نظر میں تھوڑے کر کے دکھاتا تھا اور وہ سمجھتے تھے کہ شاید کچھ لوگ پہاڑی کے پیچھے بھی چھپے ہوئے ہوں۔ وہ گیا اور اسلامی لشکر کا جائزہ لینے کے بعد واپس آ گیا۔ جب وہ واپس آیا تو کفار نے اُس سے پوچھا کہ بتاؤ تمہاری مسلمانوں کے متعلق کیا رائے ہے؟ اُس نے کہا میری رائے تو یہی ہے کہ مسلمانوں سے لڑنا نہیں چاہیے۔ انہوں نے کہا پہلے تم یہ بتاؤ کہ اُن کی تعداد کتنی ہے؟ اُس نے کہا تعداد تو تھوڑی ہے۔ تین سو یا سوا تین سو کے قریب ہیں اور پہاڑی کے پیچھے کوئی لشکر بھی نہیں کیونکہ میں اُن کے باورچی خانہ میں گیا

تھا اور میں نے دیکھا کہ تین سو یا سوا تین سو آدمیوں کے لیے جتنے اونٹ ذبح ہونے ضروری تھے اُتنے ہی اونٹ انہوں نے ذبح کیے تھے اس لیے جہاں تک اُن کی تعداد کا سوال ہے وہ تو اتنی ہی ہے مگر پھر بھی میرا مشورہ یہی ہے کہ لڑائی نہ کرو۔ انہوں نے کہا یہ کیسی بُزدلی کی بات ہے۔ جب وہ تھوڑے سے آدمی ہیں تو پھر لڑائی سے ڈرنے کے معنے ہی کیا ہوئے۔ وہ کہنے لگا اے میری قوم! وہ آدمی تو تھوڑے ہی ہیں مگر خدا کی قسم! جب میں انہیں دیکھنے گیا تو مجھے اونٹوں پر آدمی نظر نہیں آئے بلکہ مجھے موتیں نظر آئیں جو ان اونٹوں پر سوار تھیں 3 یعنی ان لوگوں کے چہروں سے ایسا عزم ظاہر ہوتا ہے کہ ان میں سے ہر شخص اس بات کے لیے آمادہ ہے کہ اگر لڑائی ہوئی تو ہم مر جائیں گے یا دشمن کو مار ڈالیں گے۔ پس اگر لڑائی ہوئی تو ان میں سے ہر شخص تمہارے لیے ملک الموت بن جائے گا۔ چنانچہ یہی ہوا لڑائی ہوئی تو مکہ کے تمام بڑے بڑے سردار مارے گئے۔ ابوجہل بھی میدان جنگ میں مارا گیا اور سارے مکہ میں ماتم برپا ہو گیا۔ یہ فتح ان کو اس لیے حاصل ہوئی کہ ان کے سامنے ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم رہتا تھا کہ دیکھو جب لڑائی ہو تو وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ خدا تعالیٰ کو کثرت سے یاد کیا کرو تا کہ تمہیں فتح حاصل ہو اور اس کا غضب تمہارے دشمن پر نازل ہو۔

جب روم کے ساتھ مسلمانوں کی لڑائی ہوئی تو رومی جرنیل نے ایک وفد بھیجا اور اُسے کہا کہ تم مسلمانوں کے لشکر کو جا کر دیکھو اور پھر واپس آ کر بتاؤ کہ ان کی کیا کیفیت ہے۔ وہ وفد اسلامی لشکر کا جائزہ لے کر واپس گیا تو اُس نے کہا ہم دیکھ آئے ہیں، وہ آدمی تو بہت تھوڑے سے ہیں مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ کوئی جنّ ہیں کیونکہ ہم نے دیکھا کہ وہ دن کو لڑتے ہیں اور رات کو تہجد پڑھنے کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ہمارے سپاہی جو دن بھر کے تھکے ہوئے ہوتے ہیں وہ تو رات کو شرابیں پیتے ہیں، ناچ گانے میں مشغول ہو جاتے ہیں اور جب ان کاموں سے فارغ ہوتے ہیں تو آرام سے سو جاتے ہیں مگر وہ لوگ کوئی عجیب مخلوق ہیں کہ دن کو لڑتے ہیں اور راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر خدا تعالیٰ کی عبادت کرتے اور اُس کا ذکر کرتے ہیں۔ اس لیے ایسے لوگوں سے ہمارا لڑنا بے فائدہ ہے۔ 4

غرض اِس آیت میں بتایا گیا ہے کہ خدائی جماعتوں کو ہمیشہ الٰہی مدد سے فتوحات حاصل ہوا کرتی ہیں۔ جب وہ کثرت سے خدا تعالیٰ کو یاد کرتی ہیں تو اس کے نتیجہ میں خدا تعالیٰ بھی آسمان سے اُترتا اور ان کی مدد کرتا ہے۔ چنانچہ دیکھ لو عرب کی ساری آبادی ایک لاکھ اسّی ہزار تھی مگر انہوں نے روم

جیسے ملک سے ٹکّر لے لی جس کی بیس کروڑ کی آبادی تھی۔ پھر انہوں نے کسریٰ کے ملک پر حملہ کر دیا اور اس کی آبادی بھی بیس تیس کروڑ تھی۔ گویا پچاس کروڑ کی آبادی رکھنے والے ممالک پر ایک لاکھ اسّی ہزار کی آبادی رکھنے والا ملک حملہ آور ہوا۔ اور پھر یہ ملک اتنے طاقتور تھے کہ ہندوستان بھی اُن کے ماتحت تھا، چین بھی ان کے ماتحت، اسی طرح ٹرکی، آرمینیا، عراق اور عرب کے اَور ممالک یعنی فلسطین اور مصر بھی ان کے ماتحت تھے۔ مگر باوجود اِتنی کثرت کے مُٹھی بھر مسلمان نکلے تو انہوں نے ان لوگوں کا صفایا کر دیا اور بارہ سال کے عرصہ میں ان کی فوجیں قسطنطنیہ کی دیواروں سے جا ٹکرائیں۔ حضرت ایوب انصاریؓ اُس وقت زندہ تھے اور وہ بھی ان جنگوں میں شامل تھے۔ قسطنطنیہ کی دیواروں کے نیچے انہیں تیر لگا اور وہ شہید ہو گئے۔ چنانچہ آج تک قسطنطنیہ میں اُن کی یادگار قائم ہے۔ یہ فتوحات جو مسلمانوں کو حاصل ہوئیں صرف ذکرِ الٰہی کا نتیجہ تھیں۔ لیکن جب مسلمان بگڑ گئے اور انہوں نے خدا تعالیٰ کو چھوڑ دیا تو اُس وقت اُن کی یہ حالت ہوئی کہ جب ہلاکو خان نے بغداد پر حملہ کیا تو مسلمان ایک بزرگ کے پاس گئے اور اُسے کہا کہ دُعا کریں بغداد سخت خطرہ کی حالت میں ہے۔ انہوں نے کہا میں رات کو دعا کروں گا تم صبح میرے پاس آنا، جو کچھ جواب ملے گا وہ بتا دوں گا۔ جب وہ صبح کو آئے تو انہوں نے کہا میں تمہارے لیے کیا دعا کروں؟ میں تو جب بھی ہاتھ اٹھاتا تھا مجھے اللہ تعالیٰ کے ملائکہ کی یہ آوازیں آتی تھیں کہ یَا اَیُّهَا الْکُفَّارُ اُقْتُلُوا الْفُجَّارَ یعنی اے کافرو! ان فاجر مسلمانوں کو خوب مارو کیونکہ یہ مسلمان ہی نہیں رہے۔ اب بتاؤ جب خدا کہہ رہا ہے کہ ان مسلمانوں کو مارو تو میری دعائیں کیا کریں گی۔

غرض جب تک مسلمانوں میں ذکرِ الٰہی رہا ان کے تھوڑے تھوڑے آدمیوں نے بڑے بڑے ملکوں کو بھگا دیا۔ لیکن جب مسلمانوں میں سے ذکرِ الٰہی اُٹھ گیا اور اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل جاتا رہا تو ان کی حالت یہاں تک گر گئی کہ جب ہلاکو خان نے بغداد پر حملہ کیا تو اس کے دس دس آدمی دو دو لاکھ کی آبادی رکھنے والے ملکوں میں جاتے تو مرد، عورتیں اور بچے سب بھاگ کھڑے ہوتے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسلمان اپنے اندر اتنی طاقت محسوس کرتے تھے کہ ایک دفعہ جب روم کے بادشاہ نے دیکھا کہ اُس کی فوج کو بار بار شکست ہو رہی ہے اور اُسے اپنی سلطنت کے متعلق خطرہ محسوس ہوا تو اُس نے اپنے ایک جرنیل کو جس کا نام ہامان تھا بلوایا اور اُسے کہا کہ تم بڑے بہادر ہو، میں تمہیں مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے بھجواتا ہوں۔ اگر تم جیت گئے تو میں اپنی لڑکی کی

تم سے شادی کر دوں گا اور آدھا ملک تم کو دے دوں گا۔ تمہارا کام یہ ہے کہ تم کسی طرح مسلمانوں کو شکست دو۔ وہ ساٹھ ہزار کا لشکر لے کر نکلا۔ اُس زمانہ کا ساٹھ ہزار آجکل کے ساٹھ لاکھ کے برابر تھا اور مسلمان کُل بارہ ہزار تھے۔ وہ بڑے گھبرائے کہ ہم اتنے بڑے لشکر کا کس طرح مقابلہ کریں گے۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے خالدؓ بن ولید کو بلوایا اور کہا کہ ہم کل اس لشکر پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ تم اندازہ لگاؤ کہ ہم اس کے مقابلہ میں کتنے ہزار آدمی بھجوائیں۔ انہوں نے کہا حضور! یہ کیا کر رہے ہیں؟ اِس طرح تو دشمن دلیر ہو جائے گا اور سمجھے گا کہ میری بڑی طاقت ہے۔ آپ ساٹھ ہزار کے مقابلے میں صرف ساٹھ آدمی بھجوائیے اور مجھے اجازت دیجیے کہ میں اپنی خواہش کے مطابق اُن میں سے ساٹھ آدمی چُن لوں۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے اس کی اجازت دے دی اور انہوں نے ساٹھ بہادر مسلمان چُن لیے اور اُن سب کو کہہ دیا کہ دیکھو! تمہاری موت کے ساتھ اِس وقت اسلام کی زندگی وابستہ ہے۔ تم تیر کی طرح دشمن کی فوجوں میں گُھس جاؤ اور ہامان جس ہاتھی پر سوار ہے اُس پر حملہ کر کے ہامان کو گرا دو۔ جب کمانڈر انچیف مارا گیا تو باقی فوج خود بخود پیچھے ہٹ جائے گی۔ چنانچہ وہ تیر کی طرح فوجوں میں گُھس گئے اور انہوں نے اُس ہاتھی پر حملہ کر دیا جس پر ہامان سوار تھا اور اُسے مار کر گرا دیا۔

بیشک اِس حملہ کے نتیجہ میں مسلمانوں کے بارہ تیرہ آدمی میدانِ جنگ میں ہی مارے گئے اور قریباً بیس آدمی ایسے خطرناک زخمی ہوئے کہ جنگ کے خاتمہ پر اُن میں سے بھی اکثر شہید ہو گئے مگر اِس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کُفّار کا لشکر بھاگا اور دو سو میل پیچھے جا کر اُس نے دم لیا۔ اِس جنگ میں حضرت عکرمہؓ جو ابوجہل کے بیٹے تھے مارے گئے اور اس جنگ میں حضرت فضلؓ جو عبداللہؓ بن عباس کے بڑے بھائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے بیٹے تھے مارے گئے۔ تاریخ میں لکھا ہے کہ جنگ کے بعد ایک مسلمان سپاہی اپنی چھاگل میں پانی بھر کر ان زخمی صحابہ کے پاس پہنچا۔ اس نے دیکھا کہ حضرت عکرمہؓ کی حالت بڑی نازک ہے اور پیاس کی شدت کی وجہ سے وہ اپنے ہونٹوں پر زبان پھیر رہے ہیں۔ وہ کہتا ہے میں آگے بڑھا اور میں نے کہا آپ کو سخت پیاس محسوس ہو رہی ہے میرے پاس پانی موجود ہے آپ کچھ پانی پی لیں تا کہ آپ کو سکون محسوس ہو۔ انہوں نے کہا میں تو بہت بعد میں اسلام لایا ہوں۔ میرے ساتھ ہی ایک ایسا مسلمان زخموں سے چُور پڑا ہے جو مجھ سے پہلے اسلام میں داخل ہوا تھا۔ اس لیے پہلے اسے پانی پلاؤ اور پھر میرے پاس آؤ۔ جب وہ پانی لے کر اُس کے پاس پہنچا تو

وہ کہنے لگا میرے پہلو میں فلاں مخلص صحابی پڑا ہے اور اُسے بھی پیاس کی شدید تکلیف ہے۔ میں یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ میں پہلے پانی پی لوں اور وہ صحابی رہ جائیں۔ اس لیے پہلے ان کے پاس پانی لے جاؤ۔ وہ پانی لے کر اُن کے پاس پہنچا تو وہ کہنے لگے میرے پہلو میں حضرت فضلؓ پڑے ہوئے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی ہیں پہلے اُنہیں پانی پلاؤ۔ جب تک وہ پانی نہ پی لیں میں پانی نہیں پی سکتا۔ وہ سات زخمی صحابہ تھے جو میدانِ جنگ میں پیاس کی شدت اور زخموں کی تکلیف سے تڑپ رہے تھے مگر اُن میں سے ہر ایک نے یہی کہا کہ جب تک میرا ساتھی پانی نہ پی لے میں پانی نہیں پی سکتا۔ جب وہ آخری صحابیؓ کے پاس پہنچا تو وہ فوت ہو چکے تھے اور جب وہ لَوٹ کر دوسروں کے پاس آیا تو وہ بھی فوت ہو چکے تھے۔5

اب دیکھو یہ لوگ بیشک مارے گئے لیکن وہ اپنی موت سے مسلمانوں کو سینکڑوں سال تک حکومت پر قائم کر گئے۔ ایک ایسی جنگ میں جس میں دشمن کا ساٹھ ہزار لشکر سامنے تھا پندرہ بیس مسلمانوں کا مارا جانا کوئی بڑی بات نہیں لیکن انہوں نے مر کر چار سو سال تک مسلمانوں کی حکومت قائم کر دی اور آخر حضرت عباسؓ کے خاندان میں بھی حکومت آئی اور عباسی حکومت بڑی شان سے قائم ہوئی۔ مگر بعد میں جب مسلمان ناچ گانوں میں مشغول ہو گئے، جب انہوں نے رنگ رلیاں منانی شروع کر دیں، جب وہ شرابیں پینے لگ گئے، جب وہ عیاشی میں مبتلا ہو گئے اور انہوں نے کہنا شروع کر دیا کہ اسحاق موسوی بڑا اچھا گانے والا ہے، فلاں کنچنی خوب ناچتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تباہی کے لیے ہلاکو خان کو بغداد پر مسلّط کر دیا اور اُس نے ایک دن میں اٹھارہ لاکھ مسلمانوں کو قتل کیا اور شاہی خاندان کی کوئی ایک عورت بھی ایسی نہ چھوڑی جس کے ساتھ بدکاری نہ کی گئی ہو۔ اب کُجا تو اُن کی یہ حالت تھی کہ روم جیسے بادشاہ کے لشکر کو جو ساٹھ ہزار کی تعداد میں تھا مسلمانوں کے صرف ساٹھ آدمیوں نے شکست دے دی اور کُجا یہ حالت ہوئی کہ ہلاکو خان چند ہزار کا لشکر لے کر آیا اور لاکھوں مسلمان اُس کے آگے آگے بھاگتے پھرے اور اس نے اٹھارہ لاکھ آدمیوں کو قتل کر دیا۔

غرض جب تک اللہ تعالیٰ مدد کرتا ہے فتوحات حاصل ہوتی جاتی ہیں اور جب اللہ تعالیٰ کی مدد کم ہو جاتی ہے تو فتوحات بھی کم ہو جاتی ہیں۔ ہماری جماعت کے دوستوں کو بھی چاہیے کہ وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی مدد مانگتے رہا کریں اور پاکستان کے سپاہیوں کو بھی چاہیے کہ وہ دعاؤں اور ذکرِ الٰہی سے

کام لیں اور اللہ تعالیٰ کی نُصرت کو کھینچنے کی کوشش کریں۔ آجکل اخباروں میں مَیں دیکھتا ہوں کہ بڑا شور مچا ہوا ہے مگر میں مسلمانوں سے کہتا ہوں کہ نعروں سے کچھ نہیں بنتا۔ اگر تم نے نعرہ ہی مارنا ہے تو تم انسانوں کے سامنے نعرہ نہ مارو بلکہ خدا کے سامنے نعرہ مارو اور اُس کے حضور گریہ و زاری سے کام لو۔ جب تم خدا کے سامنے جھکو گے تو اللہ تعالیٰ کے فرشتے تمہاری مدد کے لیے اُتریں گے۔ بدر کی جنگ میں کُفّار مسلمانوں کے مقابلہ میں بھاگ نکلے تو بعض لوگوں نے انہیں طعنہ دیا کہ تم نے کیسی بُزدلی دکھائی ہے۔ انہوں نے کہا تمہیں کیا پتا؟ اِس جنگ میں سفید اَبلق گھوڑوں پر کوئی عجیب قسم کی مخلوق سوار تھی۔ تلواریں اُن کے ہاتھ میں تھیں اور وہ جس پر بھی تلوار چلاتے تھے وہ فوراً کٹ کر دو ٹکڑے ہو جاتا۔ پس ہمارا مقابلہ آدمیوں سے نہیں تھا بلکہ جنّات سے تھا اور ہم نے دیکھا کہ وہ ایسی سختی سے تلوار مارتے تھے کہ ان کے ایک ایک وار سے کئی کئی آدمی کٹ جاتے۔

غرض کامیابی اُسی صورت میں آتی ہے جب آسمان سے اللہ تعالیٰ کے فرشتے اُتریں اور وہ مدد کریں۔ پس اللہ تعالیٰ کے حضور گرنا چاہیے اور اُسی سے مدد مانگنی چاہیے کہ یہی ہماری کامیابی کا اصل ذریعہ ہے"۔ (الفضل 2 جولائی 1958ء)

1: الانفال: 46

2: الانفال: 45

3: سیرت ابن ہشام جلد 2 صفحہ 274 مطبوعہ مصر 1936ء

4: تاریخ الطبری المجلد الثانی صفحہ 347 مطبوعہ بیروت 1971ء

5: الاستیعاب فی مَعرفۃ الاصحاب جلد 3 صفحہ 191 مطبوعہ بیروت 1995ء

19

مسئلہ کشمیر کے متعلق پاکستانی عوام کی بے چینی

اور حکومت کا فرض

بے شک حکومت جتھوں کو جنگ بندی کی سرحد عبور کرنے سے روک سکتی ہے لیکن اس کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ عوام کو بتائے کہ اُس کے پاس اِس مسئلہ کو حل کرنے کا کیا ذریعہ ہے

(فرمودہ 27 جون 1958ء بمقام مری)

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور نے قرآن کریم کی درج ذیل آیت کی تلاوت فرمائی:

تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۖ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۖ ۔1

اس کے بعد فرمایا:

''قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ مومنوں کو یہ ہدایت دیتا ہے کہ وہ ہمیشہ ایک منظّم جماعت کے طور پر رہا کریں اور جب کوئی اچھا کام کرے تو ساری جماعت کو چاہیے کہ وہ اُس کے ساتھ مل کر اُس کام کو تکمیل تک پہنچانے کی کوشش کریں۔ اور اگر کوئی شخص ظلم سے کام لے یا فساد کرے تو کبھی اُس کے ساتھ شامل نہ ہوں خواہ وہ مومن ہوں یا غیر مومن کیونکہ اللہ تعالیٰ ظلم اور فساد پسند نہیں کرتا۔

آج ہی یہاں کے مبلغ نے ایک ٹریکٹ چھپوایا ہے جو عیسائیوں کے ایک ٹریکٹ کے جواب

میں لکھا گیا ہے۔ یہ ٹریکٹ اصل میں لاہور کے عیسائیوں نے لکھا تھا جسے یہاں کے پادریوں نے مری میں تقسیم کیا۔ یہ ٹریکٹ نہایت گندے اور جھوٹے اعتراضات سے پُر تھا اور اس میں کہا گیا تھا کہ قرآن کریم تو تورات اور انجیل کی تائید کرتا ہے لیکن مسلمان کہتے ہیں کہ تورات اور انجیل دونوں محرّف و مبدّل ہیں حالانکہ یہ بالکل جھوٹ ہے۔ مسلمان ایسا نہیں کہتے بلکہ صرف احمدی اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں ورنہ مسلمانوں کی کتابیں تو اس بات سے بھری پڑی ہیں کہ تورات اور انجیل غیر محرّف ہیں۔ یہاں تک کہ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی جیسے بڑے آدمی نے بھی اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ عیسائیوں اور یہودیوں کی معنوی تحریف تو ثابت ہے لیکن لفظی تحریف ثابت نہیں۔ چونکہ اُس زمانہ میں عیسائیت کے خلاف مسلمانوں کی تحقیق ابھی مکمل نہیں تھی اور انگریزی اور عبرانی لٹریچر ان کی نظر سے نہیں گزرا تھا اس لیے انہوں نے لکھ دیا کہ قرآن کریم میں جو یُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ 2 آتا ہے اس سے یہ مُراد نہیں کہ وہ لفظی تحریف کرتے تھے بلکہ اس جگہ تحریف سے معنوی تحریف مُراد ہے۔ پس عام مسلمان تورات اور انجیل کو محرّف و مبدّل نہیں کہتے بلکہ صرف ہماری جماعت یہ دعویٰ کرتی ہے کہ عہد نامہ قدیم اور جدید دونوں محرّف و مبدل ہیں۔ اس زمانہ میں جب انگریزی اور عبرانی لٹریچر شائع ہوا اور احمدیہ جماعت نے اس کا مطالعہ کیا تو اسے معلوم ہوا کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے تورات اور انجیل میں بڑی بھاری تحریف کی ہے بلکہ بڑے بڑے محقّق عیسائیوں اور مشہور پادریوں نے اپنی کتابوں میں خود تسلیم کیا ہے کہ بائبل یقینی طور پر محرّف و مبدّل ہے اور اس میں کئی قسم کی تبدیلیاں ہو چکی ہیں۔ پھر اپنے طور پر بھی جب جماعت احمدیہ نے تحقیق کی تو اسے اس تحریف کے کئی ثبوت مل گئے بلکہ جب عیسائیوں پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انجیل کے بعض حوالہ جات کے رو سے اعتراضات کیے تو عیسائیوں نے ان آیتوں کو ہی انجیل میں سے اُڑا دیا یا اُن میں ایسی تبدیلی کر دی کہ جس کی وجہ سے ان پر اعتراض نہ ہو سکے۔ مثلاً حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے عیسائیوں پر ایک اعتراض یہ کیا کہ انجیل سے ثابت ہے کہ یروشلم میں ایک تالاب تھا جس کا پانی خدا تعالیٰ کا ایک فرشتہ آسمان سے اُتر کر ہلا دیا کرتا تھا اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ جو کوئی بیمار اُس حوض کے پانی سے غُسل کر لیتا تھا وہ اچھا ہو جاتا تھا۔ آپ نے لکھا کہ معلوم ہوتا ہے حضرت مسیحؑ جو بیماروں کو اچھا کیا کرتے تھے تو وہ اسی تالاب کے پانی کا اثر تھا۔ آپ پانی لے کر بیماروں پر چھڑک دیتے ہوں

گے اور لوگ یہ سمجھتے ہوں گے کہ ہم مسیحؑ کے معجزہ سے شفایاب ہوئے ہیں۔ جب عیسائیوں پر یہ اعتراض ہوا تو انہوں نے بعد کے ایڈیشنوں سے اس عبارت کو ہی نکال دیا۔ چنانچہ ہمارے پاس وہ انجیلیں بھی موجود ہیں جن میں یہ عبارت درج ہے اور وہ انجیلیں بھی موجود ہیں جن میں سے یہ عبارت نکال دی گئی ہے۔ اب اگر انجیل ان کے نزدیک خدا کی کتاب تھی تو وہ اس واقعہ کو کیوں نکالتے۔ اور جب یہ واقعہ نکل گیا تو ثابت ہو گیا کہ انجیل محرّف و مبدّل ہو چکی ہے۔

غرض عیسائیوں کے اس ٹریکٹ کا ہمارے مبلغ نے جواب شائع کیا ہے۔ یہاں کی جماعت کے دوستوں کو چاہیے کہ وہ اس ٹریکٹ کی تقسیم میں حصہ لیں اور تمام لوگوں تک اسے پہنچائیں۔ اگر پندرہ بیس خدام مل کر یہ کام کریں تو نہایت آسانی سے ہر آدمی تک یہ ٹریکٹ پہنچایا جاسکتا ہے۔ لیکن عیسائیوں کو چونکہ امریکہ سے روپیہ ملتا ہے اور ہمارے پاس اتنا روپیہ نہیں اس لیے جس شخص کو بھی یہ ٹریکٹ دیں اُس سے یہ وعدہ لے لیں کہ وہ آگے آٹھ دس آدمیوں کو یہ ٹریکٹ ضرور پڑھائے گا تا کہ یہ سارے شہر میں پھیل جائے اور عیسائیوں کی پھیلائی ہوئی غلط بیانیوں کا ازالہ ہو جائے۔

دوسری چیز جس کی طرف میں جماعت کے دوستوں کو توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ آجکل ہمارا ملک ایک بڑی مصیبت میں سے گزر رہا ہے اور ملکی سیاسیات اور حالات میں ایسی الجھنیں پیدا ہوگئی ہیں جن کی وجہ سے لوگوں میں بڑی بے چینی پائی جاتی ہے۔ مثلاً کشمیر کے لیڈروں میں سے چودھری غلام عباس صاحب نے اعلان کیا ہے کہ ہمارے جتھے جائیں گے اور جنگ بندی کی سرحد کو عبور کر کے مقبوضہ کشمیر میں داخل ہو جائیں گے۔ اب جہاں تک اِس امر کا تعلق ہے کہ پاکستان سے جتھے جائیں اور جنگ بندی کی لائن کو عبور کر کے مقبوضہ کشمیر میں داخل ہو جائیں اِس مصیبت کو دیکھ کر حکومت ان جتھوں کو روکنے اور لیڈروں کو گرفتار کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ مگر پھر بھی آج کے اخبار میں لکھا تھا کہ لوگوں میں بڑا جوش پایا جاتا ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ اس حد کو عبور کر کے مقبوضہ کشمیر میں داخل ہو جائیں۔ ہماری حکومت کے ذمہ دار افراد کو یہ مصیبت اس لیے پیش آئی ہے کہ وہ انگریزوں اور امریکنوں سے ڈرتے ہیں اور پھر ابھی تک وہ جنگ کے لیے پوری طرح تیار بھی نہیں۔ پاکستانی فوج کے سپاہی تو بڑے بہادر اور دلیر ہیں مگر مشکل یہ ہے کہ ابھی تک ان کے پاس سامانِ جنگ کافی نہیں ہے اور نہ اس سامان کو تیار کرنے والے کارخانے ابھی خاطر خواہ تعداد میں ہیں۔ اگر جتھے جنگ بندی

کی سرحد کو عبور کر کے مقبوضہ کشمیر میں داخل ہو جائیں تو ہندوستان کی فوجیں لازماً اسے پاکستان کے اندر داخل ہونے کا بہانہ بنالیں گی اور وہ لوگ شور مچادیں گے کہ ہم تو محض دفاع کے لیے اندر آئے ہیں۔ یہ کہہ دینا کہ یہ جتھے نہتّے ہوں گے اور مقابلہ نہیں کریں گے ایک بے حقیقت بات ہے۔ اگر نہتّے آدمی بغیر پاسپورٹ لیے امریکہ یا انگلستان میں داخل ہوں تو کیا تم سمجھتے ہو کہ وہ انہیں اپنے ملک میں داخل ہونے کی اجازت دے دیں گے؟ اگر پاسپورٹ کے بغیر ان کے ملک میں کوئی شخص داخل ہو تو وہ فوراً اسے گرفتار کرلیں گے۔ اگر اکیلا آدمی ہوگا تو پولیس اسے پکڑ لے گی اور اگر دو چار سو یا ہزار دو ہزار آدمی ہوں گے تو فوج ان پر گولی چلا دے گی اور کوئی غیر جانبدار یہ نہیں کہے گا کہ حکومت نے اپنے قانونی اختیارات سے تجاوز کیا ہے۔ ہر شخص کہے گا کہ یہ اس کے مستحق تھے کیونکہ انہوں نے خود قانون توڑا ہے۔ پس اگر ہمارے آدمی سرحد کو عبور کر کے مقبوضہ کشمیر میں داخل ہو جائیں تو خواہ وہ بالکل نہتّے ہوں اور خواہ وہ کسی کا مقابلہ نہ کریں پھر بھی غیر قوموں کی ہمدردی ہندوستان کے ساتھ ہوگی اور پاکستان ایسا چھوٹا اور کمزور ملک ہے کہ وہ غیر قوموں کی آواز کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ اِس میں کوئی شُبہ نہیں کہ روس ایسا کر رہا ہے، امریکہ ایسا کر رہا ہے مگر وہ بڑی بھاری طاقتیں ہیں جو غیر قوموں کے اعتراضات کی کوئی پروا نہیں کرتیں۔ پھر روس کے اردگرد چھوٹے چھوٹے ملک ہیں مگر پاکستان جس ملک کا ہمسایہ ہے اور جس کے ساتھ لڑائی کرنے سے وہ بچنا چاہتا ہے وہ اس سے پانچ سات گُنا بڑا ہے۔ پاکستان کی کُل آبادی آٹھ کروڑ ہے اور ہندوستان کی آبادی چالیس کروڑ ہے۔ گویا وہ پاکستان سے پانچ گُنا زیادہ ہے۔ پھر سامان بھی ابھی تک ہندوستان کے پاس زیادہ ہے۔ اگر صرف تعداد کی کمی بیشی کا سوال ہو لیکن سامان ایک جیسا ہو تب بھی ایمان اور یقین کی طاقت ایسی چیز ہے جس کی وجہ سے بڑی بڑی طاقتوں کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ صحابہؓ کے زمانہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ جس نوعیت کے سامان صحابہؓ کے پاس تھے ویسے ہی کُفّارِ مکہ کے پاس تھے اور ویسے ہی رومیوں اور ایرانیوں کے پاس تھے۔ یہ نہیں تھا کہ ایک طرف تیر ہو تو دوسری طرف بندوق ہو یا ایک طرف تلوار ہو تو دوسری طرف مارٹر ہو۔ اگر تلوار تھی تو دونوں طرف تلوار تھی، اگر نیزے تھے تو دونوں طرف نیزے تھے، اگر گھوڑے تھے تو دونوں طرف گھوڑے تھے، اگر اونٹ تھے تو دونوں طرف اونٹ تھے۔ مسلمان صرف تعداد میں کم تھے مگر چونکہ ان کے اندر ایمانِ راسخ پایا جاتا تھا اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا کہ ایک مومن دس کُفّار کا مقابلہ

کرسکتا ہے۔3 اگر پاکستان کے رہنے والوں میں بھی وہی ایمان ہوتا جو صحابہؓ میں پایا جاتا تھا اور اگر ان کے دشمن کے پاس بھی ویسے ہی سامان ہوتے جیسے ان کے پاس ہیں تو آٹھ کروڑ آدمی اسّی کروڑ کا مقابلہ کرسکتا تھا بلکہ روم کی لڑائیوں میں تو ایک ایک آدمی نے ہزار ہزار کا بھی مقابلہ کیا ہے۔ اِس حساب سے تو آٹھ کروڑ آدمی اسّی ارب کا بھی مقابلہ کرسکتا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ مسلمانوں میں وہ ایمان کہاں ہے۔ اگر صحابہؓ جیسا ایمان ہوتا تو عید کے دن بھی ریڈیو پر کنچنیوں کے گانے کیوں سنائے جاتے۔ میں نے پچھلی عید پر کوئی مفید پروگرام سننے کے لیے دیکھا تو معلوم ہوا کہ ریڈیو سارا دن گانے نشر کرے گا۔ جن لوگوں کے دلوں سے دین کی عظمت اِس قدر اُٹھ گئی ہو کہ وہ دن جو خدا تعالیٰ کے ذکر کے لیے مخصوص ہے اُس میں بھی وہ اپنا کام یہی سمجھیں کہ کنچنیوں کا گانا سنیں اور دوسروں کو سنوائیں، اُن سے کسی اَور نیکی کی کیا توقع ہوسکتی ہے۔ اور جب لوگوں کی ایمانی حالت اِس حد تک کمزور ہوچکی ہو تو ہمیں اُن نتائج کی کہاں اُمید ہوسکتی ہے جو صحابہؓ نے حاصل کیے۔

لیکن میں سمجھتا ہوں ایک غلطی پاکستان کی بھی ہے۔ شیخ عبداللہ کئی سال سے قید میں ہیں اور شیخ عبداللہ ایک انسان ہیں فرشتہ نہیں کہ اُس پر کبھی موت نہیں آسکتی۔ اس لیے کُلّیۃً شیخ عبداللہ پر انحصار کرنا دانشمندانہ سیاست نہیں سمجھا جاسکتا۔ شیخ عبداللہ نے 1931ء میں میرے ساتھ مل کر کام شروع کیا تھا اور اُس وقت وہ بالکل نوخیز نوجوان تھے اور پھر انہوں نے ایسی تکالیف میں اپنی زندگی گزاری ہے کہ جن کا تصوّر بھی نہیں کیا جاسکتا۔ وہ خطرناک قیدوں میں ڈالے گئے، انہیں مارا پیٹا گیا اور انہیں فاقوں سے رکھا گیا۔ ایسے آدمی کی بھلا کتنی عمر ہوسکتی ہے۔ اِس میں کوئی شُبہ نہیں کہ گاندھی جی نے بھی اپنی عمر کا بیشتر حصہ جیلوں میں گزارہ ہے مگر انگریزوں میں شرافت اور انسانیّت تھی اور وہ کوئی سختی نہیں کرتے تھے مگر شیخ عبداللہ کے متعلق تو خود ہندوؤں نے اعلان کیا ہے کہ ان پر بڑی سختی کی جاتی ہے اور ایسے ایسے ظلم کیے جاتے ہیں جو ناقابلِ برداشت ہیں۔ مردولا سارابائی نے اس کے متعلق اعلان کیا۔ پھر بزّاز 4 نے اعلان کیا کہ ان پر بڑی سختی کی جاتی ہے، انہیں مارا پیٹا جاتا ہے، انہیں فاقے دیئے جاتے ہیں۔ اور ان کے بیٹے نے کہا ہے کہ ان کو ایسی جیل میں رکھا گیا ہے جس میں سانپ اور بچھو بڑی کثرت سے پائے جاتے ہیں جس کی وجہ سے نہ انہیں نیند آتی ہے اور نہ انہیں کسی اَور طرح کا آرام ہوتا ہے۔ لیکن گاندھی جی کی تو انگریز بڑی خاطریں کیا کرتے تھے اور ان کے آرام کا ہر وقت خیال رکھتے تھے۔

مجھے یاد ہے ایک دفعہ ایک دوست نے مجھ سے کہا کہ آپ تو بڑے مزے کے لیڈر ہیں کہ سیکنڈ کلاس میں سفر کرتے ہیں۔ گاندھی جی کو دیکھیے کہ وہ تھرڈ کلاس میں سفر کرتے ہیں۔ میں نے کہا وہ چالیس کروڑ آدمیوں کے لیڈر ہیں اور جب وہ تھرڈ کلاس کے ڈبّہ میں سفر کرنے کے لیے داخل ہوتے ہیں تو سب لوگ اُن کے احترام میں کمرہ سے باہر نکل جاتے ہیں۔ تھرڈ کلاس کا کمرہ سیکنڈ کلاس کے کمرہ سے تین گنا بڑا ہوتا ہے۔ لوگ اُن کا بستر کمرہ میں بچھا دیتے ہیں اور وہ آرام سے اپنے بستر پر لیٹ جاتے ہیں۔ تم بھی میرے لیے کسی ایسے ہی تھرڈ کلاس کمرہ کا انتظام کرا دو تو میں بھی اُس میں سفر کرنے کے لیے تیار ہوں۔ مگر میرے لیے یہ انتظام نہیں ہوسکتا کیونکہ میں چالیس کروڑ کا لیڈر نہیں بلکہ صرف چار پانچ لاکھ کا ہوں۔ چنانچہ پارٹیشن سے پہلے جب میں گاندھی جی سے ملا تو وہ مجھے کہنے لگے کہ آپ ہندو مسلمانوں میں سمجھوتا کرائیں کیونکہ آپ لیڈر ہیں۔ میں نے کہا یہ تو ٹھیک ہے کہ میں لیڈر ہوں مگر سوال یہ ہے کہ میں کتنے آدمیوں کا لیڈر ہوں۔ صرف چار پانچ لاکھ آدمی ایسا ہے جو مجھے اپنا لیڈر تسلیم کرتا ہے۔ لیکن آپ کا احترام تو چالیس کروڑ باشندے کرتے ہیں۔ پس آپ کی بات کا جو اثر ہوسکتا ہے وہ میری بات کا نہیں ہوسکتا۔ اگر پچاس لاکھ کا بھی میں لیڈر ہوتا تب بھی آپ کا اسّی گنا زیادہ اثر ہوتا۔ مگر اب تو آپ کا آٹھ سو گنا زیادہ اثر ہے۔ اس لیے ہندو مسلم سمجھوتا کے لیے جو آپ کی کوششوں کا اثر ہوسکتا ہے وہ میری کوشش کا نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ آخر وہ مان گئے کہ یہ بات ٹھیک ہے۔ تو گاندھی جی کا ان باتوں میں مقابلہ کرنا درست نہیں۔ وہ اگر بیمار ہوتے تو وائسرائے کا پرائیویٹ سیکرٹری جو گورنر کے برابر ہوتا تھا وائسرائے کی طرف سے پھل اور تحفے ان کے پاس لے جاتا تھا لیکن ہمیں سوائے پتھروں کے اَور کیا ملتا ہے۔

مسلمانوں میں سے صرف مولانا محمد علی صاحب جوہر ایسے تھے جنہیں انگریزی حکومت عزّت کی نگاہ سے دیکھتی تھی اور ان کا بڑا احترام کرتی تھی۔ چنانچہ جب وہ کانگرس سے علیحدہ ہوئے اور بیمار ہو کر ہسپتال میں داخل ہوئے تو روزانہ ہسپتال میں وائسرائے کی طرف سے انہیں تحفہ کے طور پر پھل اور پھول جاتے تھے مگر باقی لوگ کال کوٹھڑیوں میں بند رکھے جاتے ہیں۔ خود پنڈت نہرو کی بہن کے متعلق ایک کتاب میں مَیں نے پڑھا کہ جب اُن کو جیل کی کال کوٹھڑی میں بند کرنے کے لیے لے گئے تو ساٹھ ستّر عورتیں اُن کے ساتھ اَور بھی تھیں۔ ان سب نے افسروں کا مقابلہ کیا اور ان سے جنگ کی اور آخر جیل خانہ کے افسروں نے انہیں کال کوٹھڑیوں میں سے نکال لیا۔ یہ جرأت آخر انہیں اِسی

لیے ہوئی کہ وہ جانتی تھیں کہ چالیس کروڑ آدمی ہماری پُشت پر ہے ورنہ اکیلے آدمی میں مقابلہ کی جرأت ہی کہاں ہوتی ہے اور اگر وہ مقابلہ کرے تو کس اُمید پر کرے؟

پس گاندھی جی اور پنڈت نہرو کے پیچھے چالیس کروڑ آدمی ہوتا تھا۔ اگر انگریز ہندوستان سے بھاگا ہے تو کچھ تو اپنی شرافت کی وجہ سے بھاگا ہے اور کچھ اِس وجہ سے بھاگا ہے کہ چالیس کروڑ آدمی اُس سے عدمِ تعاون کر رہا تھا۔ شروع میں جب گاندھی جی ہندوستان میں نئے نئے آئے اور رولٹ ایکٹ پر شور اُٹھا تو گاندھی جی نے اعلان کیا تھا کہ اگر سارا ملک میرا ساتھ دے تو میں سال بھر میں ہندوستان سے انگریزوں کو نکال سکتا ہوں۔

میں 1924ء میں جب انگلینڈ گیا تو رستہ میں اٹلی میں مسولینی 5 سے بھی ملا۔ وہ اُس وقت ڈکٹیٹر نہیں تھا صرف وزیراعظم تھا۔ مسولینی نے مجھ سے دورانِ گفتگو میں پوچھا کہ گاندھی کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے کہ وہ سینٹ (SAINT) ہے یا پالیٹیشن (Politician) ہے؟ میں نے کہا مجھے تو اُن سے اختلاف ہے اور میں اس کے متعلق تفصیلاً اپنے خیالات کا اظہار کر سکتا ہوں لیکن اِس وقت میں اُن کی صرف ایک بات بتا دیتا ہوں۔ گاندھی جی نے کہا تھا کہ اگر سارا ہندوستان میرے ساتھ مل جائے تو میں ایک سال میں انگریز کو ہندوستان سے نکال سکتا ہوں۔ حالانکہ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ چالیس کروڑ آدمی ایک سال کے اندر اندر کسی نئے لیڈر کے ساتھ نہیں مل سکتا۔ اس کے لیے بہر حال ایک لمبی جدوجہد کی ضرورت تھی۔ پس اگر تو یہ بات انہوں نے محض اس لیے کہی کہ لوگوں میں ایک بیداری پیدا ہو جائے ورنہ وہ جانتے تھے کہ ایسا ہونا ناممکن ہے تب تو ان کو پالیٹیشن کہنا پڑے گا سینٹ نہیں کہہ سکتے۔ اور اگر وہ سمجھتے تھے کہ سارا ہندوستان ایک سال میں میرے ساتھ مل جائے گا تو پھر وہ ایک کم عقل سینٹ تھے پالیٹیشن نہیں تھے۔ مسولینی نے یہ بات سن کر میری تصدیق کی اور کہا کہ میں بات سمجھ گیا ہوں۔

اس کے بعد میں انگلینڈ گیا تو ٹائمز کا ایڈیٹر مجھ سے ملا۔ اب بھی میں بیماری کے سلسلہ میں یورپ گیا تو وہ مجھ سے ملنے کے لیے آئے تھے۔ اُس وقت وہ اسسٹنٹ ایڈیٹر تھے مگر اب وہ ایڈیٹر بن چکے ہیں۔ سر فرینک ڈگلس اُن کا نام ہے۔ انہوں نے بھی مجھ سے یہی سوال کیا کہ گاندھی جی کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ میں نے انہیں بھی مسولینی والا قصہ سنایا۔ وہ سن کر کہنے لگے میں سمجھ گیا وہ ہرگز سینٹ نہیں وہ ایک چالباز پالیٹیشن ہیں۔ اگر وہ یقین رکھتے تھے کہ ایک سال کے اندر اندر سارا ہندوستان

میرے ساتھ مل سکتا ہے تو وہ ایک کم عقل سینٹ ہیں اور اگر وہ سمجھتے تھے کہ میں لوگوں کو اِس ترکیب سے بیدار کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا تو وہ ایک چالباز پالیٹیشن ہیں۔ میں نے کہا اب مجھے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں آپ نے خود ہی ان کے متعلق ایک فیصلہ کر لیا ہے۔ تو اصل بات یہ ہے کہ انگریز کا معاملہ بالکل اَور رنگ کا تھا اور انڈیا کا معاملہ بالکل اَور ہے۔ پس ان دونوں کا آپس میں کوئی مقابلہ ہی نہیں کیا جا سکتا۔

میں نے جو کہا تھا کہ اس معاملہ میں گورنمنٹ پاکستان کی بھی غلطی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ بیشک یہ اُس کا حق ہے کہ وہ جتھوں کو روکے لیکن اس کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ لوگوں کو تسلّی دلانے کے لیے بتائے کہ کشمیر کے معاملہ کو ایک معقول عرصہ میں حل کرنے کا اُس کے پاس کیا ذریعہ ہے تا کہ لوگوں کو تسلّی ہو جائے اور وہ جوش میں دیوانگی کی کوئی حرکت نہ کریں۔ شیخ عبداللہ کئی سال سے قید ہیں اور سارا پاکستان کشمیر کی آزادی کے لیے شور مچا رہا ہے مگر گورنمنٹ اِس معاملہ میں عملاً خاموش ہے۔ وہ کہتی تو رہتی ہے کہ ہم کشمیر کو آزاد کرائیں گے لیکن بتاتی نہیں کہ اس کے پاس کونسی ترکیب ہے۔ صرف یہ کہتی ہے کہ ہم یو۔این۔او میں فیصلہ کرائیں گے حالانکہ سارا پاکستان جانتا ہے کہ یو۔این۔او کے بڑے ممبر یعنی امریکہ اور انگلینڈ اور روس بھارت کے ساتھ ہیں پاکستان کے ساتھ نہیں اور وہ جتنا ہوگا اِس معاملہ کو لٹکانے کی کوشش کریں گے۔ پس پاکستانی گورنمنٹ کو کوئی نہ کوئی معقول مؤقّف اختیار کرنا چاہیے خالی پکڑنا نہیں چاہیے۔ اِس سے لوگوں کا جوش نہیں دَبے گا بلکہ وہ اَور زیادہ دیوانے ہوتے چلے جائیں گے"۔

(الفضل 9 جولائی 1958ء)

1: المائدۃ: 3

2: النساء: 47

3: اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ (الانفال: 66)

4: بزاز: پنڈت پریم ناتھ بزاز۔ کشمیر کے راہنما اور اخبار نویس۔

5: مسولینی: (مسولینی بنیٹو-Mussoilni Benito) 1883ء تا 1945ء اطالوی آمر۔ یہ ایک لوہار کا بیٹا تھا۔ سوشلسٹ کی تحریک میں نمایاں کردار ادا کیا۔ 1919ء میں اپنی جماعت بنائی اکتوبر 1922ء میں وزیر اعظم بنا جنگ عظیم دوم میں جرمن کی طرف سے شامل ہوا۔ اتحادیوں نے سسلی پر قبضہ کر لیا جس کے نتیجہ میں اس کی ساکھ ختم ہوگئی۔ 1943ء میں مستعفی ہونے پر مجبور ہوا۔ بعد میں اس نے شمالی اٹلی میں متوازی حکومت بنالی اپریل 1945ء میں اس کو گرفتار کر کے گولی ماردی گئی۔ اس کی لاش کو میلان میں لے جا کر سڑکوں پر گھسیٹا گیا۔

20

جماعت کے نوجوانوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت کا مقصد عیسائیت کا استیصال ہے

تمہارا فرض ہے کہ جدوجہد اور اپنے نیک نمونہ کے ذریعہ ہمیشہ اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے کوشاں رہو

(فرمودہ 11 جولائی 1958ء بمقام مری)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''حدیثوں میں آتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ، جمعہ کی نماز سے عموماً چھوٹا ہوتا تھا [1] مگر اِس زمانہ میں لوگوں کو زیادہ لمبے خطبے سننے کی عادت ہوگئی ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ لوگ عمل کم کرتے ہیں اور خطیب کو ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ وہ اپنے خطبہ کو لمبا کرے تا کہ لوگوں پر اثر ہو لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے لوگوں میں عمل کرنے کا بہت زیادہ جذبہ پایا جاتا تھا اور وہ چھوٹی سے چھوٹی بات سنتے ہی فوراً اُس پر عمل کرنے کے لیے تیار ہو جایا کرتے تھے۔ اس لیے ضرورت نہیں ہوتی تھی کہ اُن کے سامنے زیادہ لمبی بات بیان کی جائے۔ عربی زبان میں ایک ضرب المثل بھی ہے کہ خَیْرُ الْکَلَامِ مَا قَلَّ وَ دَلَّ یعنی اچھے سے اچھا کلام وہی ہوتا ہے جو چھوٹے سے چھوٹا بھی ہو اور پھر دلیل بھی اپنے ساتھ رکھتا ہو۔ پس حقیقت یہی ہے کہ اگر کسی چھوٹی بات پر بھی عمل کر لیا جائے تو

وہ کسی ایسے خطبہ سے بہت زیادہ بہتر ہوتی ہے جو لمبا تو ہو مگر اُس پر عمل نہ کیا جائے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے تھے کہ سارا قرآن ابوجہل کی وجہ سے نازل ہوا ہے ورنہ اگر سب لوگ ابوبکرؓ جیسے ہی ہوتے تو بِسۡمِ اللّٰہِ کی ب ہی ان کی ہدایت کے لیے کافی تھی۔2 ''ب'' کے معنے ساتھ کے ہیں اور دین کا سارا خلاصہ اِسی میں آ جاتا ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہو جائے۔ اب مجھے یہ یاد نہیں رہا کہ آپ یہ بات اپنی طرف سے بیان فرمایا کرتے تھے یا کسی پہلے بزرگ کی بیان فرمایا کرتے تھے۔ بہرحال آپ فرماتے تھے کہ اگر ابوبکرؓ جیسے لوگ ہی پائے جاتے تو ان کے لیے اتنے بڑے قرآن کی ضرورت ہی نہ تھی۔ اُن کے لیے صرف بِسۡمِ اللّٰہِ کی ''ب'' ہی کافی تھی۔ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہو جاتے اور ہدایت پا جاتے۔ تو انسان اگر کوشش کرے تو چھوٹی سے چھوٹی بات سے بھی فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔

مثنوی رومی میں لکھا ہے کہ محمود غزنوی نے ایک دفعہ ایک مقام پر حملہ کیا۔ وہ ایک دن بیٹھا ہوا تھا کہ اُس نے اچانک ایک پہاڑ کی طرف دیکھا۔ ایاز نے اُسی وقت فوج کا ایک دستہ لیا اور اُس طرف کو چلا گیا۔ چونکہ وہ ایاز سے بہت محبت کرتا تھا اور لوگ اِس پر حسد کرتے تھے اس لیے جب وہ فوج کا دستہ لے کر اُدھر چلا گیا تو انہوں نے محمود سے کہا کہ حضور! دیکھیے ایاز کیسا بے وفا ہے آج ہی خطرے کا وقت تھا اور آج ہی وہ فوج کا دستہ لے کر کہیں باہر چلا گیا ہے۔ محمود نے کہا اُسے آنے تو دو پھر پتا لگ جائے گا کہ وہ کیوں گیا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ آیا تو دشمن کے دو آدمی اُس کے ساتھ تھے جنہیں اُس نے گرفتار کیا ہوا تھا۔ محمود نے کہا تم اچانک فوج کا دستہ لے کر کدھر چلے گئے تھے؟ اُس نے کہا حضور نے جو اچانک اس پہاڑ کی طرف دیکھا تو میرے دل میں خیال آیا کہ میرا آقا کوئی حرکت بِلا وجہ نہیں کیا کرتا۔ ضرور اِس کی تہہ میں کوئی بات ہوگی۔ چنانچہ میں ایک دستہ فوج لے کر اُدھر چلا گیا۔ وہاں میں نے دیکھا کہ پہاڑی درّہ میں دشمن کے یہ دو آدمی چھپے بیٹھے تھے اور ان کی سکیم یہ تھی کہ جب حضور نیچے سے گزریں تو اوپر سے پتھر گرا کر حضور کو ہلاک کر دیں۔ اب ان دونوں آدمیوں کو میں گرفتار کر کے لے آیا ہوں۔ محمود نے اُن لوگوں کی طرف دیکھا جنہوں نے اس کی شکایت کی تھی اور کہا بتاؤ تم وفادار ہو یا یہ وفادار ہے؟ میں نے اسے کچھ کہا نہیں صرف آنکھ اُٹھا کر میں نے اُس طرف دیکھا تھا مگر یہ اُسی وقت فوج کا ایک دستہ اپنے ساتھ لے کر اُس طرف کو نکل گیا اور دشمن کے آدمیوں کو گرفتار کر کے لے آیا کیونکہ اس نے سمجھا کہ محمود کوئی لغو کام نہیں کیا کرتا۔ اس نے جو پہاڑ کی طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھا ہے تو

اس میں ضرور کوئی بات ہوگی۔ تو دیکھو! عقلمند لوگ ہر زمانہ میں ہوتے ہیں جو چھوٹی چھوٹی باتوں سے بھی فائدہ اُٹھا لیتے ہیں۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ ہم میں یہ خوبی نہ ہو اور ہم بھی چھوٹی چھوٹی باتوں سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش نہ کریں۔

اِس زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عیسائیت کے فتنہ کے استیصال کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث فرمایا گیا ہے اور ہماری جماعت کا بھی فرض ہے کہ وہ عیسائیت کو مٹانے کے لیے ہمیشہ کوشش کرتی رہے۔ آخر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تو قیامت تک نہیں رہنا تھا لیکن عیسائیوں کا فتنہ ایک لمبے عرصہ تک رہنا تھا۔ پس جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سپرد یہ کام کیا گیا تو درحقیقت یہ کام آپ کی جماعت کے سپرد کیا گیا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تو جب تک زندہ رہے عیسائیت کی تردید فرماتے رہے لیکن اب یہ ہماری جماعت کا کام ہے کہ وہ عیسائیوں کے فتنہ کو دور کرے اور اِس کام کو تکمیل تک پہنچانے کی کوشش کرے۔

میں دیکھتا ہوں کہ بعض نوجوان عیسائیوں سے ڈر کر اُن کا تمدّن اختیار کر لیتے ہیں اور پھر اس پر بڑا فخر کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ انہوں نے بڑا اچھا کام کیا ہے حالانکہ جب وہ عیسائیت کی نقل کرتے ہیں تو اپنے آپ پر لعنت کر رہے ہوتے ہیں اور اپنے منہ سے اپنے دین کو جھوٹا قرار دے رہے ہوتے ہیں۔ ہماری جماعت کے نوجوانوں کو ہمیشہ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی کتابوں میں بارہا تحریر فرمایا ہے کہ مجھے خدا نے عیسائیت کے استیصال کے لیے مبعوث فرمایا ہے [3] اور یہ کام صرف آپ کی ذات کے ساتھ مخصوص نہیں تھا بلکہ آپ کے سپرد اِس عظیم الشان کام کے کرنے کے یہ معنے تھے کہ آپ کے بعد آپ کی جماعت کا یہ فرض ہوگا کہ وہ اس کام کو سنبھالے اور عیسائیت کو مٹانے کی کوشش کرے۔ چنانچہ آپ لوگوں میں سے ہی کچھ نوجوان افریقہ گئے اور وہاں انہوں نے عیسائیت کے خلاف ایسی جدوجہد کی کہ یا تو ایک زمانہ ایسا تھا جب یہ سمجھا جاتا تھا کہ سارا افریقہ عیسائی ہو جائے گا اور یا آج ہی ایک اخبار میں مَیں نے ایک انگریز خاتون کا مضمون پڑھا جس میں اُس نے لکھا ہے کہ جماعت احمدیہ کے ذریعہ اسلام افریقہ میں بڑی سُرعت سے پھیل رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ جماعت جو پہلے پہل ٹانگانیکا میں پھیلنی شروع ہوئی تھی اب مشرقی افریقہ کے اکثر علاقوں میں پھیلتی ہوئی نظر آ رہی ہے۔

اسلام کی یہ تبلیغ خدا تعالیٰ کے فضل سے ہمارے مبلّغوں کی وجہ سے ہی ہو رہی ہے۔ 1927ء میں ہم نے وہاں مشن قائم کیے تھے جن پر اب اکتیس سال کا عرصہ گزر رہا ہے۔ اِس عرصہ میں خدا تعالیٰ نے ہماری جماعت کی کوششوں میں ایسی برکت ڈالی کہ اب خود اس انگریز نے تسلیم کیا ہے کہ چار سال کے عرصہ میں پہلے سے دس گنا لوگ مسلمان ہو چکے ہیں۔ اگر ہمارے نوجوان یورپ اور افریقہ کے عیسائیوں میں تہلکہ مچا سکتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ اگر یہاں کوشش کی جائے تو اِس جگہ کے عیسائی بھی اسلام کے مقابلہ سے مایوس نہ ہو جائیں۔

لارڈ ہیڈلے جو کسی زمانہ میں پنجاب کے گورنر بھی رہ چکے ہیں جب واپس گئے تو افریقہ میں سے ہوتے ہوئے لندن گئے۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے ایک تقریر کی جس میں کہا کہ میں افریقہ میں اِتنا بڑا تغیر دیکھ کر آیا ہوں کہ اب میں نہیں کہہ سکتا کہ مسلمان عیسائیت کا شکار ہیں یا عیسائی اسلام کا شکار ہیں۔

ہمارے وہ مبلغ جنہوں نے ان علاقوں میں کام کیا کوئی بڑے تعلیم یافتہ نہیں تھے مگر جب وہ خدا تعالیٰ کا نام پھیلانے کے لیے نکل گئے تو خدا نے اُن کے کام میں برکت ڈالی اور اکیلے اکیلے آدمی نے بڑے بڑے علاقوں پر اثر پیدا کر لیا اور انہیں اسلام کی خوبیوں کا قائل کر لیا۔ مگر اب وہ لوگ اس بات کے منتظر ہیں کہ اَور آدمی بھی آئیں جو ان علاقوں میں تبلیغِ اسلام کا کام سنبھالیں تا کہ اسلام سارے افریقہ میں پھیل جائے اور یہ کام اُن نوجوانوں کا ہے جو ابھی وہاں نہیں گئے۔ شروع شروع میں تو ایسے نوجوان بھجوائے گئے تھے جنہیں عربی بھی اچھی طرح نہیں آتی تھی مگر رفتہ رفتہ انہوں نے اچھی خاصی عربی سیکھ لی۔ مولوی نذیر احمد صاحب جنہوں نے وہیں وفات پائی ہے، نیر صاحب کے بعد بھجوائے گئے تھے اور بی۔ ایس۔ سی فیل تھے اور عربی بہت کم جانتے تھے مگر پھر انہیں ایسی مشق ہو گئی کہ وہ عربی زبان میں گفتگو بھی کر لیتے تھے اور بڑی بڑی کتابوں کا بھی مطالعہ کر لیتے تھے بلکہ آخر میں تو انہوں نے عربی کی اِتنی کتابیں جمع کر لی تھیں کہ جو اعتراض ہوتا اُس کا جواب وہ فوراً اُن کتابوں میں سے نکال کر پیش کر دیتے۔ وہاں مالکیوں کا زور ہے اور وہ لوگ ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھتے ہیں۔ انہوں نے کتابوں میں سے نکال کر دکھا دیا کہ امام مالکؒ بھی یہی کہتے ہیں کہ نماز میں ہاتھ باندھنے چاہییں جس پر وہ لوگ بڑے حیران ہوئے اور اُنہیں یہ بات تسلیم کرنی پڑی کہ آپ کی بات درست ہے۔ اب بھی وہاں سے خط آیا ہے کہ ہمارا ایک مبلغ جو مولوی فاضل ہے اُس سے وہاں کے مولویوں نے بحث کی۔

وہاں کے علماء عربی زبان خوب جانتے ہیں اور ہمارا یہ مبلغ زیادہ عربی نہیں جانتا تھا مگر چونکہ دل میں ایمان تھا اِس لیے مقابلہ کے لیے تیار ہو گیا اور فیصلہ یہ ہوا کہ عربی میں مباحثہ ہو۔ چنانچہ عربی زبان میں مباحثہ ہوا اور نتیجہ یہ ہوا کہ مخالف مولوی سب بھاگ گئے اور انہوں نے کہا ہم احمدیوں سے بحث نہیں کر سکتے۔ یہ لوگ تو پاگل ہیں جنہیں ہر وقت مذہبی باتیں کرنے کا ہی جنون رہتا ہے۔

تو یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ ہمیں کچھ آتا نہیں۔ جب انسان خدا تعالیٰ کے دین کی تائید کے لیے کھڑا ہو جاتا ہے اور وہ کسی قسم کی قربانی سے بھی دریغ نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ خود اُس کی مدد فرماتا ہے اور اُس کی مشکلات کو دور فرما دیتا ہے۔ خواجہ کمال الدین صاحب کو ہی دیکھ لو انہیں نماز پڑھانی بھی نہیں آتی تھی مگر رفتہ رفتہ انہوں نے ایسی قابلیت پیدا کر لی کہ مشہور لیکچرار بن گئے۔ مولوی محمد علی صاحب بھی گو ایم۔اے، ایل۔ایل۔بی تھے اور کالج کے پروفیسر تھے مگر عربی سے اُنہیں زیادہ مَس نہیں تھا لیکن رفتہ رفتہ انہوں نے ایسی ترقی کی کہ قرآن کی تفسیر لکھ ڈالی۔ تو جب انسان کو کسی کام کی دھت لگ جائے وہ اُس میں ترقی حاصل کر لیتا ہے۔ اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ انہوں نے بعض مولوی بھی اپنی مدد کے لیے رکھے ہوئے تھے مگر ان کی باتوں کو استعمال کرنے کے لیے بھی تو لیاقت کی ضرورت ہوتی ہے ورنہ ہمارے ملک میں سینکڑوں مولوی پھرتے ہیں وہ کیوں کوئی تفسیر نہیں لکھ سکتے؟ ڈاکٹر عبد الحکیم پٹیالوی نے بھی اِسی شوق کی وجہ سے ترقی کی اور اُس نے قرآن کی تفسیر لکھ دی۔ اُس نے حضرت خلیفہ اوّل سے قرآن سیکھا اور آپ کے درسوں میں شامل ہوتا رہا۔ پھر خود بھی کتابوں کا مطالعہ کرتا رہا اور آخر اتنی ترقی کر لی کہ مفسر بن گیا۔

پس جماعت کے سب دوستوں کو چاہیے کہ وہ اپنی کوشش اور جدوجہد اور نیک نمونہ کے ذریعہ سے عیسائیت کو شکست دینے کی کوشش کریں۔ یہ مت سمجھو کہ عیسائیت تو ساری دنیا میں پھیلی ہوئی ہے ہم اس کو شکست دینے میں کس طرح کامیاب ہو سکتے ہیں۔ آج ہی میں قرآن پڑھ رہا تھا کہ مجھے اس میں یہ پیشگوئی نظر آئی کہ عیسائیت آخر شکست کھائے گی اور وہ دنیا سے مٹا دی جائے گی۔ پس عیسائیت کی ظاہری ترقی کو دیکھ کر مت گھبراؤ۔ اللہ تعالیٰ اسلام کی ترقی کے سامان پیدا فرمائے گا اور کفر کو شکست دے گا۔ ضرورت اِس بات کی ہے کہ اپنے اندر ایمان پیدا کرو۔ اور اُس مقصد کو پورا کرنے کے لیے کھڑے ہو جاؤ جس کے لیے خدا نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمایا ہے"۔

(الفضل 25 جولائی 1958ء)

1 : مسلم کتاب الجمعة باب تخفیف الصّلٰوة وَالْخُطْبَةِ

2 : ملفوظات جلد 2 صفحہ 233 (مفہوماً)

3 : کتاب البریہ روحانی خزائن جلد 13 صفحہ 262 حاشیہ

21

قرآن کریم کی رو سے اسلام کی تبلیغ صرف چند افراد کا نہیں بلکہ ساری جماعت کا فرض ہے

جماعت کو تبلیغ کی طرف خاص طور پر توجہ کرنی چاہیے اور اللہ تعالیٰ سے دُعائیں کرنی چاہییں کہ وہ ہماری زبانوں میں اثر پیدا کرے

(فرمودہ 8 اگست 1958ء)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور نے درج ذیل آیت کی تلاوت فرمائی کہ: وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً -1

اس کے بعد فرمایا:

''قرآن کریم میں بعض ایسے الفاظ پائے جاتے ہیں کہ اگر ان کی صحیح توجیہہ مدّنظر نہ رکھی جائے تو دشمنوں کے لیے اعتراض کا موقع پیدا ہو جاتا ہے۔ مثلاً یہی آیت جس کی میں نے تلاوت کی ہے اس میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ تم سب مشرکوں سے قِتال کرو۔ جیسا کہ وہ سب کے سب تم سے قِتال کر رہے ہیں۔ اب اس جگہ قِتال کے یہ معنے نہیں لیے جاسکتے کہ تلوار لے کر دشمنوں کا مقابلہ کرو کیونکہ اوّل تو آجکل تلوار کی جنگ کا زمانہ ہی نہیں۔ اب تو ہوائی جہازوں اور ایٹم بموں کا زمانہ ہے اور پھر آجکل

کُفّار مسلمانوں سے تلوار کی کوئی لڑائی نہیں لڑ رہے کہ مسلمانوں کے لیے بھی ان سے جنگ کرنا ضروری ہو۔ پس اِس جگہ قِتال کے معنٰی ظاہری جنگ کے نہیں بلکہ مذہبی مقابلہ اور اسلام کی اشاعت کے ہیں۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ مخالفینِ اسلام ہمیشہ مذہبی وسوسے پیدا کر کے لوگوں کو اسلام سے برگشتہ کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ پس قَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً کے معنے یہ ہوئے کہ تم غیر مسلموں میں تبلیغِ اسلام کرو۔ اور یاد رکھو کہ یہ تم میں سے صرف چند افراد کا فرض نہیں بلکہ ساری جماعت کا فرض ہے کہ وہ اس کام میں حصہ لے۔ كَآفَّةً کے یہی معنے ہیں کہ کوئی شخص بھی اس حکم کی تعمیل سے باہر نہ رہے۔ اگر دس لاکھ احمدی ہیں اور ان میں سے نو لاکھ ننانوے ہزار نوسو ننانوے آدمی اس فرض کو ادا کرتے ہیں اور صرف ایک شخص تبلیغ نہیں کرتا تب بھی جماعت کے لوگ یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ سارے کے سارے تبلیغِ اسلام کر رہے ہیں۔ وہ اُسی وقت اپنے فرض سے عہدہ برآ ہو سکتے ہیں جب وہ اس ایک شخص کو بھی اپنے ساتھ شامل کریں کیونکہ قرآن کریم کی ہدایت یہ ہے کہ مشرکوں کے مقابلہ میں ساری کی ساری جماعت کو کھڑا ہونا چاہیے اور ہر فرد کو ان میں تبلیغ کرنی چاہیے۔

میں نے آج سے پچیس سال پہلے ایک دفعہ جلسہ سالانہ کے موقع پر ساری جماعت سے یہ عہد لیا تھا کہ وہ اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کو تبلیغ کریں گے اور ان کو احمدی بنانے کی کوشش کریں گے مگر افسوس ہے کہ ہماری جماعت نے ابھی تک اس عہد کو پورا کرنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ لوگ جنہوں نے اس پر عمل کیا تھا انہوں نے تو فائدہ اُٹھا لیا اور وہ کامیاب ہو گئے مگر جنہوں نے عمل نہ کیا اُن کے رشتہ دار اب تک غیر احمدی چلے آ رہے ہیں۔ اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ اب ہماری جماعت اُس وقت سے بہت بڑھ چکی ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اگر میری اِس ہدایت پر عمل کیا جاتا اور ہر احمدی اپنے غیر احمدی رشتہ داروں میں تبلیغ پر زور دیتا تو اب تک ہر طرف احمدی ہی احمدی نظر آتے۔ مثلاً انڈونیشیا ہے وہاں تینتیس سال سے تبلیغ ہو رہی ہے۔ 1925ء سے وہاں تبلیغ شروع ہوئی تھی اور اب 1958ء ہے۔ گویا تینتیس سال وہاں تبلیغی مشن کے قائم ہونے پر گزر چکے ہیں لیکن وہاں کے احمدیوں کی تعداد کے متعلق میں نے اپنے لڑکے مرزا رفیع احمد سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ انڈونیشیا میں چندہ دینے والے تو صرف بارہ ہزار ہیں لیکن اگر اُن لوگوں کو بھی شامل کر لیا جائے جو ہماری جماعت سے ہمدردی رکھتے ہیں تو چوبیس ہزار سمجھے جا سکتے ہیں۔ حالانکہ اس ملک کی آبادی آٹھ کروڑ ہے اور تینتیس سال

سے وہاں تبلیغ ہو رہی ہے۔ اگر صحیح معنوں میں وہاں تبلیغ کی جاتی تو میں سمجھتا ہوں کہ وہاں چھ سات کروڑ احمدی ہونے چاہییں تھے مگر اب تک وہاں صرف بارہ ہزار احمدی ہوئے ہیں۔ پھر وہاں کی جماعت نے قطع نظر اِس کے کہ میں بیمار ہوں اور میرے لیے لمبا سفر کرنا مشکل ہے یہ ریزولیوشن (RESOLUTION) پاس کر کے مجھے بھجوا دیا کہ آپ انڈونیشیا تشریف لائیں حالانکہ میری یہ حالت ہے کہ باوجود اِس کے کہ ڈاکٹر مجھے کہتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ پھر علاج کے لیے یورپ جائیں میں یورپ کا سفر بھی اختیار نہیں کرتا۔ پھر میں انڈونیشیا کس طرح جا سکتا ہوں۔ لیکن بعض دفعہ انسان موت کے منہ میں بھی اپنے آپ کو ڈالنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے بشرطیکہ وہ خوش ہو مگر میں ایسی جماعت سے کیا خوش ہو سکتا ہوں جس نے تینتیس سال کے عرصہ میں صرف بارہ ہزار احمدی بنائے ہیں۔ دانا انسان ہمیشہ پہلے اپنا نمونہ دکھاتے ہیں اور پھر کسی احسان کا مطالبہ کرتے ہیں مگر وہ ایسے آدمی کو جو ستّر سال کا ہو چکا ہے اور جس پر سخت بیماری کا بھی حملہ ہو چکا ہے اور جس کے متعلق ڈاکٹر کہتے ہیں کہ ایک دفعہ پھر یورپ جاؤ اور علاج کرواؤ مگر وہ یورپ میں بھی نہیں جاتا اُسے انڈونیشیا آنے کی دعوت دیتے ہیں جہاں علاج کی کوئی سہولتیں میسر نہیں بلکہ یورپ جیسی سہولتیں تو الگ رہیں وہاں پاکستان جیسی ڈاکٹری سہولتیں بھی میسر نہیں ہیں۔ جب میں علاج کے لیے یورپ گیا تھا تو اُس سفر نے میری صحت پر بہت ہی اچھا اثر ڈالا تھا۔ چنانچہ جب میں واپس آیا تو میری صحت بہت اچھی تھی۔ اس کے بعد 1955ء بڑا اچھا گزرا، 1956ء بڑا اچھا گزرا اور مری میں مَیں قرآن کریم کے ترجمہ کا کام کرتا رہا لیکن 1957 میں پھر کچھ تکلیف شروع ہوئی جو اَب تک جاری ہے۔ گو پچھلے دنوں ہومیوپیتھی علاج سے کچھ افاقہ ہوا ہے مگر 1955ء اور 1956ء والی حالت ابھی تک پیدا نہیں ہوئی۔

بہرحال قرآن کریم نے تبلیغ کرنا ہر شخص کا فرض قرار دیا ہے اور قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ تبلیغ دو طرح ہوتی ہے۔ ایک تو اِس طرح کہ بعض خاص خاص لوگ اپنے آپ کو تبلیغ کے لیے وقف کر دیتے ہیں جن کے لیے قرآن کریم میں عاکفین اور مہاجرین کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں اور ایک تبلیغ اِس رنگ میں ہوتی ہے کہ ساری جماعت جب بھی اسے موقع ملے تبلیغ میں حصہ لینے کے لیے تیار رہتی ہے۔ گویا ایک خاص لوگوں کی جماعت ہوتی ہے اور ایک عام لوگوں کی جماعت ہوتی ہے۔ گو عام جماعت کے افراد کو بھی قرآن کریم کہتا ہے کہ تم صرف واقفین پر انحصار نہ رکھو بلکہ ساری

جماعت کا یہ فرض ہے کہ وہ تبلیغِ اسلام کرے اور بغیر استثناء کے ان کا ہر فرد اس میں حصہ لے۔ اگر ہماری جماعت کے افراد صرف اپنے رشتہ داروں کو ہی تبلیغ کریں اور ایک ایک شخص کے بیس بیس رشتہ دار بھی سمجھے جائیں تب بھی تھوڑے عرصہ میں ہی ہماری جماعت کی تعداد دو کروڑ تک پہنچ سکتی ہے۔ بیشک لوگ تمہیں غیروں کو تبلیغ کرنے سے روک سکتے ہیں لیکن کیا کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ اپنی بیوی کو یا اپنے خسر کو یا اپنے سالے کو تبلیغ نہ کرو۔ اگر تم کسی غیر کو تبلیغ کرو تو ممکن ہے وہ تمہیں مارنے پیٹنے لگ جائے لیکن تمہارا اپنا باپ تمہیں نہیں مارے گا، تمہارا بیٹا تمہیں نہیں مارے گا، تمہارا خسر تمہیں نہیں مارے گا۔ اور اگر تم میں سے ایک ایک شخص کے پچاس پچاس رشتہ دار ہوں اور ہماری جماعت دس لاکھ ہو تو پھر تو تھوڑے عرصہ کی جدوجہد کے نتیجہ میں ہی ہماری جماعت کی تعداد خدا تعالیٰ کے فضل سے پانچ کروڑ تک پہنچ سکتی ہے۔ اور اگر ہم پانچ کروڑ ہو جائیں تو پھر مخالفت کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا۔ لوگ خود بخود ہماری طاقت کو تسلیم کرنے لگ جائیں گے اور پھر دوسرے ملکوں پر اثر ڈال کر پانچ کروڑ سے دس کروڑ تک تعداد پہنچ سکتی ہے اور ملایا اور انڈونیشیا وغیرہ پر اثر ڈال کر تو یہ تعداد اَور بھی بڑھ سکتی ہے۔ اب بھی اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہماری جماعت کی ترقی کے سامان پیدا کر رہا ہے۔ چنانچہ فلپائن میں، ڈچ گی آنا میں، فرنچ گی آنا میں اور برٹش گی آنا میں ہماری جماعت خدا تعالیٰ کے فضل سے سرعت سے پھیل رہی ہے اور وہاں ہماری تبلیغ پر کوئی اعتراض بھی نہیں کرتا۔ یہ مخالفت کا جوش صرف پاکستان میں پایا جاتا ہے ورنہ امریکہ میں یا انگلینڈ میں یا جرمنی میں یا سوئٹزرلینڈ میں یا فرانس میں یا سپین میں یا ٹرینیڈاڈ میں یا ڈچ گی آنا میں یا برٹش گی آنا میں یا فرنچ گی آنا میں جب ہم غیر مسلموں میں تبلیغ کرتے ہیں تو وہاں کے مسلمان اِس بات پر خوش ہوتے ہیں کہ ہم اُن کے ملک میں اسلام پھیلا رہے ہیں۔ بلکہ انڈونیشیا کے لوگوں کی تو یہ حالت ہے کہ 1953ء میں جب ہماری جماعت کے خلاف یہاں فسادات ہوئے تو انڈونیشیا نے اس کے خلاف حکومتِ پاکستان کے پاس احتجاج کیا جس کے متعلق انکوائری کمیشن کے موقع پر مولویوں نے کہا کہ اصل میں وہ ایک احمدی ایمبیسیڈر تھا جس نے حکومتِ پاکستان کے پاس پروٹسٹ کیا تھا لیکن خواجہ ناظم الدین صاحب نے اپنی گواہی میں تسلیم کیا کہ وہاں کی ایک مشہور سیاسی پارٹی کے لیڈر نے اس بارہ میں ہمارے پاس احتجاج کیا تھا اور گو وہ متعصب آدمی ہے لیکن جب وہاں ان فسادات کی خبریں پہنچیں تو اُس نے

حکومتِ پاکستان کو لکھا کہ مذہب کے معاملہ میں لوگوں کو جبر سے کام نہیں لینا چاہیے۔ اِسی طرح ہماری جماعت کے دوست اُس سے ملنے گئے تو وہ کہنے لگا کہ میرے پاس تو آپ کی جماعت کا سارا لٹریچر موجود ہے۔ ڈاکٹر سکارنو نے بھی احمدیوں کی تعریف کی اور جب مولویوں نے اس پر اعتراض کیا تو اُس نے کہا کہ میں تو سمجھتا ہوں کہ میں کسی اسلامی حکومت کا پریذیڈنٹ رہنے کے قابل ہی نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں جماعت احمدیہ کا لٹریچر نہ پڑھوں۔ کیونکہ اسلام کی خوبیاں مجھے صرف اِس جماعت کے لٹریچر سے معلوم ہوتی ہیں۔ اِسی طرح جب اُسے قرآن دیا گیا تو اس نے شکریہ کے ساتھ لیا اور کہا کہ اس کے ساتھ انڈیکس بھی ہونا چاہیے تاکہ اس کے مضامین کی تلاش میں آسانی ہو۔ غرض ہماری جماعت کے افراد کو اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کی تبلیغ پر زور دینا چاہیے۔ اِس وقت ہماری جماعت خداتعالیٰ کے فضل سے دس لاکھ سے بہت اوپر نکل چکی ہے لیکن اگر دس لاکھ بھی ہو تب بھی اپنے رشتہ داروں کو تبلیغ کر کے تھوڑے عرصہ میں ہی ہماری تعداد کہیں سے کہیں پہنچ سکتی ہے۔

پاکستان کی آبادی اِس وقت آٹھ کروڑ ہے اور دنیا میں عام اصول یہ ہے کہ اگر کسی منظّم جماعت کا تناسب کسی ملک کی آبادی میں ایک فیصدی تک پہنچ جائے تو وہ ملک پر غالب آجاتی ہے۔ جرمنی میں جب پروٹسٹنٹ فرقہ کا آغاز ہوا اور لوتھر نے کام شروع کیا تو شروع میں وہ بہت تھوڑے تھے لیکن جب وہ اپنے ملک کی آبادی کا ایک فیصدی حصہ بن گئے تو سارے ملک پر غالب آ گئے۔ اِسی طرح اگر پاکستان میں ہماری تعداد بڑھ جائے اور ہماری منظّم جماعت آبادی کا ایک فیصدی ہو جائے تو ہماری جماعت کی طاقت غیروں کو بھی تسلیم کرنی پڑے گی۔

پس ہماری جماعت کو تبلیغ کی طرف خاص طور پر توجہ کرنی چاہیے اور اللہ تعالیٰ سے دُعائیں کرنی چاہییں کہ وہ ان کی زبانوں میں اثر پیدا کرے۔ اِسی طرح مبلغوں کے لیے بھی دُعائیں کرو کیونکہ وہ ساری جماعت کا کام کر رہے ہیں اور اُن کے کارناموں کو ہماری جماعت کا ہر فرد اپنی طرف منسوب کرتا ہے۔ وہ بسا اوقات غیروں کے سامنے بڑے فخر کے ساتھ کہتا ہے کہ ہم غیر ممالک میں اسلام کی تبلیغ کر رہے ہیں، ہم غیر ممالک میں مساجد بنا رہے ہیں لیکن اُس کی اپنی حالت یہ ہوتی ہے کہ بعض دفعہ وہ چندوں میں بھی پورا حصہ نہیں لے رہا ہوتا یا اگر چندہ دیتا ہے تو اپنے آپ کو اسلام کی تبلیغ کے لیے وقف نہیں کرتا حالانکہ ہمارے باہر کے مبلّغ اب شور مچا رہے ہیں کہ اُن کی مدد کے لیے اَور آدمی

بھجوائے جائیں۔اس وقت سب سے زیادہ ترقی کے آثار جرمنی میں نظر آ رہے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر پندرہ بیس اَور مبلغ یورپ میں چلے جائیں اور دس پندرہ مسجدیں بن جائیں تو بڑی تعداد میں وہاں کے لوگ احمدی ہوسکتے ہیں۔ انگلینڈ کے لوگ تو اب عیّاش ہوگئے ہیں لیکن جرمن سائنس کی تحقیقات پر جان دیتے ہیں اور بڑے دھڑلّے سے کہتے ہیں کہ احمدیت بڑا اچھا کام کررہی ہے۔ جب ہیمبرگ میں ہماری مسجد بنی اور اخبارات میں اس کی خبریں شائع ہوئیں تو عراق میں ایک جرمن انجنیئر تھا اُس نے ہمیں خط لکھا کہ ہیمبرگ میں مسجد کی تعمیر اور اس کے افتتاح کی خبریں تو ہم نے سن لی ہیں مگر آپ نے اپنے مبلغ کا پتا نہیں لکھا۔ آپ مجھے اُس کا پتا بھجوائیں کیونکہ میں اُسے چندہ بھجوانا چاہتا ہوں۔ اب یہاں تو یہ کیفیت ہے کہ بعض دفعہ پیچھے پڑ کر بھی لوگوں سے چندہ مانگا جائے تو وہ نہیں دیتے اور اُس کی یہ حالت ہے کہ وہ عراق سے خط لکھتا ہے کہ مجھے اپنے مبلغ کا پتا بھجوائیں میں اُسے چندہ بھجوانا چاہتا ہوں۔

تو ہماری جماعت کے دوستوں کو چاہیے کہ وہ اسلامی ترقی کے لیے اپنا پورا زور لگا دیں۔ اب خداتعالیٰ کے فضل سے ایسا وقت آ گیا ہے جیسے ڈال پر آم پک جاتے ہیں اور ہر آم آپ ہی آپ ٹوٹ کر نیچے گرنے کے لیے تیار ہوتا ہے، اب عیسائی دنیا اسلام قبول کرنے کے لیے بالکل تیار ہے صرف درختوں کی ٹہنیاں ہلانے کی ضرورت ہے۔ جیسے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے مریم سے کہا کہ کھجور کے تنا کو ہلا تجھ پر تازہ بتازہ کھجوریں گریں گی۔2 اِسی طرح ہمیں بھی اب صرف تنا ہلانے کی ضرورت ہے ورنہ پھل پک چکا ہے اور اب وہ گرنے ہی والا ہے۔

لطیفہ مشہور ہے کہ ایک دہریہ باغ میں گیا تو کہنے لگا لوگ تو خداتعالیٰ کو بڑا عقلمند کہتے ہیں مگر یہ کیسی عقلمندی ہے کہ اُس نے ایک پتلی سی بیل کے ساتھ تو اتنا بڑا کدّو لگا دیا اور بڑے بڑے مضبوط درختوں پر چھوٹے چھوٹے آم لگا دیئے۔ تھوڑی دیر کے بعد اُسے نیند آئی اور وہ وہیں ایک آم کے درخت کے نیچے سو گیا۔ سویا ہوا تھا کہ اچانک اُس کے سر پر بڑے زور سے ایک آم آ گرا۔ وہ گھبرا کر اُٹھ بیٹھا اور کہنے لگا اللہ میاں! میری توبہ، میں اپنی گستاخی کی تجھ سے معافی طلب کرتا ہوں۔ میں سمجھ گیا کہ جو کچھ تُو نے کیا ہے بالکل درست ہے۔ اگر اتنی دور سے کدو مجھ پر گرتا تو میری تو جان نکل جاتی۔

اِسی طرح یورپ بھی اب ٹپکنے کو تیار بیٹھا ہے۔ ضرورت صرف اِس بات کی ہے کہ جماعت قُربانی کرے۔ کچھ چندوں میں زیادتی کرے اور کچھ نوجوان اپنے آپ کو وقف کریں۔ بیشک

وقفِ جدید کے ماتحت بہت سے نوجوانوں نے اپنے آپ کو پیش کیا ہے مگر ابھی تک میں اُن کے کام سے پوری طرح خوش نہیں۔ اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ ابھی اُن کو کام شروع کیے بھی پانچ چھ مہینے ہی ہوئے ہیں جس کی وجہ سے ان کے کام میں ابھی تیزی پیدا نہیں ہوئی۔ اگر ایک دو سال گزر جائیں تو پھر ان کے کام کا صحیح اندازہ ہو سکے گا۔ اِس وقت تک وقف جدید کے ذریعہ ایک سو چالیس بیعتیں ہو چکی ہیں لیکن میرے نزدیک فی مبلغ ایک ہزار سالانہ بیعت ہونی چاہیے۔ آجکل وقف جدید میں ستّر آدمی کام کر رہے ہیں۔ اگلے سال ممکن ہے یہ تعداد ایک سو پچاس تک پہنچ جائے اور پھر ڈیڑھ دو لاکھ سالانہ صرف وقف جدید کے معلمین کے ذریعہ ہی بیعت ہونے لگے۔ اگر ایسا ہو جائے تو پانچ سال میں خدا تعالیٰ کے فضل سے ہماری تعداد کئی گنے بڑھ سکتی ہے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ ہی سب کام کرنے والا ہے۔ ہمارا کام تو صرف کوشش اور جدوجہد کرنا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے الہاماً فرمایا تھا کہ ''میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا''۔3 چنانچہ اب خدا تعالیٰ کے فضل سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تبلیغ زمین کے کناروں تک پہنچ چکی ہے۔ مگر ہمیں صرف اِس بات پر خوش نہیں ہونا چاہیے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تبلیغ دنیا کے کناروں تک پہنچ چکی ہے کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ میری جماعت کو اِس قدر ترقی عطا فرمائے گا کہ دوسرے مذاہب کے پیرو اس جماعت کے مقابلہ میں ایسے ہی بے حیثیت ہو کر رہ جائیں گے جیسے آجکل کی ادنیٰ اقوام بے حیثیت ہیں۔ پس ہماری خواہش یہ ہونی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں وہ زمانہ بھی دکھا دے جب ہماری جماعت ساری دنیا پر غالب آ جائے بلکہ اس سے بڑھ کر ہماری یہ دُعا ہونی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہماری جماعت کو غلبہ بھی عطا فرمائے اور دوستوں کو اپنے ایمانوں پر بھی قائم رکھے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء کے زمانہ میں جب مسلمان ایمان پر قائم تھے روم اور ایران کے بادشاہ ان کے نام سے کانپتے تھے مگر جب اُن کے اندر ایمان نہ رہا تو ہلاکو خان نے بغداد پر حملہ کیا اور انہیں تباہ کر دیا۔ اب بھی مسلمان کروڑوں کی تعداد میں ہیں مگر اِدھر وہ امریکہ سے ڈر رہے ہیں اور اُدھر روس سے خوف کھا رہے ہیں۔ کبھی امریکہ سے کہتے ہیں کہ ہماری جھولی میں کچھ ڈالو اور کبھی روس کی طرف اِس اُمید سے دیکھتے ہیں کہ شاید وہ ان کی جھولی میں کچھ ڈال دے حالانکہ ایک

زمانہ میں مسلمان بڑی سے بڑی لالچ کو بھی برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا تھا۔ روم کی جنگ پر جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے تو تین صحابہ غلطی سے پیچھے رہ گئے۔ آپ نے واپس آنے پر اُن تینوں کو مقاطعہ کی سزا دے دی۔ ان میں سے ایک صحابی کہتے ہیں کہ جب مقاطعہ لمبا ہو گیا تو میں تنگ آ گیا۔ میرا ایک بڑا گہرا دوست تھا اور بھائیوں کی طرح مجھے پیارا تھا۔ وہ اپنے باغ میں کام کر رہا تھا کہ میں اس کے پاس پہنچا اور میں نے کہا بھائی! تم جانتے ہو کہ میں منافق نہیں، میں سچا اور مخلص مسلمان ہوں۔ صرف غلطی کی وجہ سے جنگ سے پیچھے رہ گیا تھا۔ مگر وہ بولا نہیں۔ اس نے آسمان کی طرف دیکھا اور کہا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں مجھے اس سے شدید صدمہ پہنچا اور میں باغ سے نکل کر شہر کی طرف چل پڑا۔ میں گھر کی طرف جا ہی رہا تھا کہ مجھے پیچھے سے ایک شخص نے آواز دی۔ میں ٹھہرا تو اُس نے مجھے عرب کے ایک بادشاہ کا خط دیا۔ اُس میں لکھا تھا کہ ہم نے سنا ہے کہ محمد (رسول اللہ) نے تم پر بڑا ظلم کیا ہے۔ تم ہمارے پاس آ جاؤ ہم تمہاری بڑی عزّت کریں گے۔ وہ صحابی کہتے ہیں میں نے پیغامبر کو کہا کہ تم میرے ساتھ چلو۔ میں ابھی اس کا جواب دیتا ہوں۔ وہ میرے ساتھ ساتھ چلا۔ راستہ میں مَیں نے دیکھا کہ ایک جگہ تنور جل رہا ہے۔ میں اُس کے قریب پہنچا اور میں نے وہ خط اُس کے سامنے اُس تنور میں ڈال دیا اور پھر میں نے اسے کہا کہ جاؤ اور اپنے بادشاہ سے کہہ دو کہ یہ تمہارے خط کا جواب ہے۔4

تو دیکھو اسے کتنی بڑی لالچ دی گئی تھی مگر اس نے کچھ بھی پروانہ کی اور بادشاہ کے خط کو آگ میں جھونک دیا مگر آج مسلمان ہر جگہ بھیک مانگتا پھرتا ہے۔ اگر اس کے اندر سچا ایمان ہوتا تو وہ نہ امریکہ کی طرف دیکھتا اور نہ روس کی طرف اپنا ہاتھ بڑھاتا بلکہ خود پیسہ پیسہ جمع کر کے اپنی تمام ضروریات کو خود پورا کرنے کی کوشش کرتا مگر یہ جذبہ قوم میں اُسی وقت پیدا ہوتا ہے جب اُس کے افراد اللہ تعالیٰ پر کامل ایمان رکھیں اور موت کا ڈر اپنے دل سے نکال دیں۔

احادیث میں آتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک غزوہ سے واپس تشریف لا رہے تھے کہ مدینہ کے قریب پہنچ کر آپ دوپہر کے وقت آرام فرمانے کے لیے ایک درخت کے نیچے لیٹ گئے اور صحابہؓ بھی اِدھر اُدھر منتشر ہو گئے۔ کیونکہ انہوں نے سمجھا کہ اب تو مدینہ قریب ہی آ گیا ہے اب کسی دشمن کے حملہ کا کیا خطرہ ہو سکتا ہے۔ اتفاقاً ایک شخص جس کا بھائی کسی جنگ میں مسلمانوں کے

ہاتھوں مارا گیا تھا اپنے بھائی کا انتقام لینے کے لیے اسلامی لشکر کے پیچھے پیچھے چلا آ رہا تھا اور حملہ کے لیے کسی مناسب موقع کی تلاش میں تھا۔ اُس نے جب دیکھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سو رہے ہیں اور صحابہؓ بھی اِدھر اُدھر چلے گئے ہیں تو اُس نے آپ کے پاس پہنچ کر آپ کی ہی تلوار اُٹھالی جو درخت کے ساتھ لٹکی ہوئی تھی اور پھر اُس نے آپ کو جگایا اور کہا کہ بتائیں اب آپ کو مجھ سے کون بچاسکتا ہے؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسی طرح لیٹے لیٹے نہایت اطمینان اور سکوت کے ساتھ فرمایا کہ اللہ۔ آپ کا یہ فرمانا تھا کہ اُس کا جسم کانپا اور تلوار اُس کے ہاتھ سے گرگئی۔ آپ نے فوراً وہی تلوار اُٹھالی اور پھر اُس سے پوچھا کہ اب تجھے میرے ہاتھ سے کون بچاسکتا ہے؟ اُس نے کہا آپ ہی مہربانی کریں اور مجھے معاف فرمادیں، آپ بڑے رحیم و کریم ہیں۔ آپ نے فرمایا کمبخت! تجھے اب بھی عقل نہ آئی تُو نے کم ازکم میری زبان سے ہی اللہ کا لفظ سن کر کہہ دینا تھا کہ اللہ مجھے بچاسکتا ہے مگر میری زبان سے بھی اللہ کا نام سن کر تجھے سمجھ نہ آئی اور تُو نے خدا کا نام نہ لیا۔5

میں سمجھتا ہوں کہ اِس زمانہ میں بھی سب سے بڑی ضرورت یہی ہے کہ مسلمانوں میں اللہ تعالیٰ کے نام کی عظمت قائم کی جائے اور ان کے دلوں میں اس پر سچا ایمان پیدا کیا جائے۔ اِس میں کوئی شُبہ نہیں کہ مسلمان اب بھی اللہ اللہ کہتے پھرتے ہیں مگر حضرت خلیفہ اوّل ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ آجکل مسلمانوں کے نزدیک اللہ کے معنے صفر کے ہیں۔ چنانچہ جب کسی شخص کے گھر میں کچھ بھی نہیں رہتا تو وہ کہتا ہے کہ میرے گھر میں تو اللہ ہی اللہ ہے اور اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ میرے گھر میں کچھ نہیں۔ گویا اللہ کے معنے ان کے نزدیک ایک صفر کے ہیں حالانکہ پہلے زمانہ میں جب مسلمان کہتے تھے کہ ہمارے پاس اللہ ہی اللہ ہے تو اس کے معنے یہ ہوتے تھے کہ آسمان بھی ہمارے ساتھ ہے اور زمین بھی ہمارے ساتھ ہے، پہاڑ بھی ہمارے ساتھ ہیں اور دریا بھی ہمارے ساتھ ہیں اور کسی کی مجال نہیں کہ ہمارے مقابلہ میں ٹھہر سکے۔ مگر آجکل یہ کیفیت ہے کہ بھیک مانگنے والے فقیر ہر جگہ یہ کہتے سنائی دیں گے کہ اللہ ہی اللہ۔ اللہ ہی اللہ۔ اور ان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہمارے پاس کچھ نہیں۔ خدا کے لیے ہمیں کچھ کھانے کے لیے دو۔ پس مسلمان اگر ترقی کرنا چاہتے ہیں تو ان کا فرض ہے کہ وہ اپنے اندر سچا ایمان پیدا کریں اور خدا تعالیٰ پر توکّل رکھیں۔

اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ امریکہ اور روس نے ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم بنالیے ہیں جن کی وجہ

سے دنیا ان سے مرعوب ہے لیکن اگر خدا تعالیٰ سے دُعائیں کی جائیں اور اپنے اندر سچا ایمان پیدا کیا جائے تو اللہ تعالیٰ اس کا بھی کوئی نہ کوئی توڑ پیدا فرما دے گا۔ پہلے میرا خیال تھا کہ امریکہ یا روس ایٹم بم کا کوئی توڑ پیدا کر لیں گے مگر اب قرآن کریم پر غور کرنے سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ روس اور امریکہ اس کا توڑ پیدا نہیں کریں گے بلکہ آسمان سے ایسے شہابِ ثاقب گریں گے جن سے ان کے تمام بم بیکار ہو جائیں گے اور وہ دنیا کی تباہی کے ارادوں میں ناکام رہیں گے۔

پس مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ خدا تعالیٰ کی طرف توجہ کریں اور اُس سے سچا تعلق پیدا کریں اور اگر وہ خدا تعالیٰ سے تعلق پیدا کر لیں تو ان کی تلواریں توپوں سے بھی زیادہ کام کریں گی اور ان کے تھوڑے سے روپے کروڑوں ڈالروں اور پونڈوں سے بھی زیادہ نتیجہ خیز ہوں گے کیونکہ مومن کے روپیہ میں اللہ تعالیٰ بڑی برکت پیدا فرما دیتا ہے۔ ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو ایک اشرفی دی اور فرمایا کہ میرے لیے قُربانی کا ایک اچھا سا دُنبہ خرید لاؤ۔ جب وہ واپس آیا تو اُس نے آپ کی خدمت میں دُنبہ بھی پیش کر دیا اور اشرفی بھی واپس دے دی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اشرفی کیوں واپس کر رہے ہو؟ اُس نے کہا یا رسول اللہ! میں باہر دیہات میں نکل گیا تھا۔ یہاں تو ایک اشرفی کا ایک ہی دُنبہ آتا ہے مگر باہر گاؤں میں جا کر ایک اشرفی کے دو دُنبے مل گئے۔ جب میں واپس آیا تو میں نے شہر میں ایک دُنبہ ایک اشرفی میں فروخت کر دیا۔ اب دُنبہ بھی حاضر ہے اور اشرفی بھی آپ کی خدمت میں پیش ہے۔6 تو اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندہ کے روپیہ میں بڑی برکت پیدا فرما دیتا ہے اور اس کا تھوڑا سا روپیہ بھی اس کی ضروریات کو پورا کر دیتا ہے"۔

(الفضل 27 اگست 1958ء)

1: التوبة:36

2: وَهُزِّيٓ إِلَيۡكِ بِجِذۡعِ ٱلنَّخۡلَةِ تُسَٰقِطۡ عَلَيۡكِ رُطَبٗا جَنِيّٗا (مریم:26)

3: تذکرہ صفحہ 312 طبع چہارم

4: بخاری کتاب المغازی باب حدیث کعب بن مالک

5: السیرة النبویة فی فتح الباری جزء ثانی صفحہ 361 مطبوعہ کویت 2001ء

6: ابوداؤد کتاب البیوع باب فی المضارِب

(22)

اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے کہ سچا توکّل رکھنے والوں کو ہمیشہ میری تائید و نصرت حاصل رہے گی

جو شخص اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھتا ہے نہ آسمان اُسے ضرر پہنچا سکتا ہے اور نہ زمین، اور خدا تعالیٰ کے فرشتے اس کی حفاظت کرتے ہیں

(فرمودہ 15 اگست 1958ء)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور نے قرآن کریم کی درج ذیل آیت کی تلاوت فرمائی: "وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا۔ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَدَعْ اَذٰىهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا۔1

اس کے بعد فرمایا:

"یہ آیت جس کی میں نے ابھی تلاوت کی ہے اس میں کہا گیا ہے کہ مومنوں کو بشارت دے دو کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا فضل ملے گا۔ بشارت کے معنے عربی زبان میں ایسی خبر کے ہوتے ہیں جس کے سننے سے چہرہ متغیر ہو جائے۔ اور چہرہ خوشی کی خبر سے بھی متغیر ہو جاتا ہے اور رنج

کی خبر سے بھی افسردہ اور غمناک ہو جاتا ہے۔ دراصل بَشْــــــرَہ جلد کے اوپر کے حصہ کو کہتے ہیں اور بشارت ایسی خبر کو کہتے ہیں جس سے چہرہ کا رنگ بدل جائے۔ پس بَشَّرَ کے دونوں معنے ہو سکتے ہیں۔ یہ بھی کہ انہیں ایسی خوشی کی خبر دے جس سے ان کے چہروں پر سرخی کی لہر دوڑ جائے اور یہ بھی کہ انہیں ایسی خبر دے جس سے ان کے چہرے زرد پڑ جائیں۔ یہاں چونکہ خوشی کی خبر دی گئی ہے اس لیے یہاں بشارت کا لفظ خوشخبری کے معنوں میں استعمال ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مومنوں کو یہ خوشخبری پہنچا دو کہ ان پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل نازل ہوگا اور یہ ظاہر ہے کہ بہت بڑے فضل کے نازل ہونے کی خبر سے چہرہ زرد نہیں ہوتا بلکہ خوشی سے تمتما اُٹھتا ہے۔ پس اس آیت میں یہ خوشخبری دی گئی ہے کہ مومن کبھی ذلیل نہیں ہو سکتا بلکہ وہ ہمیشہ اپنے دشمنوں پر غالب رہتا ہے۔ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے اِسی مضمون کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے کہ فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْغٰلِبُوْنَ[2] یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ کی جماعت میں شامل ہوتے ہیں وہ یقیناً غالب رہتے ہیں اور جس نے غالب رہنا ہو وہ دشمنوں سے ڈرے گا کیوں؟

1953ء میں جب فسادات ہوئے تو سیفٹی ایکٹ کے ماتحت گورنر پنجاب نے مجھے نوٹس بھجوایا کہ آپ کی طرف سے یا آپ کے اخبار کی طرف سے احرار کے خلاف کوئی بات شائع نہیں ہونی چاہیے ورنہ فساد بڑھ جائے گا۔ یہ نوٹس ضلع جھنگ کا ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس میرے پاس لے کر آیا۔ میں نے یہ نوٹس تو لے لیا مگر میں نے ڈی۔ایس۔پی سے کہا کہ آپ اِس وقت اکیلے مجھ سے ملنے آئے ہیں اور کوئی خطرہ محسوس کیے بغیر میرے پاس پہنچ گئے ہیں۔ اِسی لیے کہ آپ کو یقین ہے کہ گورنمنٹ آپ کی پُشت پر ہے۔ پھر اگر آپ کو یہ یقین ہے کہ گورنمنٹ کا نمائندہ ہونے کی وجہ سے حکومت آپ کی مدد کرے گی تو کیا میں جو خدا تعالیٰ کا مقرر کردہ خلیفہ ہوں مجھے یقین نہیں ہونا چاہیے کہ خدا میری مدد کرے گا۔ بیشک میری گردن آپ کے گورنر کے ہاتھ میں ہے لیکن آپ کے گورنر کی گردن میرے خدا کے ہاتھ میں ہے۔ آپ کے گورنر نے میرے ساتھ جو کچھ کرنا تھا وہ کر لیا۔ اب میرا خدا اپنا ہاتھ دکھائے گا۔ چنانچہ چند دنوں کے اندر اندر مرکزی حکومت کے حکم سے مسٹر چندریگر کو جو اُس وقت گورنر پنجاب تھے رُخصت کر دیا گیا اور ان کی جگہ میاں امین الدین صاحب گورنر پنجاب مقرر ہوئے اور میاں ممتاز صاحب دولتانہ کی جگہ ملک فیروز خاں صاحب نون آ گئے۔

پھر اُنہی ایام میں جبکہ ابھی فتنہ کے آثار باقی تھے سپرنٹنڈنٹ پولیس ضلع جھنگ ڈی۔ایس۔پی کو ساتھ لے کر میرے مکان کی تلاشی کے لیے آئے۔ چونکہ سپرنٹنڈنٹ پولیس ڈی۔ایس۔پی سے گورنر پنجاب کے نوٹس والا واقعہ سن چکے تھے اور وہ دیکھ چکے تھے کہ کس طرح خدا تعالیٰ نے چند دنوں کے اندر اندر میری بات کو پورا کر دیا اور مسٹر چندریگر کو پنجاب سے رُخصت کر دیا گیا اور پھر اس سے پہلے میری طرف سے یہ بھی شائع ہو چکا تھا کہ میرا خدا میری مدد کے لیے دوڑا چلا آرہا ہے اس لیے وہ اتنے متأثر تھے کہ مجھے کہنے لگے ہمیں حکم تو یہ ہے کہ عورتوں والے حصہ کی بھی تلاشی لی جائے مگر مجھے کسی تلاشی کی ضرورت نہیں۔ میں گورنمنٹ کو لکھ دوں گا کہ میں نے تلاشی لے لی ہے۔ میں نے کہا اگر آپ ایسا لکھیں گے تو میں اخبار میں اعلان کر دوں گا کہ یہ بالکل غلط ہے، انہوں نے کوئی تلاشی نہیں لی۔ آپ اندر چلیں اور ایک ایک چیز کو دیکھیں تا کہ آپ کے دل میں کوئی شُبہ نہ رہے۔ چنانچہ وہ اندر گئے اور انہوں نے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس سے کہا کہ وہ کاغذات کو دیکھ لیں۔

غرض اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مومنوں کو خبر دے دو کہ ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے اور کوئی شخص ان کے خلاف اپنی شرارتوں میں کامیاب نہیں ہوسکتا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی میں بھی اللہ تعالیٰ کی نُصرت اور اس کی تائید کے ایسے کئی واقعات نظر آتے ہیں۔ آپ پر ایک دفعہ ایک عیسائی پادری ڈاکٹر مارٹن کلارک نے یہ مقدمہ دائر کر دیا کہ آپ نے اسے قتل کروانے کے لیے ایک آدمی بھجوایا تھا۔ مارٹن کلارک کو ایک انگریز سپرنٹنڈنٹ پولیس نے اپنا لے پالک بنایا ہوا تھا اور اس وجہ سے گورنمنٹ اُس کا اُسی طرح لحاظ کرتی تھی جس طرح وہ انگریزوں کا لحاظ کیا کرتی تھی۔ ڈاکٹر مارٹن کلارک اور اُس کے ساتھیوں نے آپ کے خلاف یہ نالش ڈپٹی کمشنر ضلع امرتسر کی عدالت میں دائر کی اور اس نے آپ کے نام وارنٹ جاری کر دیا لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے کہ وارنٹ کسی کاپی میں پڑا رہا اور گورداسپور بھجوایا ہی نہ گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد جب ان لوگوں نے پھر ڈپٹی کمشنر کو توجہ دلائی تو اُس نے ضلع گورداسپور کے ڈپٹی کمشنر کو لکھا کہ میں نے اتنا عرصہ ہوا فلاں شخص کے نام وارنٹ جاری کیا تھا لیکن مجھے اس کا کوئی جواب نہیں آیا۔ مسٹر ڈگلس اُس وقت گورداسپور کے ڈپٹی کمشنر تھے۔ انہوں نے جواب دیا کہ اوّل تو میرے پاس آپ کی طرف سے کوئی وارنٹ آیا ہی نہیں۔ دوسرے ملزم چونکہ میرے علاقہ میں رہتا ہے اس لیے اُس کے نام وارنٹ جاری کرنے کا آپ کو کوئی اختیار نہیں۔

اس پر امرتسر کے ڈپٹی کمشنر نے مقدمہ کی تمام مسل مسٹر ڈگلس کو بھجوا دی۔ مسٹر ڈگلس پہلے اتنے متعصب ہوا کرتے تھے کہ جب وہ گورداسپور میں آئے تو انہوں نے آتے ہی کہا کہ میں نے سنا ہے قادیان میں ایک شخص نے مسیح ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور وہ ہمارے خدا کی ہتک کر رہا ہے، اُسے اب تک گرفتار کیوں نہیں کیا گیا؟ مگر جب مقدمہ کی مِسل اُن کے سامنے پیش ہوئی تو مسل خواں نے کہا کہ یہ وارنٹ کا نہیں بلکہ سمن کا کیس ہے۔ راولپنڈی کے ایک دوست غلام حیدر صاحب تھے جو مسٹر ڈگلس کے ہیڈ کلرک تھے۔ انہوں نے بھی اس کی تائید کی۔ چنانچہ وارنٹ کی بجائے آپ کے نام سمن جاری کیا گیا اور آپ گورداسپور تشریف لے گئے۔ جب آپ عدالت میں پہنچے تو مسٹر ڈگلس پر آپ کی شکل دیکھتے ہی کچھ ایسا اثر ہوا کہ وہی شخص جس نے یہ کہا تھا کہ ایسے آدمی کو ابھی تک گرفتار کر کے جیل خانہ میں کیوں نہیں بھیجا گیا جو ہمارے یسوع مسیح کی ہتک کرتا ہے، اُس نے نہایت اعزاز کے ساتھ آپ کو کرسی پیش کی اور کہا کہ آپ بیٹھے بیٹھے میری باتوں کا جواب دیں۔ اس مقدمہ میں مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی بھی عیسائیوں کی طرف سے بطور گواہ پیش ہوئے تھے۔ انہوں نے جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو عدالت میں نہایت عزّت کے ساتھ کرسی پر بیٹھے ہوئے دیکھا تو انہیں آگ لگ گئی اور انہوں نے آگے بڑھ کر ڈپٹی کمشنر سے کہا کہ مجھے بھی کرسی ملنی چاہیے۔ میں گورنر کے پاس جاتا ہوں تو وہ بھی مجھے کرسی دیتے ہیں۔ ڈپٹی کمشنر کہنے لگا کہ گھر ہو تو اگر ایک چوڑھا بھی ہم سے ملنے آئے تو ہم اُسے کرسی دیں گے مگر یہ عدالت کا کمرہ ہے، یہاں تمہیں کرسی نہیں مل سکتی۔ مگر مولوی محمد حسین صاحب کی اس جواب سے تسلّی نہ ہوئی اور انہوں نے پھر اصرار کیا۔ ڈپٹی کمشنر کو غصّہ آ گیا اور وہ کہنے لگا ''بک بک مت کر، پیچھے ہٹ اور جوتیوں میں کھڑا ہو جا''۔ مولوی محمد حسین صاحب کمرہ عدالت سے باہر نکلے تو برآمدہ میں ایک کرسی پڑی ہوئی تھی۔ انہوں نے چاہا کہ اُس پر تھوڑی دیر کے لیے بیٹھ جائیں تا کہ باہر کے لوگ یہ سمجھ لیں کہ اندر بھی انہیں کرسی ملی ہوگی مگر چپڑاسی دیکھ چکا تھا کہ اندر ڈپٹی کمشنر نے اُن سے کیا سلوک کیا ہے۔ وہ دوڑا ہوا آیا اور کہنے لگا فوراً کرسی خالی کرو اور یہاں سے اُٹھ جاؤ۔ وہ وہاں سے اٹھے تو صحن میں آ گئے۔ وہاں ایک چادر زمین پر بچھی ہوئی تھی۔ یہ جاتے ہی اُس چادر پر بیٹھ گئے۔ اتفاقاً وہ چادر ایک احمدی دوست کی تھی۔ اُس نے انہیں اپنی چادر پر بیٹھے دیکھا تو کہنے لگا میری چادر پلید نہ کر، تُو مولوی ہو کر عیسائیوں کی تائید میں گواہی دینے آیا ہے۔ چنانچہ اُس چادر سے بھی انہیں

اُٹھنا پڑا۔ اور آخر اللہ تعالیٰ نے انہیں اتنا ذلیل کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد مَیں ایک دفعہ بٹالہ کے ریسٹ ہاؤس میں ٹھہرا ہوا تھا کہ شیخ یعقوب علی صاحب میرے پاس آئے اور کہنے لگے مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ میں نے کہا لے آؤ۔ چنانچہ وہ انہیں لے آئے مگر میں نے دیکھا کہ وہ ایک دروازہ سے داخل ہوئے اور دوسرے دروازہ سے نکل گئے۔ میں نے بعد میں شیخ یعقوب علی صاحب سے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے؟ مولوی صاحب نے ملاقات کیوں نہیں کی؟ وہ کہنے لگے میں نے ان سے پوچھا تھا انہوں نے جواب دیا کہ مجھے ان سے ملتے ہوئے شرم آتی ہے۔ بڑے مرزا صاحب سے مل لیتا تو اَور بات تھی مگر اب میں ان سے کیسے ملوں؟ یہ دل میں کہیں گے کہ میرے باپ کی تو ساری عمر مخالفت کرتا رہا اور اب مجھ سے ملنے آ گیا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر اِس طرح حجت تمام کی کہ ان کا ایک بیٹا چوری کے الزام میں پکڑا گیا جسے ہم نے چُھڑوایا۔ پھر وہ قادیان میں پڑھنے کے لیے بھی آیا۔ یہ غالباً 1914ء یا 1915ء کی بات ہے۔ پھر اُن کا دوسرا بیٹا قادیان میں پڑھنے کے لیے آیا۔ دو سال ہوئے وہ زندہ تھا اور میسور میں مقیم تھا۔ وہ شروع میں عیسائی ہو گیا تھا جس پر مولوی محمد حسین صاحب نے کہلا بھیجا کہ بیشک اسے قادیان میں رکھیں اور تعلیم دلائیں۔ میری سمجھ میں اب اتنی بات ضرور آ گئی ہے کہ احمدیت عیسائیت سے اچھی ہے۔ ایک دفعہ میسور کی جماعت نے مجھے لکھا کہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کا ایک لڑکا ہے جس نے ایک عیسائی نرس سے شادی کی ہوئی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میں قادیان میں بھی پڑھتا رہا ہوں۔ میں نے لکھا کہ وہ سچ کہتا ہے وہ میری خلافت کے ابتدائی ایام میں قادیان آیا تھا۔ پہلے اس کا بھائی آیا تھا جو چوری کے الزام میں پکڑا گیا تھا مگر ہماری کوشش سے وہ رہا ہوا۔ پھر یہ خود آیا۔ یہ بھی عیسائی ہو چکا تھا جسے ہم نے عیسائیت سے بچایا۔ اِس پر مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے ہمیں بڑے شکریہ کا خط لکھا کہ آپ نے میرے ایک بیٹے کو قید سے بچایا ہے اور دوسرے کو عیسائیت سے۔ میں آپ کا بڑا ممنون ہوں۔ غرض اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کی ہمیشہ مدد کرتا ہے اور اُن کو اپنے دشمنوں پر غلبہ عطا کیا کرتا ہے۔ دشمن چاہتا ہے کہ وہ ہلاک ہو جائیں اور وہ ان کی تباہی کے بڑے بڑے منصوبے سوچتا ہے مگر اللہ تعالیٰ ان کی تمام تدبیروں کو خاک میں مِلا دیتا ہے۔

میں 1912ء میں جب حج کے لیے گیا تو حضرت خلیفہ اوّل نے جن کو نادر کتابیں جمع

کرنے کا بڑا شوق تھا، مجھے ایک کتاب تلاش کرنے کے لیے کہا تھا۔ میں نے بہت کوشش کی مگر مجھے وہ کتاب نہ ملی۔ آخر بعض دوستوں نے بتایا کہ مولانا عبدالستار صاحب کبتی جو شریف مکہ کے بیٹوں کے استاد ہیں ممکن ہے اُن سے یہ کتاب آپ کو مل جائے چنانچہ میں اُن کے پاس گیا۔ مولوی صاحب تھے تو وہابی مگر اپنے آپ کو حنبلی ظاہر کرتے تھے کیونکہ وہاں اُن دنوں وہابیوں کو سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ مولوی صاحب کو ملاقات کے درمیان میں مَیں تبلیغ بھی کرتا رہا۔ وہ اطمینان کے ساتھ میری باتیں سنتے رہے۔ جب میں خاموش ہوا تو وہ مجھے کہنے لگے کہ آپ نے مجھ سے تو یہ باتیں کہہ دی ہیں کہیں کسی اَور کو تبلیغ نہ کریں کیونکہ اگر آپ نے تبلیغ کی تو ممکن ہے لوگ جوش میں آ کر آپ پر حملہ کر دیں۔ میں نے کہا آپ کس شخص کو تبلیغ کرنا سب سے زیادہ خطرناک سمجھتے ہیں؟ انہوں نے ایک عالم کا نام لیا۔ میں نے کہا میں تو اُسے ایک گھنٹہ تبلیغ کر کے آیا ہوں۔ کہنے لگے پھر وہ کیا کہتا تھا؟ میں نے کہا تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد وہ بڑے غصّہ اور جوش میں کہتا تھا ''آہ نہ ہوئی تلوار''۔ ''آہ نہ ہوئی تلوار''۔ اُس کے شاگرد جوش میں آتے تو وہ انہیں خاموش کرا دیتا اور کہتا کہ تم نہ بولو میں خود ہی جواب دوں گا۔ پھر انہوں نے کہا کہ میں نے یہ نصیحت آپ کو اس لیے کی ہے کہ آپ کے خلاف ایک اشتہار چھپا ہے اور اُس میں لکھا ہے کہ اگر انہیں حضرت مرزا صاحب کی صداقت پر یقین ہے تو خانہ کعبہ میں مولوی محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی سے مباحثہ کر لیں۔ اُن کا اس سے منشا یہ ہے کہ اگر بحث ہوئی تو عربوں میں چونکہ تعلیم کم ہے وہ جوش میں آ کر آپ پر حملہ کر دیں گے اور آپ کو قتل کر دیں گے۔ میں نے کہا اِس اشتہار پر دستخط کس کس کے ہیں؟ انہوں نے کہا دو آدمیوں کے دستخط ہیں۔ ایک تو بھوپال کے کوئی مولوی محمد احمد صاحب ہیں جن کے دستخط ہیں۔ میں نے کہا وہ تو میرے ماموں ہیں۔ (وہ ہمارے نانا جان مرحوم کی ہمشیرہ کے بیٹے تھے اور اس لحاظ سے ہمارے ماموں تھے)۔ دوسرے دستخط بھوپال کے ایک رئیس کے ہیں جن کا نام خالد ہے۔ پھر انہوں نے کہا کہ مولوی محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی کو تو میں نے بلوا کر کہہ دیا ہے کہ تم کہیں جوش میں آ کر مباحثہ نہ کر بیٹھنا کیونکہ یہاں احمدیوں کی اتنی مخالفت نہیں جتنی اہلِ حدیثوں کی ہے۔ میں خود اہلِ حدیث ہوں مگر اپنے آپ کو ظاہر نہیں کرتا اور شریف مکہ کے بیٹوں کو بھی مفت پڑھاتا ہوں تاکہ اُس کے خاندان کی امداد حاصل رہے۔ پس تم خواہ مخواہ لوگوں کو اپنے خلاف کیوں اشتعال دلاتے ہو۔ اگر تم اپنی جان کی سلامتی چاہتے ہو تو فوراً

یہاں سے چلے جاؤ۔ چنانچہ پہلا جہاز جو حاجیوں کو واپس لے جا رہا ہے اُس میں مولوی محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی بھی واپس جا رہے ہیں۔ غرض تین آدمیوں میں سے ایک کو تو خدا تعالیٰ نے اِس طرح دور کیا۔ باقی دورہ گئے تھے۔ جب حج ختم ہوا تو مکہ میں ہیضہ پھوٹ پڑا جو اتنا شدید تھا کہ مُردوں کو دفن کرنے کا موقع بھی نہیں ملتا تھا۔ لوگ گلیوں میں اپنے مُردے پھینک کر چلے جاتے تھے۔ اِس وبا کو دیکھ کر ہم نے بھی واپسی کی تیاری شروع کر دی۔ چلنے سے پہلے نانا جان اپنی بہن اور بھانجے سے ملنے کے لیے اُن کے مکان پر گئے۔ میں بھی اُن کے ساتھ تھا۔ جب ہم وہاں پہنچے تو دیکھا کہ ایک جنازہ پڑا ہے۔ نانا جان نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کس کا جنازہ ہے؟ انہوں نے ہمارے ماموں مولوی محمد احمد صاحب کا نام لیا کہ یہ اُن کا جنازہ ہے اور پھر بتایا کہ منٰی سے واپسی پر انہیں ہیضہ ہو گیا اور تھوڑی دیر میں ہی فوت ہو گئے۔ اس کے بعد جب ہم جدہ پہنچے تو جدہ کے انگریزی قونصل خانہ میں بھی ہمارے ننھیال کے ایک رشتہ دار یعنی ہماری نانی اماں صاحبہ کی بہن کے ایک لڑکے جن کا نام سید نصیر تھا سپرنٹنڈنٹ تھے اور تمام جہاز ران کمپنیاں اُن کے تابع تھیں۔ چونکہ جہاز کم تھے اور لوگ جلدی واپس جانا چاہتے تھے اس لیے جہاز کے ٹکٹ ملنے میں سخت دشواری تھی ہم نے اُن سے کہا کہ آپ ٹکٹوں کا جلدی انتظام کر دیں تا کہ ہم واپس جا سکیں۔ انہوں نے مجھے دفتر میں ایک کھڑکی کے قریب بٹھا دیا جو بہت اونچی تھی اور جہاں ہاتھ بھی بمشکل پہنچ سکتا تھا اور خود ٹکٹ لینے چلے گئے۔ ابھی تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ ایک دُبلا پتلا سفید رنگ کا نوجوان آیا اور کھڑکی کے نیچے کھڑے ہو کر اُس نے مجھ سے پوچھا کہ آپ یہاں کیوں بیٹھے ہیں؟ میں نے کہا آپ کا اس سے کیا مطلب ہے؟ انہوں نے کہا میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا آپ کمپنی میں کام کرتے ہیں؟ میں نے کہا میں تو کام نہیں کرتا۔ کہنے لگے پھر یہاں کیوں بیٹھے ہیں؟ میں نے کہا میرے ایک عزیز مجھے یہاں بٹھا گئے ہیں اور وہ خود ٹکٹ خریدنے اندر گئے ہیں۔ اِس پر انہوں نے کہا کہ ہمارا قافلہ آٹھ عورتوں اور چودہ مردوں پر مشتمل ہے اور ہمیں ٹکٹ نہیں مل رہے۔ مرد تو پھر بھی گزارہ کر سکتے ہیں لیکن ہمیں عورتوں کا سخت فکر ہے۔ وہ لاشوں کو دیکھ دیکھ کر پاگل ہو رہی ہیں۔ اگر آپ آٹھ ٹکٹ خرید دیں تو ہم عورتوں کو یہاں سے روانہ کر دیں۔ میں نے کہا عورتیں اکیلی کس طرح جائیں گی؟ اِس پر وہ کہنے لگے کہ اگر آپ چند ٹکٹ مردوں کے لیے بھی خرید سکیں تو یہ آپ کی بڑی مہربانی ہو گی اور اس کے ساتھ ہی انہوں نے روپوں کی ایک تھیلی مجھے پکڑا دی۔ تھوڑی دیر کے بعد جب

وہ عزیز میرے کمرہ میں آئے تو میں نے انہیں کہا کہ ان لوگوں کی حالت سخت قابلِ رحم ہے آپ مہربانی کریں اور ان کو بھی ٹکٹ لا دیں۔ وہ بڑے غصّہ سے کہنے لگے کہ میں کوئی ٹکٹوں کا ٹھیکیدار ہوں کہ ہر ایک کے لیے خریدتا پھروں۔ میں نے کہا ماموں! آپ کوشش کریں، یہ تو ثواب کا کام ہے اور چند ٹکٹ لا دیں تا کہ ان کی پریشانی دور ہو۔ وہ گئے اور آٹھ کی بجائے غالباً بائیس ٹکٹ ہی لے آئے۔ میں نے انہیں ٹکٹ اور باقی روپے کھڑکی سے دے دیئے۔ انہوں نے میرا بڑا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ میں آپ کا بہت ممنون ہوں آپ نے ہمارے ساتھ بڑی نیکی کی ہے۔ دوسرے دن جہاز نے روانہ ہونا تھا۔ میں بعض چیزیں خریدنے کے لیے بازار چلا گیا اور وہاں مجھے کچھ دیر ہو گئی۔ جب میں واپس پہنچا تو جہاز چلنے ہی والا تھا۔ میں نے دیکھا کہ وہی نوجوان سیڑھی پر کھڑا ہے اور میرا انتظار کر رہا ہے۔ مجھے دیکھتے ہی کہنے لگا کہ آپ نے بڑی دیر لگا دی، جلدی کریں اور سامان رکھوائیں۔ چنانچہ اُس نے مزدوروں پر زور دے کر جلدی جلدی میرا سامان جہاز میں رکھوایا اور پھر بڑی ممنونیت کا اظہار کیا کہ آپ نے ہمیں ٹکٹ لے دیئے ورنہ ہمارا سوار ہونا تو بالکل ناممکن تھا۔ جب ہم جہاز میں سوار ہو گئے تو میں نے اُن سے پوچھا کہ آپ کا نام کیا ہے؟ کہنے لگے میرا نام خالد ہے اور میں نواب جمال الدین خاں صاحب آف بھوپال کا نواسا ہوں۔ غرض خدا تعالیٰ کی قدرت دیکھو کہ اُس نے ایک کو ہیضہ سے مارا اور دوسرے کو احسان سے مارا۔ یہ خالد صاحب اب بھی زندہ ہیں اور بھوپال کے دوستوں کے خط آتے جاتے رہتے ہیں کہ ہمیشہ ہم سے ملتے اور اچھے تعلّقات رکھتے ہیں۔ اس کے بعد سارے سفر میں وہ میرے ممنونِ احسان رہے اور اصرار کرتے رہے کہ میں اُن کے ساتھ کھانا کھاؤں یا چائے وغیرہ پیوں مگر میں انکار کرتا رہا۔ آخر ایک دن انہوں نے بہت ہی اصرار کیا تو میں نے چائے کی ایک پیالی پی لی۔ اس کے بعد بھی وہ بمبئی تک برابر شکر گزاری اور ممنونیت کے جذبات کا اظہار کرتے رہے۔

اس جہاز میں بمبئی کے ایک سیٹھ کا لڑکا بھی سوار تھا جو حج کے لیے گیا ہوا تھا۔ اُس کا ایک لطیفہ بھی مجھے یاد رہتا ہے۔ میں نے منٰی میں دیکھا کہ ذکرِ الٰہی کرنے کی بجائے وہ اردو کے عشقیہ اشعار پڑھتا جا رہا تھا۔ مجھے تعجب ہوا کہ یہ حج کے لیے آیا ہے مگر اس کی حالت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کی بجائے عشقیہ اشعار پڑھتا جا رہا ہے۔ واپسی پر جب ہم جہاز میں اکٹھے ہوئے اور اسے معلوم ہوا کہ میں احمدی ہوں تو وہ بار بار کہتا کہ خدایا! یہ جہاز بھی غرق نہیں ہوتا جس میں ایسا شخص سوار ہے۔ میں اُس

کی یہ بات سن کر ہنس پڑتا کہ یہ اتنا بھی نہیں سمجھتا کہ اگر جہاز غرق ہوا تو میں بھی ساتھ ہی غرق ہو جاؤں گا۔ ایک دن میں نے اُس سے پوچھا کہ میں نے منٰی میں آپ کو عشقیہ اشعار پڑھتے دیکھا تھا۔ اگر آپ نے وہاں بھی ذکرِ الٰہی نہیں کرنا تھا تو آپ حج کے لیے کیوں گئے تھے؟ کہنے لگا ہم لوگ تاجر ہیں اور ہماری دکان خوب چلتی تھی مگر پچھلے سال ہمارے ساتھ کی دکان والا حج کر آیا اور اُس نے اپنے نام کے ساتھ حاجی لکھ کر دکان پر بورڈ لٹکا دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی بکری بڑھ گئی اور ہماری کم ہوگئی۔ میرے باپ نے مجھے کہا کہ تُو بھی حج کر آ تا کہ ہم بھی ایک ایسا ہی بورڈ لکھوا کر لٹکا دیں اور لوگ ہماری دکان پر بھی کثرت سے آنا شروع کر دیں۔

غرض اللہ تعالیٰ کی نُصرت اور اُس کی تائید حاصل کرنے کا یہی طریق ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ پر توکّل رکھے اور اُس سے دُعائیں کرتا رہے۔ چنانچہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَدَعْ اَذٰىهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا یعنی کافروں اور منافقوں کے پیچھے مت چلو اور ان کی اذیتوں کی پروا مت کرو بلکہ خالص اللہ تعالیٰ پر توکّل رکھو اور یہ کبھی نہ سمجھو کہ مخالف حالات میں ہم کس طرح کامیاب ہو سکتے ہیں۔ اگر تم اللہ تعالیٰ پر سچا توکّل رکھو گے تو وہ خود تمہارے غلبہ اور کامیابی کے سامان پیدا فرما دے گا کیونکہ تمام طاقتیں خدا تعالیٰ کو ہی حاصل ہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ ذات الرقاع سے واپس تشریف لا رہے تھے کہ ایک شخص جس کا بھائی کسی جنگ میں مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا تھا اور جس نے قسم کھائی تھی کہ میں اپنے بھائی کا ضرور بدلہ لوں گا وہ اسلامی لشکر کے پیچھے پیچھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کرنے کے ارادہ سے چل پڑا۔ اُس نے بڑی کوشش کی مگر اسے حملہ کا کوئی موقع نہ ملا کیونکہ صحابہؓ آپ کی بڑی حفاظت کرتے تھے۔ جب مدینہ صرف چند میل رہ گیا تو صحابہؓ مطمئن ہو گئے اور ایک جگہ وہ کھانا پکانے کے لیے اِدھر اُدھر منتشر ہو گئے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حفاظت کے لیے کوئی شخص نہ رہا۔ آپ ایک درخت کے نیچے آرام فرمانے کے لیے لیٹ گئے اور آپ کو نیند آ گئی۔ وہ شخص جو آپ کے تعاقب میں آ رہا تھا اُس نے اِس موقع کو غنیمت سمجھا اور آپ کے قریب آ کر اُس نے آپؐ کی تلوار اُٹھائی اور پھر آپ کو جگا کر کہنے لگا کہ بتائیں اب آپ کو کون بچا سکتا ہے؟

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسی طرح لیٹے لیٹے نہایت اطمینان اور سکون کے ساتھ فرمایا **اللہ**۔ آپ کی زبان سے یہ لفظ نکلا ہی تھا کہ اس کے ہاتھ کانپ گئے اور تلوار اس کے ہاتھ سے گر گئی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً وہ تلوار اپنے ہاتھ میں پکڑ لی اور پھر اُس سے فرمایا کہ بتا اب تجھے میرے ہاتھ سے کون بچا سکتا ہے؟ اُس نے کہا آپ ہی مہربانی کریں اور معاف فرما دیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے اور آپ نے فرمایا تم میرے منہ سے اللہ کا لفظ سن کر ہی اس کی نقل کر لیتے اور کہہ دیتے کہ اللہ بچائے گا مگر تم سے اتنا بھی نہ ہو سکا اور تم نے پھر بھی یہی کہا کہ آپ ہی مہربانی کریں۔3 غرض اللہ تعالیٰ جب بچانے پر آتا ہے تو بغیر سامانوں کے بھی بچا لیتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر جب کرم دین بھیں والا مقدمہ ہوا تو چونکہ مجسٹریٹ ہندو تھا آریوں نے اُسے ورغلایا کہ وہ اِس مقدمہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سزا دینے کی کوشش کرے اور مجسٹریٹ نے بھی اُن سے وعدہ کر لیا۔ خواجہ کمال الدین صاحب کو یہ خبر ملی تو وہ سخت گھبرائے اور انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آ کر کہا کہ حضور! ایک بڑی وحشت ناک خبر ملی ہے۔ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ آریوں نے ایک میٹنگ کی ہے جس میں انہوں نے مجسٹریٹ کو بھی بلوایا اور کہا کہ تمہارے پاس مرزا صاحب کا مقدمہ ہے تم انہیں کچھ نہ کچھ سزا ضرور دے دو اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو ساری قوم تمہارا بائیکاٹ کر دے گی۔ چنانچہ مجسٹریٹ نے وعدہ کر لیا ہے کہ وہ اس مقدمہ میں کوئی نہ کوئی سزا ضرور دے دے گا۔ اس لیے ہمیں ابھی سے اس کا فکر کرنا چاہیے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اُس وقت لیٹے ہوئے تھے۔ جب انہوں نے یہ بات کہی تو آپ جوش سے اُٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا خواجہ صاحب! **خدا تعالیٰ کے شیر پر کون ہاتھ ڈال سکتا ہے؟ میں خدا تعالیٰ کا شیر ہوں۔ وہ مجھ پر ہاتھ ڈال کر تو دیکھے**۔ آخر اُس نے جرمانہ کیا جو نواب محمد علی خان صاحب نے اُسی وقت ادا کر دیا اور بعد میں اپیل کرنے پر واپس ہو گیا۔ مگر اس کی سزا خدا تعالیٰ نے اُسے یہ دی کہ اُس کا بیٹا جو گورنمنٹ کالج لاہور میں پڑھتا تھا راوی میں تیرتا ہوا ڈوب گیا اور وہ اِس غم میں نیم پاگل ہو گیا۔ میں ایک دفعہ دہلی جا رہا تھا کہ لدھیانہ کے اسٹیشن پر وہ مجھے ملا اور بڑے الحاح سے کہنے لگا کہ دُعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے صبر کی توفیق دے مجھ سے بڑی غلطیاں ہوئی ہیں اور میری حالت ایسی ہے کہ میں ڈرتا ہوں کہ میں کہیں پاگل ہی نہ ہو جاؤں۔ اب یا تو اُس نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو

جرمانہ کیا تھا اور یا آپ کے بیٹے کے پاس وہ آیا اور اُس نے کہا کہ میرے لیے دُعا کریں ورنہ میں پاگل ہو جاؤں گا۔ غرض اللہ تعالیٰ جب مدد کرنے پر آتا ہے تو کوئی طاقت اس کی مدد کو روک نہیں سکتی۔ پس مومن کو ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنی چاہیے اور اس سے دُعائیں کرنی چاہییں۔ جو شخص اللہ تعالیٰ پر سچا توکّل رکھتا ہے اسے نہ کوئی آسمان میں ضرر پہنچا سکتا ہے اور نہ زمین میں بلکہ خدا تعالیٰ کے فرشتے اُس کی حفاظت کرتے ہیں۔

مجھے یاد ہے جب پادری مارٹن کلارک نے مقدمہ کیا تو میں نے بھی دُعا کی۔ ایک رات میں نے رؤیا میں دیکھا کہ میں باہر سے آ رہا ہوں اور اُس گلی میں سے جو مرزا سلطان احمد صاحب مرحوم کے مکانات کے نیچے ہے اپنے مکان میں داخل ہونے کی کوشش کرتا ہوں۔ وہاں مجھے بہت سے سپاہی کھڑے دکھائی دیئے جنہوں نے مجھے اندر جانے سے روکا مگر پھر کسی نے کہا کہ یہ گھر کا ہی آدمی ہے اسے اندر جانے دو۔ چنانچہ میں اندر چلا گیا۔ جب میں ڈیوڑھی میں داخل ہو کر اندر جانے لگا تو وہاں ایک تہہ خانہ ہوا کرتا تھا۔ میں نے دیکھا کہ پولیس والوں نے وہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو کھڑا کیا ہوا ہے اور انہوں نے آپ کے اردگرد اوپلوں کا ڈھیر لگا رکھا ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ ان اوپلوں کو آگ لگا دیں۔ میں یہ نظارہ دیکھ کر سخت گھبرایا مگر اسی دوران میں اچانک میری نظر اوپر اُٹھی تو میں نے دیکھا کہ دروازہ کے اوپر نہایت موٹے اور خوبصورت حروف میں یہ لکھا ہوا ہے کہ "**جو خدا کے پیارے بندے ہوتے ہیں اُن کو کون جلا سکتا ہے**"۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق بھی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب انہیں آگ میں ڈالا گیا تو ہم نے کہا یٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ[4] یعنی اے آگ! ابراہیم ہمارا بندہ ہے تُو اس کے لیے ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی کا موجب بن جا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایسا فضل کیا کہ اُس وقت بارش برسی اور آگ بُجھ گئی اور اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بچا لیا۔ اور پھر یہ آگ اُن کے لیے اِس طرح بھی ٹھنڈک اور سلامتی کا موجب بنی کہ اِس نشان کو دیکھ کر آپ پر کئی لوگ ایمان لے آئے اور مخالفوں کو بھی ہدایت نصیب ہو گئی۔

پس مخالفتوں کی پروا نہ کرو اللہ تعالیٰ پر ہمیشہ توکّل رکھو اور اُس سے اپنی کامیابی کے لیے دُعائیں مانگتے رہو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو اللہ تعالیٰ کا فضل تمہارے شاملِ حال رہے گا اور وہ تمہیں ہر میدان میں کامیابی عطا فرمائے گا"۔ (الفضل 5 ستمبر 1958ء)

1 :الاحزاب:48،49

2 :المائدة:57

3 : بخاری کتاب الجهاد باب مَنْ عَلَّقَ سَيْفَهُ بِالشَّجَرِ (الخ)

4 :الانبياء:70

23

دلائل کے ساتھ اسلام کو دنیا پر غالب کرنا وہ عظیم الشان کام ہے جو اللہ تعالیٰ نے اِس زمانہ میں ہمارے سپرد کیا ہے

اس کام کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھو اور اس کے لیے صحیح کوشش اور جدوجہد کرتے چلے جاؤ

(فرمودہ 22 اگست 1958ء)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

"اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں مومنوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ [1] یعنی ابھی تمہاری کمزوری کو دیکھ کر خدا تعالیٰ نے یہ فیصلہ فرمایا ہے کہ اگر تم میں سو ثابت قدم رہنے والے مومن ہوں تو وہ دو سو کافروں پر غالب آجائیں گے۔ اور اگر ایک ہزار ثابت قدم رہنے والے مومن ہوں تو وہ دو ہزار کافروں پر غالب آجائیں گے۔ جب کمزوری دور ہو جائے گی تو پھر کیا ہوگا اور کس نسبت سے مسلمانوں کو یہ غلبہ میسر آئے گا؟ اِس کا علم ہمیں صحابہؓ کے عمل سے ہوتا ہے۔ صحابہؓ نے بعض دفعہ سو سو گنا دشمن سے بھی مقابلہ کیا

ہے۔ بلکہ بعض دفعہ تو ایک ایک ہزار گنا دشمن سے بھی ان کا مقابلہ ہوا ہے اور وہ غالب آئے ہیں۔ اِس اصول کو مدّنظر رکھتے ہوئے دیکھا جائے تو ہماری جماعت اِس وقت دس لاکھ ہے۔ اگر ہمارا ایک آدمی دوسروں کے سو آدمیوں پر بھاری ہو تو موجودہ تعداد کے لحاظ سے دس کروڑ پر ہم دلائل کی جنگ میں فتح حاصل کر سکتے ہیں حالانکہ پاکستان کی کُل آبادی آٹھ کروڑ ہے۔ اور اگر ایک اور ہزار کی نسبت ملحوظ رکھی جائے تو ہمارا دس لاکھ ایک ارب پر غالب آ سکتا ہے۔ دنیا میں عام اصول یہ ہے کہ اگر کسی منظّم جماعت کی تعداد ملک میں ایک فیصدی تک پہنچ جائے تو وہ دوسروں پر غالب آ جاتی ہے۔ لیکن میں سمجھتا ہوں اگر ہم اس سے نصف بھی ہو جائیں اور ہمارے اندر سچا ایمان ہو تب بھی ہم دنیا پر اپنے دلائل کے زور سے غالب آ سکتے ہیں۔

اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ ہمارا مقابلہ چونکہ تلوار سے نہیں بلکہ دلائل سے ہے اس لیے ہمارا کام نسبتاً مشکل ہے کیونکہ دل کا صاف کرنا گردن اُڑانے سے مشکل ہوتا ہے لیکن اگر خدا تعالیٰ چاہے اور کسی وقت ہم ایک کروڑ ہو جائیں تو پھر ہمارے ایک آدمی کا صرف دو سو سے مقابلہ رہ جائے گا حالانکہ صحابہؓ نے ہزار ہزار کا بھی مقابلہ کیا ہے۔ پس ہماری جماعت کو ہمیشہ اپنا روحانی مقصد اپنے سامنے رکھنا چاہیے اور اس کے لیے صحیح کوشش اور جدوجہد کرتے رہنا چاہیے۔ بیشک اِس راستہ میں مشکلات بھی آتی ہیں لیکن مومن مشکلات سے گھبراتا نہیں بلکہ اُن کو دیکھ کر وہ اللہ تعالیٰ کے حضور پہلے سے بھی زیادہ جھک جاتا ہے۔ قرآن کریم میں ذکر آتا ہے کہ غزوہ احزاب کے موقع پر جب سارا عرب متّحد ہو کر اسلام پر حملہ آور ہوا تو منافقوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ خدا اور اس کے رسول نے مسلمانوں کی کامیابی کے بالکل جھوٹے وعدے کیے تھے 2 لیکن مومنوں نے جب ان لشکروں کو دیکھا تو اُن کے ایمان اَور بھی بڑھ گئے اور انہوں نے کہا ان ابتلاؤں کی تو ہمیں خدا تعالیٰ نے پہلے سے خبریں دی ہوئی تھیں۔ 3 پس ہمارے لیے ان میں گھبراہٹ کی کونسی بات ہے؟ تو مومن مشکلات سے گھبراتا نہیں بلکہ مشکلات کو دیکھ کر اُس کا ایمان اَور بھی بڑھ جاتا ہے۔ جس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے متعلق قرآن کریم میں یہ خبریں دی گئی تھیں کہ اس میں مومنوں پر بڑے بڑے ابتلا آئیں گے۔ 4 اِسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ یَاْتِیْ عَلَیْکَ زَمَنٌ کَمَثَلِ زَمَنِ مُوْسٰی 5 یعنی جس طرح موسیٰ کی قوم کو فرعون کے لشکر نے گھیر لیا تھا اُسی طرح تیری

جماعت پر بھی موسیٰ کے زمانہ کی طرح ایک دور آنے والا ہے۔ پس دشمن اگر کسی وقت اپنے حملہ سے خوش بھی ہو تو مومن کا ایمان پھر بھی بڑھ جاتا ہے کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ ان ابتلاؤں کی خدا تعالیٰ نے پہلے سے خبر دی ہوئی تھی۔

1953ء میں جب فسادات ہوئے تو ایک گاؤں کا محاصرہ کر کے احمدیوں کا پانی بند کر دیا گیا۔ اُس وقت ایک عورت نے بڑی ہمت دکھائی اور اس نے کہا کہ میں ربوہ جاتی ہوں اور وہاں جا کر یہ خبر پہنچاتی ہوں۔ چنانچہ وہ ربوہ آئی اور اس نے ہمیں حالات سے اطلاع دی۔ اتفاقاً اُن دنوں کچھ دوست باہر سے ربوہ آئے ہوئے تھے۔ میں نے اُن کو کار میں اُس کے گاؤں بھجوایا اور وہ پانی کھول کر آئے۔ اب دیکھو اس عورت کے اندر کتنا ایمان پایا جاتا تھا کہ جہاں مرد ڈر گئے وہاں وہ اکیلی عورت تمام خطرات میں سے گزرتے ہوئے ربوہ پہنچی اور اُس نے ہمیں حالات سے اطلاع دی۔ تو بعض دفعہ یہ کمزور جنس بھی ایسا اعلیٰ نمونہ دکھاتی ہے کہ مردوں کو شرمانا پڑتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں ایک میراثن تھی جس کے لڑکے کو سِل ہو گئی اور وہ علاج کے لیے اُسے قادیان لے آئی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس لڑکے کو علاج کے لیے حضرت خلیفہ اوّل کے سپرد کر دیا۔ وہ لڑکا عیسائی ہو چکا تھا جس کا اُس کی ماں کو بڑا صدمہ تھا۔ وہ بار بار حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پاس آتی اور کہتی کہ خدا نے آپ کو مسیح موعود بنایا ہے آپ میرے بیٹے کے سر سے جادو اُتار دیں اور اُسے مسلمان بنائیں۔ یہ میرا اکلوتا بیٹا ہے مگر مجھے اس کی زندگی کی اتنی خوشی نہیں۔ میرا دل چاہتا ہے کہ یہ کلمہ پڑھ کر مرے۔ وہ لڑکا بڑا پکا عیسائی تھا۔ ایک رات جب اُس نے دیکھا کہ پہرہ کمزور ہے تو بیماری کے باوجود وہ اُٹھ بھاگا اور بٹالہ کی طرف چل پڑا جہاں عیسائیوں کا مشن تھا۔ کچھ دیر کے بعد اُس کی ماں کی آنکھ کھلی اور اُس نے دیکھا کہ چارپائی خالی پڑی ہے تو وہ سمجھ گئی کہ میرا لڑکا بھاگ گیا ہے۔ وہ بھی اُس کے پیچھے دوڑ پڑی اور دس میل پر جا کر اس نے اپنے بیٹے کو پکڑ لیا اور پھر وہ اُسے قادیان واپس لائی۔ جب صبح ہوئی تو مجھے یاد ہے وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قدموں میں گر گئی اور روتے ہوئے کہنے لگی کہ خدا کے لیے آپ اسے ایک دفعہ کلمہ پڑھا دیں۔ پھر بیشک وہ مر جائے مجھے اس کی پروا نہیں۔ میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ وہ کلمہ پڑھ کر مرے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے فضل کیا اور وہ عیسائیت سے تائب ہو کر مسلمان ہو گیا اور پھر چند دنوں کے بعد مر گیا تو عورتوں میں بھی بعض دفعہ اتنا اخلاص ہوتا ہے کہ

مردوں میں بھی نہیں ہوتا۔

کل ہی ایک شخص کے متعلق جو سندھ میں میری زمینوں پر کام کرتا ہے ایک شخص نے اطلاع کی کہ 1953ء کے فسادات میں اُس نے احمدیت سے توبہ کر لی تھی اور وہ سلسلہ کو گالیاں دینے لگ گیا تھا۔ حالانکہ یہ شخص بھی ضلع سیالکوٹ کا رہنے والا ہے اور وہ عورت بھی ضلع سیالکوٹ کی ہی تھی جو خطرناک مخالفت کی پروانہ کرتے ہوئے ربوہ پہنچی اور اُس نے مجھے حالات سے اطلاع دی۔ جیسا کہ میں نے بتایا ہے اُس وقت کچھ دوست باہر سے آئے ہوئے تھے جن کو کار دے کر میں نے اُس کے گاؤں بھجوایا اور گاؤں والوں نے پانی وغیرہ دینا شروع کر دیا۔

حافظ آباد میں بھی ایک احمدی کے گھر پر لوگ حملہ کرنے کے لیے جمع ہوئے تو ایک بارہ برس کے لڑکے نے اپنے باپ کی بندوق پکڑ لی اور ہوا میں فائر کر دیا۔ اِس پر وہ سارے کے سارے بھاگ گئے اور انہوں نے یہ بھی نہ سوچا کہ یہ تو بارہ سال کا لڑکا ہے جسے ہم مار بھی سکتے ہیں۔ اس سے ڈرنے کے کیا معنے ہیں۔ لیکن صحابہؓ کو دیکھو تو ہمیں معلوم ہوگا کہ وہ مرتے جاتے تھے مگر ایک قدم بھی پیچھے نہیں ہٹتے تھے بلکہ جوں جوں مشکلات آتیں اُن کا اخلاص اَور بھی ترقی کرتا چلا جاتا تھا۔ اور یہی کیفیت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ میں بھی پائی جاتی تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی میں جو آخری جلسہ سالانہ ہوا اُس میں سات سو آدمی شامل ہوا تھا۔ اب تو ربوہ کی آبادی بھی بارہ ہزار ہے مگر اُن سات سو افراد کو دیکھ کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرمانے لگے کہ معلوم ہوتا ہے جس کام کے لیے خدا تعالیٰ نے ہمیں بھیجا تھا وہ پورا ہو گیا ہے۔ اُس جلسہ پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام سیر کے لیے باہر تشریف لے گئے تو ہجوم کی وجہ سے آپ کو بار بار ٹھوکر لگتی اور چھڑی آپ کے ہاتھ سے گر جاتی۔ پھر آپ اُٹھاتے تو تھوڑی دیر کے بعد کسی اَور کی ٹھوکر سے چھڑی گر جاتی۔ اس ہجوم میں ایک شخص آگے بڑھا اور اُس نے چاہا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قریب پہنچ جائے مگر دوسروں نے دھکّا دے کر اُسے پیچھے ہٹا دیا۔ اُسے دیکھ کر ایک پرانا احمدی بڑے جوش سے کہنے لگا تجھے دھکّوں کی کوئی پروا نہیں کرنی چاہیے تھی چاہے تیرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے پھر بھی تیرا کام یہی تھا کہ تُو آگے بڑھتا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے مصافحہ کر کے آتا۔ یہ مبارک وقت پھر کب نصیب ہونا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کے لیے قُربانی کرنا ایک بڑا انعام ہوتا ہے ڈرنے اور گھبرانے کی بات

نہیں ہوتی۔

پس ہماری جماعت کو اس عظیم الشان کام کی تکمیل کے لیے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے سپرد کیا گیا ہے ہمیشہ کوشش کرتے رہنا چاہیے۔ اِس وقت دنیا کی آبادی سوا دو اَرب ہے لیکن ممکن ہے اس کام کی تکمیل تک یہ آبادی تین چار اَرب ہو جائے اور ہمارا کام اَور بھی بڑھ جائے۔ بہرحال جماعت کی تعداد کو ترقی دینے کی کوشش کرنی چاہیے تا کہ ہماری نسبتِ مقابلہ کم ہوتی چلی جائے۔ اگر ہم جلدی ہی دس کروڑ تک پہنچ جائیں تو پھر بھی دس اَرب تک ہمارے ایک ایک آدمی کو سو سو کا مقابلہ کرنا پڑے گا۔ پس ہمیں بہت جلد ساری دنیا کو مسلمان بنانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ آخر جتنے لوگ اِس وقت اسلام سے باہر ہیں یہ سب کے سب ہمارے اپنے بچے یا بھائی ہیں۔ اگر وہ ہم سے عمر میں چھوٹے ہیں تو ہمارے بچے ہیں اور اگر برابر ہیں تو ہمارے بھائی ہیں۔ پس اُن کو نیکی کی تلقین کرنا اور انہیں اسلام سے روشناس کرنا ہمارے فرائض میں شامل ہے کیونکہ یہ کام اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کیا تھا اور ہم نے یہ دعوٰی کیا ہے کہ ہم آپ کے کام کو پورا کریں گے۔ پس جب تک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام دنیا کے کونے کونے میں نہیں پہنچ جاتا اور ایک ایک شخص کو ہم اسلام میں داخل نہیں کر لیتے ہم اپنے فرض سے عہدہ برا نہیں ہو سکتے۔ اس کے لیے ہمیں اپنی جان، عزّت، آبرو سب کچھ لگا دینی چاہیے۔ لیکن اگر ہم ایسا کر لیں تب بھی یہ کام ایک نسل سے پورا نہیں ہو سکتا۔ اِسی لیے اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے متعلق فرماتا ہے کہ كَانَ يَأْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ [6] وہ اپنے بیوی بچوں اور رشتہ داروں کو بھی نماز اور زکوٰۃ کی تاکید کیا کرتے تھے تا ہمیشہ کے لیے خدائے واحد کی عبادت قائم رہے اور ہمیشہ کے لیے زکوٰۃ کا سلسلہ جاری رہے اور ایک نسل میں ہی یہ کام محدود ہو کر نہ رہ جائے۔ اسی طرح ہر احمدی کو یہ فیصلہ کر لینا چاہیے کہ میں خود بھی تبلیغِ اسلام کروں گا اور اپنے بیوی بچوں اور رشتہ داروں کو بھی تبلیغِ اسلام کی تلقین کرتا چلا جاؤں گا تا کہ قیامت تک یہ سلسلہ جاری رہے۔ اور اگر قیامت تک اِس سلسلہ کو جاری رکھا جائے تو صاف بات ہے کہ پھر دنیا میں مسلمان ہی مسلمان رہ جاتے ہیں"۔

(الفضل 10 ستمبر 1958ء)

1: الانفال: 67

2: وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا (الاحزاب:21)

3: وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۡ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا (الاحزاب:23)

4: وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ۭ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۙ (البقرة:156)

5: تذکرہ صفحہ 446۔ایڈیشن چہارم

6: مریم:56

24

سینما اور گانا بجانا شیطان کے ہتھیار ہیں جن سے وہ لوگوں کو ورغلاتا ہے

تاریخ بتاتی ہے کہ اکثر مسلمان حکومتیں محض گانے بجانے کے شوق کی وجہ سے ہی تباہ و برباد ہوئیں

(فرمودہ 29 اگست 1958ء)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور نے قرآن کریم کی درج ذیل آیت کی تلاوت فرمائی:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ۔1

اس کے بعد فرمایا:

"اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں مومنوں کو ہدایت دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ اے مومنو! تم شیطان کے قدموں کے پیچھے مت چلو اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ گانا بجانا اور باجے وغیرہ یہ سب شیطان کے ذرائع ہیں جن سے وہ لوگوں کو بہکاتا ہے۔2 پس عیاشی کے تمام سامان اور باجے اور گانا بجانا شیطان کے ہتھیار ہیں جن سے وہ لوگوں کو ورغلایا کرتا ہے۔ اسی لیے میں نے جماعت کو ہدایت کی تھی کہ سینما نہ دیکھا کرو کیونکہ اس میں بھی گانا بجانا ہوتا ہے۔ پہلے یہ چیز تھیئٹر میں ہوا کرتی

تھیں لیکن جب سے ٹاکی نکل آئی ہے سینما میں بھی یہ چیزیں آ گئی ہیں بلکہ اس سے زیادہ بڑے پیمانہ پر آئی ہیں کیونکہ تھیئٹر کا صرف ایک شو ہوتا تھا جس میں بڑے بڑے ماہرین کو بلانا بہت بڑے اخراجات کا متقاضی ہوتا تھا جس کو وہ برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ اور پھر ایک شو صرف ایک ہی جگہ دکھایا جا سکتا تھا مگر اَب ایک شو سے ہزاروں فلمیں تیار کر کے سارے ملک میں پھیلا دی جاتی ہیں اور بڑے بڑے ماہرفن گویوں کو بلایا جاتا ہے۔ اِس لیے تھیئٹر سے سینما کا ضرر بہت زیادہ ہوتا ہے۔

چند دن ہوئے مجھے ملتان سے ایک دوست کا خط آیا ہے کہ احمدی نوجوانوں میں سینما دیکھنے کا رواج پھر بڑھتا چلا جاتا ہے اس لیے ضرورت ہے کہ اس کی روک تھام کی جائے۔ مجھے تعجب آتا ہے کہ یہ نوجوان اتنے جاہل کیوں ہو گئے کہ انہیں اپنی تاریخ کا بھی پتا نہیں۔ اگر وہ پڑھے لکھے ہوتے اور انہیں تاریخ سے ذرا بھی واقفیت ہوتی تو انہیں معلوم ہوتا کہ بغداد بھی گانے بجانے سے تباہ ہوا ہے۔ جب ہلاکوخان نے بغداد پر حملہ کیا تو بادشاہ کی اُس وقت یہی آواز آتی تھی کہ گانے والیوں کو بلاؤ، گانے والیوں کو بلاؤ، بغداد پر کوئی حملہ نہیں کر سکتا۔ جو حملہ کرے گا وہ خود تباہ ہو جائے گا۔ لیکن جب اُس سے کچھ نہ ہو سکا تو ہلاکو نے اپنا ایک آدمی اُس کے پاس بھجوایا اور کہا کہ مجھے آ کر ملو۔ مستعصم باللہ جو بغداد کا آخری بادشاہ تھا وہ ہلاکو کے اس پیغام پر اسے ملنے کے لیے گیا۔ ہلاکوخان نے اُس کے پہنچتے ہی حکم دے دیا کہ اسے قتل کر دیا جائے۔ پھر اُس نے اس کے ولی عہد کو مار ڈالا اور اس کے بعد بغداد پر حملہ کر کے اٹھارہ لاکھ آدمی ایک دن میں قتل کر دیئے اور شاہی خاندان کے جو افراد وہاں تھے اُس میں سے کوئی ایک فرد بھی نہ چھوڑا سب کو ہلاک کر دیا تاکہ آئندہ تخت کا کوئی دعویدار کھڑا نہ ہو۔ غرض خلافت عباسیہ تباہ ہوئی تو گانے بجانے کی وجہ سے۔ اِسی طرح مغل تباہ ہوئے تو گانے بجانے کی وجہ سے، محمد شاہ رنگیلے کو ''رنگیلا'' کیوں کہا جاتا ہے؟ اِسی لیے کہ وہ گانے بجانے کا بہت شوقین تھا۔ بہادر شاہ جو ہندوستان کا آخری مغل بادشاہ تھا وہ بھی اِسی گانے بجانے کی وجہ سے تباہ ہوا۔ انگریزوں کی فوجیں کلکتہ سے بڑھ رہی تھیں، الٰہ آباد سے بڑھ رہی تھیں، کان پور سے بڑھ رہی تھیں، میرٹھ سے بڑھ رہی تھیں، سہارنپور سے بڑھ رہی تھیں اور بادشاہ کے حضور گانا بجانا ہو رہا تھا۔ آخر انہوں نے اس کے بارہ بیٹوں کے سر کاٹ کر اور خوان میں لگا کر اُس کی طرف بھیجے کہ یہ آپ کا تحفہ ہے۔ کسی کا ایک بیٹا مر جاتا ہے تو وہ رو رو کر آسمان سر پر اُٹھا لیتا ہے مگر بہادر شاہ کے بارہ بیٹوں کے سر کاٹ کر اُس کی طرف بھیجے

گئے۔ اُس نے درخواست دی تھی کہ میرا وظیفہ بڑھایا جائے۔ انگریزوں نے اس کے بارہ بیٹوں کے سر کاٹ کر اور خوان میں لگا کر اس کی طرف بھیج دیئے اور ساتھ ہی کہلا بھیجا کہ یہ آپ کا بڑھا ہوا وظیفہ ہے۔

غرض تمام تباہی جو مسلمانوں پر آئی زیادہ تر گانے بجانے کی وجہ سے ہی آئی ہے۔ اندلس کی حکومت گانے بجانے کی وجہ سے تباہ ہوئی، مصر کی حکومت گانے بجانے کی وجہ سے تباہ ہوئی۔ مصر پر صلاح الدین ایوبی نے حملہ کیا تو فاطمی بادشاہ اُس وقت گانے بجانے میں ہی مشغول تھا۔

خدا نے مسلمانوں کو معزز بنایا تھا مگر نہ معلوم وہ میراثی کب سے بن گئے؟ ہر ایک کو شوق ہے کہ میراثی بن جاؤں حالانکہ ان میں سے کوئی مغل ہے، کوئی پٹھان ہے، کوئی سید ہے اور کوئی کسی اَور معزّز قوم سے تعلق رکھتا ہے۔ اگر تمہیں میراثی بننے کا ہی شوق تھا تو تمہیں چاہیے تھا کہ تم میراثیوں کے گھروں میں پیدا ہو جاتے مگر ایک طرف تو یہ کیفیت ہے کہ ہر شخص کو میراثی بننے کا شوق ہے اور دوسری طرف یہ حالت ہے کہ ذرا کسی سے کہہ دو کہ فلاں میراثی کی لڑکی سے شادی کر لو تو وہ لڑنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے کہ کیا تم مجھے میراثی سمجھتے ہو؟ مگر بازار میں سے گزرتے ہوئے وہ وہی سُریں لگاتا ہے جو میراثی لگایا کرتے ہیں اُس کا بیٹا بھی وہی سُریں لگاتا ہے جو میراثی لگایا کرتے ہیں۔ اور اِس کی وہ کوئی پروا نہیں کرتا۔ غرض وہ آپ میراثی بنتا ہے، اُس کے بچے میراثی بنتے ہیں، اُس کی بیوی میراثن بنتی ہے لیکن اگر کہا جائے کہ فلاں میراثی کا رشتہ لے لو تو وہ بُرا مناتا ہے۔ گویا اپنی بیوی کو میراثن بنانے میں تو وہ کوئی حرج نہیں سمجھتا، اپنے بچوں کو میراثی بنانے میں وہ کوئی حرج نہیں سمجھتا، اِسی طرح آپ میراثی بننے میں وہ کوئی حرج نہیں سمجھتا لیکن میراثی کو لڑکی دینے یا اُس کی لڑکی لے لینے میں بڑی ذلّت محسوس کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس کے متعلق بڑا بھاری سبق دیا تھا مگر افسوس ہے کہ انہوں نے پھر بھی نصیحت حاصل نہ کی۔ دلّی کی تباہی اِس کی وجہ سے ہوئی، بغداد کی تباہی اس کی وجہ سے ہوئی، مصر کی تباہی اِس کی وجہ سے ہوئی، اندلس کی تباہی اس کی وجہ سے ہوئی اور یا تو وہ سارا ملک مسلمانوں کا تھا اور یا آج ایک ہی مسجد جو وہاں باقی ہے عیسائی اُس کو بھی گرانے کی فکر میں ہیں۔ غرض مسلمانوں پر انتہا درجہ کا ظلم ہوا مگر اب بھی انہیں یہی شوق ہے کہ سینما دیکھیں اور گانا بجانا سنیں۔ وہ ایک دوسرے سے کہیں گے

کہ بڑا اچھا سینما آ گیا ہے۔ جس کے دوسرے لفظوں میں یہ معنے ہوتے ہیں کہ بڑا اچھا میراثی آ گیا ہے۔ غرض مسلمان برابر عیش و طرب میں بڑھتے چلے جاتے ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی خدا تعالیٰ نے اِس بات سے ڈرایا تھا اور فرمایا تھا کہ یَاْتِیْ عَلَیْکَ زَمَنٌ کَمَثَلِ زَمَنِ مُوْسٰی 3 یعنی تجھ پر بھی ویسا ہی زمانہ آنے والا ہے جیسے موسیٰؑ پر آیا تھا۔ عام طور پر اِس کے یہ معنے سمجھے جاتے ہیں کہ جس طرح موسوی قوم کو فرعونی مظالم کا مقابلہ کرنا پڑا اُسی طرح جماعت احمدیہ کو بھی مختلف ابتلاؤں میں سے گزرنا پڑے گا۔ لیکن ایک اَور بات جس کی طرف اس الہام میں اشارہ کیا گیا ہے یہ ہے کہ یہودی مرد اور یہودی عورتیں ناچنے گانے میں بڑی مشہور ہیں۔ پس اِس الہام میں اِس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ تیری قوم پر بھی ایک ایسا ہی زمانہ آنے والا ہے یعنی وہ بھی اپنے اصل فرض کو بھول کر گانے بجانے کی طرف توجہ کریں گی۔

میں تو سمجھتا ہوں کہ اگر تاریخ کی گواہی سے بھی کسی قوم کو ہوش نہیں آتا اور وہ اسی راستہ پر قدم مارتی جاتی ہے جس پر چل کر پہلے لوگ ہلاک ہوئے تو اس قوم کا مرجانا اس کی زندگی سے بہتر ہوتا ہے۔ میرے نزدیک ملتان کے سیکرٹری کو جس نے یہ چٹھی لکھی ہے مجھے کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اُسے چاہیے تھا کہ ساری جماعت کے سامنے مسجد میں اس نوجوان کو کھڑا کرتا اور اُسے کہتا کہ وہ سب لوگوں کے سامنے یہ الفاظ کہے کہ میں اپنے اس فعل سے ساری جماعت کو تباہ کردوں گا، میں احمدیت کو مٹادوں گا کیونکہ جو کام میں کر رہا ہوں اس سے میں بھی مٹوں گا اور احمدیت بھی مٹے گی۔ میں سمجھتا ہوں کہ ایک خبیث سے خبیث منافق بھی یہ الفاظ کہنے کی جرأت نہیں کرے گا۔ صرف یہی ہوسکتا ہے کہ وہ جماعت سے اپنی علیحدگی کا اعلان کردے۔ لیکن ایسا شخص جماعت سے جتنی جلدی نکل جائے اُتنا ہی اچھا ہے اور اُس کے نکلنے سے ہمیں کوئی نقصان نہیں ہوگا بلکہ ہماری ترقی ہی ہوگی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اِسی غلطی میں مبتلا رہے کہ میں اپنے ہاتھ سے مسلمانوں کو کس طرح سزا دوں حالانکہ سوال یہ ہے کہ جب مسلمان دوسرے مسلمانوں کو مارنے کے لیے کھڑے ہو جائیں تو وہ مسلمان ہی کب رہتے ہیں کہ اُن کو سزا دینے میں ہچکچاہٹ محسوس کی جائے۔ میں تو سمجھتا ہوں اگر حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں مروان کو مروا دیا جاتا اور عبداللہ بن سبا کو مروا دیا جاتا تو یہ فتنہ ہی دب جاتا۔ مروان یوں خبیث الفطرت آدمی نہیں تھا لیکن جب اُس کی وجہ سے دوسرے مسلمان مارے جارہے

تھے تو اگر اُس کی گردن اُڑا دی جاتی تو اِس میں کیا حرج تھا۔ اِسی طرح عبداللہ بن سبا سارے کوفہ اور مصر اور بصرہ میں فساد برپا کر رہا تھا مگر اُس کی گردن نہیں اُڑائی گئی۔ گردن اُڑائی گئی تو حضرت عثمانؓ کی اُڑائی گئی جو خدا تعالیٰ کے خلیفہ تھے۔ اگر مروان اور عبداللہ بن سبا کی گردنیں اُڑا دی جاتیں تو نہ حضرت علیؓ کا واقعہ ہوتا اور نہ امام حسینؓ کی شہادت ہوتی۔

پس ایسے لوگ اگر الگ ہو جائیں گے تو ہمارے لیے اس میں کوئی حرج نہیں۔ پہلے لوگوں نے اس وجہ سے نقصان اٹھایا کہ انہوں نے مجرموں کو سزائیں نہ دیں اور یہ خیال کر لیا کہ مسلمانوں میں فساد نہ ہو۔ حالانکہ سزا دینا فساد پیدا کرنا نہیں بلکہ فساد کو مٹانے کا ایک ذریعہ ہے۔ پھر باقی جماعت کا بھی کام ہے کہ وہ ایسے مواقع پر متحد ہو جایا کرے اور کسی کو فساد پھیلانے نہ دے۔ اصل میں سارے کام جماعت کے ہوتے ہیں اکیلا آدمی کوئی کام نہیں کر سکتا۔ اگر حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں تمام مدینہ والے فتنہ پھیلانے والوں کے مقابلہ میں کھڑے ہو جاتے تو کسی کی جرأت نہیں تھی کہ وہ حضرت عثمانؓ پر حملہ کر سکتا۔ انہیں یہ جرأت اسی لیے ہوئی کہ انہوں نے دیکھا کہ حضرت عثمانؓ اُس وقت اکیلے ہیں اور کوئی اُن کی مدد نہیں کر رہا۔ لوگ یہ تو بحثیں کرتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کا کیا قصور تھا کہ اُن کے زمانہ میں یہ فسادات ہوئے؟ مگر یہ کبھی بحث نہیں کرتے کہ مصر کے مسلمانوں کا کیا قصور تھا، کوفہ کے مسلمانوں کا کیا قصور تھا، بصرہ کے مسلمانوں کا کیا قصور تھا، مدینہ کے مسلمانوں کا کیا قصور تھا؟ حالانکہ اصل سوال جس پر بحث ہونی چاہیے وہ یہی ہے۔ اگر اُس وقت سارے کے سارے مسلمان فتنہ پردازوں کے مقابلہ میں کھڑے ہو جاتے تو کیا مروان یا عبداللہ بن سبا کی مجال تھی کہ وہ فتنہ پھیلا سکتے؟ پس اس جھگڑے کا اصل حل یہی ہے کہ یہ ساروں کا قصور تھا۔ اگر وہ سب کے سب مل جاتے تو کسی کو جرأت نہیں ہو سکتی تھی کہ وہ کوئی فتنہ پیدا کر سکتا۔

دیکھ لو حضرت خلیفہ اوّل کی وفات پر مولوی محمد علی صاحب نے ایک بڑا فتنہ کھڑا کیا۔ وہ جماعت میں بڑا اثر اور رسوخ رکھنے والے تھے مگر ہماری جماعت نے اُن کے مقابلہ میں ایسا اتحاد رکھا کہ وہ کچھ بھی نہ کر سکے۔ اور پھر تو ایسی حالت ہو گئی کہ یا تو ایک زمانہ میں انہوں نے یہ کہا تھا کہ اٹھانوے فیصدی جماعت ہمارے ساتھ ہے اور دو فیصدی اِن کے ساتھ اور یا پھر انہوں نے کہا کہ میرے ساتھ تو صرف دو فیصدی جماعت ہے اٹھانوے فیصدی جماعت مرزا محمود احمد کے ساتھ ہے۔

بلکہ واقع یہ ہے کہ اگر غیر مبائعین کی تعداد صحیح طور پر معلوم کی جائے تو وہ دو فیصدی بھی نہیں بنیں گے اِس سے کم ہی ہوں گے۔

ایک دفعہ ایک غیر احمدی رئیس جو راولپنڈی کے رہنے والے ہیں مجھ سے ملنے کے لیے آئے۔ انہیں لوگ عام طور پر احمدی کہتے تھے۔ میں نے اُن سے پوچھا کہ آپ کو لوگ احمدی کہتے ہیں کیا یہ بات ٹھیک ہے؟ وہ کہنے لگے ایک لحاظ سے تو یہ بات ٹھیک ہے لیکن ایک لحاظ سے غلط ہے۔ غلط اِس لحاظ سے ہے کہ میں نے بیعت نہیں کی اور صحیح اِس لحاظ سے ہے کہ میری بیوی غیر مبائعین میں سے ہے اور اُس کی وجہ سے لوگ مجھے بھی احمدی کہہ دیتے ہیں۔ پھر کہنے لگے میں ایک دفعہ مولوی محمد علی صاحب کی بیعت کرنے کے لیے لاہور گیا مگر جب میں ان کے مرکز میں پہنچا تو وہ مجھے بالکل اُجاڑ نظر آیا۔ میں نے کہا ایسی اُجاڑ جگہ میں مَیں نے بیعت کیا کرنی ہے۔ چنانچہ بغیر بیعت کیے میں واپس آ گیا۔ پس اس لحاظ سے کہ میں نے بیعت نہیں کی میں احمدی نہیں لیکن اِس لحاظ سے کہ میری بیوی احمدی ہے اور اس کا مجھ پر اثر ہے میں بھی احمدی ہوں اور احمدی دوستوں کی خدمت کا مجھے ہمیشہ خیال رہتا ہے"۔ (الفضل 14 ستمبر 1958ء)

1: النور: 22

2: ابوداؤد کتاب الجهاد۔ باب فی تعلیق الْاَجْرَاس

3: تذکرہ صفحہ 446۔ ایڈیشن چہارم

25

دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ ہم میں اور ہماری آئندہ نسلوں میں ہمیشہ اعمالِ صالحہ اور نُورِ ایمان کو قائم رکھے

جو لوگ اپنی اولاد کی نیک تربیت سے غافل ہو جاتے ہیں اُن کی نسلیں روحانی لحاظ سے تباہ ہو جاتی ہیں

(فرمودہ 5 ستمبر 1958ء)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''پچھلے سے پچھلے جمعہ بھی گرمی کی شدت تھی اور میں نے شکایت کی تھی کہ گرمی کی وجہ سے طبیعت خراب رہتی ہے مگر پھر اللہ تعالیٰ نے ایسا فضل کیا کہ بارش ہوگئی اور ایسی ٹھنڈک ہوگئی کہ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے ہم کسی اونچے پہاڑ پر رہتے ہیں مگر آج پھر گرمی کی شدت ہے۔ معلوم نہیں کیا وجہ ہے کہ گرمی کم ہونے میں ہی نہیں آتی حالانکہ ستمبر کا وسط آ گیا ہے۔

بہر حال میں آج یہ بات کہنی چاہتا ہوں کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کے اسماء الظَّاهِرُ وَ الْبَاطِنُ بھی آتے ہیں جیسا کہ وہ فرماتا ہے هُوَ الْأَوَّلُ وَالْأٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ۔1 وہ اوّل بھی ہے اور آخر بھی اور ظاہر بھی ہے اور باطن بھی۔ اِس جگہ خدا تعالیٰ کو الظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ

قرار دینے کا وہی مفہوم ہے جو اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ 2 میں بیان کیا گیا ہے۔ یعنی ظاہری طور پر جو خوبیاں اور نیکیاں کسی انسان میں پائی جائیں وہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی آتی ہیں اور باطنی طور پر جو صفائی دل میں پیدا ہوتی ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہی پیدا ہوتی ہے۔ ایک اَور جگہ اللہ تعالیٰ اِسی مضمون کو اِن الفاظ میں بیان فرماتا ہے کہ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ 3 یعنی جان لو کہ اللہ تعالیٰ انسان اور اُس کے دل کے درمیان چکر لگاتا رہتا ہے۔ یعنی انسانی قلب میں کوئی بھی ایسا خیال پیدا نہیں ہوتا جو اللہ تعالیٰ کی نظر سے نہ گزرتا ہو۔ اگر اللہ تعالیٰ انسان کی تائید میں ہو تو شیطانی وساوس اور شبہات اُس کے ایمان کو متذبذب نہیں کر سکتے۔ لیکن اگر خدائی تائید شاملِ حال نہ ہو تو شیطانی وساوس اُس پر اثر ڈال لیتے ہیں۔ گویا بتایا کہ ظاہر میں جس قدر خوبیاں پائی جانی چاہییں وہ بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہی پیدا ہوتی ہیں اور باطنی صفائی بھی اُسی کے فضل سے میسر آتی ہے یہ انسان کے بس کی بات نہیں ہوتی۔

لوگ عموماً سمجھ لیتے ہیں کہ جب ہم اچھے ہیں تو لازماً ہماری اولاد بھی قیامت تک اچھی ہی رہے گی اور اِس وجہ سے وہ اُن کی نیک تربیت اور دینی تعلیم سے غافل ہو جاتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اُن کی آئندہ نسلیں بالکل تباہ ہو جاتی ہیں۔ دنیا میں تمام تباہیاں اور بربادیاں اِسی وجہ سے ہوئی ہیں کہ لوگوں نے یہ خیال کر لیا کہ جب ہم اچھے ہیں تو لازماً ہماری اولاد بھی اچھی رہے گی حالانکہ نہ قومی نیکیاں خدا تعالیٰ کے فضل کے بغیر حاصل ہوتی ہیں اور نہ آئندہ نسلوں کی درستی اُس کے فضل کے بغیر ہوتی ہے۔ اور اگر کسی وقت ہماری جماعت نے بھی اس نکتہ کو فراموش کر دیا تو اسے بھی اُنہی روحانی خطرات کا سامنا کرنا پڑے گا جو پہلی قوموں کو پیش آئے۔ ہماری موجودہ حالت تو ابھی ایسی ہی ہے جیسے کہتے ہیں "کیا پدّی اور کیا پدّی کا شوربا"۔ ابھی تو ہم نے کوئی کام ہی نہیں کیا صرف چند آدمی زندگیاں وقف کر کے غیر ممالک میں گئے ہیں مگر ان کی قربانی صحابہؓ اور حواریوں کی قربانیاں تو الگ رہیں امتِ محمدیہ میں جو بلند مرتبہ صوفیاء گزرے ہیں ان کی قربانیوں کے مقابلہ میں بھی پیش نہیں کی جا سکتیں۔

حضرت معین الدین صاحب چشتیؒ ایران کے علاقہ چشت سے ہندوستان آئے اور اجمیر چلے گئے جہاں کئی سو میل تک ایک مسلمان بھی نہیں تھا اور پھر کسی سے ایک پیسہ لیے بغیر وہیں اپنی ساری عمر گزار دی لیکن ہمارے مبلّغوں کی طرف سے کئی دفعہ چٹھیاں آ جاتی ہیں کہ ہمیں خرچ کم ملتا ہے اسے

بڑھایا جائے۔ بعض لکھتے ہیں کہ اس کم خرچ میں لوگوں پر ہماری شان ظاہر نہیں ہوتی لیکن سوال یہ ہے کہ کیا صرف اِنہی کو اپنی شان دکھانے کی ضرورت ہے؟ حضرت معین الدین چشتیؒ اور دوسرے اولیاء کی کوئی شان نہیں تھی؟ انہوں نے تو غربت اور مسکنت میں ہی اپنی عمر گزار دی مگر ہمارا مبلغ لکھتا ہے کہ ہمیں خرچ کم ملتا ہے اسے بڑھایا جائے۔ حالانکہ اگر غور کیا جائے تو جہاں تک غیر ممالک میں جانے کا سوال ہے ایمبیسی میں کام کرنے والے جتنے آدمی ہیں سب غیر ممالک میں رہتے ہیں صرف اِتنا فرق ہے کہ اُن کو زیادہ تنخواہ ملتی ہے اور ہمارے مبلغ کو کم ملتی ہے۔ ورنہ جہاں تک وطن سے باہر رہنے کا سوال ہے اس میں ہمارا مبلغ اور ایمبیسی میں ملازمت اختیار کرنے والا نوجوان برابر ہوتے ہیں بلکہ ہمارے مبلغوں کو جو گزارہ ملتا ہے اس میں تو کئی غیر احمدی بھی احمدیت کی تبلیغ کرنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ ہر سال مجھے بعض غیر احمدیوں کے ایسے خطوط آ جاتے ہیں کہ ہم اس بات کے لیے تیار ہیں کہ غیر ممالک میں احمدیت کی تبلیغ کریں۔ آپ ہمیں اپنے روپیہ پر باہر بھجوا دیں۔ غرض غیر ممالک میں جانے کے لیے تو لوگ ترستے رہتے ہیں اور ہمارا مبلغ مفت میں یورپ اور امریکہ پہنچ جاتا ہے۔

مجھے یاد ہے کہ جب میں پہلی دفعہ یورپ گیا تو میرے بہنوئی نواب محمد علی خان صاحب کا ایک لڑکا بھی اُن دنوں وہاں گیا ہوا تھا۔ میں نے سنا کہ وہ سلسلہ کے خلاف باتیں کرتا ہے۔ میں نے ایک دوست سے جو اَب بیرسٹر ہیں اور سرگودھا میں کام کرتے ہیں اور اُن دنوں تعلیم کے لیے وہاں گئے ہوئے تھے پوچھا کہ بات کیا ہے اور وہ سلسلہ کے خلاف کیوں باتیں کرتا ہے؟ اُس نے کہا کہ اُسے اِس بات پر غصہ ہے کہ سلسلہ نے نوابوں کو ذلیل کر دیا ہے۔ چنانچہ اس نے ایک مبلغ کا نام لے کر کہا کہ انہوں نے جب اس جیسے ذلیل آدمی کو مبلغ بنا کر بھیج دیا تو اب بتاؤ کہ ہماری کیا عزت رہی؟ وہ اس مبلغ کے متعلق سمجھتا تھا کہ وہ بہت ہی ذلیل آدمی ہے اور خیال کرتا تھا کہ جب انہوں نے فلاں شخص کو جو صرف انٹرنس پاس ہے مبلغ بنا کر بھیج دیا ہے تو اب نواب تو ذلیل ہو گئے ان کی بھلا کیا عزت رہی؟ گویا اسے یہ غصہ تھا کہ اتنے کم تعلیم یافتہ اور معمولی آدمی کو لندن کیوں بھجوا دیا اور یہاں اس ملک میں کسی آدمی کا تبلیغ کے لیے جانا بڑی بھاری قربانی سمجھا جاتا ہے۔ وہاں ایک شخص کو اس لیے ابتلا آ گیا کہ فلاں کو مبلغ بنا کر کیوں بھیجا گیا ہے اور ہمارا مبلغ اِس غلط فہمی کا شکار ہوتا ہے کہ وہ سلسلہ کی خدمت کر کے کوئی قربانی کر رہا ہے حالانکہ بیرونی ممالک میں ہمارے جس قدر مبلغ کام کر رہے ہیں ان سب کو

صرف سلسلہ کی وجہ سے ہی عزت اور شہرت نصیب ہوئی ہے۔

فلسطین میں جو ہمارے مبلغ رہے ہیں ان کو بھی سلسلہ نے ہی تعلیم دلائی تھی اور پھر وہاں جا کر بھی ان کی بڑی عزّت ہوئی۔ جس دن انہوں نے وہاں سے روانہ ہونا تھا اسرائیل کے پریذیڈنٹ نے اپنے سیکرٹری کے ذریعہ انہیں پیغام بھجوایا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ واپس جا رہے ہیں۔ آپ جانے سے پہلے ایک دفعہ مجھ سے ضرور مل لیں۔ چنانچہ وہ ملنے کے لیے گئے اور جب باتیں ہو چکیں تو وہ اپنے کمرہ سے باہر انہیں چھوڑنے کے لیے آیا اور جب انہوں نے مصافحہ کیا تو سرکاری فوٹوگرافر جو اس نے پہلے سے مقرر کیا ہوا تھا اُس نے فوراً دونوں کا فوٹو لے لیا اور پھر سارے شام اور مصر اور امریکہ کے اخباروں میں اسے شائع کرایا گیا اور لکھا گیا کہ اسلامی مبلغ اسرائیل کے پریذیڈنٹ سے مصافحہ کر رہا ہے۔ چودھری ظفر اللہ خان صاحب شام گئے تو وہاں لوگوں نے اُن سے پوچھا کہ کیا آپ اسرائیل سے مل گئے ہیں؟ انہوں نے کہا نہیں۔ وہ کہنے لگے اخباروں میں تو تصویریں چھپی ہیں کہ آپ کا مبلغ اسرائیل کے پریذیڈنٹ سے مصافحہ کر رہا ہے۔ دراصل اس نے چالاکی کی تھی۔ بظاہر تو اس نے ہمارے مبلغ کو ملنے کے لیے بلوایا۔ مگر در پردہ اُس کا مقصد یہ تھا کہ ہم مصافحہ کے وقت ان کا فوٹو لے لیں گے اور تمام ممالک میں یہ پروپیگنڈا کریں گے کہ اسلامی مبلغ اور اسرائیل میں دوستی ہے۔ چنانچہ جب وہ انہیں باہر چھوڑنے آیا اور انہوں نے مصافحہ کیا تو سرکاری فوٹوگرافر نے فوٹو لے لیا اور اسے ہندوستان اور مصر اور شام اور امریکہ میں پھیلایا گیا۔ تو دیکھو ہمارے مبلغ کا کتنا بڑا اعزاز ہوا کہ اسرائیل کا پریذیڈنٹ جو بادشاہ کے طور پر تھا اُس نے خود ملاقات کی خواہش کی اور پھر مصافحہ کے فوٹو اُس نے تمام اخبارات میں شائع کروائے۔

اِسی طرح ایران کا بادشاہ لندن گیا تو اس نے ایک اعلیٰ درجہ کا کمپاس مسجد کے لیے تحفہ کے طور پر بھجوایا۔ ڈاکٹر سکارنو انڈونیشیا کا پریذیڈنٹ ہے مگر اس نے ہمارے مبلّغ کا اتنا اعزاز کیا کہ جب اس نے قرآن کریم کا ترجمہ تحفہ کے طور پر پیش کیا تو ڈاکٹر سکارنو کھڑا ہو گیا۔ اس نے قرآن کریم کو چُوما، اُسے اپنی آنکھوں سے لگایا اور پھر اسے دیکھ کر کہا کہ آپ لوگوں نے اسلام کی بڑی بھاری خدمت کی ہے۔ پھر جب وہ لاہور میں آیا اور گورنر پنجاب کی طرف سے اُس کی دعوت ہوئی تو اُس نے اپنے سیکرٹری سے پوچھا کہ کیا احمدی مبلغ کو بھی بلایا گیا ہے یا نہیں؟ اُس نے کہا نہیں۔ وہ کہنے لگا منتظمین کو

کہہ دیا جائے کہ اُن کو بھی بلایا جائے۔ چنانچہ گورنر کی طرف سے ان کو بھی شمولیت کی دعوت آ گئی۔ اب دیکھو انڈونیشیا کے پریذیڈنٹ نے ہمارے مبلّغ کا کتنا اعزاز کیا کہ ہمارے اپنے گورنر نے تو اسے نظر انداز کر دیا مگر اُس نے کہا کہ جب مجھے بلایا ہے تو پھر ان کو بھی بلایا جائے۔ اب کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ہمارے مبلغ نے دین کی خدمت کر کے کوئی قربانی کی ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ اس نے کوئی قربانی نہیں کی بلکہ خدا نے اس پر یہ احسان کیا کہ اُس نے اسے خدمتِ دین کی توفیق عطا فرمائی۔ جیسے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ اَعراب کو مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ تم نے اسلام قبول کر کے ہم پر کوئی احسان نہیں کیا بلکہ خدا نے تم پر یہ احسان کیا ہے کہ اس نے تمہیں اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔4 اسی طرح انہیں غیر ممالک میں احمدیت کا مبلّغ بنا کر سلسلہ نے ان پر احسان کیا ہے ورنہ ان کی حیثیتیں ہی کیا تھیں کہ وہ کسی غیر ملک میں جا سکتے۔ ان کو تو شاید پاسپورٹ بھی نہ ملتا۔ انہیں اگر پاسپورٹ ملا تو سلسلہ کے طفیل ملا اور اگر وہ غیر ممالک میں گئے تو سلسلہ کے طفیل گئے حالانکہ دوسرے لوگوں کو پاسپورٹ ملنے میں بھی ہزاروں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

امریکن قونصل جنرل جس کی حیثیت ایک وزیر کی ہوتی ہے وہ ایک دفعہ لاہور میں مجھے ملنے کے لیے آیا اور کہنے لگا کہ اگر کوئی ایسی خدمت ہو جس کا میرے ساتھ تعلق ہو تو مجھے بتایا جائے میں اس کے متعلق اپنی پوری کوشش کروں گا۔ میں نے کہا صرف ایک بات ہے اور وہ یہ کہ ہمارے مبلّغوں کو امریکہ کا ویزا (Visa) ملنے میں دقتیں ہوتی ہیں۔ کہنے لگا اصل بات یہ ہے کہ ہمارے ملک میں یہاں سے جتنے لوگ جاتے ہیں سب منگتے یا ہاتھ دیکھنے والے ہوتے ہیں اور اُن کو ہمارا ملک پسند نہیں کرتا۔ ہم مبلّغ صرف عیسائیوں کو سمجھتے ہیں کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ گرجا اُن کی مدد کر رہا ہے باقی جس قدر لوگ ہیں اُن کو ہم فقیر اور ارڑ پوپو 5 سمجھتے ہیں۔ میں نے کہا ہم تو اپنی جماعت کے مبلّغین کو باقاعدہ خرچ بھجواتے ہیں۔ اس لیے ہمارے متعلق اس قسم کا کوئی خیال نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ اُس نے اپنی حکومت کو اِس بارہ میں چٹھی لکھی اور چند دنوں کے بعد اُس کی طرف سے جواب آ گیا جس کی ایک نقل اُس نے مجھے بھی بھجوادی۔ اُس میں حکومتِ امریکہ نے لکھا تھا کہ ہم نے حکم دے دیا ہے کہ احمدی مبلّغوں کے راستہ میں کسی قسم کی روک نہ ڈالی جائے کیونکہ ہمیں اِس بات کا علم ہو چکا ہے کہ جیسے پادریوں کو باقاعدہ گزارے ملتے ہیں اسی طرح احمدی مبلّغین کو بھی ان کا سلسلہ خرچ دیتا ہے۔ چنانچہ اس کے بعد

روک دور ہوگئی اور اب ہر مبلغ کو بڑی آسانی سے پاسپورٹ مل جاتا ہے حالانکہ دوسرے لوگوں کو پاسپورٹ لینے کے لیے بھی بڑی بڑی رقمیں خرچ کرنی پڑتی ہیں۔ چودھری رستم علی صاحب کا ایک بھتیجا یا بھانجا ایک دفعہ (تقسیم سے قبل) بمبئی میں اس جُرم میں پکڑا گیا کہ وہ پاسپورٹ بنوانے کے لیے لوگوں سے پانچ پانچ، چھ چھ سو روپیہ لیتا تھا۔ تو دوسرے لوگوں میں سے بڑی بڑی حیثیتوں والوں کو بھی پاسپورٹ کے ملنے میں کئی قسم کی دقتیں پیش آ جاتی ہیں لیکن ہمارا مبلّغ جو اُن سے بہت کم حیثیت ہوتا ہے اسے صرف جماعت میں شامل ہونے کی وجہ سے آسانی سے پاسپورٹ مل جاتا ہے۔

پاکستان کے ایک سابق وزیر تھے جو اپنی بیوی کے ساتھ یورپ کی سیاحت کے لیے گئے۔ زیورک میں وہ شیخ ناصر احمد صاحب سے بھی ملے اور کہنے لگے کہ اگر میرے لائق کوئی خدمت ہو تو میں اس کے لیے حاضر ہوں۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں ایکسچینج کی دِقتوں کی وجہ سے بہت دیر بعد خرچ ملتا ہے۔ اگر آپ اِس دقّت کو رفع کرا سکیں تو ہمیں آسانی ہو جائے گی۔ اُس کی بیوی نے یہ بات سنی تو وہ اپنے خاوند سے کہنے لگی کہ ان کے متعلق ضرور کوشش کرو۔ اب تو تم اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہو کہ کام صرف یہی لوگ کر رہے ہیں۔ تمہارے ایمبیسیڈر تو صرف گھروں میں بیٹھے رہتے یا سیریں کرتے رہتے ہیں۔ اس نے وعدہ کیا کہ میں پونڈوں کی کمی دور کروانے کی کوشش کروں گا مگر اس کے آتے ہی وزارت بدل گئی اور وہ اپنے وعدہ کو پورا نہ کر سکا۔ مگر خدا تعالیٰ نے بعض اَور آدمی پیدا کر دیئے جنہوں نے پونڈوں کی کمی کے باوجود ہمارے ساتھ نیک سلوک کیا۔ اس کی وجہ سے ہمارے مبلّغوں کو کچھ نہ کچھ خرچ پہنچتا ہی رہتا ہے۔ بہرحال یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ وہ ہمیں قربانی کی توفیق دے رہا ہے مگر سوال یہ ہے کہ صرف اتنی قربانی کرنے پر ہم یہ کس طرح امید کر سکتے ہیں کہ ہزاروں بلکہ لاکھوں سال تک خدا تعالیٰ کا سایہ ہماری جماعت کے سر پر رہے گا۔

صحابہؓ نے جو قربانیاں کیں وہ اپنی ذات میں اتنی بے مثال ہیں کہ آج بھی ان کا تصور کر کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ بلالؓ کے نمونہ کو ہی دیکھ لو۔ کیا آج کوئی ایک بھی احمدی ہے جو بلالؓ جیسا نمونہ دکھا سکے؟ سخت گرمیوں کے موسم میں جب دھوپ خوب چمک رہی ہوتی تھی لوہے کی میخوں والے جُوتے پہن کر مکہ کے لوگ بلالؓ کے سینہ پر چڑھ جاتے، اُس پر ناچتے اور کُودتے اور پھر کہتے کہ کہو خدا کے سوا اَور بھی معبود ہیں مگر وہ یہی کہتے کہ اَللّٰہُ اَحَدٌ اَللّٰہُ اَحَدٌ۔ اللہ ایک ہے۔ اللہ ایک

ہے۔ پھر وہ ان کے پَیروں میں رسیاں باندھ کر کھنگھروں والی گلیوں میں گھسیٹتے جس سے اُن کا تمام بدن پھولئیاں ہوجاتا مگر اِس کے باوجود اُن کی زبان سے یہی الفاظ نکلتے کہ اَللّٰہُ اَحَدٌ اَللّٰہُ اَحَدٌ اللہ اکیلا ہے۔ اللہ اکیلا ہے۔6

ان کی یہ قربانی اللہ تعالیٰ کو ایسی پسند آئی کہ ایک دفعہ جبکہ وہ مدینہ میں اذان دے رہے تھے کچھ نوجوانوں نے ہنسنا شروع کر دیا۔ بلالؓ چونکہ حبشی تھے اس لیے وہ اَشْھَدُ کہنے کی بجائے اَسْھَدُ کہا کرتے تھے۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لے آئے تو آپؐ نے حضرت بلالؓ کو مؤذّن مقرر فرما دیا مگر وہ ہمیشہ اَشْھَدُ کی بجائے اَسْھَدُ کہا کرتے کیونکہ وہ ش کا لفظ ادا نہیں کر سکتے تھے۔ مدینہ کے بچے اور حدیث العہد نوجوان ان کی اذان سنتے تو اَسْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہنے پر وہ ہنس پڑتے۔ ایک دفعہ وہ اِسی طرح ہنسے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم تو بلال کے اَسْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہنے پر ہنستے ہو مگر میں نے کشفی حالت میں دیکھا ہے کہ خدا عرش پر بلال کے اَسْھَدُ کہنے پر خوش ہو رہا ہے۔7 گویا جس چیز کو تم ہنسی اور تحقیر کا موجب سمجھ رہے ہو وہی اس کی شان کو بڑھانے والی اور اس کی عزت کو دوبالا کرنے والی ہے کیونکہ اس نے اُس وقت اسلام قبول کیا تھا جب تمام لوگ دشمن تھے اور اسلام کے قبول کرنے پر اسے بڑی بڑی اذیتیں دیا کرتے تھے۔

حضرت عثمانؓ کے خلاف جب فتنہ اُٹھا اور لوگوں نے آپ کو شہید کرنا چاہا تو اس وقت حضرت بلالؓ نے ان لوگوں کو سمجھایا اور کہا کہ اے لوگو! تم ایسا نہ کرو ورنہ خدا تعالیٰ کا تم پر عذاب نازل ہوگا لیکن لوگوں نے ان کی بات کی کوئی پروانہ کی اور حضرت ابوبکرؓ کے ایک بیٹے نے آگے بڑھ کر حضرت عثمانؓ کی داڑھی پکڑ لی۔ حضرت عثمانؓ نے اُسے کچھ نہیں کہا۔ صرف نظر اُٹھا کر آپ نے اُس کی طرف دیکھا اور فرمایا اے میرے بھائی کے بیٹے! اگر تیرا باپ اِس جگہ ہوتا تو وہ یہ حرکت نہ کرتا۔ معلوم ہوتا ہے اُس کے دل میں ابھی کچھ ایمان باقی تھا۔ اُس کا ہاتھ کانپ گیا اور وہ پیچھے ہٹ گیا8 مگر پھر ایک اَور منافق آگے بڑھا اور اُس نے آپ کو شہید کر دیا۔9 غور کرو کہ صحابہؓ کتنی بڑی قربانیاں کرنے والے انسان تھے۔ کس طرح اسلام کی حفاظت کے لیے انہوں نے دیوانہ وار اپنی جانیں قربان کیں مگر دوسری تیسری نسل میں ہی لوگوں کے اندر ایسا بگاڑ پیدا ہو گیا کہ انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسوں کو میدانِ کربلا میں شہید کر دیا۔

حضرت معین الدین صاحب چشتیؒ جنہوں نے اسلام کے لیے اتنی بڑی قربانی کی تھی کہ وہ ایران سے ہندوستان آئے اور بغیر ایک پیسہ لیے اسلام کی خدمت کرتے رہے۔ ان کی اولاد آج بھیک مانگ مانگ کر گزارہ کر رہی ہے۔ امراء حضرت معین الدین صاحب چشتیؒ کے ادب کی وجہ سے ان کی اولاد کو روپیہ دے دیتے ہیں جس سے وہ گزارہ کرتی ہے ورنہ اپنی ذات میں ان کے اندر کوئی روحانیت باقی نہیں رہی۔

یہی حال حضرت نظام الدینؒ صاحب اولیاء اور حضرت فرید الدینؒ صاحب شکر گنج سے تعلق رکھنے والوں کا ہوا۔ انہوں نے ایک بہشتی دروازہ بنایا ہوا ہے اور جو لوگ وہاں عقیدت اور اخلاص کے ساتھ جمع ہوتے ہیں اُن سے کہا جاتا ہے کہ اس دروازہ میں سے گزرو اور آگے چل کر نذر پیش کرو۔ اب بھلا وہ بھی کیا نذر ہوئی جو زبردستی لی جاتی ہے۔ اس سے پتا لگتا ہے کہ ظاہر اور باطن اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے انسان خواہ کس قدر تدبیریں کرے اللہ تعالیٰ کے فضل اور اُس کی نُصرت کے بغیر وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔

مسیحیوں کو دیکھ لو وہ تین سو سال تک غاروں میں رہتے رہے لیکن انہوں نے حضرت مسیحؑ کو نہیں چھوڑا۔ رومی بادشاہ اُس وقت بُت پرست تھا اور اس نے حکم دے دیا تھا کہ جہاں کوئی عیسائی ملے اُسے مار ڈالو۔ چنانچہ وہ اپنی جانیں بچانے کے لیے غاروں میں رہنے لگے۔ میں نے اٹلی میں خود وہ جگہیں دیکھی ہیں جہاں عیسائیوں نے پناہ لی۔ ان غاروں کو کیٹا کومبز (Catacombs) کہتے ہیں۔ قرآن کریم میں ان کا نام کہف رکھا گیا ہے۔10 وہاں جگہ جگہ کتبے لگے ہوئے ہیں اور اُن پر شہید ہونے والوں کے حالات درج ہیں۔ ایک جگہ ایک لڑکے نے لکھا ہوا تھا کہ یہاں میری ماں، میرا باپ اور اتنے بھائی اور بہنیں مار دیئے گئے تھے اور وہ اِسی جگہ دفن ہیں۔ اے آنے والے! تُو خدا تعالیٰ کی راہ میں اِن جان دینے والوں کے لیے دُعا کر کہ اللہ تعالیٰ ان کے درجات کو بلند کرے اور انہیں اپنی رضا کا وارث کرے۔ غرض تین سو سال تک عیسائیوں کو ماریں پڑتی رہیں اور بعد میں وہ اُس وقت غاروں سے نکلے جب روم کا بادشاہ عیسائی ہو گیا۔ اُس نے ایک خواب کی بناء پر عیسائیت کو قبول کیا اور تمام ملک میں اعلان کر دیا کہ اب عیسائیوں کے لیے امن ہے۔ پھر یہ لوگ باہر نکلے مگر اتنی بڑی قربانی کرنے والے عیسائیوں کی اولادوں کا آج کیا حال ہے۔ انہوں نے مسیحؑ کو جو خدا تعالیٰ کا ایک معمولی

بندہ تھا خدا بنایا ہوا ہے حالانکہ ان کے آباء و اجداد محض توحید کو قائم رکھنے کے لیے تین سو سال تک غاروں میں رہے۔ تم ایک دن بھی غار میں نہیں رہ سکتے مگر وہ برابر تین سو سال تک غاروں میں اپنی زندگی بسر کرتے رہے۔ وہ چوروں کی طرح رات کو باہر نکلتے اور لوگوں سے چھپ چھپ کر کھانے پینے کی چیزیں اپنے لیے مہیا کرتے، اندر ہی اُن کے گرجے تھے، اندر ہی اُن کی شادیاں ہوتی تھیں اور اندر ہی اُن کے بچے پیدا ہوتے تھے۔ نامعلوم کتنی عورتیں وضع حمل کے وقت دایوں کے نہ ملنے کی وجہ سے مرگئی ہوں گی اور کتنے بچے تلف ہوئے ہوں گے۔ مگر انہوں نے سالہا سال ان تکلیفوں کو برداشت کیا اور خدا تعالیٰ کی وحدانیت کو چھوڑنے کا انہوں نے خیال تک نہ کیا۔

مگر یہاں یہ حالت ہے کہ 1953ء میں چند مولویوں نے اپنے مخالفانہ وعظوں سے لوگوں کو ہمارے خلاف بھڑکا دیا تو اس مخالفت کی وجہ سے کئی احمدی گھبرا گئے اور وہ شکایتیں کرنے لگے کہ ہمارا پانی بند کر دیا گیا ہے یا ہمیں فلاں فلاں تکلیف پہنچائی جا رہی ہے۔ میں نے پہلے بھی کئی دفعہ بیان کیا ہے کہ اُن دنوں سیالکوٹ کے ضلع سے ایک عورت اکیلی ربوہ پہنچی اور اُس نے کہا کہ ہمارے گاؤں میں ایک ہی کنواں ہے جس سے احمدیوں کو پانی لینے سے روک دیا گیا ہے اور اِس وجہ سے جماعت کے لوگ سخت تکلیف میں ہیں۔ میں نے مردوں سے کہا کہ جاؤ اور ربوہ خبر دو مگر انہوں نے کہا کہ کون جائے رستہ بڑا خطرناک ہے۔ اِس پر میں اکیلی آ گئی تا کہ میں آپ کو حالات سے باخبر کروں۔ اُن دنوں اتفاقاً چار پانچ دوست باہر سے آئے ہوئے تھے۔ میں نے اُن کو کار دے کر کہا کہ فوراً جاؤ اور پانی کھلوا کر آؤ۔ چنانچہ وہ گئے اور انہوں نے پانی کھلوایا بلکہ ان کے جانے سے اُس گاؤں کے لوگ اتنے ڈر گئے کہ انہوں نے کہا کہ احمدیوں کو پانی لینے سے کون روکتا ہے۔ کسی نادان لڑکے نے انہیں روکا ہوگا ہم نے تو نہیں روکا۔ ان کا حق ہے کہ آئیں اور پانی لے جائیں۔ مگر اِتنی معمولی تکلیف پر ہی بعض لوگ مرتد ہو گئے۔

ایک پرانے احمدی تھے جو 70، 75 سال کی عمر کے تھے اُن کے پاس بھی گاؤں کے لوگ پہنچے اور کہنے لگے کہ چلو اور مسجد میں چل کر توبہ کرو۔ اُس نے کہا ہم تو ہر روز توبہ کرتے ہیں۔ آج مجھ سے نئی توبہ کونسی کروانے لگے ہو؟ وہ کہنے لگے ہماری مراد اس توبہ سے نہیں بلکہ ہمارا مطلب یہ ہے کہ تم احمدیت سے توبہ کرو۔ وہ کہنے لگا میں اپنے سارے گناہوں سے تمہارے سامنے توبہ کرتا ہوں۔ لوگ

خوش خوش واپس چلے گئے اور انہوں نے اپنے مولوی سے جا کر کہا کہ ہم تو اس سے توبہ کروا آئے ہیں۔ اُس نے کہا کس طرح؟ وہ کہنے لگے اس نے سب کے سامنے کہہ دیا ہے کہ میں اپنے سارے گناہوں سے توبہ کرتا ہوں۔ وہ کہنے لگا اِس قسم کی توبہ تو وہ تم سے بھی زیادہ کرتے ہیں۔ اگر اِس نے واقع میں احمدیت سے توبہ کر لی ہے تو پھر اسے مسجد میں لاؤ اور میرے پیچھے نماز پڑھاؤ۔ چنانچہ وہ پھر اُس کے پاس گئے۔ وہ انہیں دیکھ کر کہنے لگا کہ اب پھر تم کیوں آ گئے ہو؟ انہوں نے کہا ہم اس لیے آئے ہیں کہ آپ ہمارے ساتھ مسجد میں چل کر نماز پڑھیں تا کہ ہمیں یقین ہو کہ آپ نے احمدیت سے توبہ کر لی ہے۔ وہ کہنے لگا میں نے تو اس لیے توبہ کی تھی کہ مرزا صاحب کہتے تھے نمازیں پڑھو، روزے رکھو، زکوٰۃ دو، حج کرو، جھوٹ نہ بولو، شراب نہ پیو، جوا نہ کھیلو، کنچنیاں نہ نچواؤ۔ اب تم نے جب توبہ کروائی تو میں خوش ہو گیا کہ چلو نمازیں بھی چھوٹیں، روزے بھی گئے، زکوٰۃ بھی معاف ہوئی، حج بھی گیا، اب دن رات شرابیں پئیں گے، جؤا کھیلیں گے، کنچنیوں کے ناچ دیکھیں گے مگر تم تو پھر نمازیں پڑھانے کے لیے آ گئے ہو۔ اگر نمازیں ہی پڑھانی تھیں تو یہ نمازیں تو مرزا صاحب بھی پڑھایا کرتے تھے۔ پھر توبہ کرنے کا فائدہ کیا ہوا۔ وہ شرمندہ ہو کر اپنے مولوی کے پاس آئے اور انہوں نے یہ سارا واقعہ اُسے سنایا۔ وہ کہنے لگا میں نے تم سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ اُس نے ضرور کوئی چالاکی کی ہے ورنہ اگر اُس نے توبہ کی ہوتی تو یہاں آ کر ہمارے پیچھے نماز کیوں نہ پڑھتا۔ اُس شخص کے بیٹے کے دل میں ایمان زیادہ تھا۔ اُسے جب اپنے باپ کا یہ واقعہ معلوم ہوا تو وہ بہت ناراض ہوا اور اُس نے اپنے باپ کو کہا کہ تُو نے اتنی کمزوری بھی کیوں دکھائی؟

کئی بیٹے مخلص ہوتے ہیں اور ماں باپ کمزور ہوتے ہیں اور کئی ماں باپ مخلص ہوتے ہیں اور بیٹے کمزور ہوتے ہیں۔ لیکن بہرحال اصل خوبی یہی ہے کہ قوم کو ہزاروں بلکہ لاکھوں سالوں تک توکّل اور ایمان کی زندگی نصیب ہو اور اُس کے افراد خدا تعالیٰ کے دامن کو ایسی مضبوطی سے پکڑے رکھیں کہ ایک لمحہ کے لیے بھی اُس سے جُدا ہونا انہیں گوارا نہ ہو اور جماعت میں کبھی ایسے لوگ پیدا نہ ہوں جو عبداللہ بن سبا کی طرح فتنہ برپا کرنے والے ہوں یا یزید کی طرح اسلام کو نقصان پہنچانے والے ہوں۔ یہ لوگ اس لیے پیدا ہوئے کہ مسلمانوں کے ایک طبقہ کے اندر نہ خلافت پر سچا ایمان باقی رہا اور نہ اس کے مطابق انہوں نے قربانیاں کیں۔ اگر وہ لاکھوں سال تک ایمان اور عمل صالح پر قائم

رہتے تو لاکھوں سال تک خدا تعالیٰ کی حفاظت بھی اُن کے شاملِ حال رہتی۔ لیکن چونکہ تیس سال کے بعد ہی خلافت راشدہ ان میں باقی نہ رہی اور حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے زمانہ میں ہی فتنے پیدا ہونے شروع ہو گئے اِس لیے ہم سمجھتے ہیں کہ اُس وقت مسلمانوں کے ایک طبقہ کے اندر نورِ ایمان باقی نہیں رہا تھا اور جب نورِ ایمان باقی نہ رہا تو خدا تعالیٰ نے بھی اپنی نُصرت کا ہاتھ اُن سے کھینچ لیا۔ آخر یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ کسی جگہ نور ہو اور وہاں خدا نہ ہو؟ جہاں بھی ایمان اور عملِ صالح کا نور ہوگا وہاں خدا ضرور ہوگا۔ اور جہاں ایمان اور عمل صالح نہیں رہے گا وہاں خدا تعالیٰ بھی پیچھے ہٹ جائے گا۔ دیکھ لو اگر آج مسلمانوں کے اندر وہی ایمان پایا جاتا جو امام حسینؓ کے اندر پایا جاتا تھا یا حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے اندر پایا جاتا تھا تو کیا وہ دنیا میں ذلیل ہوتے؟ وہ ہر جگہ غالب ہوتے اور دنیا کی کوئی قوم ان کا مقابلہ نہ کر سکتی۔

اِس میں کوئی شُبہ نہیں کہ آج بھی مسلمانوں کے پاس بادشاہت ہے مگر بادشاہت اصل چیز نہیں بلکہ دل کی پاکیزگی اصل چیز ہے۔ یوں تو عیسائیوں کو بھی بادشاہت ملی ہوئی ہے مگر اس بادشاہت کے باوجود خدا تعالیٰ کی لعنتیں اُن پر برس رہی ہیں۔ اِسی طرح اسرائیل کے پاس بھی بادشاہت ہے مگر قرآن کہتا ہے کہ داؤدؑ اور مسیحؑ کی بددُعا کی وجہ سے خدا تعالیٰ نے ان پر لعنت ڈالی ہوئی ہے۔11 پس بادشاہت کے ملنے پر خوش نہیں ہو جانا چاہیے اور نہ خدا تعالیٰ سے بادشاہت مانگنی چاہیے بلکہ خدا تعالیٰ سے یہ دعائیں کرنی چاہییں کہ خدایا! تُو ہمیشہ ہمارا اور ہماری اولادوں کا ساتھ دے اور ہم میں نورِ ایمان کو قائم رکھ اور ہمیں ایسے اعمال کے بجالانے کی توفیق عطا فرما جو دنیا و آخرت میں تیری رضا کا موجب ہوں۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ جو کچھ چاہے گا تمہیں عطا فرما دے گا۔ چنانچہ قرآن کریم نے مومنوں کو جو دعا سکھلائی ہے وہ یہی ہے کہ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ 12 یعنی اے خدا! تُو ہمیں دنیا میں بھی حَسنہ دے اور آخرت میں بھی حَسنہ دے۔ اگر خالی دنیوی عزّت ملے جس کے ساتھ اخروی عزت نہ ہو تو وہ ایک لعنت ہوتی ہے۔ جیسے یہود کو آجکل خالی دنیوی عزت ملی ہوئی ہے یا عیسائیوں کو صرف دنیوی عزت ملی ہوئی ہے مگر اُخروی عزّت سے انہیں کوئی حصہ نہیں ملا لیکن خالی اُخروی عزت بھی ایک بے ثبوت چیز ہوتی ہے۔ ثبوت والی چیز وہی ہوتی ہے جس میں دین اور دنیا دونوں اکٹھے ملیں۔ پس رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا

حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً میں ہمیں یہ دعا سکھلائی گئی ہے کہ الٰہی! ہمیں دنیا میں بھی عزت بخش اور آخرت میں بھی ہمارے مقام کو بلند کر۔ اگر ہمیں دنیا ملے تو ہم اسے اپنی ذات کے لیے استعمال نہ کریں بلکہ تیرے دین کی شوکت قائم کرنے کے لیے استعمال کریں اور تیری رضا اور خوشنودی کے لیے اسے صَرف کریں۔ اگر ایسا ہو تو پھر انسان کو دنیا میں بھی عزت ملتی ہے اور خدا تعالیٰ کے حضور بھی اس کا رُتبہ بڑھتا ہے۔

پس ہمیں یہ دعا کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہماری اولادوں کے ساتھ قیامت تک رہے تاکہ اُس کا نام ہماری نسلیں ہمیشہ بلند کرتی رہیں۔ وہ دنیا کے لیے ایک دوسرے کا گلا نہ کاٹیں، وہ دنیا کے لیے ایک دوسرے سے لڑیں نہیں بلکہ دنیا کے ملنے پر دین کی اَور زیادہ خدمت کریں اور ہر قسم کی عزت ملنے کے باوجود دین کی خدمت کرنے میں فخر محسوس کریں۔ اور اگر کوئی بادشاہ بھی ہو جائے تو وہ فقیر سے زیادہ متواضع ہو۔ اب جو دنیا میں سید کہلاتے ہیں نامعلوم وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل میں سے ہیں یا نہیں ممکن ہے ان میں سے بعض کسی فقیر کی نسل سے ہوں اور کہلاتے سید ہوں لیکن ان میں کتنا کِبر پایا جاتا ہے۔ ہماری والدہ خواجہ میر درد کی اولاد میں سے تھیں جو مسلّمہ سید تھے۔ مجھے یاد ہے ایک دفعہ ہمارے ہاں ایک سیدانی مانگتی ہوئی آ گئی اور کہنے لگی کہ مجھے پیاس لگی ہے پانی پلاؤ۔ ہماری والدہ صاحبہ نے ایک خادمہ سے کہا کہ اسے پانی پلا دو۔ اُس نے گھڑے میں سے گلاس بھر کر دیا تو اُس نے بڑے زور سے گلاس کو پرے پھینک دیا اور کہا "سیدانی نوں تُو امتی دے گلاس وچ پانی پلاندی ہیں" یعنی میں تو سیدانی ہوں مجھے امتی کے گلاس میں کیوں پانی دیتی ہو۔ ہماری والدہ صاحبہ نے ہنس کر کہا کہ میں بھی سیدانی ہوں۔ اب اُس کے سیدانی ہونے میں تو شُبہ ہی تھا نامعلوم وہ سچی تھی یا جھوٹی مگر ہماری والدہ تو حقیقتاً سیدانی تھیں۔ خواجہ میر درد کی اولاد میں سے تھیں اور ان کے والد نے یہ پیشگوئی کی ہوئی تھی کہ ہمارا سلسلہ نسب ایک دن مہدی آخرالزمان کے ساتھ جا ملے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ مخالف حالات میں ان کی یہ پیشگوئی پوری ہوئی اور اماں جان کی حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے شادی ہو گئی اور ان کا شجرہ نسب مہدی موعود سے آ کر مل گیا۔

تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیشہ ان لوگوں کو برکتیں ملتی ہیں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اولاد ہیں۔ اِس میں کوئی شُبہ نہیں کہ حضرت امام حسنؓ اور حسینؓ بھی سید تھے مگر ابوبکرؓ اور عمرؓ ان سے کم

سیدنہ تھے۔ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی اولاد تھے اور ایسے مخلص تھے کہ انہوں نے آپؐ کے لیے اپنی جانیں قربان کرنے سے ذرا بھی دریغ نہیں کیا۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعویٰ فرمایا تو مکہ والوں نے آپؐ کی سخت مخالفت کی۔ ایک دفعہ آپ خانہ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ جب آپ سجدہ میں گئے تو بعض شریروں نے آپ کی پیٹھ پر اونٹ کی اوجھڑی لا کر رکھ دی اور چونکہ وہ بڑی بھاری تھی آپ سجدہ سے سر نہ اُٹھا سکے۔ حضرت فاطمہؓ کو اِس بات کا علم ہوا تو وہ روتی ہوئی آئیں اور انہوں نے آپ کی پیٹھ پر سے اوجھڑی ہٹائی۔13

اِسی طرح ایک دفعہ کُفّار نے آپ کے گلے میں پٹکا ڈال کر زور سے کھینچنا شروع کیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس بات کا علم ہوا تو وہ دوڑے ہوئے آئے اور آپ نے اُن کُفّار کو ہٹایا اور فرمایا اے لوگو! تمہیں خدا کا خوف نہیں آتا کہ تم ایک شخص کو محض اس لیے مارتے پیٹتے ہو کہ وہ کہتا ہے اللہ میرا ربّ ہے۔14 وہ تم سے کوئی جائیداد تو نہیں مانگتا۔ پھر تم اُسے کیوں مارتے ہو؟

صحابہؓ کہتے ہیں ہم اپنے زمانہ میں سب سے بہادر حضرت ابوبکرؓ کو سمجھتے تھے کیونکہ دشمن جانتا تھا کہ اگر میں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مار لیا تو اسلام ختم ہو جائے گا اور ہم نے دیکھا کہ ہمیشہ ابوبکرؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھڑے ہوتے تھے تا کہ جو کوئی آپ پر حملہ کرے اُس کے سامنے اپنا سینہ کر دیں۔ چنانچہ جب بدر کے موقع پر کُفّار سے مڈھ بھیڑ ہوئی تو صحابہؓ نے آپس میں مشورہ کر کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک عرشہ تیار کر دیا اور انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ یَا رَسُولَ اللّٰہ! آپ اس عرشہ پر تشریف رکھیں اور ہماری کامیابی کے لیے دعا کریں دشمنوں سے ہم خود لڑیں گے۔ پھر انہوں نے کہا یَا رَسُولَ اللّٰہ! ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ گو ہمارے اندر بھی اخلاص پایا جاتا ہے مگر وہ لوگ جو مدینہ میں بیٹھے ہیں وہ ہم سے بھی زیادہ مخلص اور ایماندار ہیں۔ انہیں پتا نہیں تھا کہ کُفّار سے جنگ ہونے والی ہے ورنہ وہ لوگ بھی اِس لڑائی میں ضرور شامل ہوتے۔ یَا رَسُولَ اللّٰہ! اگر خدانخواستہ اِس جنگ میں ہمیں شکست ہو تو ہم نے ایک تیز رفتار اونٹنی آپ کے پاس باندھ دی ہے اور ابوبکرؓ کو آپ کے پاس کھڑا کر دیا ہے۔ ان سے زیادہ بہادر اور دلیر آدمی ہمیں اپنے اندر اور کوئی نظر نہیں آیا۔ یَا رَسُولَ اللّٰہ! آپ فوراً ابوبکر کے ساتھ اِس اونٹنی پر بیٹھ کر مدینہ تشریف لے جائیں اور وہاں سے ایک نیا لشکر کُفّار کے مقابلہ کے لیے لے

آئیں جو ہم سے بھی زیادہ مخلص اور وفادار ہوگا۔15

اِس واقعہ سے اندازہ لگالو کہ ابوبکرؓ کتنی قربانی کرنے والا انسان تھا۔مگر پھر ابوبکرؓ کے ایک بیٹے نے ہی حضرت عثمانؓ پر حملہ کیا۔گو ابوبکرؓ کی نیکی کی وجہ سے وہ بچ گیا اور اُس نے اپنا قدم پیچھے ہٹا لیا۔ چنانچہ جب حضرت عثمانؓ نے اسے کہا کہ اے میرے بھائی کے بیٹے! اگر تیرا باپ اِس جگہ موجود ہوتا تو وہ ایسی حرکت نہ کرتا تو اُس کا ہاتھ کانپ گیا اور وہ نادم ہو کر پیچھے ہٹ گیا۔مگر پھر وہ لوگ جو حملہ کرنے کے لیے مصر سے آئے ہوئے تھے اور جو درحقیقت عبداللہ بن سبا یہودی کے مُرید تھے اُن میں سے ایک شخص آگے بڑھا اور اس نے حضرت عثمانؓ پر حملہ کر دیا۔ یہ لوگ ایسے ظالم تھے کہ حضرت عثمانؓ کی بیوی آپ کو بچانے کے لیے آگے آئیں تو اُس نے اُن پر بھی تلوار چلا دی جس سے اُن کی تین انگلیاں کٹ گئیں16۔اُس وقت حضرت عثمانؓ کی بیوی نے اُن سے کہا کہ اے لوگو! تمہاری شرافت کو کیا ہوا؟ عرب لوگ تو عورتوں کا بڑا لحاظ کیا کرتے تھے۔اِس پر وہ خبیث کہنے لگا کہ آگے سے ہٹ جاورنہ ہم تیری گردن بھی اُڑا دیں گے۔اب دیکھو یہ انہیں لوگوں کی اولاد میں سے تھے جنہوں نے اسلام کے لیے بڑی بھاری قربانیاں کی تھیں مگر جب ان کی اگلی نسل میں نورِ ایمان باقی نہ رہا تو خدا تعالیٰ کی نُصرت بھی جاتی رہی اور وہ لوگ تباہ ہو گئے۔

اِس نظارہ کو دیکھتے ہوئے ہم کیا اُمید کر سکتے ہیں کہ قیامت تک ہماری نسلیں خدا تعالیٰ کی فرمانبردار رہیں گی اور کبھی ان میں دنیاداری نہیں آئے گی؟ دنیاداری تو اِتنی جلدی آجاتی ہے کہ ایک دفعہ ہماری مجلس شوریٰ کا اجلاس ہو رہا تھا کہ ایک احمدی دوست کھڑے ہو گئے۔وہ اُن دنوں حصار میں تھے۔ اُن کے بھائی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابی تھے اور اب اُن کے بیٹے بڑے بڑے عہدوں پر ہیں اور کہنے لگے کہ خلافت کا کیا فائدہ ہوا؟ میرے متعلق ایک کیس کے سلسلہ میں انکوائری ہو رہی ہے۔خلیفہ صاحب کو چاہیے کہ وہ جائیں اور گورنر کے پاس میری سفارش کریں۔ میں نے اُن کے جواب میں کھڑے ہو کر کہا کہ میں ایسی خلافت پر لعنت بھیجتا ہوں۔اگر خلافت کے یہی معنے ہیں کہ میں ان کے لیے گورنر کے پاس جا کر بھیک مانگوں تو میں اس کے لیے تیار نہیں۔وہ آدمی نیک تھے۔میرے اِس جواب پر انہوں نے کھڑے ہو کر معافی مانگ لی اور کہا کہ مجھ سے غلطی ہوئی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کھڑے کیے جاتے ہیں۔ انہیں یہ ضرورت نہیں ہوتی کہ وہ دوسرے کے پاس جائیں بلکہ دوسرے لوگ خود چل کر اُن کے پاس آتے ہیں۔ دیکھ لو حضرت مسیح موعود علیہ السلام ایک گوشہ تنہائی میں رہنے والے تھے مگر فنانشل کمشنر لاہور سے آپ سے ملنے کے لیے آیا۔ اِسی طرح 1925ء میں گورنر پنجاب خود مجھ سے ملنے کے لیے منالی آیا۔ اس ملاقات کی تقریب اِس طرح پیدا ہوئی کہ میں نے اپنی ہمشیرہ مبارکہ بیگم صاحبہ سے ایک دفعہ منالی کے پہاڑوں کا ذکر کیا کہ وہ بہت اچھے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ مجھے بھی دکھائیں۔ اُن دنوں وہاں مسٹر برک اسسٹنٹ کمشنر لگے ہوئے تھے اور چونکہ منالی میں رہائش کی جگہ کم ملتی ہے اس لیے میں نے انہیں لکھا کہ آپ ہمارے لیے ڈاک بنگلہ کا انتظام کر دیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ آپ بڑی خوشی سے آ جائیں۔ آپ کے لیے ڈاک بنگلہ میں رات دن ٹھہرنے کا انتظام کر دیا گیا ہے۔ جب ہم کلّو پہنچے تو میں نے چودھری مظفرالدین صاحب کو جو اُس وقت میرے پرائیویٹ سیکرٹری تھے تحصیلدار کے پاس بھیجا اور میں نے کہا ان سے پوچھو کہ ڈاک بنگلہ رُکا ہوا تو نہیں؟ اگر رُکا ہوا نہ ہو تو ہم مقررہ وقت سے ایک دو دن پہلے ہی آ جائیں؟ جب وہ گئے تو میں نے اپنی ہمشیرہ سے کہا کہ مجھے کوئی الہام تو نہیں ہوا لیکن میرے دل میں بڑے زور سے یہ خیال پیدا ہوا ہے کہ وہاں گورنر پنجاب مجھ سے ملنے کے لیے آئے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ چودھری مظفرالدین صاحب واپس آئے تو کہنے لگے کہ تحصیلدار کہتا تھا کہ اب پہلے اور پچھلے کا کوئی سوال نہیں آپ کو اپنی پہلی اجازت بھی منسوخ سمجھنی چاہیے کیونکہ ہمیں حکم آ گیا ہے کہ اب یہ بنگلہ کسی اَور کو نہ دیا جائے۔ میں نے کہا اُس سے وجہ بھی تو پوچھنی چاہیے تھی۔ وہ کہنے لگے میں نے پوچھا تھا مگر انہوں نے کہا کہ میں بتا نہیں سکتا۔ میں نے چودھری صاحب سے کہا آپ پھر جائیں اور اُس سے کہیں کہ تم تو نہیں بتاتے لیکن ہم تمہیں بتا دیتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ گورنر صاحب آ رہے ہیں۔ اب ہمارے بتا دینے پر تو آپ کو اقرار کر لینے میں کوئی حرج نہیں۔ چودھری صاحب نے جب اُس سے یہ بات کہی تو وہ ہنس پڑا اور کہنے لگا آپ کو کس طرح پتا چلا کہ گورنر آ رہا ہے؟ یہ امر تو بہت ہی مخفی رکھا گیا تھا۔ خیر جب مجھے معلوم ہوا کہ پہلا انتظام بیکار ہو گیا ہے تو میں نے ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب کو بھیج دیا کہ وہاں جا کر کوئی مکان تلاش کریں۔ چنانچہ ایک ہندو جو سیشن جج تھا اُس کا مکان ہمیں مل گیا اور ہم وہاں چلے گئے۔ دوسرے دن صبح کے وقت ہم سیر کے لیے گئے اور

چار پانچ گھنٹے باہر رہے۔ نماز پڑھ کر ہم واپس آ رہے تھے کہ تحصیلدار صاحب میرے پاس دوڑتے ہوئے آئے اور کہنے لگے میں نے جو خط آپ کو بھیجا تھا وہ آپ کو مل گیا ہے یا نہیں؟ میں نے کہا نہیں میں تو ابھی باہر سے آ رہا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ گورنر صاحب نے مجھے ایک خط دیا تھا اور کہا تھا کہ آپ کو پہنچا دیا جائے اور آپ کے گھر سے کسی فلاں آدمی نے دستخط کیے ہیں۔ میں نے کہا اِس نام کا تو ہمارے ساتھ کوئی آدمی نہیں۔ وہ کہنے لگے آپ گھر جا کر مجھے اطلاع بھجوائیں، ایسا نہ ہو کہ وہ خط ضائع ہو جائے اور گورنر صاحب مجھ پر ناراض ہوں۔ راستہ میں مَیں نے اپنی ہمشیرہ اور اُمِّ طاہر مرحومہ سے کہا کہ یہ وہی بات ہے جو میں نے کہی تھی اور گو وہ خط میں نے ابھی تک نہیں دیکھا مگر اُس میں یہی مضمون ہوگا کہ میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ گھر پہنچنے پر خط کھولا تو اس میں لکھا ہوا تھا کہ اگر کل عصر کے وقت آپ میرے ساتھ چائے پئیں تو آپ کا مجھ پر بڑا احسان ہوگا۔ پھر ہم نے تحقیق کی کہ اس چٹھی کو وصول کس نے کیا تھا تو معلوم ہوا کہ ہمارے ہاں کوئی مہمان آئے ہوئے تھے انہوں نے اُس وقت دستخط کر دیئے تھے کیونکہ گھر میں اَور کوئی آدمی نہیں تھا۔ چونکہ میرے دل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے ہی یہ خیال ڈالا گیا تھا کہ گورنر پنجاب مجھ سے کانگڑہ کے ضلع میں ملیں گے اس لیے میں نے ان سے ملنا منظور کر لیا۔ دوسرے دن مقررہ وقت پر میں ان سے ملا اور ان کا بیٹا جو کانگڑہ کے ضلع میں ڈی۔سی تھا اور اُن کی بہو بھی وہاں موجود تھیں انہوں نے اپنے بیٹے اور بہو کو میرے سامنے اِس طرح پیش کیا جیسے میں نواب ہوں اور وہ میرے نوکر ہیں۔ اور پھر پانچ بجے سے لے کر نو بجے تک پورے چار گھنٹے وہ مجھ سے باتیں کرتے رہے۔ چونکہ رات زیادہ ہوگئی تھی اور پہاڑوں پر سردی ہوتی ہے اس لیے وہ اندر سے کمبل لے آئے۔ انہوں نے میرے پَیروں پر ڈال دیا۔ میں نے اُن سے ایک دفعہ کہا کہ اب وقت زیادہ ہوگیا ہے اور پہاڑی علاقہ ہے۔ وہ کہنے لگے آپ کچھ فکر نہ کریں میری ڈانڈی 17 آپ کو لے جائے گی اور پولیس آپ کے ساتھ جائے گی۔ چنانچہ رات کے نو بجے ہم اُٹھے اور سرکاری ڈانڈی جس کے ساتھ حفاظت کے لیے پولیس مقرر تھی مجھے اپنے مکان پر پہنچانے کے لیے بھجوائی گئی۔

اب بتاؤ کہ جس سے ملنے کے لیے خود گورنر آئے اور اُس کے سامنے اپنے بیٹے اور بہو کو پیش کرے اُسے کیا ضرورت ہے کہ وہ کسی کی سفارش کے لیے گورنر کے پاس جائے۔ اگر ہماری آئندہ اولادیں بھی ایسی ہی باغیرت ہوں تو ہمارے لیے خوشی کا مقام ہے۔ لیکن اگر خدانخواستہ وہ چھوٹی چھوٹی

باتوں کے لیے مارے مارے پھرنے لگیں اور دنیا طلبی کی خواہش ان میں پیدا ہوگئی تو پھر ان کا وجود نہ دین کے لیے مفید ہوگا اور نہ دنیا میں وہ کوئی عزت حاصل کر سکیں گے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تو دنیا طلبی سے اتنی نفرت تھی کہ ہمارے بڑے بھائی مرزا سلطان احمد صاحب مرحوم نے تحصیلداری کا امتحان دیا تو حضرت صاحب کو بھی انہوں نے دُعا کے لیے لکھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اُن کا رقعہ پڑھ کر سخت غصہ آیا اور آپ نے اسے پھاڑ دیا مگر ادھر آپ نے رُقعہ پھاڑا اور اُدھر آپ کو الہام ہوا کہ ''پاس ہو جائے گا''۔18 چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایسا فضل کیا کہ وہ پاس ہو گئے اور پھر قائمقام ڈپٹی کمشنر ہو کر ریٹائر ہوئے۔ تو اللہ تعالیٰ جن کو روحانی مراتب عطا فرماتا ہے اُن کو ضرورت نہیں ہوتی کہ وہ دنیا کے لوگوں کے پاس جائیں بلکہ دنیا کے لوگوں کو ضرورت ہوتی ہے کہ وہ ان کے پاس آئیں اور ان سے فیض اٹھائیں۔

ایک دفعہ کشمیر کے فسادات کے سلسلہ میں مَیں شملہ گیا اور لارڈ ولنگڈن سے ملا۔ ملاقات کے بعد لارڈ ولنگڈن کا سیکرٹری میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میرا اسسٹنٹ جو مسٹر گریفن کا پوتا ہے وہ آپ سے ملنا چاہتا ہے۔ میں نے اُس سے کہیں ذکر کیا تھا کہ مسٹر گریفن کا میرے دادا سے بڑا تعلق رہا ہے اور اس کی کئی چٹھیاں ہمارے دادا کے نام موجود ہیں۔ اُس نے اِس بات کا اپنے اسسٹنٹ سے ذکر کر دیا کیونکہ وہ مسٹر گریفن کا پوتا تھا اور اس نے مجھ سے ملنے کی خواہش کی۔ چنانچہ وہ مجھ سے ملا اور کہنے لگا کہ میں اپنے دادا کی وہ چٹھیاں دیکھنا چاہتا ہوں جو انہوں نے آپ کے دادا کو لکھی تھیں۔ میں نے کہا کہ وہ کتاب البریہ میں چھپی ہوئی ہیں۔ آپ جب چاہیں وہاں سے دیکھ سکتے ہیں۔ مسٹر گریفن امرتسر کا کمشنر تھا اور اُس زمانہ میں کمشنر کے اختیارات گورنر کے برابر ہوا کرتے تھے اور کمشنری بھی صرف امرتسر کی ہی ہوا کرتی تھی۔ جب ہم وہاں سے فارغ ہو کر باہر نکلے تو سامنے سے وائسرائے اپنی موٹر میں آ رہا تھا۔ اُس کا کوئی دانت خراب تھا وہ ڈاکٹر کو دکھانے کے لیے جا رہا تھا۔ اُس نے جب مجھے دیکھا تو دور سے ہی مجھے سلام کرنا شروع کر دیا مگر میں نے نہ پہچانا کہ یہ کون شخص ہے۔ چنانچہ میں نے درد صاحب سے پوچھا کہ یہ کون ہے جس نے سلام کیا ہے؟ وہ کہنے لگے ابھی تو آپ ان سے مل کر آئے ہیں۔ یہ لارڈ ولنگڈن تھے اور انہوں نے تو آپ کو دیکھ کر دور سے ہی سلام کرنا شروع کر دیا تھا۔

میں نے کہا میں نے تو نہیں پہچانا۔ شاید وہ اپنے دل میں خیال کرتے ہوں گے کہ بڑے گھر درے آدمی ہیں۔ میں نے سلام بھی کیا مگر انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا حالانکہ میں نے یہ سمجھا تھا کہ کوئی اجنبی آدمی ہے جو کسی اَور کو سلام کر رہا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ خود ہی اپنے بندوں کا دوسرے لوگوں پر رُعب ڈال دیتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایک مہینہ کی مسافت پر بھی میرا دشمن ہو تو اللہ تعالیٰ اُس پر میرا رُعب ڈال دیتا ہے۔19 یہ رُعب اپنے اپنے درجہ اور مقام کے مطابق ہوتا ہے۔ کسی کا مہینہ بھر کی مسافت تک رُعب جاتا ہے، کسی کا چند دنوں کے فاصلہ تک رُعب جاتا ہے، کسی کا چند گھنٹوں کے فاصلہ تک رُعب جاتا ہے مگر ہوتا یہی ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ہو جاتے ہیں اللہ تعالیٰ اُن کا ہو جاتا ہے"۔

(الفضل 3 اکتوبر 1958ء)

1: الحدید:4

2: النور:36

3: الانفال:25

4: يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ؕ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ
(الحجرات:18)

5: ارڑپوپو: نجومی۔ احمق۔ ضدی۔ (پنجابی اُردو لغت صفحہ 112 مطبوعہ لاہور 1989ء

6: سیرت ابن ہشام جلد 1 صفحہ 399، 340 مطبوعہ مصر 1936ء

7: المغنی لابن قدامة کتاب الصلاۃِ باب الاذان فصل یکرہ اللحن فی الاذان. جلد 1 صفحہ 430 دار المنار 1367ھ میں "اَنَّ بِلَالًا کَانَ یقولُ اَسْهَدُ" کے الفاظ ملتے ہیں۔

8: تاریخ طبری جلد 2 صفحہ 677 مطبوعہ بیروت 2012ء

9: تاریخ طبری جلد 2 صفحہ 677 ثم دخلت سنة خمس و ثلاثین مطبوعہ بیروت 2012ء

10: الکھف: 17

11: لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ (المائدۃ: 79)

12: البقرۃ: 202

13: بخاری کتاب الصلوٰۃ باب اَلْمَرْأَۃ تطرح عن الْمُصَلِّی شَیْئًا (الخ)

14: بخاری کتاب فضائل اَصْحاب النَّبِیّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ باب قول النَّبِیّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَوْ کُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِیْلًا

15: سیرت ابن ہشام جلد 2 صفحہ 272، 273 مطبوعہ مصر 1936ء

16: تاریخ طبری جلد 2 صفحہ 677 مطبوعہ بیروت 2012ء۔

17: ڈانڈی: ایک قسم کی پہاڑی سواری

18: تذکرہ صفحہ 120۔ ایڈیشن چہارم

19: بخاری کتاب الصلوٰۃ باب قول النَّبِیّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جُعِلَتْ لِیَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَطَھُوْرًا

26

اللہ تعالیٰ سے ہی دعائیں کرنی چاہییں کیونکہ سب طاقت خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے نہ گورنمنٹ اس بارہ میں کوئی مدد کرسکتی ہے اور نہ کوئی انسان مدد کرسکتا ہے

(فرمودہ 12 ستمبر 1958ء بمقام نخلہ)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ دوزخ دو دفعہ سانس لیتی ہے۔ ایک دفعہ سانس باہر نکالتی ہے تو گرمیاں آ جاتی ہیں اور دوسری دفعہ سانس اندر کھینچتی ہے تو سردیاں آ جاتی ہیں۔1 یوں تو یہ ایک تعبیر طلب بات ہے مگر اس دفعہ عملی طور پر ایسا ہی ہوا ہے اور اتنی شدید گرمی پڑی ہے کہ برابر اخبارات میں یہ چھپتا رہا ہے کہ فلاں جگہ سو آدمی مر گیا اور فلاں جگہ دو سو مر گیا۔ ہمارے ملک میں ایک سو تیس بلکہ ایک سو پینتیس درجہ تک بھی گرمی پہنچی ہے۔ یورپ کے لوگ چونکہ ٹھنڈے ملکوں میں رہنے کے عادی ہیں اُن کے ہاں تو اگر معمول سے ذرا بھی زیادہ گرمی پڑنے لگے تو وہ مرنے لگتے ہیں۔ چنانچہ بعض دفعہ اخبارات میں چھپتا ہے کہ نیویارک میں اٹھانوے درجہ تک پارہ پہنچ گیا اور دو ہزار آدمی مر گئے۔ اس لحاظ سے ہمارے ملک میں تو ایک سو بیس یا ایک سو پچیس درجہ حرارت تک دو کروڑ آدمی مرنا چاہیے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ہمارے ملک کے لوگوں کو برداشت کی طاقت دی ہوئی ہے مگر جو بیمار ہیں ان

کے لیے تو گرمی اور سردی دونوں کی شدت بڑی بھاری مصیبت بن جاتی ہے۔ فالج کی بیماری میں بھی بعض دفعہ گرمی کا احساس بڑھ جاتا ہے اور بعض دفعہ سردی کا احساس بڑھ جاتا ہے۔

میں نے 5 ستمبر کو جمعہ کے روز گرمی کی شکایت کی تو اللہ تعالیٰ نے ایسا فضل کیا کہ اس کے بعد بارش ہوگئی اور گرمی کی شدت جاتی رہی۔ پھر پچھلے جمعہ میں مَیں نے شکایت کی کہ گرمی زیادہ ہوگئی ہے تو پھر بارش ہوگئی۔ آج پھر شدت کی گرمی پڑ رہی ہے۔ اگر پھر کوئی بارش ہو جائے تو اُمید ہے کہ آٹھ دس دن تک ربوہ کا موسم بدل جائے گا یا کم سے کم یہاں کا تو ضرور بدل جانا چاہیے۔ جو لوگ یہاں آئے ہیں وہ تو کہتے ہیں کہ یہاں ٹھنڈک ہے مگر ہمیں محسوس نہیں ہوتی۔ پچھلے دنوں میرے نواسے یہاں آئے تو میں نے کہا ہمیں تو آج یہاں گرمی محسوس ہو رہی ہے۔ وہ کہنے لگے آپ کو گرمی محسوس ہوتی ہو گی ہمیں تو سردی معلوم ہوتی ہے۔ پرسوں ہی راولپنڈی کا درجہ حرارت 94 تھا اور یہاں کا درجہ حرارت 83 تھا۔ گویا 11 ڈگری کم تھا حالانکہ راولپنڈی ہمارے ملک میں ٹھنڈا سمجھا جاتا ہے۔ اِسی طرح ایبٹ آباد بھی ٹھنڈا سمجھا جاتا ہے مگر وہاں 84 تھا۔ گویا ایبٹ آباد اور نخلہ کا درجہ حرارت قریباً برابر تھا۔ مگر پچھلے سال تو یہاں بعض دفعہ 50 تک بھی درجہ حرارت گر جاتا تھا۔ آجکل یہاں صرف 71 تک درجہ حرارت گرا ہے۔ اترسوں یہاں کا درجہ حرارت 73 تھا اور اس سے پہلے جب بارش نہیں ہوئی تھی درجہ حرارت 77 تک پہنچ گیا تھا مگر پچھلے سالوں میں صبح کے وقت 50 تک درجہ حرارت رہا ہے۔ اس کے معنے یہ ہیں کہ ساڑھے تین بجے تک قریباً 64 یا 65 تک پہنچ جاتا تھا مگر آج صبح کے وقت بھی 74 تھا، کل 71 تھا اور پرسوں 72 تھا۔

بہرحال اللہ تعالیٰ ہی فضل کرنے والا ہے۔ سورج چاند سب خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہیں۔ ہمارا تو ان پر کوئی زور نہیں چلتا۔ یہی وجہ ہے کہ اس سال ہماری کپاس کی فصلیں بالکل تباہ ہوگئی ہیں بلکہ اِتنی ماری گئی ہیں کہ پچھلے پندرہ سال میں بھی ہماری کپاس کی فصل اتنی کم نہیں ہوئی جتنی اِس سال ہوئی ہے بلکہ اِس سال تو اتنی فصل بھی نہیں ہوئی کہ مالیہ بھی ادا کیا جاسکے۔ گورنمنٹ بڑی مہربانی کرتی ہے تو کہتی ہے کہ اگلے دو سال میں قسط وار مالیہ ادا کر دینا۔ مگر سوال یہ ہے کہ قسط دینے کے لیے روپیہ کہاں سے آئے گا؟ اسلامی اصول تو یہ ہے کہ اگر کسی سال فصل نہ ہو تو مالیہ بھی معاف کر دیا جاتا ہے مگر یہاں اگر فصل نہیں ہوتی تو کہا جاتا ہے کہ اسے قرض کے طور پر سمجھ لو اگلے سال میں ادا کر دینا۔ اس کے معنے یہ

ہیں کہ اگلے سال کا مالیہ سوایا، یا ڈیوڑھا ہو جائے گا اور دو سال تک یہ مصیبت چلے گی۔ یہ تو ایسی ہی بات ہے جیسے کوئی مر رہا ہو تو اُسے کہا جائے کہ ابھی تمہاری روح قبض نہیں کی جاتی پندرہ منٹ بعد قبض کر لی جائے گی۔ اِس سے اُسے کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ یہ وقت تو اس کے لیے اور اس کے رشتہ داروں کے لیے بڑی مصیبت میں گزرے گا۔ پس اللہ تعالیٰ سے ہی دُعائیں کرنی چاہییں کیونکہ سب طاقت خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے نہ گورنمنٹ اس بارہ میں کوئی مدد کرسکتی ہے اور نہ کوئی انسان مدد کرسکتا ہے صرف اللہ تعالیٰ ہی مدد کرسکتا ہے"۔ (غیر مطبوعہ مواد از خلافت لائبریری ربوہ)

1 : بخاری کتاب بدء الخلق باب صفة النّارِ وَاِنَّھَا مَخْلُوْقَةٌ

27

اس سال جلسہ سالانہ پر زیادہ سے زیادہ تعداد میں ربوہ آؤ اور یہاں آ کر اپنا وقت دُعاؤں اور ذکرِ الٰہی میں گزارو

اہلِ ربوہ کا فرض ہے کہ وہ مہمانوں کی رہائش کے لیے زیادہ سے زیادہ مکانات پیش کریں اور پھر تندہی سے ان کی خدمت کریں

(فرمودہ 19 ستمبر 1958ء)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اکٹھا رکھنے اور ان کے اندر اتحاد پیدا کرنے کے لیے حج جیسی عظیم الشان نعمت اسلام میں جاری کی ہے۔ اس کی ابتدا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذریعہ ہوئی تھی مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ماننے والے بہت تھوڑے لوگ تھے۔ جس شخص کی اُمت ساری دنیا میں پھیل گئی اور جس نے خانہ کعبہ کو ساری دنیا کا مرجع بنا دیا وہ صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی وجود ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ خانہ کعبہ کی بنیاد اٹھائی اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعہ حجِ بیت اللہ کا اعلان کروایا تو اُس وقت اللہ تعالیٰ نے انہیں خبر دیتے ہوئے فرمایا کہ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّأْتِيْنَ مِنْ

كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ 1 یعنی تیرے پاس دور دراز سے پیدل چل کر بھی لوگ آئیں گے اور ایسی اونٹنیوں پر بھی سوار ہو کر آئیں گے جو لمبے سفر کی وجہ سے دُبلی ہوگئی ہوں گی اور وہ ایسے راستوں پر سے گزرتی ہوئی آئیں گی جن میں کثرتِ سفر سے گڑھے پڑے ہوئے ہوں گے۔

اِس زمانہ میں چونکہ ریلیں اور ہوائی جہاز نکل آئے ہیں اِس لیے لوگوں کو اِس مثال سے غلطی نہیں کھانی چاہیے۔ میں نے خود اُس زمانہ میں حج کیا ہے جب ابھی ہوائی جہاز نہیں نکلے تھے اور جدہ سے مکہ تک کا سفر میں نے اونٹوں پر ہی کیا ہے اور میں نے دیکھا کہ واقع میں رستوں میں گڑھے پڑے ہوئے تھے اور گرد اُڑتی رہتی تھی۔ اگر کوئی آسودہ حال ہوتا تو وہ اونٹ کی بجائے گدھا لے لیتا۔ گدھا عربوں کی مرغوب ترین سواری ہے اور اِس کی وجہ یہ ہے کہ گدھا مصر میں زیادہ ہوتا ہے اور چونکہ عرب میں دولت زیادہ تر مصر سے ہی آئی تھی اِس لیے مصری رواج اور دستور کو بھی انہوں نے اپنا لیا۔ میں نے ایک دفعہ غارِ ثور جانے کا ارادہ کیا تو سیٹھ ابوبکر یوسف صاحب مرحوم اللہ تعالیٰ اُن کی مغفرت فرمائے وہ مجھے اپنے ساتھ لے گئے اور کہنے لگے کہ میرا ایک دوست ہے۔ میں اُس کا اصطبل آپ کو دکھاتا ہوں۔ آپ اپنی سواری کے لیے کوئی چیز پسند کر لیں۔ چنانچہ ہم وہاں گئے۔ میں نے دیکھا کہ وہاں اُس کا ایک گدھا تھا۔ اُسے دیکھ کر تو وہ خود ہی کہنے لگے کہ یہ آپ کے لیے مناسب نہیں۔ پھر ہم نے ایک گھوڑا دیکھا مگر اُسے بھی چھوڑا۔ آخر کہنے لگے کہ خچر لے لیں کیونکہ خچر کی زیادہ قیمت ہوتی ہے اور بڑے بڑے امراء اِس پر سوار ہوتے ہیں۔ چنانچہ ہم نے خچر لے لی۔ جب ہم غارِ ثور کی طرف جانے لگے تو میرے ساتھ ایک تو نانا جان مرحوم تھے اور ایک عبدالمحی عرب تھے۔ عبدالمحی عرب کو میں نے گدھا لے دیا تھا اور خود خچر پر سوار ہوا مگر جب ہم جا رہے تھے تو میں نے دیکھا کہ عبدالمحی صاحب عرب کا گدھا ہم سے کوئی دو میل آگے نکل گیا ہے۔ خچر کو ہم بہتیرا ماریں مگر وہ چلے ہی نہ۔ آخر میں نے بھی گدھا لے لیا۔ اس پر سوار ہو گیا حالانکہ وہ خچر تین ہزار روپیہ کی تھی گدھا وہاں نو سو یا ہزار کو مل جاتا ہے۔ بعض گدھے پندرہ پندرہ سو تک بھی ملتے ہیں اور گھوڑا سترہ اٹھارہ سو میں مل جاتا ہے۔ بہرحال عمدہ خچر تین ہزار روپیہ میں ملتی ہے مگر باوجود اچھی خچر ہونے کے گدھا اُس سے تیز چلتا تھا۔ اُس زمانہ میں امراء زیادہ تر خچروں پر سواری کرتے تھے اور باقی اونٹوں یا گدھوں پر سواری کرتے۔

اونٹ عرب کی جان ہے اور اِسی کا حوالہ دے کر قرآن کریم میں بیان کیا گیا ہے کہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہر قسم کی اونٹنیوں پر سوار ہو کر جو کثرتِ سفر کی وجہ سے دُبلی ہو جائیں گی تیرے پاس لوگ آئیں گے یعنی عرب کے کناروں سے چل کر لوگ آئیں گے۔ مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مار تو صرف عرب کے کناروں تک تھی اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مار دنیا کے کناروں تک ہے۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مار صرف اونٹوں تک تھی مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مار ریلوں، جہازوں بلکہ ہوائی جہازوں تک ہے۔ چنانچہ مغربی افریقہ سے اِس سال ہماری جماعت کے دو آدمیوں نے ہوائی جہاز میں سفر کر کے حج کیا ہے۔ اِسی طرح مشرقی افریقہ سے ہر سال کئی آدمی ہوائی جہازوں میں سوار ہو کر حجِ بیت اللہ کے لیے آتے ہیں۔ مغربی افریقہ سے جو رئیس اِس سال حج کے لیے گئے اُن کے ساتھ ایک مقامی افریقن مبلّغ بھی تھا۔ اِسی طرح ربوہ سے جو مبلّغ گئے ہوئے ہیں اُن کو بھی انہوں نے اپنے ساتھ لیا اور وہ سب کے سب حج کر آئے۔ بہرحال مکہ کی برکات مکہ کے ساتھ ہی وابستہ ہیں جن سے اپنے اپنے ظرف کے مطابق ہر شخص جو وہاں جائے فائدہ اُٹھا سکتا ہے مگر افسوس ہے کہ مسلمان مکہ مکرمہ سے صحیح رنگ میں فائدہ نہیں اٹھاتے اور حج سے جو برکات وابستہ ہیں اُن کو حاصل کرنے کی پوری کوشش نہیں کرتے۔ حج سے بڑی غرض تو یہ ہے کہ لوگ وہاں کثرت سے عبادت کریں، اپنے اوقات ذکرِ الٰہی میں بسر کریں، روزے رکھیں، اعتکاف بیٹھیں اور اپنے دلوں کو خدا تعالیٰ کے نور سے منور کرنے کی کوشش کریں مگر کئی لوگ ہنسی مذاق اور اِدھر اُدھر کی باتوں میں ہی اپنا وقت ضائع کر دیتے ہیں۔

میں نے پہلے بھی کئی دفعہ سنایا ہے کہ ہم منٰی سے عرفات کو جا رہے تھے کہ میں نے ایک نوجوان کو دیکھا کہ وہ اُس وقت اردو کے نہایت گندے عشقیہ اشعار پڑھتا جا رہا تھا۔ وہ بمبئی کے ایک سیٹھ کا لڑکا تھا۔ جب ہم واپس آنے لگے تو اتفاقاً جس جہاز میں مَیں سوار ہوا اُسی میں وہ نوجوان بھی سوار تھا۔ اُسے کسی طرح پتا لگ گیا کہ میں احمدی ہوں۔ اب یا تو اُس کی یہ کیفیت تھی کہ عرفات کو جاتے ہوئے عین ذکرِ الٰہی کے وقت وہ اردو کے نہایت گندے عشقیہ اشعار پڑھتا جا رہا تھا اور یا جب میں جہاز میں ٹہلتا تو وہ مجھے دیکھ کر کہتا کہ خدایا! وہ جہاز بھی غرق نہیں ہوتا جس میں ایسا شخص سوار ہے۔ میں اس کی یہ بات سن کر دل میں ہنستا کہ اسے اتنی بھی سمجھ نہیں کہ اگر یہ جہاز غرق ہوا تو ساتھ ہی وہ بھی غرق ہو جائے گا۔ ایک دن میں نے اُس سے کہا کہ میں نے آپ کو عرفات کی طرف جاتے ہوئے نہایت

گندے عشقیہ اشعار پڑھتے دیکھا تھا حالانکہ وہ ذکرِ الٰہی اور دُعاؤں کا وقت تھا۔ اگر مکہ مکرمہ میں جا کر بھی آپ نے ذکرِ الٰہی نہیں کرنا تھا تو حج پر آنے سے آپ کی غرض کیا تھی؟ وہ کہنے لگا مجھے تو حج سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ بات دراصل یہ ہے کہ میرا باپ تاجر ہے اور ہم نے ایک دکان کھولی ہوئی ہے۔ ہماری یہ دکان پہلے خوب چلتی تھی اور سوات تک سے لوگ ہم سے سودا خریدنے آتے تھے۔ مگر پچھلے سال ہمارے ساتھ والا دکاندار حج کر آیا اور اُس نے اپنے نام کے ساتھ حاجی لکھوا کر دکان پر بورڈ لٹکا دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہماری بکری کم ہوگئی اور اُس کی دکان خوب چلنے لگی۔ میرے باپ نے مجھے کہا کہ تُو بھی حج کر آ تا کہ ہم بھی حاجی کا بورڈ لگوا سکیں اور لوگ یہاں دکان پر بھی کثرت سے آنے لگیں۔ چنانچہ میں اپنے باپ کے کہنے پر حج کرنے کے لیے آ گیا ورنہ مجھے کیا پتا کہ حج کیا ہوتا ہے اور اِس کے آداب کیا ہیں۔ غرض حج پر تو لوگ جاتے ہیں مگر ان میں اس قسم کے بھی لوگ ہوتے ہیں جنہیں یہ پتا ہی نہیں ہوتا کہ حج کیا چیز ہے اور یہ عبادت کیوں قائم کی گئی ہے۔

ہمارے ساتھ ایک اَور بوڑھا شخص بھی تھا جس کا نام عبدالوہاب تھا اور غیر احمدی تھا۔ میں تو مصر کے راستہ سے حج کے لیے گیا تھا مگر ہمارے نانا جان بمبئی کے راستہ سے حج کے لیے آئے تھے۔ انہیں عبدالوہاب بمبئی میں مل گیا اور چونکہ وہ غریب شخص تھا انہیں رحم آ گیا اور اُسے بھی انہوں نے اپنے ساتھ شامل کر لیا۔ مکہ مکرمہ تک وہ ہمارے ساتھ ہی رہا۔ اس سفر میں ہم سیٹھ ابوبکر یوسف جمال صاحب کے ہاں ہی ٹھہرے تھے اور پھر مکہ مکرمہ میں بھی انہوں نے ہی اپنے ایجنٹوں کے ذریعہ تمام انتظامات کروائے۔ عبدالوہاب بھی ان تمام انتظامات میں ہمارے ساتھ شریک رہا مگر جب حج ختم ہوا تو مکہ میں سخت ہیضہ پُھوٹ پڑا۔ نانا جان کی طبیعت کمزور تھی۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں فوراً واپس چلنا چاہیے مگر عبدالوہاب نے کہا کہ میں مدینہ جاؤں گا کیونکہ میرے بیٹوں نے مجھے کہا ہے کہ جب تک تُو مدینے نہیں جائے گا تیرا حج مکمل نہیں ہوگا۔ ہم نے اسے منع بھی کیا کہ نہ جاؤ کہیں راستہ میں ہی مر جاؤ گے مگر وہ نہ مانا اور چلا گیا۔ معلوم نہیں پھر اُس کا کیا حال ہوا۔ مگر اس شخص کی مذہب سے واقفیت کا یہ حال تھا کہ ایک دفعہ ہم نے اُس سے پوچھا کہ میاں! تمہارا مذہب کیا ہے؟ وہ کچھ دیر خاموش رہا۔ ہم نے کہا بتاتے کیوں نہیں؟ کہنے لگا گھبراتے کیوں ہو؟ سوچنے تو دو۔ تم تو دوسرے کو سوال کر کے پریشان کر دیتے ہو۔ وہ بیچارہ کوئی ستّر اَسّی سال کا تھا اور میری عمر اُس وقت کوئی چوبیس سال کی تھی۔ تھوڑی دیر

کے بعد میں نے پھر پوچھا کہ بتایئے آپ کا کیا مذہب ہے؟ کہنے لگا میری عقل کیوں مار لی ہے؟ میں سوچ تو لوں۔ آخر اسی طرح پندرہ بیس منٹ گزر گئے اور پھر کہنے لگا میرا مذہب علیہ علیہ علیہ ہے۔ میں دل میں سمجھ گیا کہ یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہنا چاہتا ہے مگر میں نے کہا میاں عبدالوہاب! یہ علیہ علیہ علیہ کیا ہے؟ اِس طرح تو لعنۃ اللہ علیہ بھی ہوتا ہے۔ کہنے لگا سوچ تو لینے دو گھبراتے کیوں ہو؟ میں نے کہا سوچ لو۔ آخر کچھ دیر کے بعد کہنے لگا علیہ رحمۃ اللہ۔ میں پھر ہنسا تو کہنے لگا مجھے ایک کارڈ لے دو میں اپنے گاؤں کے ملّاں سے پوچھ کر تمہیں لکھوا دوں گا کہ میرا کیا مذہب ہے؟ میں نے کہا مجھے ملّاں کے مذہب کی ضرورت نہیں مجھے تو آپ کے مذہب کی ضرورت ہے۔ کہنے لگا میرا مذہب اعظم علیہ ہے۔ یہ اُس کی مذہب سے واقفیت تھی مگر وہ حج کے لیے چلا گیا۔ حج کے بعد کہنے لگا مجھے بیٹوں نے کہا تھا کہ تم نے مدینے ضرور جانا ہے۔ اس لیے اب میں مدینہ جاؤں گا۔ چنانچہ پھر وہ مدینہ چلا گیا۔ ہمیں معلوم نہیں کہ پھر اُس کا کیا حال ہوا۔

غرض اللہ تعالیٰ نے حجِ بیت اللہ کا قیام ذکرِ الٰہی کے لیے کیا تھا مگر مسلمانوں نے اس سے وہ فائدہ اُٹھانا ترک کر دیا جس کے لیے یہ عبادت مقرر کی گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی اِس بے رغبتی اور عدمِ توجّہی کو دیکھ کر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ قادیان میں جلسہ سالانہ کی بنیاد رکھی۔ اِس میں کوئی شُبہ نہیں کہ حج کے لیے لوگوں کو ہمیشہ مکہ مکرمہ میں ہی جانا پڑے گا مگر وعظ و نصیحت کے لیے اللہ تعالیٰ نے قادیان کو مرکز مقرر فرمایا۔ اب اللہ تعالیٰ کی مشیّت کے ماتحت ہم قادیان سے ربوہ آ گئے ہیں جہاں ہر سال ہمارا سالانہ جلسہ منعقد ہوتا ہے جس میں شامل ہونے کے لیے دور دور سے لوگ آتے ہیں، وعظ و نصیحت کی باتیں سنتے ہیں، تہجدیں پڑھتے ہیں، ذکرِ الٰہی اور دُعاؤں میں اپنا وقت صَرف کرتے ہیں اور نوجوان بھی جہاں مہمانوں کی خدمت کرتے ہیں وہاں اپنے اوقات کو زیادہ تر ذکرِ الٰہی میں بسر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور اس جلسہ کی بڑی غرض بھی یہی ہے کہ جو لوگ اِس میں شامل ہونے کے لیے ربوہ آئیں وہ دن کے اوقات میں علماءِ سلسلہ کی تقریریں سنیں اور رات کو مساجد میں تہجدیں پڑھیں، ذکرِ الٰہی کریں، قرآن کریم کی تلاوت کریں اور دُعاؤں میں اپنے اوقات بسر کریں تا کہ اگر سارا سال انہوں نے تہجد نہیں پڑھی تو کم از کم ان تین دنوں میں ہی وہ تہجد اور نوافل پڑھ کر اور ذکرِ الٰہی اور دُعاؤں میں حصہ لے کر اپنے دلوں کو منور کر لیں۔

جلسہ سالانہ پر آنے والے دوستوں کو ہدایات تو میں ربوہ میں دیا کرتا ہوں مگر اس دفعہ گرمی کی شدّت کی وجہ سے میں نہیں کہہ سکتا کہ ہم کب ربوہ پہنچیں۔ پہلے کئی دفعہ یہاں 69، 70 تک درجہ حرارت رہتا تھا مگر آج 86 سے اوپر تھا۔ اور ابھی پتا نہیں کہ پونے چار بجے تک کتنا درجہ حرارت بڑھ جائے۔ ہم 5 مئی کو مری گئے تھے اور اُس وقت یہاں درجہ حرارت 90 تھا مگر آج صبح کے وقت ہی 86 تک درجہ حرارت پہنچا ہوا تھا جس سے ڈر آتا ہے کہ کہیں آج 90 سے بھی ٹمپریچر بڑھ نہ جائے۔ پس چونکہ گرمی زیادہ ہے میں نے مناسب سمجھا کہ یہیں خطبہ پڑھ دوں۔ اخبار میں چھپ کر تمام جماعتوں کو پہنچ جائے گا۔ پھر جو کچھ اللہ تعالیٰ کی مشیّت ہوگی وہی ہوگا۔ اِس دفعہ گرمی کی شدّت اور صحت کی کمزوری دیکھ کر خیال آیا کہ معلوم نہیں کتنی زندگی باقی ہے اس لیے جو فرض بھی ادا کیا جا سکے اس کو جلد سے جلد ادا کر دوں اور جماعتوں کو اُن کی ذمہ داری کی طرف توجہ دلا دوں۔

پس میں دوستوں سے کہتا ہوں کہ وہ جلسہ سالانہ پر زیادہ سے زیادہ آنے کی کوشش کریں۔ اِس سال گرمی بھی زیادہ پڑی ہے اور بارشیں بھی زیادہ ہوئی ہیں جس کی وجہ سے فصلیں بالکل ماری گئی ہیں۔ مجھے اطلاع ملی ہے کہ اس سال چندوں میں بھی کمی واقع ہو رہی ہے۔ گو پچھلے سال جتنا چندہ تو آ چکا ہے مگر ہمیں زیادہ آمد کی ضرورت ہے کیونکہ اس سال سترہ لاکھ کا بجٹ بنایا گیا ہے اور پچھے سال بارہ لاکھ کا بجٹ تھا۔ پس پچھلے سال کا جو بجٹ تھا اُس کے برابر تو چندہ کی وصولی ہو رہی ہے مگر اس سال جتنی آمد ہونی چاہیے تھی اُتنی آمد نہیں ہو رہی۔ اسی وجہ سے ہر صیغہ کے بجٹ میں تین فیصدی کی مزید کمی کی گئی ہے تاکہ آخر سال تک اخراجات پورے ہو سکیں۔ گویا اس سال کے لیے صدر انجمن احمدیہ نے جو بجٹ تجویز کیا تھا اور جسے مجلس شوریٰ کے موقع پر منظور کر لیا گیا تھا اُس میں سے بھی تین فیصدی کی کمی کر دی گئی ہے۔ یہ کمی بھی اسی لیے کرنی پڑی کہ اس سال فصلیں بہت کچھ ماری گئی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ اوّل تو دھوپ اور گرمی بہت پڑی، دوسرے متواتر بارشیں ہوئیں اور انہوں نے اتنی تباہی مچائی کہ ابھی تک کراچی کی طرف سڑکیں ٹوٹی پڑی ہیں اور موٹر آ جا نہیں سکتی اور قریباً ایک مہینہ سے یہی حالت ہے۔ اس وجہ سے جلسہ سالانہ پر آنے جانے کے اخراجات پورے کرنے کے لیے دوستوں کو دقتیں تو پیش آئیں گی لیکن ان کو چاہیے کہ اس موقع کے لیے انہیں کچھ قرض لے کر بھی آنا پڑے تو وہ قرض لے کر آ جائیں۔

غریب لوگ تھرڈ کلاس میں سفر کرتے ہیں اور اس وجہ سے اُن کے کرایہ پر بہت تھوڑا روپیہ خرچ ہوتا ہے۔ بالعموم چار پانچ روپیہ میں وہ ربوہ پہنچ سکتے ہیں اور چار پانچ روپے اگر قرض لے لیے جائیں تو غریب سے غریب آدمی بھی محنت مزدوری کر کے آسانی سے اتنا قرض ادا کرسکتا ہے۔ اِسی طرح عورتوں کو چاہیے کہ وہ کفایت سے اپنے گھروں کے اخراجات پورے کریں تا کہ کم از کم اتنا روپیہ ان کے پاس بچ جائے جس سے وہ جلسہ سالانہ پر آسکیں۔ لوگوں میں عموماً یہ شوق پایا جاتا ہے کہ وہ جلسہ سالانہ پر آپ بھی آتے ہیں اور اپنے بیوی بچوں کو بھی ساتھ لاتے ہیں۔ اسی طرح وہ اپنے ہمسایوں اور دوستوں کو بھی ساتھ لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی میں جو آخری جلسہ سالانہ ہوا اُس میں سات سو آدمی شامل ہوئے تھے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام اُن کو دیکھ کر اتنے خوش ہوئے تھے کہ جب آپ سیر کے لیے باہر نکلے اور چلتے ہوئے لوگوں کی ٹھوکروں کی وجہ سے آپ کے پاؤں سے جوتی بار بار نکل جاتی تو آپؑ نے فرمایا اب تو ہماری جماعت اِتنی بڑھ گئی ہے کہ میں سمجھتا ہوں میرے آنے کی غرض پوری ہوگئی ہے۔ ہمارے آنے کی یہی غرض تھی کہ ہم دین کی اشاعت کریں اور اس کے لیے ایک جماعت تیار کر دیں۔ سو اَب وہ جماعت تیار ہوگئی ہے۔ چنانچہ اسی سال آپؑ وفات پاگئے۔ پھر حضرت خلیفہ اوّل کے عہدِ خلافت میں جو آخری جلسہ ہوا اُس میں اٹھارہ اُنیس سو آدمی شریک ہوئے۔ اور اس کے بعد قادیان میں جو جلسے ہوتے رہے ان میں خدا تعالیٰ کے فضل سے شامل ہونے والوں کی تعداد ہر سال بڑھتی چلی گئی۔ مجھے یاد ہے ایک دفعہ خان صاحب مولوی فرزند علی صاحب بڑے خوش خوش میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ میں نے پوری طرح حساب لگا کر معلوم کیا ہے کہ اس سال ہمارے جلسہ میں تیئیس ہزار آدمی شریک ہوئے ہیں مگر اب یہ کیفیت ہے کہ پچھلے سال ربوہ میں ستّر ہزار آدمی جمع ہوا اور اس سال ہم اُمید رکھتے ہیں کہ اگر جماعت پوری توجہ سے کام لے اور اپنی ذمہ داری کو سمجھے تو ایک لاکھ تک آنے والوں کی تعداد پہنچ جائے گی۔ بلکہ ممکن ہے اس سے بھی بڑھ جائے۔

پس اوّل تو میں جماعت کو یہ نصیحت کرنا چاہتا ہوں کہ وہ جلسہ سالانہ پر پچھلے سالوں سے بھی زیادہ آنے کی کوشش کرے اور پھر زیادہ سے زیادہ غیر احمدیوں کو اپنے ہمراہ لانے کی کوشش کرے۔ اِسی طرح جو غیر احمدی دوست تشریف لائیں اُن کا خاص طور پر خیال رکھا جائے اور انہیں مرکز سے

زیادہ سے زیادہ مستفید کرنے کی کوشش کی جائے۔ قرآن کریم نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ایک بڑی خوبی یہ بیان فرمائی ہے کہ كَانَ يَأْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ 2 یعنی وہ ایسا نیک تھا کہ اپنے بیوی بچوں کو بھی نیکی کی تلقین کرتا رہتا تھا۔ اِسی طرح جو دوست غیر احمدی معززین کو اپنے ہمراہ لائیں انہیں اِس امر کی طرف توجہ دلائیں کہ وہ بیشک ہمارے پیچھے نمازیں نہ پڑھیں مگر مسجد میں آ کر پنجوقتہ نماز پڑھنے کی ضرور کوشش کریں اور دُعاؤں اور ذکرِ الٰہی میں اپنے ایام بسر کریں۔ آخر نماز کی پابندی جس طرح ہمارے لیے ضروری ہے اُسی طرح اُن کے لیے بھی ضروری ہے۔ بیشک ہم انہیں یہ نہیں کہتے کہ وہ ہمارے پیچھے نمازیں پڑھیں مگر ہم یہ ضرور چاہتے ہیں کہ وہ اپنے طریق پر جس طرح بھی نماز پڑھنا چاہیں پڑھیں اور اللہ تعالیٰ کو یاد کریں۔

مجھے یاد ہے پارٹیشن کے بعد جہلم میں مَیں نے ایک جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے مسلمانوں کو اس امر کی طرف توجہ دلائی کہ خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے انہیں پاکستان دے دیا ہے۔ اب ان کا فرض ہے کہ وہ اسلامی احکام پر بھی عمل کریں کیونکہ پاکستان کا مطالبہ اِسی بناء پر کیا گیا تھا کہ مسلمانوں کو ایک الگ مقام اس لیے ملنا چاہیے کہ وہ اسلامی تمدّن اور معاشرت کو قائم کر سکیں۔ پس اب جبکہ پاکستان مل چکا ہے انہیں چاہیے کہ وہ اسلامی احکام پر عمل کرنے کی کوشش کریں تا کہ یہ ثابت ہو جائے کہ انہوں نے جو مطالبہ کیا تھا وہ دیانتداری پر مبنی تھا۔ اور اس غرض کے لیے انہیں چاہیے کہ وہ نمازیں پڑھیں، روزے رکھیں، زکوٰۃ دیں، حج کریں۔ پھر مجھے خیال آیا کہ ایسا نہ ہو یہ لوگ غلطی سے یہ سمجھ لیں کہ میں انہیں اپنے پیچھے نماز پڑھنے کی تلقین کر رہا ہوں۔ چنانچہ میں نے انہیں کہا کہ ہمارا اور آپ لوگوں کا قبلہ بھی ایک ہے، قرآن بھی ایک ہے اور نماز بھی ایک جیسی ہی ہے لیکن پھر بھی میں یہ نہیں کہتا کہ آپ میرے پیچھے نماز پڑھیں میں یہ کہتا ہوں کہ آپ غیر احمدی امام کے پیچھے پڑھیں اور غیر احمدیوں کی مسجد میں پڑھیں مگر پڑھیں ضرور۔ میں یہ بھی نہیں کہتا کہ اگر کوئی حنفی ہو تو وہ شافعیوں کے پیچھے نماز پڑھے یا شافعی حنفیوں کے پیچھے پڑھے بلکہ میں یہ کہتا ہوں کہ اگر کوئی حنفی ہے تو وہ حنفیوں کے پیچھے نماز پڑھے، شافعی ہے تو وہ شافعیوں کے پیچھے پڑھے، شیعہ ہو تو شیعوں کے پیچھے پڑھے مگر بہرحال وہ خدا تعالیٰ کا نام ضرور لے اور اس کی عبادت کرے تا کہ اُس کا خدا اُس پر خوش ہو جائے۔ جب میں تقریر کر کے بیٹھ گیا تو ایک شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ میں ایک بات کہنی چاہتا ہوں۔ میں اُس کے دھوکا میں آ گیا اور

میں نے سمجھا کہ شاید وہ لیکچرر کی تعریف کرنا چاہتا ہے مگر جب اسے صدر نے اجازت دی تو وہ کھڑے ہو کر کہنے لگا کہ مرزا صاحب نے جو بات کہی ہے وہ منافقت سے کہی ہے ورنہ اگر وہ اپنی بات میں سچے ہیں تو چلیں اور ہمارے امام کے پیچھے نماز پڑھیں۔ اُس وقت اُس جلسہ کا صدر ایک غیر احمدی تھا۔ وہ ہماری جماعت کا شدید مخالف ہے اور اُس نے ہمارے خلاف بعض ٹریکٹ بھی لکھے ہیں مگر جب اس نے یہ بات کہی تو وہ فوراً کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا مجھے پتا نہیں تھا کہ اس شخص نے اعتراض کر کے فتنہ پھیلانا ہے ورنہ میں اسے کبھی بولنے کی اجازت نہ دیتا۔ مرزا صاحب نے تو اپنے پیچھے نماز پڑھنے کا نام بھی نہیں لیا۔ انہوں نے تو یہ کہا ہے کہ تم نمازیں پڑھو۔ اور یہ بھی نہیں کہا کہ ہماری مسجد میں پڑھو بلکہ کہا ہے کہ تم اپنی اپنی مسجدوں میں نمازیں پڑھو اور یہ بھی نہیں کہا کہ ہمارے امام کے پیچھے پڑھو بلکہ انہوں نے کہا ہے کہ اگر تم شیعہ ہو تو شیعہ امام کے پیچھے پڑھو، اگر خارجی ہو تو خارجی امام کے پیچھے پڑھو، اگر حنفی یا شافعی ہو تو حنفی یا شافعی امام کے پیچھے پڑھو۔ اور جب انہوں نے اپنی جماعت کا کوئی ذکر ہی نہیں کیا بلکہ مسلمانوں کو اُن کے فرائض کی طرف توجہ دلائی ہے اور کہا ہے کہ تم اپنے اپنے طریق پر جس طرح خدا تعالیٰ کی عبادت کرنا پسند کرتے ہو اُس طرح عبادت کرو تو پھر اعتراض کرنے کی کیا وجہ ہے۔ اگر تو وہ یہ کہتے کہ میرے پیچھے نماز پڑھو یا ہماری جماعت کے امام کے پیچھے نماز پڑھو تب تو اعتراض ہو سکتا تھا لیکن انہوں نے تو اشارۃً بھی کوئی بات ایسی نہیں کہی۔ پس یہ اعتراض محض فتنہ اور فساد پھیلانے کی کوشش کرنا ہے۔ اِس طرح اللہ تعالیٰ نے اُن ہی کے ایک آدمی کے ذریعہ مخالف کو جواب دے دیا اور وہ شرمندہ ہو کر بیٹھ گیا۔

بہرحال ہمارا طریق یہی ہے کہ ہم ہر مذہب اور عقیدہ رکھنے والے کو کہتے ہیں کہ وہ اپنے اپنے طریق کے مطابق اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے۔ ہم کسی کو مجبور نہیں کرتے کہ وہ ہمارے پیچھے نماز پڑھے۔ مجھے یاد ہے جب شملہ میں پہلی مرتبہ کشمیر کمیٹی کا جلسہ ہوا تو نواب صاحب آف کُنج پورہ بھی جو ہمارے رشتہ دار تھے اس میں شامل ہوئے۔ میں نے یہ دیکھ کر کہ وہ احمدیت کے مخالف ہیں اور بعض دوسرے غیر احمدی معززین بھی شامل ہیں میں نے درد صاحب کو کہا کہ ایک الگ کمرہ میں نماز کے لیے دریاں بچھا دیں اور پانی کا بھی انتظام کر دیں۔ جب کمیٹی ہو چکی تو میں نے دوستوں سے کہا کہ اب چونکہ نماز کا وقت ہے اس لیے ہم تو یہیں نماز پڑھیں گے لیکن آپ لوگوں کے لیے ایک الگ کمرہ میں

انتظام کر دیا گیا ہے اور لوٹے بھی رکھوا دیئے گئے ہیں تا کہ وضو کر سکیں۔ اس پر نواب صاحب بڑے غصہ سے اُٹھے اور ناراض ہو کر چلے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد نواب ذوالفقار علی خاں صاحب جو ہمارے بہنوئی نواب محمد علی خاں صاحب کے چھوٹے بھائی تھے اُن کا مجھے فون آیا کہ نواب صاحب آف کُنج پورہ کی آپ نے کیوں ہتک کر دی، وہ تو بڑے ناراض ہیں۔ میں نے کہا کہ میں نے تو کوئی ہتک نہیں کی۔ میں نے تو اُن کی سہولت کے لیے الگ جائے نماز بچھوا دی تھی اور پانی کا بھی انتظام کرا دیا تھا تا کہ وہ علیحدہ نماز پڑھ لیں۔ آخر انہوں نے ہمارے پیچھے تو نماز نہیں پڑھنی تھی۔ وہ کہنے لگے کہ انہوں نے آپ کی بات کو سمجھا نہیں۔ وہ بڑے غصہ سے اُٹھ کر آ گئے اور کہنے لگے کہ انہوں نے ہم کو کافر قرار دے دیا ہے اور کہا ہے کہ تم الگ نماز پڑھو۔

غرض ہم تو خود کہتے ہیں کہ جو لوگ اعتقادات میں ہم سے اختلاف رکھتے ہیں وہ علیحدہ نماز پڑھیں۔ آخر نماز بندے اور خدا تعالیٰ کے تعلق کی ایک علامت ہے۔ اگر وہ اپنے عقائد میں سچے ہیں تو اُن کی نماز اُسی صورت میں قبول ہو سکتی ہے جب وہ ہم سے علیحدہ نماز پڑھیں۔ اور اگر وہ ہم کو جھوٹا سمجھتے ہیں تو اپنے پیچھے نماز پڑھوا کر ہم اُن کی نماز کو کیوں خراب کریں۔ اگر ایک شخص ہم کو کافر سمجھتا ہے اور پھر ہم اُسے کہتے ہیں کہ تُو ہمارے پیچھے نماز پڑھ تو اِس کے معنے یہ ہیں کہ ہم اُسے بے دین بناتے ہیں۔ اگر وہ خود اپنے شوق سے ہمارے پیچھے نماز پڑھنا چاہے تو ہم اُسے نہیں روکتے لیکن جو شخص ہمارے پیچھے نماز نہ پڑھنا چاہے اُسے ہم اپنے پیچھے نماز پڑھنے پر مجبور نہیں کر سکتے۔

پس جو لوگ باہر سے آئیں اُن کو نصیحت کرتے رہیں کہ وہ مسجدوں میں بیٹھیں، ذکرِ الٰہی کریں، دُعا اور استغفار سے کام لیں اور جب نماز کا وقت آئے تو بیشک علیحدہ نماز پڑھ لیں، ہمارے امام کے پیچھے نہ پڑھیں۔ مگر بہر حال پڑھیں ضرور کیونکہ نماز پڑھنے کا خدا تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور اس حکم کی بجا آوری جس طرح ہمارے لیے ضروری ہے اُسی طرح اُن کے لیے بھی ضروری ہے۔

غرض جماعت کے دوستوں کو چاہیے کہ وہ زیادہ سے زیادہ جلسہ سالانہ پر آنے کی کوشش کریں اور پھر یہاں آ کر دُعاؤں اور ذکرِ الٰہی اور عبادت میں اپنا وقت گزاریں اور جن غیر احمدی دوستوں کو اپنے ہمراہ لائیں اُن کی بھی نگرانی رکھیں تا کہ وہ اپنا وقت ضائع نہ کریں اور دُعا اور استغفار میں مشغول رہیں۔

اِسی طرح میں ربوہ والوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ جلسہ سالانہ پر آنے والے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مہمان ہیں اور چونکہ وہ خدا تعالیٰ کی آواز پر جمع ہوتے ہیں اس لیے وہ ان کے بھی مہمان ہیں۔ اگر وہ ان کی مہمان نوازی نہیں کریں گے تو وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا مورد بنیں گے۔ ان کے کھانے پر جس قدر خرچ ہوتا ہے وہ تو خود اپنے چندہ کے ذریعہ بھجوا دیتے ہیں۔ ربوہ والوں کا کام صرف اتنا رہ جاتا ہے کہ وہ ان کی خدمت کریں اور ان کی رہائش کے لیے زیادہ سے زیادہ مکانات پیش کریں۔

پس میں ربوہ والوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ ابھی سے اپنے مکانات کا ایک حصہ مہمانوں کو پیش کرنے کا تہیہ کر لیں اور کوشش کریں کہ وہ زیادہ سے زیادہ مکانات مہمانوں کو دیں۔ اِسی طرح مہمانوں کی خدمت کے لیے وہ والنٹیئرز کے طور پر اپنے آپ کو بھی پیش کریں تا کہ باہر سے آنے والوں کو زیادہ سے زیادہ آرام پہنچایا جا سکے۔ اگر اس دفعہ باہر سے ایک لاکھ آدمی آ جائے تو اس کے معنے یہ ہیں کہ ان کی خدمت کے لیے بیس ہزار والنٹیئرز کی ضرورت ہوگی مگر ابھی ربوہ کی آبادی اتنی نہیں کہ تمام والنٹیئرز صرف ربوہ سے ہی میسر آ سکیں۔ اس لیے تمام جماعتوں کا فرض ہے کہ وہ اپنی جماعت کے افراد میں سے پچیس فیصدی افراد کو والنٹیئرز کے طور پر پیش کریں اور جلسہ سالانہ سے پہلے ہی انصار اللہ اور خدام الاحمدیہ کے دفاتر میں اُن کے نام بھجوا دیں اور جب جلسہ سالانہ پر وہ لوگ پہنچیں تو آتے ہی ان لوگوں کو انصار اور خدام کے منتظمین کے سپرد کر دیں تا کہ وہ ربوہ والوں کے ساتھ مل کر آنے والے مہمانوں کی خدمت کر سکیں''۔ (الفضل 9/ اکتوبر 1958ء)

1: الحج: 28

2: مریم: 56

28

دُعاؤں میں لگے رہو کہ اللہ تعالیٰ اسلام کی مضبوطی کے زیادہ سے زیادہ سامان پیدا کرے

عیسائیت کا مقابلہ کرنا ہمارا سب سے مقدّم فرض ہے

(فرمودہ 3/اکتوبر 1958ء بمقام نخلہ)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور نے سورۃ النّاس کی تلاوت فرمائی اور پھر فرمایا:

''تینوں قُلْ جو قرآن شریف کے آخر میں آئے ہیں یہ درحقیقت سورۃ فاتحہ کی تشریح کے طور پر ہیں۔ یوں تو سارا قرآن ہی سورہ فاتحہ کی تفسیر ہے لیکن خصوصیت سے وہ تینوں قُلْ جو قرآن کریم کے آخر میں آئے ہیں ان میں آخری زمانہ میں پیدا ہونے والے مفاسد اور خرابیوں کی خبر دی گی ہے۔ چنانچہ انہی سورتوں میں سے ایک یہ سورۃ الناس بھی ہے جس کی میں نے ابھی تلاوت کی ہے۔ اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ آخری زمانہ میں کئی قسم کے فتنے پیدا ہوں گے۔

ایک فتنہ تو اللہ تعالیٰ کے رب العالمین ہونے کے مقابلہ میں اُٹھے گا یعنی لوگ روپے دے دے کر ایمان خریدنا شروع کر دیں گے۔ چنانچہ دیکھ لو عیسائیوں نے ہمارے ملک میں لوگوں کو روپے دے دے کر ہی ادنیٰ اقوام کو خریدنا شروع کیا تھا۔ انہوں نے ان کے بچوں کو تعلیم دلائی، ان کی عورتوں

کونرسنگ سکھائی اور اس طرح انہیں عیسائی بنالیا۔

دوسرا فتنہ اِلٰہِ النَّاسِ 1 کے مقابلہ میں پیدا ہوگا اور پادری وغیرہ جو خرابیاں پیدا کریں گے اور دلوں میں شبہات ڈالیں گے اس میں بعض مسلمان اُن کی مدد کریں گے۔ چنانچہ عیسائیوں نے اگر حضرت مسیحؑ کو خدا قرار دیا تھا تو مسلمانوں نے بھی اسے آسمان پر چڑھا دیا اور یہ کہنا شروع کر دیا کہ وہ فوت نہیں ہوئے۔

تیسرا فتنہ جس کی اِس سورۃ میں خبر دی گئی تھی وہ فلسفیوں کا فتنہ تھا اور بتایا گیا تھا کہ وہ آپ تو پیچھے ہٹ کر رہیں گے مگر کالجوں میں تعلیم حاصل کرنے والے لڑکوں کے لیے وہ ایسی کتابیں لکھیں گے جو اُن کے دلوں میں زہریلے خیالات پیدا کر دیں گی۔ ان کے لیے تو عیسائیت بھی باطل مذہب ہوگا اور اسلام بھی۔ مگر وہ درپردہ اسلام پر اعتراض کریں گے اور کتابیں لکھ لکھ کر سکولوں اور کالجوں کے لڑکوں کو خراب کرنے کی کوشش کریں گے۔

غلام حسین ہدایت اللہ جو سندھ کے گورنر تھے انہوں نے ایک دفعہ بیان کیا کہ میرے سامنے ایک دفعہ حضرت مرزا صاحب کا ذکر ہوا تو کسی نے آپ پر اعتراض کر دیا۔ میں نے اُسے کہا کہ میاں! تم جوان ہو اور پرانے حالات کا تمہیں علم نہیں۔ میری اپنی یہ حالت تھی کہ میں عیسائی ہونے لگا تھا کہ اچانک میں نے مرزا صاحب کی کتابیں پڑھیں اور میں عیسائی ہونے سے بچ گیا۔ غرض عیسائیوں نے کالج بنا بنا کر نوجوانوں کو عیسائیت کی طرف مائل کیا۔

پس ہمارا سب سے مقدّم فرض یہ ہے کہ ہم عیسائیت کا مقابلہ کریں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لکھا ہے کہ مجھے خدا تعالیٰ نے عیسائیت کا مقابلہ کرنے کے لیے مبعوث کیا ہے جو مذہبی عقائد اور مذہبی خیالات میں ابتری اور فساد پیدا کرنے کا موجب بنتی ہے 2 اور اِسی فتنہ کا وہ حصہ جو سیاسی حالات اور سیاسی امن کو برباد کرنے کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اس کو بھڑکانے والوں کا نام یاجوج ماجوج رکھا گیا ہے جو برطانیہ، امریکہ اور روس ہیں۔ حدیثوں میں آتا ہے کہ دجّال آسمان سے پانی برسائے گا جس کے معنے تھے کہ وہ لوگوں کو رزق دے گا۔ 3 چنانچہ اب بھی جو لوگ عیسائی ہو جائیں اُن کو مالی امداد دی جاتی ہے اور ان کا کھانے پینے کا معیار نسبتاً بلند ہو جاتا ہے۔ ان لوگوں میں ایک باطل مذہب کا پیرو ہونے کے باوجود قربانی پائی جاتی ہے۔

1911ء میں مَیں ڈلہوزی گیا تو وہاں اُن دنوں عیسائیوں کا مشہور پادری ینگسن آیا ہوا تھا۔ یہ وہی ینگسن تھا جس کے ذریعہ سیالکوٹ میں عیسائیت مضبوط ہوئی اور سینکڑوں ادنیٰ اقوام کے لوگ عیسائی بن گئے۔ یہ شخص اسلام کے خلاف روزانہ بازار میں ٹریکٹ تقسیم کیا کرتا تھا۔ جب متواتر اسلام کے خلاف ٹریکٹ تقسیم ہونے لگے تو مسلمانوں میں ایک شور مچ گیا اور انہوں نے چاہا کہ اس پادری کے ساتھ کسی مسلمان عالم کی بحث کروائی جائے۔ اُن دنوں بیلون چھاؤنی میں ایک بڑے جوشیلے مولوی صاحب رہتے تھے۔ اُن کو پتا تھا کہ میں آیا ہوا ہوں۔ جب لوگ اُن کے پاس پہنچے کہ آپ چل کر پادری صاحب کا مقابلہ کریں تو وہ کہنے لگے مرزائیوں کو عیسائیوں کا مقابلہ کرنا خوب آتا ہے اس لیے اگر کسی کو لے جانا ہی ہے تو مرزا صاحب کا بیٹا یہاں آیا ہوا ہے اُسے اپنے ساتھ لے جاؤ۔ چنانچہ ان کا ایک وفد میرے پاس آیا اور میں اُن کے ساتھ چل پڑا۔ پہلے اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں اور وہ کہنے لگے مجھے سیالکوٹ سے پونا4 تبدیل کر دیا گیا تھا۔ مجھے خیال آیا کہ ڈلہوزی میں لوگ عموماً موسم گرما گزارنے کے لیے آیا کرتے ہیں اِس سال وہاں چلیں اور لوگوں کو تبلیغ کریں۔ یہاں پادریوں کے ٹھہرنے کے لیے دو کوٹھیاں بنی ہوئی ہیں۔ چنانچہ میں نے یہاں آ کر تبلیغ شروع کر دی ہے۔ اس کے بعد وہ کہنے لگے آپ کا کیا مذہب ہے؟ میں نے کہا میں تو ایک محقّق ہوں۔ کہنے لگے آپ مسلمان ہیں یا کسی اَور مذہب سے تعلق رکھتے ہیں؟ میں نے کہا آپ صرف مسلمانوں کو عیسائی بنانے کے لیے آئے ہیں یا سب کو؟ کہنے لگے سب کو۔ میں نے کہا تو پھر میرا کوئی بھی مذہب ہو آپ کو اس سے کیا؟ آپ مجھے تبلیغ کیجیے اور اپنا شکار بنا لیجیے۔ کہنے لگے عیسائیت کی تثلیث پر بنیاد ہے اور ہم تین اقنوم تسلیم کرتے ہیں خدا باپ، خدا بیٹا اور خدا روح القدس۔ میں نے کہا کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ یہ دنیا جو پیدا ہوئی ہے یہ خدا باپ نے پیدا کی ہے یا خدا بیٹے نے پیدا کی ہے یا خدا روح القدس نے پیدا کی ہے؟ کہنے لگا تینوں نے الگ الگ پیدا کی ہے۔ میں نے کہا کیا تینوں الگ الگ بھی پیدا کر سکتے تھے؟ کہنے لگا ہاں۔ اُس وقت اُن کے میز پر ایک پنسل پڑی تھی۔ میں نے کہا اگر اِس وقت آپ کو پنسل اُٹھانے کی ضرورت ہو اور آپ آوازیں دینی شروع کر دیں کہ بیرے! اِدھر آؤ، باورچی اِدھر آؤ، نوکر اِدھر آؤ اور جب وہ آ جائیں تو آپ کہیں کہ سب مل کر یہ پنسل اُٹھا دو تو وہ

آپ کے متعلق کیا خیال کریں گے؟ کہنے لگا یہی کہ میں پاگل ہو گیا ہوں۔ میں نے کہا جب خدا باپ بھی زمین و آسمان پیدا کرسکتا ہے اور خدا بیٹا بھی پیدا کرسکتا ہے اور خدا روح القدس بھی پیدا کرسکتا ہے مگر باوجود اس کے کہ وہ تینوں الگ الگ پیدا کرنے کی طاقت رکھتے ہیں پھر بھی ان تینوں نے مل کر یہ دنیا بنائی۔ تو بتائیے یہ تینوں خدا پاگل ہوئے یا نہیں؟ اور آیا پاگل بھی خدا ہوسکتا ہے؟ کہنے لگے اصل بات یہ ہے کہ تثلیث کا مسئلہ کفارہ پر مبنی ہے۔ جب تک کفارہ کا مسئلہ سمجھ میں نہ آئے تثلیث کا مسئلہ نہیں سمجھا جاسکتا۔

چنانچہ دوسرے دن کفارہ پر بحث ہوئی۔ میں نے کہا آپ یہ بتائیں کہ حضرت ابراہیم اور حضرت داؤد وغیرہ کیوں کفارہ نہیں ہوئے صرف مسیحؑ کیوں کفارہ ہوئے؟ کہنے لگے اس لیے کہ وہ گنہگار تھے۔ میں نے کہا کیوں؟ کہنے لگے آدم کا گناہ ورثہ میں ملا تھا جس کی وجہ سے وہ بھی گنہگار ہو گئے۔ میں نے کہا شیطان ورغلانے کے لیے حوا کے پاس گیا تھا یا آدم کے پاس؟ کہنے لگے حوا کے پاس۔ میں نے کہا حوا کے پاس کیوں گیا تھا؟ کہنے لگے اِس لیے کہ حوا اُسے کمزور نظر آئی اور اُس نے سمجھا کہ وہ جلدی میری بات مان لے گی۔ میں نے کہا تو پھر اس سے معلوم ہوا کہ حوا کی بیٹیاں زیادہ کمزور ہیں اور آدم طاقتور تھا۔ پھر میں نے کہا اب آپ یہ بتائیے کہ اگر گرم اور سرد پانی ملا دیا جائے تو کیا نتیجہ نکلے گا؟ کہنے لگے یہی کہ گرم پانی کی گرمی کم ہو جائے گی اور سرد پانی کی سردی کم ہو جائے گی اور پانی آپس میں سمویا جائے گا۔ میں نے کہا اس مثال سے واضح ہوتا ہے کہ حوا اور آدم دونوں سے جو نسل چلی وہ تو سموئی گئی۔ اس میں کچھ حوا کی کمزوری آئی اور کچھ آدم کی طاقت آئی۔ مگر آپ کے مسیحؑ تو صرف ایک عورت کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔ پس مسیح جو حوا سے پیدا ہوا وہ دوسرے لوگوں کی نسبت زیادہ گنہگار تھا۔ پھر جو دوسروں سے زیادہ گنہگار تھا وہ کفارہ کس طرح ہو گیا؟ کہنے لگا وہ تو خدا کا بیٹا تھا۔ میں نے کہا آپ کے پاس اُس کے خدا کا بیٹا ہونے کا کوئی ثبوت نہیں۔ آپ کی کتابوں میں تو لکھا ہے کہ جتنے نیکوکار ہیں سب خدا کے بیٹے ہیں۔5 پھر آپ اَوروں کو بھی خدا تعالیٰ کا بیٹا کیوں نہیں مانتے؟ غرض وہ بہت ہی لاجواب اور شرمندہ ہوا۔

آجکل پاکستان میں پھر عیسائیت نے سر اُٹھانا شروع کیا ہے۔ چنانچہ مری میں بھی وہ اشتہار وغیرہ بانٹتے رہے ہیں اور لاہور میں بھی اُن کی سرگرمیاں جاری ہیں۔ اس لیے دوستوں کو چاہیے کہ وہ

عیسائیت کا مقابلہ کریں اور اللہ تعالیٰ سے دُعائیں بھی کرتے رہیں کہ وہ اسلام کو غلبہ دے اور اس کی مضبوطی کے زیادہ سے زیادہ سامان پیدا کرے"۔ (الفضل 6 ستمبر 1961ء)

---

1 : الناس: 4

2 : ضرورۃ الامام روحانی خزائن جلد 13 صفحہ 495

3 : **مسلم کتاب الفتن باب ذکر الدجّال**

4 : **پونا**: (پونے / پونا Pune) ہندوستان کے صوبہ مہاراشٹر کا ایک شہر (وکی پیڈیا۔ آزاد دائرہ معارف زیر لفظ "پونا")

5 : متی باب 5 آیت 9

29

ہمیں چاہیے کہ ہم ہر وقت اللہ تعالیٰ ہی کی طرف توجہ رکھیں اور اُسی سے مدد مانگیں

(فرمودہ 31 اکتوبر 1958ء بمقام ربوہ)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی راہنمائی کے لیے اسلام میں اتنا سامان پیدا کر دیا ہے کہ اگر مسلمان تھوڑا سا بھی غور کریں تو انہیں معلوم ہو کہ اُن کا رستہ اتنا واضح اور نمایاں ہے کہ نصف النہار میں بھی کوئی بڑی سے بڑی سڑک اتنی نمایاں نہیں ہوتی۔ مثلاً ابھی اذان ہوئی ہے۔ یہ ہر روز پانچ وقت نمازوں میں ہوتی ہے اور پھر پانچوں وقت اُن لوگوں کے لیے جو مسجد میں نمازیں پڑھتے ہیں امام کی آواز ہوتی ہے یا مُکبِّر کی آواز ہوتی ہے اور ان میں قدرِ مشترک اور اہم چیز اَللّٰہُ اَکْبَر ہی ہے یعنی اللہ سب سے بڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے متعلق جو یہ الفاظ آئے ہیں اگر مسلمان ان پر غور کرتے تو ان کی تمام مشکلات حل ہو جاتیں۔ ساری خرابی اِسی بات سے پیدا ہوتی ہے کہ لوگ منہ سے تو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے لیکن عملی طور پر اَور بہت سے لوگ ان کے ذہن میں ہوتے ہیں۔ اور بعض دفعہ تو اپنے آپ کو ہی وہ سب سے بڑا سمجھنے لگ جاتے ہیں۔ کہیں کوئی بات ہو تو بجائے اللہ تعالیٰ پر

توکّل کرنے کے وہ بڑے جوش سے کہنا شروع کر دیتے ہیں میں ایسا کر دوں گا، میں ایسا کر دوں گا حالانکہ اس ''مَیں'' کی کوئی حیثیت ہی نہیں ہوتی۔ ایک دم میں ہارٹ فیل ہو جائے تو ''مَیں'' وہیں ختم ہو جاتی ہے۔ مگر نہ وہ مسجد کی پانچ وقت کی نمازوں میں اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہنے کی کوئی قدر کرتے ہیں، نہ جمعہ کی نماز جو سارے شہر کے لیے ہوتی ہے اس کی اَللّٰہُ اَکْبَرُ کی کوئی قدر کرتے ہیں اور نہ امام کے اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہنے کی کوئی پروا کرتے ہیں۔ حالانکہ امام فرائض کی سترہ رکعتوں میں نماز شروع کرتے ہوئے اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہتا ہے اور پھر سترہ رکعتوں میں وہ ہر رکوع میں جاتے ہوئے اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہتا ہے۔ پھر ہر سجدہ میں جاتے اور اس سے اُٹھتے ہوئے اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہتا ہے۔ پھر اذان میں روزانہ تیس دفعہ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کی آواز سنتا ہے لیکن اس کے باوجود وہ عملی طور پر دوسرے انسانوں کو اس سے بڑا سمجھتا ہے۔

ایک دفعہ قاضی اکمل صاحب کے والد مولوی امام الدین صاحب مرحوم جو صوفی مزاج انسان تھے اور احمدیت سے پہلے بعض اَور پیروں کی بیعت کر چکے تھے انہوں نے مجھ سے سوال کیا کہ ہمارے پیر صاحب یہ کہا کرتے تھے کہ مجھے خدا تعالیٰ کا اتنا قُرب حاصل ہے کہ میں عرش پر سجدہ کرتا ہوں مگر احمدیت میں مجھے یہ نظارہ نظر نہیں آیا۔ میں نے اُن کو کئی جواب دیئے مگر اُن کی تسلّی نہ ہوئی۔ آخر ایک دن میں نے ان سے کہا کہ دیکھیے! اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کے یہ معنے ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی بڑائی انسان پر ظاہر ہو جائے اور وہ اس کو اپنا حقیقی کارساز سمجھنے لگ جائے۔ کہنے لگے ہاں۔ میں نے کہا آپ جانتے ہیں حضرت صاحب کو خدا تعالیٰ پر کتنا توکّل تھا؟ بغیر اِس کے کہ کوئی ظاہری سامان آپ کے پاس ہوتا سینکڑوں مہمان روزانہ آپ کے پاس آتے اور اُن تمام کے اخراجات اللہ تعالیٰ کسی نہ کسی رنگ میں پورے کر دیتا کیونکہ اُس کا وعدہ تھا کہ یَنْصُرُکَ رِجَالٌ نُّوْحِیْٓ اِلَیْھِمْ مِّنَ السَّمَآءِ۔1 تیری مدد وہ لوگ کریں گے جن کو ہم آسمان سے وحی کریں گے۔ گویا صرف اُنہی کو وحی نہیں ہوتی تھی بلکہ ہر شخص جو آپ کو روپیہ دیتا تھا اُس کو بھی وحی ہوتی تھی۔ اب آپ یہ بتائیے کہ جن پیر صاحب کی آپ نے بیعت کی تھی کیا اُن کی بھی یہی حالت تھی؟ کیا اُن کے اندر بھی خدا تعالیٰ پر اِس قسم کا توکّل پایا جاتا تھا جیسے حضرت مرزا صاحب میں پایا جاتا تھا؟ وہ ہنس پڑے اور کہنے لگے آج یہ بات میری سمجھ میں آ گئی ہے کیونکہ میرا جو پیر تھا وہ کہا کرتا تھا کہ میں عرش پر سجدہ کرتا ہوں۔ اُس کی یہ حالت تھی کہ جب غلہ نکلنے کا وقت آتا تو مریدوں کے کھیت میں جا بیٹھتا کہ میرا حصہ مجھے دو۔ میں نے کہا بتائیے کہ کبھی

مرزا صاحب بھی کسی مُرید کے کھیت پر گئے تھے؟ کہنے لگے نہیں۔ میں نے کہا منہ سے کہہ دینا کہ میں عرش پر جا کر سجدہ کرتا ہوں کوئی معنیٰ نہیں رکھتا۔ کہنے کو تو وہ یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ میں خدا تعالیٰ کے ساتھ کھڑے ہو کر نماز پڑھتا ہوں لیکن اصل سوال عمل کا ہے۔ مرزا صاحب سارا دن اندر بیٹھے رہتے تھے اور مقررہ اوقات پر باہر تشریف لاتے تھے۔ ملاقات کرنے والے جن میں بعض دفعہ بڑے بڑے امراء بھی ہوتے تھے دو دو دن تک دروازہ پر بیٹھے رہتے تھے۔ کیا آپ کے پیر کی بھی یہی حالت تھی؟ اگر یہی حالت تھی تب تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ واقع میں انہوں نے خدا تعالیٰ کی بڑائی دیکھ لی تھی واقع میں وہ عرش پر سجدہ کیا کرتے تھے لیکن اگر اُن میں زمین پر سجدہ کرنے والوں کے برابر بھی توکّل نہیں تھا تو عرش پر سجدہ کرنے والے کیسے بن گئے؟ پھر میں نے کہا دیکھیے! حضرت صاحب کے پہلے خلیفہ حضرت مولوی نورالدین صاحب تھے اور اب میں خلیفہ ثانی ہوں لیکن حضرت خلیفۃ المسیح الاول نے کبھی کسی سے کچھ نہ مانگا اور نہ میں کسی سے سوال کرتا ہوں۔ کئی لوگ میرے پاس آ آ کر اصرار بھی کرتے ہیں کہ آپ ہم کو اپنی ضرورت بتا دیں ہم اُس کو پورا کرنے کی کوشش کریں گے لیکن میں ہمیشہ یہی کہتا ہوں کہ میں ایسا نہیں کر سکتا۔ تم جو کچھ دے جاؤ اپنی خوشی سے دے جاؤ۔ مگر میرا یہ کہنا کہ میری فلاں ضرورت ہے اُس کو پورا کر دو تو چاہے تمہارے کہنے پر ہی میں ایسا کہوں بہرحال یہ سوال ہی ہوگا اور میں سائل نہیں بننا چاہتا۔

کلکتہ کے ایک دوست تھے وہ اب بھی خدا تعالیٰ کے فضل سے زندہ ہیں اور خوب چندہ دیتے ہیں۔ اُن کی بیوی بھی مخلص ہے۔ اُن کا موٹروں کا کارخانہ تھا۔ ایک دفعہ کہنے لگے جب کسی موٹر کے پُرزہ کی ضرورت پیش آ جائے تو آپ ہمیں حکم دے دیا کریں۔ میں نے کہا یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ آپ کوئی چیز بھیج دیں تو بھیج دیں اگر ہمارے کام کی ہوگی تو استعمال کر لیں گے ورنہ پھینک دیں گے لیکن میں خود نہیں بتاؤں گا کہ مجھے فلاں چیز کی ضرورت ہے۔ ایک دفعہ وہ اِس بات پر کچھ خفا بھی ہو گئے لیکن میں نے اُن کے اصرار کے باوجود کبھی اپنی ضرورت نہیں بتائی۔ اب تو وہ کوئی اَور کام کرتے ہیں مگر چندہ دینے میں وہ بہت مخلص ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے جن لوگوں کو ذرا بھی خدا تعالیٰ کا جلوہ نظر آتا ہے وہ ایسے متوکل ہو جاتے ہیں کہ ان کو کسی چیز کی پرواہی نہیں رہتی۔ وہ دنیا کے لوگوں کے محتاج نہیں ہوتے بلکہ دنیا کے لوگ اُن کے محتاج ہوتے ہیں۔

تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں اَللّٰہُ اَکْبَرُ کا رستہ دکھایا ہے۔ افسوس ہے کہ مسلمان اِس سے فائدہ نہیں اُٹھاتے۔ ورنہ اگر خدا سب سے بڑا ہے تو دنیا کی حکومتیں بھی تو اس سے نیچے ہوئیں۔ آخر سب سے بڑے کے یہ معنے تو نہیں کہ وہ فلاں جولاہے سے بڑا ہے، سب سے بڑے کے یہ معنے بھی نہیں ہو سکتے کہ وہ فلاں نانبائی سے بڑا ہے، سب سے بڑے کے یہ معنے بھی نہیں ہو سکتے کہ وہ فلاں نائی سے بڑا ہے، سب سے بڑے کے یہ معنے بھی نہیں ہو سکتے کہ وہ فلاں زمیندار سے بڑا ہے، سب سے بڑے کے یہ معنے بھی نہیں ہو سکتے کہ وہ فلاں تحصیلدار سے بڑا ہے، سب سے بڑے کے یہ معنے بھی نہیں ہو سکتے کہ وہ فلاں ڈپٹی کمشنر سے بڑا ہے، سب سے بڑے کے یہ معنے بھی نہیں ہو سکتے کہ وہ فلاں گورنر سے بڑا ہے، سب سے بڑے کے یہ معنے بھی نہیں ہو سکتے کہ وہ فلاں گورنر جنرل سے بڑا ہے۔ سب سے بڑے کے معنوں میں ساری دنیا کی حکومتیں بھی شامل ہیں اور جب انسان اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہتا ہے تو اس کے یہ معنے ہوتے ہیں کہ وہ ساری دنیا کی حکومتوں سے بڑا ہے۔ لوگ کس طرح منتیں کرتے ہیں کہ ہماری سفارش کر دو لیکن اگر وہ خدا کو بڑا سمجھیں تو یہ بات کیوں پیدا ہو؟

مجھے یاد ہے ہمارے ایک بہت مخلص دوست تھے جو ڈاکٹر تھے۔ اُن پر قیامِ پاکستان سے پہلے ایک دفعہ کوئی کیس چل پڑا۔ وہ شوریٰ میں کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے میں تو سمجھتا ہوں کہ خلیفۃ المسیح کا سب سے بڑا کام یہ ہے کہ وہ فوراً گورنر کے پاس جائیں اور اُن کے سامنے میرے حالات بیان کریں۔ میں نے کہا میں ایسی خلافت پر لعنت بھیجتا ہوں جس کا کام یہ ہو کہ تمہارے لیے گورنر کے دروازہ پر جاؤں۔ خیر لوگوں میں جوش پیدا ہو گیا اور انہوں نے اُٹھ کر معافی مانگ لی کہ مجھ سے غلطی ہو گئی ہے۔ وہ پاکستان کے قیام تک زندہ تھے۔ پاکستان کے قیام کے بعد فوت ہوئے ہیں۔ تو یہ چیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیں عطا ہوئی ہے۔ خدا تعالیٰ نے ہمیں بتایا ہے کہ دیکھو! میں سب سے بڑا ہوں۔ اگر تمہیں کوئی ضرورت پیش آئے یا تم کسی مشکل میں گرفتار ہو جاؤ تو تم میری طرف آؤ میں تمہاری ہر ضرورت پوری کر سکتا ہوں اور تمہاری ہر مصیبت کو دور کرنے کی طاقت رکھتا ہوں۔

احادیث میں آتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ ایک جنگ کے لیے باہر تشریف لے گئے۔ جب آپ واپس آئے تو ایک شخص جس کا بھائی مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا تھا آپؐ کے پیچھے پیچھے آیا تا کہ اُسے کوئی موقع ملے تو آپؐ کو قتل کر دے لیکن مدینہ تک اُسے کوئی موقع

نہ ملا۔ جب مدینہ کے قریب آ کر فوج مطمئن ہوگئی اور صحابہ آرام کرنے یا کھانا پکانے کے لیے اِدھر اُدھر پھیل گئے تو آپ بھی ایک درخت کے نیچے لیٹ گئے اور تلوار درخت سے لٹکا دی۔ جب آپؐ لیٹ گئے تو وہی شخص آیا اور اس نے آپؐ کی تلوار اُٹھالی اور آپؐ کو جگا کر کہا کہ بتائیں اب آپ کو مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسی طرح لیٹے لیٹے نہایت اطمینان اور سکون کے ساتھ فرمایا ''اللہ''۔ اُس پر اِس قدر رُعب طاری ہوا کہ اس کے ہاتھ سے تلوار گر گئی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً وہی تلوار پکڑ لی اور کھڑے ہو گئے اور فرمایا اب تم بتاؤ تمہیں میرے ہاتھ سے کون بچا سکتا ہے؟ کہنے لگا آپ ہی رحم کریں تو کریں۔ آپؐ نے فرمایا کمبخت! میرے منہ سے ''اللہ'' کا نام سن کر بھی تیرے منہ سے ''اللہ'' کا لفظ نہ نکلا۔ میں نے ''اللہ'' کہا تھا تو بھی ''اللہ'' کہہ دیتا۔ وہ کہنے لگا یہ طاقت آپ ہی کی تھی۔ میرے منہ سے تو ''اللہ'' کا لفظ نہیں نکلتا۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ آپ ہی اگر مجھے چھوڑ دیں تو چھوڑ دیں۔ چنانچہ آپ نے اُسے چھوڑ دیا۔2

تو اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں کسی انسان کی کوئی طاقت نہیں۔ سب سے بڑا وہی ہے اور ہمیں ہمیشہ اُسی کے سامنے گرنا چاہیے اور اُس سے درخواست کرنی چاہیے کہ وہ ہماری مدد کرے۔ تمام حکومتیں، تمام بادشاہتیں، تمام کارخانے، تمام تجارتیں، تمام حرفتیں، تمام بڑے بڑے پیشے سب اُس کے قبضہ و تصرف میں ہیں، ہر ایک جاندار کی جان اُس کے ہاتھ میں ہے۔ جس کو چاہے زندہ رکھے اور جس کو چاہے مار دے۔ کسی انسان کی طاقت میں نہیں کہ اُس کا مقابلہ کر سکے۔ گزشتہ فسادات کے دنوں میں ہی اللہ تعالیٰ نے ہمارے سلسلہ کی جس رنگ میں تائید فرمائی (جس کی تفصیل بعض پہلے خطبات میں بیان کی جا چکی ہے) اُس کو دیکھتے ہوئے کون شخص اس امر سے انکار کر سکتا ہے کہ تمام طاقتیں اور قدرتیں اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہی ہیں اور وہ جس کو چاہتا ہے عزّت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ذلّت دیتا ہے۔ لیکن اگر باوجود اِس کے کہ تیس دفعہ اذانوں میں اور قریباً ایک سو دو دفعہ نمازوں میں کہا جاتا ہے کہ ''اللہ'' سب سے بڑا ہے پھر بھی ہم اُس کا دروازہ چھوڑ کر کسی اَور کے دروازہ پر جائیں تو یہ ہماری کتنی بڑی بدقسمتی ہے۔ اس کے معنے یہ ہیں کہ ہم اتنے احمق ہیں کہ باوجود اِس کے کہ بڑے بڑے معتبر آدمی ہمیں بتا دیتے ہیں کہ اس کھانے میں زہر ہے پھر بھی ہم اُس کھانے کو کھا لیتے ہیں۔ ایسے آدمی پر کوئی بھی رحم نہیں کرے گا۔ جس آدمی کو بڑے بڑے معتبر آدمی کہیں کہ ہم نے فلاں آدمی کو

اپنی آنکھوں سے اس کھانے میں زہر ملاتے دیکھا ہے اور پھر وہ کھانا کھالے تو اس کے معنے یہ ہیں کہ وہ بڑا ہی احمق ہے۔ وہ اگر مر جائے گا تو کوئی بھی اُس پر رحم نہیں کرے گا۔ سارے لوگ یہی کہیں گے کہ اس شخص کا علاج یہی تھا۔ یہی حال ہمارا ہوگا کہ ہم اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ سنتے ہیں اور پھر بھی دوسروں کی طرف متوجّہ ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو بھول جاتے ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ ہم ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طرف ہی توجہ رکھیں اور اُس ہی سے مدد مانگیں"۔ (الفضل 21 نومبر 1958ء)

1: تذکرہ صفحہ 50 طبع چہارم

2: بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ ذات الرقاع

30

ہمیشہ جائزہ لیتے رہو کہ تمہارے اعمال قرآن کریم کی بیان کردہ تعلیم کے مطابق ہیں یا نہیں

مسلمانوں کے لیے ہر معاملہ میں مقدّم قرآن کریم ہے اس کے بعد سنت اور پھر حدیث کا درجہ ہے

(فرمودہ 7 نومبر 1958ء بمقام ربوہ)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل آیت قرآنیہ کی تلاوت فرمائی:

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۔ 1

اس کے بعد فرمایا:

"مسلمانوں میں عام طور پر یہ عادت پائی جاتی ہے کہ اگر وہ قرآن کریم میں کسی خاص قوم کے عیب کا ذکر پڑھ لیں تو وہ اپنے آپ کو اس سے مستثنیٰ خیال کر لیتے ہیں حالانکہ اصل میں اصول کا سوال ہوتا ہے۔ جو چیز ایک یہودی کے لیے بری ہے حالانکہ اُس کی کتاب ہماری کتاب سے ادنیٰ ہے، جو چیز ایک عیسائی کے لیے بری ہے حالانکہ اُس کی کتاب میں کوئی شریعت ہے ہی نہیں وہ ہمارے لیے یقیناً اُس سے زیادہ بری ہے۔ اگر ایک یہودی کے متعلق یہ کہا جائے کہ

وَمَنۡ لَّمۡ یَحۡکُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوۡنَ جو کوئی اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا وہ ظالم ہوتا ہے تو یقیناً ایک مسلمان اگر قرآن کریم یا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کردہ طریق کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا تو وہ اُس سے زیادہ ظالم ہے کیونکہ قرآن کریم کُلّی طور پر محفوظ کتاب ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بڑے نبی تھے اور قرآن کریم خود فرماتا ہے کہ آپؐ کی اتباع لازمی اور ضروری ہے 2 اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جیسا کہ قرآن شریف سے ثابت ہے اپنے پاس سے کوئی بات نہیں کہتے تھے بلکہ جو بات بھی کرتے تھے وہ ایک قسم کی وحی ہوتی تھی 3 چاہے وہ وحی خفی ہو یا وحی جلی۔ وحی جلی قرآن کریم ہے جسے وحی متلوّ بھی کہتے ہیں اور ایک وحی غیر متلوّ ہے جو وحی خفی کہلاتی ہے جس کو حدیث بھی کہتے ہیں۔ اِس کا درجہ قرآن کریم کے بعد ہے لیکن بہرحال دوسرے علماء کے اقوال پر مقدّم ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ایک دفعہ پوچھا گیا تو آپ نے یہی فرمایا کہ ہمارا طریق یہ ہے کہ سب سے پہلے قرآن کریم کے مطابق فیصلہ کیا جائے۔ اور جب قرآن کریم میں کوئی بات نہ ملے تو پھر اسے حدیث سے تلاش کیا جائے۔ اور جب حدیث سے بھی کوئی بات نہ ملے تو پھر استدلالِ اُمت کے مطابق فیصلہ کیا جائے 4 یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا طریق تھا۔ اس لیے آپ نے فرمایا کہ ہمارا مسلک حنفی ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے ایک شاگرد کے متعلق آتا ہے کہ انہوں نے کہا کہ اگر کوئی شخص شافعی ہے تو حنفی جج کا فرض ہے کہ اُس کے مقدمہ کا فیصلہ شافعی فقہ کے مطابق کرے اور اگر کسی اَور فرقہ سے تعلق رکھتا ہے تو اُس کے مطابق فیصلہ کرے سوائے اِس کے کہ مدعی اور مدعا علیہ کے عقیدوں میں اختلاف ہو۔ ایسی صورت میں اگر ان کا معاملہ اپنی جماعت کے سامنے آئے گا تو ان کے بارہ میں جماعتی فیصلہ مانا جائے گا۔ اور اگر ان کا معاملہ سرکاری عدالت میں جائے گا تو جو سرکاری قانون ہے وہ مانا جائے گا کیونکہ جب فریقین مختلف العقیدہ ہوں تو یہ سمجھا جائے گا کہ اُن کے مابین جو تصفیہ ہوا تھا وہ قانون کے مطابق ہوا تھا۔ پس مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ قرآن اور پھر حدیث کے مطابق اپنے جھگڑوں کے فیصلے کریں۔

حدیث پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سنت کو مقدّم رکھا ہے 5 کیونکہ حدیث

میں یہ شُبہ ہوسکتا ہے کہ نا معلوم وہ بات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے یا نہیں مگر سنت تو وہ ہے جو تمام امت میں چلی آتی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہؓ نے سیکھا اور صحابہؓ سے تابعین نے سیکھا اور تابعین سے تبع تابعین نے سیکھا۔ اِسی طرح آج تک برابر اس پر امتِ محمدیہ عمل کرتی چلی آ رہی ہے۔ مثلاً نکاح ہے۔ نکاح کی تفاصیل قرآن کریم میں درج نہیں۔ لیکن نکاح سارے مسلمانوں میں پایا جاتا ہے۔ چاہے وہ خارجی ہوں، حنفی ہوں، شیعہ ہوں یا کسی اَور فرقہ سے تعلق رکھتے ہوں۔ یعنی نکاح کے بغیر چاہے وہ کسی قسم کا ہو، چاہے اُس کا نام مُتعہ ہی رکھ لو کوئی عورت رکھنی ناجائز سمجھی جاتی ہے۔ گویا قدرِ مشترک سنت کو کہتے ہیں۔ روایت کے متعلق اختلاف ہوسکتا ہے کہ اُس کا راوی قوی تھا یا ضعیف مگر سنّت کے متعلق کوئی اختلاف نہیں کرسکتا کیونکہ یہ سب لوگوں کے درمیان بطور قدرِ مشترک کے پائی جاتی ہے۔ مثلاً لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ہے۔ شیعہ بھی یہی کہتے ہیں کہ لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کے بغیر کوئی مسلمان نہیں ہوسکتا، سُنّی بھی یہی کہتے ہیں کہ لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کے بغیر کوئی مسلمان نہیں ہوسکتا، خارجی بھی یہی کہتے ہیں کہ لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہوسکتا۔ یہ قدرِ مشترک ہے اور سنّت ہے اور یہ قرآن کریم کے بعد درجہ رکھتی ہے کیونکہ یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ہے جو ثابت شدہ ہے۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ثابت شدہ عمل بہرحال امت کے اقوال اور فتووں سے بڑھ کر ہے کیونکہ امت کے علماء خواہ کتنے بڑے ہو جائیں وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں۔ اور ہم یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ فلاں بات میں علماء نے غلط کہا ہے مگر ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غلطی کی ہے۔ اور اگر کوئی شخص ایسا کہے تو اس کی مثال ایسی ہی ہوگی جیسے ایک پٹھان کے متعلق مشہور ہے کہ اُس نے کنز پڑھی ہوئی تھی۔ ایک دفعہ اُس نے حدیث پڑھی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امام حسنؓ کو گودی میں اُٹھا لیا اور جب سجدہ میں تشریف لے گئے تو انہیں نیچے رکھ دیا۔6 وہ یہ حدیث پڑھ کر کہنے لگا "خُو محمد صاحب کی نماز ٹوٹ گئی" کیونکہ انہوں نے حرکتِ کبیرہ کی ہے اور حرکتِ کبیرہ فقہ حنفیہ کے مطابق نماز توڑ دیتی ہے۔ ایک شخص نے یہ بات سنی تو اُس نے کہا کم بخت! محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ہمیں بتایا ہے کہ نماز اس اس طرح پڑھا کرو ورنہ ہمیں نماز کا کیا پتا تھا اور انہی کے متعلق تم کہتے ہو کہ اُن کی نماز ٹوٹ گئی۔ وہ کہنے لگا کنز میں یہی لکھا

ہے حالانکہ ''کنز'' آپ کی وفات کے کئی سو سال کے بعد لکھی گئی ہے۔ تو حقیقت یہی ہے کہ بعد میں آنے والے علماء چاہے کتنے بڑے ہوں سب محمد رسول اللہ کے تابع ہیں۔

آج ایک عورت ہمارے ہاں آئی۔ وہ قادیان کی پرانی عورت ہے۔ اُس کے دماغ میں کچھ نقص ہے۔ کہنے لگی میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے ہیں اور آپ نے فرمایا ہے کہ اگر تم چھ مہینے متواتر روزے رکھو تو خلیفۃ المسیح کو صحت ہو جائے گی۔ مگر میں نے جن علماء سے پوچھا انہوں نے یہی کہا ہے کہ چھ ماہ کے متواتر روزے رکھنا ناجائز ہے۔ اُس نے کہا میاں بشیر احمد صاحب نے کہا ہے کہ تُو جمعرات اور پیر کے روزے رکھ لیا کر لیکن اِس کے بعد میں نے پھر خواب میں دیکھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام آئے ہیں اور انہوں نے مجھ سے کہا میں نے تو کہا تھا کہ تُو چھ ماہ کے متواتر روزے رکھ تُو متواتر روزے کیوں نہیں رکھتی؟ میں نے کہا تیری خواب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہامات سے بڑھ کر نہیں ہو سکتی اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے الہاموں کے متعلق یہ فرماتے ہیں کہ اگر میرا کوئی الہام قرآن اور سنّت کے خلاف ہو تو میں اُسے بلغم کی طرح پھینک دوں گا۔7 جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی وحی کو قرآن کریم اور سنّت کے اتنا مطابق کرتے ہیں تو ہمیں بھی اپنی خواب آپ کے احکام کے مطابق رکھنی پڑے گی۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے متواتر اور لمبے عرصہ کے روزوں سے منع کیا ہے8 تو اگر تمہیں کوئی خواب اس حکم کے خلاف آئی ہے تو وہ شیطانی سمجھی جائے گی خدائی نہیں سمجھی جائے گی۔ اگر خدائی خواب ہوتی تو وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرتی آپؐ کی تردید نہ کرتی۔ پس جو خواب ایسی ہو جو قرآن کریم یا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فتویٰ اور سنت کے خلاف ہو وہ بہرحال ردّ کرنے کے قابل سمجھی جائے گی کیونکہ نہ تو قرآن کریم کے خلاف کوئی خواب سچی ہو سکتی ہے اور نہ سنّت کے خلاف کوئی خواب سچی ہو سکتی ہے اور نہ صحیح حدیث کے خلاف کوئی خواب سچی ہو سکتی ہے۔ حدیث کے متعلق زیادہ سے زیادہ کوئی کہہ دے گا مشتبہ ہے لیکن قرآن کریم اور سنّت کو کیا کہے گا اور پھر عقل کو کہاں لے جاوے گا۔ اکثر عقل بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے ساتھ مل جاتی ہے تو پھر حدیث کو دو طاقتیں مل جاتی ہیں۔ ایک تو احتمال ہے کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہو اور دوسرے عقلِ سلیم نے کہہ دیا کہ وہ قول صحیح ہے ایسی صورت میں بہرحال وہ حدیث قابلِ عمل

ہوگی کیونکہ وہ قرآن کریم کے تابع ہوگی۔

بہرحال جب بھی کوئی بات قابلِ دریافت ہو تم یہ نہ پوچھا کرو کہ امام ابوحنیفہؒ کیا کہتے ہیں یا امام شافعیؒ کیا کہتے ہیں تم یہ پوچھا کرو کہ قرآن کریم کیا کہتا ہے۔ لیکن اگر قرآن کریم اُس کے متعلق خاموش ہو تو تمہیں سنّت پر نظر ڈالنی چاہیے۔ اگر کوئی سنّت مل جائے تو وہ قدرِ مشترک ہوگی اور وہ بہرحال کسی ایک فقہ کے امام سے زیادہ قابلِ قبول ہوگی کیونکہ اس میں شیعہ، سُنّی، خارجی، حنفی، شافعی، حنبلی اور مالکی وغیرہ سارے متفق ہوں گے اور چونکہ قدرِ مشترک میں سارے امام اکٹھے ہو جائیں گے اس لیے ان کی بات زیادہ صحیح سمجھی جائے گی اور وہی قابلِ عمل قرار پائے گی۔ اور جو شخص اس کو چھوڑے گا وہ گویا ایک قسم کے اجماع کو چھوڑے گا۔ حقیقی اجماع تو ایک ناممکن چیز ہے۔ درحقیقت سارے مسلمان سوائے قدرِ مشترک کے کسی ایک بات پر اکٹھے ہوتے نظر نہیں آئے اور قدرِ مشترک کے خلاف کوئی جاتا ہی نہیں۔ مثلاً آج کوئی کہہ دے کہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہے بغیر بھی انسان مسلمان ہو جاتا ہے تو سارے مسلمان کہیں گے کہ یہ شخص جھوٹ بولتا ہے کیونکہ یہ بات قدرِ مشترک کے خلاف ہے۔ سُنّی بھی یہی کہتا ہے کہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہنے سے انسان مسلمان ہوتا ہے، خارجی بھی یہی کہتا ہے، حنفی بھی یہی کہتا ہے، شافعی بھی یہی کہتا ہے، مالکی بھی یہی کہتا ہے، حنبلی بھی یہی کہتا ہے بلکہ حق تو یہ ہے کہ اہلِ قرآن بھی یہی کہتا ہے۔ گو وہ محمدؐ کے معنے قرآن کریم کے لے لیتا ہے مگر کہتا یہی ہے کہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہے بغیر کوئی مسلمان نہیں ہوسکتا۔ گویا وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے مُراد تو قرآن کریم لیتا ہے لیکن قدرِ مشترک میں فرق نہیں کرتا۔

پس عمل کرتے وقت ہمیشہ یہ سوچا کرو کہ قرآن کریم کیا کہتا ہے، یہ نہ پوچھا کرو کہ فلاں امام کیا کہتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ خدائی کتاب کے خلاف جو کوئی کام کرتا ہے وہ ظالم ہوتا ہے۔ قیامت کے دن کوئی امام خدا تعالیٰ کے سامنے تمہاری طرف سے جواب نہیں دے گا تم آپ جواب دو گے کیونکہ خدا نے ایک قرآن تو اس کتاب میں رکھا ہے جو ہمارے پاس ہے اور ایک قرآن اُس نے ہمارے دماغوں میں رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ۔9 قرآن کریم کی ایک ورشن (VERSION) ایسی ہے جو مخفی طور پر فطرتِ انسانی میں رکھ دی گئی ہے۔ گویا ایک قرآن وہ

ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہے اور ایک قرآن وہ ہے جو خداتعالیٰ نے فطرتِ انسانی میں مخفی طور پر رکھ دیا ہے۔ یہ دونوں جب آپس میں مل جاتے ہیں تو وہ پکّا قرآن ہو جاتا ہے کیونکہ قرآن کریم کی بھی لوگ تاویلیں کرتے رہتے ہیں۔ مگر جب اِس کی کوئی تفسیر فطرتِ صحیحہ کے مطابق ہو تو وہ صحیح سمجھی جائے گی۔ لوگ کہا کرتے ہیں کہ فلاں تفسیر بِالرائے ہے۔ حالانکہ اگر تفسیر بِالرائے قرآن کریم کے لفظوں کے ساتھ مل جاتی ہے تو وہ تفسیر بالرائے کس طرح ہوئی؟ رائے کے متعلق بھی تو انسان سمجھ سکتا ہے کہ وہ قرآن کریم کے مطابق ہے یا نہیں۔ اگر وہ قرآن کریم کے مطابق ہے تو اُس کو غلط کہنے والا خود غلطی خوردہ ہوگا۔

ایک احمدی عورت نے جس کا خاوند بڑے عہدہ پر ہے مجھے بتایا کہ میرا خاوند ایک دفعہ ریلوے کے ایک بڑے افسر کو میرے پاس لے آیا اور کہنے لگا کہ یہ تمہیں سمجھائے گا۔ افسر باتیں کرنے لگا تو میں نے کہا آپ تو ایک عالم آدمی ہیں اور میں زیادہ پڑھی لکھی نہیں۔ آپ مجھے بتائیں کہ قرآن کریم صرف آپ کے لیے نازل ہوا ہے یا میرے لیے بھی نازل ہوا ہے؟ کہنے لگا ہر ایک کے لیے نازل ہوا ہے۔ میں نے کہا اگر قرآن کریم میرے لیے بھی نازل ہوا ہے تو پھر میرا بھی حق ہے کہ میں اِس کے معنے کروں۔ کہنے لگی وہ شخص شرمندہ ہو کر کہنے لگا۔ ہاں! آپ کا بھی حق ہے کہ اس کے معنے کریں۔ اس عورت نے بتایا کہ پھر جب اس نے معنے کیے تو میں نے اُس پر اعتراض کیا۔ اِس پر وہ شرمندہ ہو کر چلا گیا۔ بعد میں میرا خاوند کہنے لگا میں اتنے بڑے آدمی کو تمہارے پاس لایا تھا مگر تم نے اُس کی ذلّت کر دی۔ میں نے کہا اُس نے تو آپ ہی کہہ دیا تھا کہ تمہارا بھی حق ہے کہ قرآن کریم کے معنے کرو۔ اور جب اُس نے مجھے حق دیا تھا تو میں کیوں اپنا حق استعمال نہ کرتی۔

اب دیکھو ایک عورت بھی سمجھتی ہے کہ تفسیر بالرائے کیا چیز ہوتی ہے۔ وہ یہ جانتی ہے کہ اگر ہم قرآن کریم کے اُلٹ معنے کرتے ہیں تو دوسرا آدمی آپ ہی اُس کی تردید کر دے گا۔ اور اگر وہ ان معنوں پر کوئی اعتراض نہیں کر سکتا اور مان لیتا ہے تو وہ تفسیر بالرائے کیسے ہوگئی؟ آخر جو شخص تفسیر بالرائے کرتا ہے وہ بھی تو کوئی تفسیر کرتا ہے یا نہیں؟ اگر اس تفسیر کو ردّ کر دیا جاتا ہے تو معلوم ہوا کہ وہ تفسیر غلط تھی اور وہ تفسیر جو دلائل کے ساتھ غالب آ گئی وہ صحیح تھی۔ ایسی تفسیر کو

تفسیر بالرائے کہنا حماقت اور قرآن کریم کی تردید ہے"۔

(الفضل 25 نومبر 1958ء)

1: المائدۃ: 46

2: قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران: 32)

3: وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى۔ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (النجم: 4، 5)

4: ملفوظات جلد 5 صفحہ 134

5: کشتی نوح روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 62

6: بخاری کتاب الصّلوٰۃ باب اِذَا حَمَلَ جَارِيَةً صَغِيْرَةً عَلٰى عَاتِقِهٖ فِى الصَّلٰوة میں امامہ بنت زینب کا ذکر ہے۔

7: آئینہ کمالاتِ اسلام روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 21

8: بخاری کتاب الصوم باب الوصال

9: الواقعۃ: 78، 79

31

توحیدِ کامل کے بغیر کبھی انسان کو حقیقی ایمان اور اطمینان نصیب نہیں ہوسکتا

توحیدِ کامل کا سچا نمونہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ نے دکھایا

(فرمودہ 21 نومبر 1958ء بمقام ربوہ)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل آیات قرآنیہ کی تلاوت فرمائی:

يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ وَجَاهِدُوْا فِى اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ط -1

اس کے بعد فرمایا:

''اس آیت میں مومنوں کو خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا اے مومنو! رکوع کرو۔ رکوع سے ایک تو وہ رکوع مُراد ہوتا ہے جو نماز میں ادا کیا جاتا ہے لیکن رکوع کے ایک معنے توحید کے بھی ہوتے ہیں۔ چنانچہ عرب لوگ اسلام سے پہلے اللہ پر ایمان لانے والے شخص کو ہمیشہ راکع کہا کرتے تھے کیونکہ وہ بُتوں کی پرستش کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کی طرف اپنی توجہ رکھتا اور اس کے سامنے عجز اور تذلّل کا اظہار کرتا تھا۔ یہاں بھی رکوع کے معنے توحید

کے ہی ہیں کیونکہ آگے عبادت کا ذکر آتا ہے جس میں رکوع بھی شامل ہوتا ہے۔ پس اس جگہ ارْکَعُوْا سے یہی مُراد ہے کہ اے مومنو! تم توحیدِ کامل اختیار کرو۔

حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کے سوا اور دوسری کسی قوم میں توحیدِ کامل نہیں۔ دوسرے مذاہب والے بالعموم اپنے ارباب کو اتنی عظمت دیتے ہیں کہ انہیں خدا کا قائمقام بنا دیتے ہیں۔ اُن کے مذہبی پیشوا جو بھی فتویٰ دے دیں وہ سمجھتے ہیں کہ اس سے باہر جانا ناجائز ہے۔ صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو یہ کہتا ہے کہ اِسْتَفْتِ قَلْبَکَ وَ لَوْ اَفْتَاکَ الْمُفْتُوْنَ۔2 ایک مفتی تو الگ رہا اگر سارے مفتی مل کر بھی کسی بات کے متعلق فتویٰ دیں لیکن تمہارا دل اور دماغ گواہی دے رہا ہو کہ یہ فتویٰ غلط ہے اور خدا تعالیٰ کی شریعت کچھ اور کہتی ہے تو جو خدا کی بات ہو اسے مانو اُن کے فتووں کو نہ مانو۔ غرض توحیدِ کامل کے بغیر انسان کو کبھی حقیقی ایمان نصیب نہیں ہوتا۔

یہی ایمان تھا جس کا نمونہ صحابہؓ نے دکھایا اور انہوں نے اپنے عمل سے ثابت کر دیا کہ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر انہیں اور کوئی چیز عزیز نہیں۔ احادیث سے پتا لگتا ہے کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو صحابہؓ اُس غم میں پاگلوں کی طرح ہو گئے۔ حتّٰی کہ حضرت عمرؓ جیسے مومن نے بھی کہنا شروع کر دیا کہ اگر کسی نے یہ بات کہی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے ہیں تو میں اُس کی گردن اُڑا دوں گا۔3 رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح احکام لینے آسمان پر گئے ہیں۔ وہاں سے وہ واپس آئیں گے اور منافقوں کو ماریں گے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ بات سنی تو آپ مسجد میں تشریف لائے اور منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا اَلَا مَنْ کَانَ یَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ وَمَنْ کَانَ یَعْبُدُ اللّٰہَ فَاِنَّ اللّٰہَ حَیٌّ لَّا یَمُوْتُ 4 اے لوگو! تم میں سے جو شخص محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کیا کرتا تھا اُسے یاد رکھنا چاہیے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے ہیں لیکن جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا اسے یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ زندہ ہے وہ کبھی نہیں مرے گا۔

اب دیکھو باوجود اِس کے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا صحابہؓ کو شدید صدمہ تھا اتنا صدمہ کہ آپ کے ایک صحابی نے یہ شعر کہے کہ

کُنْتَ السَّوَادَ لِنَاظِرِیْ فَعَمِیَ عَلَیَّ النَّاظِرُ

مَنْ شَاءَ بَعْدَکَ فَلْیَمُتْ فَعَلَیْکَ کُنْتُ اُحَاذِرُ 5

یعنی اے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! تُو تو میری آنکھ کی پُتلی تھا تیرے مرنے کے بعد آج میری آنکھ اندھی ہوگئی ہے۔ اب تیرے مرنے کے بعد کوئی شخص مرے مجھے اس کی موت کی پروا نہیں۔ مجھے تو صرف تیری موت کا ڈر تھا۔ اب تیری موت کے بعد زید مرے، بکر مرے یا کوئی اَور مرے مجھے اس کی کوئی فکر نہیں۔ پھر بھی ان کی محبت حضرت ابوبکرؓ کی محبت سے زیادہ نہ تھی۔ حضرت ابوبکرؓ کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی انسان کو خلیل بنانا جائز ہوتا تو میں ابوبکر کو خلیل بناتا۔6 پھر انہوں نے اسلام کی خاطر اتنی عظیم الشان قربانیاں کی تھیں کہ ان کے مقابلہ میں دوسرے صحابہؓ کی قربانیاں کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتیں۔

ایک جنگ کے موقع پر جبکہ سخت تنگی کا زمانہ تھا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چندہ کے لیے اعلان کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے سمجھا آج میں چندہ میں سب سے بڑھ جاؤں گا۔ میں نے اپنی دولت کے دو حصے کر دیئے۔ ایک حصہ اپنے گھر میں رکھا اور ایک حصہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گیا اور میں نے سمجھا کہ آج میرا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ لیکن میرے پہنچنے سے پہلے ہی حضرت ابوبکرؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ چکے تھے اور جو کچھ انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر کیا تھا اُس کو دیکھ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے ابوبکر! تم نے اپنا سب مال چندہ میں دے دیا؟ تم نے اپنے گھر میں کیا رکھا ہے؟ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا یارسول اللہ! گھر میں خدا اور اس کے رسول کے سوا اَور کچھ نہیں۔ تب حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ میں شرمندہ ہوگیا اور میں نے سمجھ لیا کہ یہ بڈھا جو ہر میدان میں مجھ سے بازی لے جاتا ہے آج بھی بڑھ گیا ہے۔7 میں نے اپنی طرف سے بہت زیادہ قربانی کی تھی لیکن اس نے مجھ سے بھی زیادہ قربانی کی ہے۔ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ایسی قربانی کرنے والے انسان کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو محبت ہوگی وہ اَور کسی کو نہیں ہوسکتی۔ مگر باوجود اس کے اِس نے اُس موقع پر ایسا صبر دکھایا کہ جن لوگوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زندہ قرار دیا تھا ان پر خوش ہونے کی بجائے کہ وہ آپ کے محبوب کو زندہ قرار دیتے تھے اس نے ان پر ناراضگی کا اظہار کیا اور کہا زندہ رہنے والا صرف خدا ہی ہے جو شخص خدا تعالیٰ کے سوا کسی اَور کو زندہ قرار دیتا ہے وہ یقیناً مشرک ہے اور میں مشرک نہیں ہوں۔

پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب آپ کا تیار کردہ لشکر حضرت اُسامہؓ کی کمان میں شام جانے لگا تو صحابہؓ کے مشورہ سے خود حضرت عمرؓ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے کہا اِس وقت سارا عرب مرتد ہو گیا ہے۔ یہ مناسب نہیں کہ مدینہ کے سب لڑنے والے سپاہی باہر بھیج دیئے جائیں۔ آپ اِس وقت لشکر کو روک لیں تاکہ پہلے منافقوں کا مقابلہ کر لیا جائے۔ جب وہ تباہ ہو جائیں گے اور اسلام پھر نئے سرے سے قائم ہو جائے گا تو شام کو فتح کر لیں گے۔ حضرت ابوبکرؓ جو بظاہر بڑے نرم دل تھے اور لڑائی کرنے والے نہیں سمجھے جاتے تھے کہنے لگے عمر! تم یہ کہتے ہو کہ میں اسامہ کے لشکر کو روک لوں حالانکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں خود اِس لشکر کو تیار کیا تھا اور آپ نے فرمایا تھا کہ یہ لشکر شام کو بھجوایا جائے۔ کیا میں آپ کا خلیفہ بن کر سب سے پہلا کام یہی کروں گا کہ آپ نے جو لشکر تیار کیا تھا اُس کو روک لوں؟ یہ کبھی نہیں ہوسکتا۔ حضرت عمرؓ نے کہا مدینہ کے اردگرد کے تمام قبائل مرتد ہو گئے ہیں وہ مدینہ پر حملہ کریں گے اور تھوڑے ہی دنوں میں مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا عمر! رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری کے لحاظ سے مجھے اس کی کوئی پروا نہیں کہ کیا ہوگا۔ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو بہرحال پورا کروں گا۔ اگر مدینہ میں سارے منافق آ جائیں اور تم مجھے سب چھوڑ کر چلے جاؤ تب بھی میں اکیلا ان سب کا مقابلہ کروں گا اور خدا کی قسم! اگر مدینہ کی گلیوں میں عورتوں کی نعشوں کو کُتّے گھسیٹتے پھریں تب بھی میں اِس لشکر کو نہیں روکوں گا جس لشکر کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھجوانے کے لیے تیار کیا تھا8 مگر باوجود اِس عشق اور محبت کے آپ کو اللہ تعالیٰ کی توحید اتنی پیاری تھی کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے موقع پر حضرت عمرؓ نے کہا کہ آپ زندہ ہیں تو آپ نے کہا یہ شرک ہے میں اسے تسلیم نہیں کرسکتا۔ شرک اسلام میں جائز نہیں۔ میں تو وہی بات کہوں گا جو خدا تعالیٰ سے ثابت ہے۔ چنانچہ آپ نے توحید کو قائم رکھا اور حضرت اسامہؓ کے لشکر کو بھجوا دیا۔ اِس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ایسی تائید فرمائی کہ منافق بھی شکست کھا گئے اور شام میں بھی اللہ تعالیٰ نے حضرت اسامہؓ کو فتح اور غلبہ دیا۔ بیشک شام کی فتح کی تکمیل حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جا کر ہوئی لیکن حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں اس کی ابتدا ہو گئی تھی۔ اِس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ کے ایمان کا بھی انہیں بدلہ دے دیا اور اُن کے ذریعہ اسلام کو بڑی بھاری فتوحات ہوئیں۔ مگر حضرت ابوبکرؓ کا ایمان اس

سے ثابت ہو گیا کہ انہوں نے اپنے محبوب ترین وجود کے متعلق بھی کوئی ایسی بات برداشت نہ کی جو خدا تعالیٰ کی توحید کے منافی تھی۔ اور جب کسی نے کہا کہ وہ زندہ ہیں تو آپ نے فرمایا ہرگز نہیں صرف اللہ تعالیٰ ہی دائمی طور پر زندہ ہے اور وہ کبھی نہیں مرے گا۔ میں موجود ہوں اور یہی تعلیم مجھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی۔ یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ آپ کی وفات کے بعد ہی میں اس تعلیم کو بھول جاؤں۔ چنانچہ لکھا ہے کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر سن کر آپ تشریف لائے تو آپ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی پر بوسہ دیا اور فرمایا خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ پر دو موتیں جمع نہیں کرے گا۔9 یعنی یہ نہیں ہوسکتا کہ آپ پر جسمانی موت بھی آئے اور روحانی موت بھی آئے۔ یعنی آپ کی موت کے ساتھ آپ کا مذہب بھی ضائع ہو جائے۔ آپ کا مذہب بہرحال قائم رہے گا۔ جسمانی موت آئی ہے لیکن آپ پر روحانی موت نہیں آسکتی۔

ایسی ہی توحید کی طرف اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں توجہ دلائی ہے کہ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا اے مومنو! کامل توحید اختیار کرو اور ہر طرف سے ہٹ کر صرف خدا تعالیٰ کی طرف توجہ رکھا کرو۔ تمہارا کتنا ہی کوئی عزیز ہو اگر وہ تم سے علیحدہ ہوتا ہے لیکن خدا تعالیٰ کی محبت تمہیں حاصل ہے تو تمہیں خدا تعالیٰ پر اتنا یقین ہونا چاہیے اور اتنا توکّل ہونا چاہیے کہ تمہیں سمجھنا چاہیے کہ کوئی شخص تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

پھر فرماتا ہے وَاسْجُدُوْا تم سجدہ کرو۔ یہاں بھی سجدہ سے مُراد نماز والا سجدہ نہیں کیونکہ آگے فرمایا ہے وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ تم اپنے رب کی عبادت کرو اور عبادت میں سجدہ خود شامل ہوتا ہے۔ پس یہاں سجدہ سے مُراد اطاعت اور فرمانبرداری ہے اور اُسْجُدُوْا کے معنے یہ ہیں کہ تم اپنے ماں باپ اور بزرگوں اور حکومت کی اطاعت کرو۔ یا دوسرے لفظوں میں یہ کہ اپنے اندر نظم پیدا کرو، کبھی اپنے اندر بغاوت کی روح نہ آنے دو۔ نہ اپنے خاندانی بزرگوں سے بغاوت کرو اور نہ اپنے مذہبی بزرگوں سے بغاوت کرو اور نہ حکومت کے عُمّال سے بغاوت کرو بلکہ ہمیشہ اطاعت اور فرمانبرداری کے ساتھ اپنی زندگی بسر کرو وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ اور اپنے رب کی عبادت کرو وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ اور ہمیشہ سب سے اچھا کام کرنے کی کوشش کرو۔ خیر کے معنے عربی زبان میں صرف نیکی کے نہیں ہوتے بلکہ اس کے معنے ایسے فعل کے ہوتے ہیں جن میں وہ تمام کمالات اور

خصائص پائے جائیں جو اُس کام کے مناسبِ حال ہوں۔ پس وَافْعَلُوا الْخَيْرَ کے یہ معنے نہیں کہ نیکی کرو بلکہ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ کے یہ معنیٰ ہیں کہ تم سب سے اچھے اعمال بجالاؤ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ فلاح کے معنے عربی زبان میں اپنی مُراد کو پالینے کے ہوتے ہیں۔ پس لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ کے یہ معنے ہیں کہ اگر تم سب سے اچھی نیکیاں بجالاؤ گے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہاری تمام نیک مُرادیں پوری ہو جائیں گی اور اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعہ دنیا میں اپنے وجود کو قائم کر دے گا۔

مومن کی سب سے بڑی مُراد یہی ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ کی بادشاہت دنیا میں قائم ہو جائے۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے بھی یہی کہا تھا کہ اے خدا! جس طرح تیری بادشاہت آسمان پر ہے اُسی طرح زمین پر بھی آ جائے۔10 درحقیقت مومن کی سب سے بڑی خواہش یہی ہوتی ہے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ ہر ایک کو نظر آنے لگ جائے۔ وہ یہ نہیں چاہتا کہ صرف مجھے خدا نظر آ جائے بلکہ مومن یہ چاہتا ہے کہ ہر ایک کو خدا نظر آ جائے اور یہی اس کی مُراد ہوتی ہے۔ جب وہ نیکیوں میں ترقی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی اس خواہش کو بھی پورا کر دیتا ہے اور اس کے ذریعہ دنیا میں اپنا وجود ظاہر کرنا شروع کر دیتا ہے۔ جیسے موجودہ زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ سے ہم نے خدا تعالیٰ کو دیکھا۔ اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام دنیا میں نہ آتے تو خدا تعالیٰ کا وجود ہمارے لیے بالکل مخفی ہوتا۔ عرش پر بیٹھا ہوا وجود کس کو نظر آتا ہے؟ مگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ خدا ہمارے لیے زمین پر آ گیا اور ہم نے اپنی آنکھوں سے اُس کے وجود کو دیکھ لیا اور جب تک احمدی احمدیت پر سچے طور پر قائم رہیں گے خدا تعالیٰ اپنے وجود کو ہمیشہ ان کے ذریعہ ظاہر کرتا رہے گا۔ (الفضل 26 دسمبر 1958ء)

مجھے تعجب ہوا کرتا تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت موسیٰؑ سے بڑے تھے مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جماعت کو خدا تعالیٰ نے آج تک بادشاہت دی ہوئی ہے اور نظام اور اتحاد اُن میں پایا جاتا ہے مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت میں آپ کی وفات کے چند سال بعد ہی تفرقہ پیدا ہو گیا۔ میں نے اِس پر غور کیا کہ آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بہرحال حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بڑے تھے۔ چاہیے تھا کہ آپؐ کی روحانی زندگی لمبی ہوتی اور

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی چھوٹی ہوتی، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ پر تین ہزار سال سے زائد عرصہ گزر چکا ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وفات پائے صرف چودہ سو سال ہوئے ہیں مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جماعت میں اب تک ظاہری ایمان بھی پایا جاتا ہے اور ان کی قوم اب پھر فلسطین پر حاکم ہوگئی ہے جس کی سورۃ بنی اسرائیل میں خبر دی گئی تھی۔ میں نے جب اِس پر غور کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ اصل بات یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم مظلوم تھی اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم ظالم تھی یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر فرعون نے ظلم کیا تھا مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم پر کسی اَور نے ظلم نہیں کیا بلکہ انہوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ظلم کیا۔ اور اللہ تعالیٰ کو ظالم سے اتنی ہمدردی نہیں ہوتی جتنی مظلوم سے ہوتی ہے۔ چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم مظلوم تھی اِس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی عمر لمبی کر دی اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم چونکہ خود ظالم تھی اور آخر وہی قوم مسلمان ہوئی تھی اور وہ وہی لوگ تھے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی جماعت کو گھروں سے نکالتے تھے، انہیں مارتے اور ان پر ظلم کرتے تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان سے وہ سلوک نہ کیا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے اس نے کیا تھا۔

اِس میں کوئی شُبہ نہیں ہے کہ مکہ والے بعد میں ایمان لائے لیکن شروع میں انہوں نے بڑے بڑے ظلم کیے تھے۔ چنانچہ تاریخ میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ صبح کے بعد مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ لوگ عید کی مبارکباد دینے کے لیے آنا شروع ہوئے۔ مکہ کے بعض رؤساء جو اسلام کے سخت دشمن تھے اُن کی اولادیں بھی جو اَب مسلمان ہوگئی تھیں آئیں۔ حضرت عمرؓ کا خاندان چونکہ نسب یاد رکھا کرتا تھا اور اسے مکہ کے لوگوں میں سے سب سے زیادہ خاندانوں کا نسب نامہ یاد تھا اس لیے حضرت عمرؓ اُن کے خاندانوں سے خوب واقف تھے۔ آپ نے انہیں محبت سے اپنے قریب جگہ دی۔ جب وہ بیٹھ گئے اور خوش ہوئے کہ خلیفۂ وقت نے ہماری بڑی عزّت کی ہے، تو اتنے میں کوئی صحابی آ گئے۔ آپؓ نے اُنہیں فرمایا ذرا پیچھے ہٹ جاؤ اور اس صحابی کو جگہ دے دو۔ وہ پیچھے ہٹ گئے اور اِس صحابی کو جگہ دے دی۔ پھر کوئی اَور صحابی آ گیا تو آپ نے کہا ذرا اَور پیچھے ہٹ جاؤ اور اِس کو جگہ دو۔ پھر ایک مسلمان غلام آ گئے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا ذرا اَور پیچھے ہٹ جاؤ اور اِس کو جگہ دے دو۔ حتّٰی کہ وہ لوگ ہٹتے ہٹتے جُوتیوں میں پہنچ گئے۔ انہیں یہ دیکھ کر کہ وہ رؤساء کے بیٹے ہیں اور ان پر غلام صحابہؓ کو

فضیلت دی گئی ہے سخت صدمہ ہوا اور وہ وہاں سے نکل کر باہر آ گئے۔ وہ بارہ تیرہ نوجوان تھے۔ باہر آ کر انہوں نے آپس میں باتیں شروع کر دیں کہ دیکھو! آج ہماری کتنی ذلّت ہوئی ہے۔ وہ غلام جن کو ہم کل جوتیاں مارا کرتے تھے آج ان کو آگے بٹھایا گیا ہے اور ہمیں پیچھے دھکیلا گیا ہے۔ ان میں سے ایک نوجوان عقلمند تھا۔ اُس نے کہا تمہیں پتا ہے کہ جب تمہارے باپ دادا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مارنے اور آپ کو قتل کرنے کی فکر میں تھے اُس وقت یہ غلام اپنی جانیں دے کر آپؐ کو بچاتے تھے۔ حضرت عمرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ہیں تمہارے خلیفہ نہیں۔ اگر حضرت عمرؓ نے ان قربانیوں کی وجہ سے جو انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کی تھیں ان کا احترام کیا ہے تو یہ بات ضروری تھی۔ انہوں نے کہا کہ یہ تو درست ہے مگر اس ذلّت کا کوئی علاج بھی ہے؟ وہ کہنے لگا اِس کا علاج بھی حضرت عمرؓ سے ہی پوچھنا چاہیے۔ چنانچہ وہ دوبارہ حضرت عمرؓ کے پاس گئے۔ آپ نے فرمایا تم تو چلے گئے تھے۔ پھر دوبارہ کیوں آئے؟ انہوں نے کہا ہم نے آپ سے مشورہ لینا ہے۔ اے امیر المومنین! ہمیں پتا ہے کہ ہمارے باپ دادوں نے بڑی مخالفتیں کی تھیں اور انہوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں پر بڑے بڑے ظلم کیے تھے لیکن وہ تو مر گئے۔ اب ہم اُن کی اولادیں اِس کی سزا بھگت رہی ہیں۔ کیا کوئی ایسا ذریعہ بھی ہے جس سے ہم اِس داغ کو مِٹا سکیں۔ چونکہ وہ مکہ کے رؤساء کے بیٹے تھے حضرت عمرؓ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور آپ کے منہ سے بات تک نہ نکل سکی۔ آپ نے رِقّت کے جوش میں صرف ہاتھ اُٹھا کر شام کی طرف اشارہ کر دیا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ تمہارے سوالوں کا جواب اس طرف ہے۔ یعنی تم شام میں چلے جاؤ۔ وہاں روم کے بادشاہ سے لڑائی ہو رہی ہے، وہاں جا کر اسلام کی خدمت کرو۔ اِس سے تمہارے سب داغ دُھل جائیں گے۔ تاریخ میں لکھا ہے کہ وہ لڑکے اُسی وقت گھوڑوں پر سوار ہو کر شام کی طرف چلے گئے اور پھر ان میں سے کوئی بھی زندہ واپس نہیں آیا سارے کے سارے وہیں شہید ہو گئے۔ 11

تو اِس میں کوئی شُبہ نہیں بعد میں انہوں نے قربانیاں کیں لیکن آخر ابتدائی چیز کیسے دور ہو سکتی ہے۔ وہ تو بہرحال قائم رہے گی۔ ابوجہل کو دیکھو چونکہ اس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بڑے بھاری ظلم کیے تھے اِس لیے باوجود اِس کے کہ اُس کے بیٹے عکرمہؓ نے بڑی قربانیاں کیں پھر بھی اُس کی اولاد اُس کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتی۔ چنانچہ ابوجہل کی اولاد اب بھی

سرگودھا کے اردگرد موجود ہے لیکن وہ اپنے آپ کو ابوجہل کی اولاد نہیں کہتے بلکہ کسی اَور کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اِس کی یہی وجہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی وجہ سے ابوجہل بدنام ہو چکا ہے اور لوگ اپنے آپ کو اس کی طرف منسوب کرنا بُرا خیال کرتے ہیں حالانکہ اس کے بیٹے نے بعد میں اسلام کی بڑی خدمت کی تھی۔

ابوجہل کے مظالم یہاں تک پہنچ چکے تھے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن گھر سے نکل کر صفا پہاڑی کے ایک پتھر پر بیٹھے ہوئے تھے اور آپ اس بات پر غور کر رہے تھے کہ میں نے اپنی قوم کو اتنی تبلیغ کی ہے لیکن اس پر کوئی اثر نہیں ہو رہا۔ اتنے میں ابوجہل آپ کے پاس سے گزرا اور اُس نے آپ کو زور سے تھپڑ مارا اور پھر اُس نے گندی گالیاں دینی شروع کر دیں۔ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے کوئی جواب نہ دیا اور خاموشی سے اٹھ کر اپنے گھر چلے گئے۔ آپ کا آبائی مکان صفا پہاڑی کے سامنے ہی تھا۔ آپ کے مکان کا دروازہ کھلا تھا صرف پردہ لٹکا ہوا تھا جس میں سے گھر کی ایک پرانی لونڈی جس نے اپنی ساری عمر اُس گھر میں ہی گزار دی تھی یہ واقعہ دیکھ رہی تھی۔ بوڑھی لونڈیاں بھی گھر کے افراد کی طرح ہی ہو جاتی ہیں۔ اِس لونڈی نے گھر کے سب بچوں کو پالا تھا جو اَب بڑی عمر کے ہو چکے تھے۔ اس نے یہ سارا واقعہ دیکھا مگر وہ ایک عورت تھی کر ہی کیا سکتی تھی۔ غصہ میں اندر ہی اندر کُڑھتی رہی۔ یہ واقعہ نو دس بجے صبح کے قریب ہوا۔ شام کے وقت حضرت امیر حمزہؓ جنہیں شکار کا بہت شوق تھا تیر کمان کندھے پر ڈالے ہوئے اندر داخل ہوئے۔ انہیں دیکھتے ہی وہ لونڈی غصہ سے آگے بڑھی اور کہنے لگی تم بڑے بہادر بنے پھرتے ہو! تمہیں پتا نہیں کہ آج تمہارے بھتیجے کے ساتھ کیا ہوا؟ میں اندر کھڑی دروازہ سے دیکھ رہی تھی۔ محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) باہر پتھر پر بیٹھا تھا کہ ابوجہل آیا اور اُس نے اُسے زور سے تھپڑ مارا اور پھر اُسے گالیاں دینی شروع کر دیں۔ خدا کی قسم! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اُسے کچھ بھی نہیں کہا تھا۔ وہ اُس کی گالیاں خاموشی سے سنتا رہا اور تکلیف برداشت کرتا رہا۔ تم اتنے بہادر بنے پھرتے ہو اور ہر وقت جانوروں کا شکار کرتے رہتے ہو، تم ابوجہل کو جا کر کیوں نہیں مارتے؟ لونڈی کے منہ سے نکلی ہوئی بات حضرت حمزہؓ کے دل پر اثر کر گئی۔ وہ ابھی مسلمان تو نہیں ہوئے تھے لیکن پھر بھی اپنے بھتیجے پر زیادتی کی وجہ سے اُنہیں غیرت آئی۔ وہ وہیں سے اُلٹے واپس لوٹے اور سیدھے خانہ کعبہ میں گئے۔ رؤسائے مکہ خانہ کعبہ میں بیٹھے

ہوئے تھے اور ابوجہل بڑا فخر کر رہا تھا کہ میں نے آج محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مارا اور اُسے گالیاں دیں اور وہ بالکل ڈر گیا اور آگے سے بول بھی نہ سکا۔ اتنے میں حضرت حمزہؓ وہاں پہنچ گئے اور انہوں نے زور سے اپنی کمان ابوجہل کے سر پر مارتے ہوئے کہا کمبخت! اگر تجھے بہادری کا دعویٰ ہے تو آ اور میرے ساتھ لڑ، ورنہ شرم کر، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تو تجھے کچھ بھی نہیں کہا تھا مگر پھر بھی تُو نے اُسے گالیاں دیں اور بُرا بھلا کہا۔ میں نے اب سارے مکہ والوں کے سامنے تجھے مارا ہے، اگر تجھ میں ہمت ہے تو میرا مقابلہ کر۔ ابوجہل اُس وقت رؤسائے مکہ میں بڑی قدر و منزلت رکھتا تھا۔ حضرت حمزہؓ کی اس حرکت پر انہیں غصہ آیا اور وہ جوش میں اٹھے اور حضرت حمزہؓ کا مقابلہ کرنا چاہا مگر ابوجہل ایسا گھبرایا کہ وہ کہنے لگا تم حمزہ کو کچھ نہ کہو، مجھ سے ہی آج زیادتی ہوگئی تھی۔ میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو صفا پہاڑی پر بیٹھے ہوئے دیکھا تو مجھے غصہ آ گیا کہ کیا اِس کو اتنی جرأت ہوگئی ہے کہ یہ بھی پہاڑی پر بیٹھے، یہ تو ہمیں کُھلا چیلنج ہے۔ اس لیے میں نے اُسے گالیاں بھی دیں اور مارا بھی۔ پس حمزہ کا غصہ حق بجانب ہے۔12

یہ وہ مظالم تھے جو ابوجہل نے کیے۔ اِنہی مظالم کا یہ نتیجہ ہے کہ باوجود ابوجہل کے بیٹے کی عظیم الشان قربانیوں کے اُس کی نسل اپنے آپ کو اُس کی طرف منسوب نہیں کرتی۔ تو جو قوم ظلم کرتی ہے اُس کے ظلم کا اثر نسلاً بعد نسلٍ چلتا چلا جاتا ہے۔ اور اگر کوئی مظلوم بنتا ہے تو اُس کی مظلومیت کا اثر بھی نسلاً بعد نسلٍ چلتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم مظلوم بنی اور فرعون ظالم بنا۔ فرعون کی نسل کبھی بادشاہ نہیں بنی وہ ہمیشہ ذلیل رہی اور ہمیشہ بنی اسرائیل سے شکست کھاتی رہی۔ ایک دفعہ حضرت موسیٰ کے بعد بھی فرعونیوں نے بنی اسرائیل پر حملہ کیا مگر اس میں بھی شکست کھائی اور ذلیل ہوئے اور آج فرعون کی نسل کا تو نام تک بھی نہیں مگر موسیٰ علیہ السلام کی قوم پھر اسرائیل پر حکومت کر رہی ہے۔ اِس کی وجہ یہی ہے کہ انہوں نے ظلم سہے اور خدا تعالیٰ نے مظلوم کی مدد کی۔ اگر مکہ والے بھی ظلم نہ کرتے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شروع میں ہی اطاعت قبول کر لیتے تو آج مسلمانوں پر بھی یہ اِدبار نہ آتا۔ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم تین ہزار سال چلی تھی تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم تیس ہزار سال چلتی کیونکہ مظلوم کی مدد کی جاتی ہے۔ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والے وہ لوگ تھے جنہوں نے شروع شروع میں آپ پر بڑے بھاری ظلم کیے تھے اس لیے وہ اِدبار کا شکار ہو گئے۔ مگر

قرآن کریم ہمیں مایوس نہیں کرتا وہ کہتا ہے وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ تم نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔ پھر تمہاری سب مرادیں پوری ہو جائیں گی اور خداتعالیٰ دینی اور دنیوی برکات تم پر نازل کرے گا۔ مکہ والوں کے مظالم کا ازالہ ہو جائے گا۔ تو خداتعالیٰ دوبارہ اپنی توجہ مسلمانوں کی طرف پھیرے گا اور وہ توجہ قیامت تک ممتد ہوگی۔ مسلمان دنیا پر غالب آ جائیں گے اور دنیا کی کوئی قوم ان کا مقابلہ نہیں کر سکے گی۔

اِس کے علاوہ ہم پر یہ ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے کہ ہم قادیان کو آباد کریں۔ فرض کرو اگر خداتعالیٰ کے نزدیک ہمیں قادیان پچیس یا پچاس یا سو سال تک نہیں ملنا تو کیا تمہارا یہ فرض نہیں کہ تم اُسے آباد رکھو؟ لیکن تم نے اُسے آباد کرنے کی کیا کوشش کی ہے؟ تم نے یہ کبھی نہیں سوچا کہ جو آدمی وہاں رہتے ہیں وہ کھائیں گے کہاں سے اور اُن کے اخراجات کس طرح پورے ہوں گے؟ چونکہ قادیان سے ہجرت کے وقت سب کام کرنے والے پاکستان آ گئے تھے اور جو لوگ قادیان میں رہ گئے تھے وہ ناتجربہ کار تھے اِس لیے شروع شروع میں وہ اس کی آبادی کی طرف زیادہ توجہ نہ دے سکے۔ میں نے اِس مقصد کے لیے اپنے ایک بچہ کو وہاں رکھا تھا لیکن وہ اس مقصد میں کامیاب نہیں ہوا۔ اگر ہندوستان میں بھی پانچ سات لاکھ کی جماعت ہو جاتی تو وہاں کی جماعت کا بجٹ کئی لاکھ کا ہو جاتا اور جوں جوں جماعت بڑھتی جاتی بجٹ بھی بڑھتا جاتا لیکن یہ ساری ذمہ داری قادیان والوں پر ہی نہیں آپ لوگوں پر بھی ایک حد تک یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ اس لیے یہاں کے بجٹ میں بھی قادیان کا حصہ ہونا چاہیے۔ اگر خداتعالیٰ ہماری جماعت کی تعداد کو بڑھا دے اور اس کی آمد میں اِس قدر زیادتی ہو جائے کہ جماعت کا بجٹ پچیس تیس لاکھ ہو جائے تو چار پانچ لاکھ روپیہ کی رقم قادیان کے لیے آسانی سے نکل سکتی ہے بشرطیکہ پاکستان اور ہندوستان کے تعلقات زیادہ ٹھیک ہو جائیں اور پاکستانی حکومت اُدھر رہ جانے والے مسلمانوں کی مدد کی اجازت دے دے یا اس کے ایکسچینج کی حالت اچھی ہو جائے اور وہ ہندوستان روپیہ بھجوانے پر سے پابندی ہٹا دے۔ اور اگر کسی وقت یہاں کے رہنے والوں کو مشکلات ہوں تو باہر کی جماعتوں یعنی امریکہ، افریقہ اور یورپین ممالک کی جماعتوں کا فرض ہے کہ وہ قادیان کو آباد رکھیں اور اس غرض کے لیے اپنے بجٹ کا کچھ حصہ قادیان کے لوگوں کی امداد کے لیے بھجوائیں کیونکہ وہ پاکستان سے باہر کے ہیں اور اُن پر پاکستان کا قانون عائد نہیں ہوتا۔ بیشک اِس کے

نتیجہ میں ربوہ کے مرکز کو کسی قدر مشکلات پیش آسکتی ہیں لیکن اگر ہماری جماعت کی تعداد بڑھ جائے اور چندوں میں بھی اضافہ ہو جائے تو باوجود اِس کے کہ ہماری بیرونی آمدنوں کا ایک حصہ قادیان میں منتقل ہو جائے گا ربوہ پھر بھی آباد رہے گا۔اِنْشَاءَ اللّٰہُ۔ اِدھر ہماری جماعت کے دوستوں کا فرض ہے کہ وہ ربوہ میں مختلف قسم کی صنعتیں اور چھوٹی چھوٹی دستکاریاں جاری کریں تا کہ جس طرح دوسرے شہر اپنے طبعی سامانوں کی وجہ سے آباد ہیں وہی طبعی سامان ربوہ کو بھی میسر آ جائیں اور اس کی آبادی ترقی کرتی چلی جائے۔تمام جماعتوں کا فرض ہے کہ وہ یہ روح اپنے افراد میں پیدا کریں،خصوصیت کے ساتھ پاکستان کی جماعتیں ربوہ کو آباد کرنے کی طرف توجہ کریں۔لیکن اِس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ قادیان کو آباد کرنا بھول جائیں بلکہ یہ طریق اختیار کیا جائے کہ امریکہ، افریقہ، یورپ اور دوسرے بیرونی ممالک کی جماعتیں زیادہ زور قادیان کو آباد کرنے پر لگائیں اور اِس سے اُتر کر ربوہ کی آبادی کی طرف توجہ دیں اور پاکستان کی جماعتیں زیادہ زور ربوہ کو آباد کرنے پر دیں اور جہاں تک قانون اجازت دیتا ہو قادیان کی آبادی کی طرف توجہ کریں۔اگر ذمہ داری کو تقسیم کر لیا جائے تو کام زیادہ سہولت سے ہو سکتا ہے۔

پھر اگر تم خدا تعالیٰ سے بھی دُعائیں کرو تو وہ تمہیں اِس کام کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرما دے گا اور اِن دونوں شہروں کی آبادی کے سامان پیدا کر دے گا۔تم اپنے ایمانوں کو مضبوط کرو اور اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کے ہاتھوں میں دے دو اور اُس سے ہر وقت دُعائیں کرتے رہو کہ وہ خود ایسے سامان پیدا کرے کہ یہ دونوں شہر جلد سے جلد آباد ہو جائیں۔وہ خدا جو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک اپنی قائم کردہ جماعتوں کے لیے غیر معمولی سامان پیدا کرتا چلا آیا ہے وہ اب بھی اِس بات پر قادر ہے کہ وہ ہمارے لیے غیر معمولی سامان پیدا کر دے لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ تم ان تمام صلحاء کے نقشِ قدم"۔　　(غیر مطبوعہ مواد از خلافت لائبریری ربوہ)

"پھر فرماتا ہے وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ط اللہ تعالیٰ کے راستہ میں ایسا جہاد کرو جو جہاد کا حق ہے۔"جہاد کا حق ہے" کہہ کر بتا دیا کہ جہاد کی جتنی قسمیں ہیں تم ان تمام قسموں کو پورا کرو صرف تلوار کا جہاد ہی جہاد نہیں بلکہ اسلام کی اشاعت کے لیے ہر قسم کی قربانیاں کرنا اور دلائل اور براہین سے دشمنوں کا مقابلہ کرنا بھی جہاد میں ہی شامل ہے۔اور یہ وہ جہاد ہے جو

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ساری عمر کرتے رہے اور آج آپ کی جماعت بھی جہاد کر رہی ہے۔ چنانچہ یورپ، امریکہ، افریقہ، انڈونیشیا، سیلون، ماریشس، ہندوستان اور دیگر کئی ممالک میں احمدیوں نے جہاد شروع کیا ہوا ہے۔ وہ تبلیغِ اسلام کرتے ہیں اور لوگوں تک خدا تعالیٰ کا پیغام پہنچاتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ لوگ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں داخل ہوں۔ اب تک بعض ایسے ہندوؤں کے خط میرے نام آتے رہتے ہیں جنہوں نے قادیان کی چھپی ہوئی بعض کتابیں پڑھی ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم پر اسلام کی حقیقت کھل گئی ہے۔ ہماری درخواست ہے کہ آپ ہمارے لیے دُعا کریں۔

اِس سال جب ہم جابہ میں تھے تو میاں بشیر احمد صاحب نے آموں کی ایک ٹوکری مجھے بھجوائی۔ یہ اُس ہندو نے قادیان سے بھجوائے تھے جس کے پاس ہمارا دارالانوار والا باغ ہے۔ اُس نے لکھا کہ ایک دن خواب میں حضرت مرزا صاحب تشریف لائے تھے اور انہوں نے کہا تھا آپ نے ہمیں آم کیوں نہیں بھجوائے؟ چنانچہ میں یہ آم بھجواتا ہوں تا کہ خواب پوری ہو جائے۔ غرض ہمارا جہاد آج بھی لوگوں کے دلوں میں اسلام کی محبت پیدا کر رہا ہے۔ ہندوستان میں بھی، امریکہ میں بھی، یورپ میں بھی اس کے ذریعہ سینکڑوں لوگوں کو اسلام کی طرف توجہ پیدا ہو رہی ہے اور یہ توجہ پیدا ہوتی چلی جائے گی یہاں تک کہ تمام دنیا میں اسلام پھیل جائے گا۔ آج اسلام کی حیثیت بیشک ظاہری طور پر کم نظر آتی ہے لیکن ایک وقت آئے گا کہ اس کے مقابلہ میں غیر مذاہب کی حیثیت بہت ہی کم ہو جائے گی کیونکہ اسلام کے لیے فتح مقدر ہے اور اس کے دشمنوں کے لیے شکست مقدر ہے"۔

(الفضل 26 دسمبر 1958ء)

1: الحج: 78، 79

2: کنز العمال جلد 10 صفحہ 250 مطبوعہ حلب 1971ء حدیث نمبر 29339 میں اِسْتَفْتِ نَفْسَکَ وَاِنْ اَفْتَاکَ الْمَفْتُوْنَ کے الفاظ ہیں۔

3: اسد الغابة جلد 3 صفحہ 221۔ مطبوعہ ریاض 1286ھ

4: بخاری کتاب فضائل اصحاب النَّبِیِّ صلی اللّٰہ علیہ وسلم باب لَوْ کُنْتُ مُتَّخِذاً خَلِیْلاً ......

5: دیوان حسان بن ثابت مترجم صفحہ 230 حاشیہ مطبوعہ لاہور 2009ء، السیرة الحلبیة جلد 3 صفحہ 397 مطبوعہ مصر 1935ء

6: بخاری کتاب فضائل اصحاب النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم باب لَوْ کُنْتُ مُتَّخِذاً خَلِیْلاً ......

7: ترمذی ابواب المناقب باب مناقب ابی ابکر الصدیق (الخ)

8: تاریخ الخلفاء للسیوطی صفحہ 51 مطبوعہ لاہور 1892ء

9: بخاری کتاب فضائل النبی صلی اللہ علیہ وسلم باب لَوْ کُنْتُ مُتَّخِذاً خَلِیْلاً ......

10: متی باب 6 آیت 9 تا 11

11: اسد الغابة جلد 2 صفحہ 372۔ مطبوعہ ریاض 1285ھ

12: سیرت ابن ہشام جلد 1 صفحہ 311، 312۔ مطبوعہ مصر 1936ء

32

اذان کے الفاظ کو صحیح تلفظ کے ساتھ اور سمجھ کر ادا کرنا چاہیے

ربوہ کے دوستوں کو چاہیے کہ وہ جلسہ سالانہ کے مہمانوں کے لیے زیادہ سے زیادہ مکانات پیش کریں

(فرمودہ 28 نومبر 1958ء بمقام ربوہ)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

"آج میں دو باتیں کہنی چاہتا ہوں۔ ایک بات تو مسجدوں کے متعلق ہے اور ایک جلسہ سالانہ کے متعلق ہے۔ آج صبح مجھے اذان کی آواز آئی تو مجھے معلوم ہوا کہ باوجود اس کے کہ میں نے قادیان میں ہی تاکید کرنی شروع کر دی تھی کہ محلّہ والے مؤذّنوں کو صحیح طور پر اذان کہنا سکھائیں میری اس ہدایت پر عمل نہیں کیا گیا۔ قادیان میں یہ نقص تھا کہ مؤذّن اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہُ کہتے ہوئے "اَنْ" کے ساتھ "ن" کی آواز بھی نکالتے تھے حالانکہ میں نے بتایا تھا کہ عربی زبان میں "ن" ساکن کے بعد "ل" آ جائے تو نون "ل" میں مدغم ہو جاتا ہے اور لام کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ گویا اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ میں اَنْ لَّا کی بجائے اَلَّا کہا جائے گا۔

آج صبح جو اذان میں نے سنی وہ اس مسجد (مبارک) کی تو نہیں تھی کسی اَور مسجد کی تھی میں نے سنا کہ مؤذّن نے اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ میں "اَنْ" کو بالکل ہی اُڑا دیا یعنی وہ اَشْھَدُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ

کہہ رہا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں محلّوں کے جو پریذیڈنٹ ہیں وہ اذانیں سن کر مؤذّنوں کی اصلاح نہیں کرتے۔ مؤذّن کے متعلق عام طور پر یہ دیکھا جاتا ہے کہ اُس کی آواز اچھی ہو یہ نہیں دیکھا جاتا کہ وہ عربی بھی جانتا ہے یا نہیں۔ آج صبح جس مؤذّن کی آواز میں نے سنی ہے اِس میں کوئی شُبہ نہیں کہ اُس کی آواز اچھی تھی لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ عربی سے بھی واقفیت رکھتا ہو۔ یہ محلّہ جات کے صدر صاحبان کا کام ہے یا پھر علماء کا کام ہے کہ وہ محلّوں میں پھر پھر کر مؤذّنوں کی اذانیں درست کریں۔ بیشک اذان کی اصل غرض نمازوں کی طرف لوگوں کو توجہ دلانا ہے لیکن توجہ تو کسی ڈھول کے ذریعہ بھی دلائی جاسکتی تھی۔ اگر اِس غرض کے لیے کچھ الفاظ رکھے گئے ہیں تو آخر اِس کے کچھ معنے ہیں۔ اگر مؤذّن ان الفاظ کو صحیح طور پر بولے گا تو ان کے صحیح معنے بھی سمجھے جائیں گے اور اگر وہ غلط طور پر بولے گا تو ان کے معنے بھی سمجھ میں نہیں آئیں گے۔

درحقیقت اذان کو عربی میں اس لیے رکھا گیا ہے کہ لوگوں کو عربی زبان سیکھنے کی طرف کچھ نہ کچھ توجہ پیدا ہوتی رہے۔ اگر ڈھول بجتا تو لوگوں کو عربی زبان سیکھنے کی طرف کوئی توجہ پیدا نہ ہوتی لیکن ہماری شریعت نے اذان عربی میں رکھ دی ہے۔ نماز میں بھی عربی عبارتیں رکھ دی ہیں۔ اِسی طرح قرآن مجید کی سورتیں اور کچھ آیات نماز میں ضروری قرار دے دی ہیں۔ اس طرح یہ تدبیر کی گئی ہے کہ لوگوں کو عربی زبان سے کچھ نہ کچھ واقفیت پیدا ہو جائے اور لوگ مجبور ہوں کہ وہ عربی سیکھیں۔ اس حکمت کو نہ سمجھنے کی وجہ سے پنجاب کے ایک بڑے افسر نے ایک دفعہ یہ تحریک شروع کر دی تھی کہ نماز پنجابی زبان میں پڑھانی چاہیے تاکہ لوگ سمجھ سکیں کہ نماز میں کیا کہا جا رہا ہے۔ چنانچہ ایک عید کے موقع پر لوگوں نے اسے نماز پڑھانے کے لیے کھڑا کر دیا۔ پہلے تو اُس نے کہا میں مولوی نہیں، کسی مولوی کو نماز پڑھانے کے لیے کھڑا کرو لیکن جب لوگوں نے مجبور کیا تو وہ کھڑا ہو گیا اور اس نے کہا ''اللہ بڑا اوڈا ہے''۔ پھر کہنے لگا ''ساریاں تعریفاں ہیں اللہ دیاں جیہڑا پالنہار ہے ساری دنیا دا''۔ اِس طرح اُس نے ساری سورۃ فاتحہ کا پنجابی زبان میں ترجمہ کر دیا۔ بعد میں لوگوں نے شور مچا دیا کہ تم نے ہماری نماز خراب کر دی ہے۔ اُس نے کہا میں نے تو پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ کسی مولوی کو نماز پڑھانے کے لیے کھڑا کر دو۔ اگر تم نے مجھے کھڑا کیا ہے تو میں نے تو اُسی زبان میں نماز پڑھانی تھی جسے تم سمجھتے تھے۔ اگر میں سورہ فاتحہ عربی میں پڑھ دیتا تو اسے کون سمجھتا۔ پھر سنا کہ وہ لندن گیا تو وہاں بھی اُس نے یہی کام کیا اور

اِس پر اخبارات میں بہت شور اُٹھا لیکن اُس نے یہی جواب دیا کہ میں تو اُسی زبان میں نماز پڑھاؤں گا جسے مقتدی سمجھتے ہوں۔ یہ تو اس کی غلطی تھی لیکن اِس میں کوئی شُبہ نہیں کہ اذان اور نماز کے عربی الفاظ کو اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔ لیکن ان کو عربی زبان میں رکھنے میں یہی حکمت ہے کہ لوگ عربی زبان سیکھنے کی طرف توجہ کریں اور اس کی کچھ شُد بُد حاصل کرلیں۔

چنانچہ خدا تعالیٰ کے فضل سے احمدیوں میں ایک خاصی تعداد ایسے افراد کی ہے جو اذان، سورۃ فاتحہ اور قرآن کریم کی بعض دوسری چھوٹی چھوٹی سورتوں کے معنے جانتے ہیں اور بعض لکھے پڑھے لوگ اگرچہ عربی زبان نہیں جانتے مگر تفسیریں پڑھ پڑھ کے انہوں نے قریباً سارے قرآن کے معنے سیکھ لیے ہیں۔ وہ یہ بحث تو نہیں کر سکتے کہ کسی لفظ کے کسی خاص مقام پر رکھنے میں کیا حکمت ہے مگر وہ اس کا مطلب سمجھنے لگ گئے ہیں۔ مگر یہ حکمت اسی صورت میں قائم رہ سکتی ہے جب اذانوں کو درست کیا جائے اور نمازوں کو درست کیا جائے۔ نماز پڑھانے پر تو کسی عالم کو مقرر کیا جاتا ہے لیکن محلّہ کا پریذیڈنٹ بھی ایسے شخص کو ہی مقرر کرنا چاہیے جسے عربی زبان سے کچھ نہ کچھ واقفیت ہو یا وہ کم از کم نماز اور قرآن کریم کا ترجمہ جانتا ہو کیونکہ تلاوت کرتے وقت دل میں تبھی جوش پیدا ہوسکتا ہے جب انسان کو پتا ہو کہ جو آیت میں پڑھ رہا ہوں اُس کے یہ معنے ہیں۔ اگر وہ آیت کے معنے نہ جانتا ہو اور صرف یہی سمجھتا ہو کہ میں کوئی منتر پڑھ رہا ہوں تو اُس کے دل میں جوش پیدا نہیں ہوگا۔ مثلاً ایک شخص اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ 1 کہتا ہے تو وہ اِس آیت کو اُسی وقت جوش اور اخلاص سے پڑھے گا جب اُسے معلوم ہوگا کہ اِس کے معنے یہ ہیں کہ "اے خدا! میں تیری ہی مدد مانگتا ہوں۔ اور جب وہ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ 2 کہے گا تو اُس کے دل میں اُسی وقت جوش پیدا ہوگا جب وہ اس آیت کے معنے جانتا ہوگا اور وہ سمجھتا ہوگا کہ اس آیت کے یہ معنے ہیں کہ اے اللہ! تُو مجھے سیدھا رستہ دکھا۔ اگر وہ صرف یہی سمجھتا ہو کہ اِھْدِنَا عربی کا ایک لفظ ہے، صِرَاطَ عربی کا ایک لفظ ہے، "مستقیم" عربی کا ایک لفظ ہے تو اُس میں جوش پیدا نہیں ہوگا۔

پس میری پہلی نصیحت تو یہ ہے کہ اذانوں اور نمازوں کو صحیح طور پر سمجھنے کی عادت ڈالو اور مؤذّنوں کو اذان کے الفاظ کا صحیح تلفّظ بتاؤ تا کہ اُن کے اندر بھی یہ احساس پیدا ہو کہ ہمیں کچھ نہ کچھ عربی زبان سے مــَس پیدا کرنا چاہیے۔ مؤذّن کا کام اذان دینا ہے اس لیے اُسے کم از کم اذان کے معنے تو

آنے چاہییں اور اذان کے الفاظ کا صحیح تلفّظ بھی آنا چاہیے۔ جب وہ اذان کا صحیح تلفّظ سیکھ لے گا تو پھر اُسے جرأت پیدا ہوگی اور وہ نماز اور اذان کے الفاظ کے صحیح معنے بھی سیکھنے کی کوشش کرے گا اور پھر قرآن کریم کی بعض سورتوں کا بھی ترجمہ سیکھ لے گا۔ یہاں تک کہ وہ اچھا خاصا مؤذّن بلکہ امام بن جائے گا۔ پھر وہ آہستہ آہستہ باقی قرآن کریم کا ترجمہ سیکھنے کی کوشش کرے گا اور اس طرح وہ ایک واعظ اور ناصح بن جائے گا اور پھر ترقی کرتے کرتے جماعت کا ایک سچا لیڈر بن جائے گا۔ جن لوگوں میں جوش ہوتا ہے وہ اس غرض کے لیے قِسم قِسم کی تدبیریں کرتے ہیں کہ کسی طرح صداقت لوگوں تک پہنچ جائے۔

ہمارے ایک احمدی دوست میاں شیر محمد صاحب ہوا کرتے تھے جو پھگواڑا ضلع جالندھر کے رہنے والے تھے۔ وہ اِکّا چلایا کرتے تھے اور بالکل اَن پڑھ تھے لیکن باقاعدہ الحکم منگوایا کرتے تھے اور بیسیوں افراد ان کے ذریعہ احمدیت میں داخل ہوئے۔ ان کا طریق تھا کہ اخبار جیب میں ڈال لیا اور اِکّا چلا کر روانہ ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد اخبار جیب میں سے نکالا اور سواریوں میں سے کسی پڑھے لکھے آدمی سے کہا آپ پڑھے ہوئے ہیں میں اَن پڑھ ہوں، آپ مجھے سنائیں کہ اس میں کیا لکھا ہے۔ چنانچہ اُس شخص نے اخبار پڑھتے جانا اور انہوں نے سنتے جانا۔ اِسی طرح اخبار پڑھا پڑھا کر انہوں نے کئی افراد احمدیت میں داخل کر لیے۔ جب سواریوں نے اڈہ پر اُترنے لگنا تو انہوں نے کہنا بابا جی! آپ ہمیں پھر بھی ملیں۔ اِس اخبار میں تو بڑی اچھی باتیں لکھی ہوئی ہیں۔ چنانچہ میاں شیر محمد صاحب نے اُن سے ملنے کے لیے جانا اور جو جو باتیں وہ پوچھتے اُن کے وہ جوابات دیتے اور سلسلہ کا لٹریچر بھی منگوا کر دیتے۔ اِسی طرح کئی لوگ اُن کے ذریعہ احمدیت میں داخل ہوئے۔ اگر ایک اَن پڑھ آدمی یہ کام کر سکتا ہے تو ایک شُد بُد رکھنے والا آدمی کیوں ترقی نہیں کر سکتا۔

پس اپنے اندر اذان اور نماز کی رغبت پیدا کرو اور ان کی عظمت دلوں میں قائم کرو۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اذان معمولی چیز ہے حالانکہ تاریخ میں حضرت عمرؓ کا ایک قول آتا ہے کہ اگر خلافت کا کام میرے سپرد نہ ہوتا تو میں مؤذّن کا کام کرتا۔ تو دیکھو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ثانی اذان کو اتنی اہمیت دیتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں اگر خلافت کا کام میرے سپرد نہ ہوتا تو میں اذان دینے کا کام اپنے ذمہ لیتا۔ گویا انہوں نے اذان کو دوسری خلافت قرار دیا ہے۔ تو اذان کوئی معمولی چیز نہیں۔

جماعت کو اِس طرف توجہ کرنی چاہیے اور مؤذنوں کی اذانوں کی اصلاح کرنی چاہیے تا کہ اِس کے ذریعہ نماز اور قرآن کی طرف توجہ ہو اور لوگوں میں عربی زبان سیکھنے کا شوق پیدا ہو۔

دوسری بات میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تو حضرت عباسؓ جو آپؐ کے چچا تھے پیچھے مکہ میں ہی رہ گئے۔ مکہ میں حضرت عباسؓ کا کام سِقَایَۃُ الحآجّ یعنی حاجیوں کو پانی پلانا تھا۔ ایک دفعہ ان کی حضرت علیؓ سے بحث ہوگئی تو حضرت علیؓ نے فرمایا ہم نے ہجرت کی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر جہاد کیا مگر آپ تو پیچھے رہے۔ حضرت عباسؓ نے کہا یہ کونسی بڑی بات ہے ہم مکہ میں رہے اور ہم نے حاجیوں کو پانی پلایا۔3 وہ یہ سمجھتے تھے کہ حاجیوں کو پانی پلانا بھی جہاد سے کم نیکی نہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے حضرت علیؓ کے قول کو ترجیح دی ہے اور فرمایا ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ، حاجیوں کو پانی پلانے سے زیادہ اہم ہے۔4 حضرت عباسؓ نے پرانے خیالات کے ماتحت یہ بات بیان کر دی تھی حالانکہ اصل بات یہ تھی کہ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مکہ میں رہنے کا حکم دیا تھا۔ سقایۃ الحآج تو ایک ضمنی بات تھی۔ اگر وہ کہتے کہ مجھے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں رہنے کا حکم دیا تھا اس لیے میں مکہ میں ٹھہر گیا تو اُن کا جواب بہت وزنی ہوتا۔ مگر عربوں میں چونکہ سقَایَۃُ الحآجّ کا کام بڑا اہم سمجھا جاتا تھا اور وہ سمجھتے تھے کہ اس کام کی وجہ سے وہ مکہ کے رئیس ہیں۔ اور مکہ کی ریاست سارے عرب کی ریاست سمجھی جاتی تھی اس لیے حضرت عباسؓ نے یہ جواب دے دیا۔ حضرت عباسؓ کو مکہ میں ٹھہرانے کی ضرورت یہ تھی کہ مکہ میں کئی صحابہ کے بیوی بچے رہتے تھے اور حضرت عباسؓ چونکہ مکہ کے سرداروں میں سے تھے اس لیے اُن کے اثر کی وجہ سے اُن کی حفاظت ہوتی رہتی تھی اور کُفّار زیادہ شرارتیں نہیں کر سکتے تھے۔ دوسرے حضرت عباسؓ کی ابوسفیان سے بڑی دوستی تھی جو مکہ کے مانے ہوئے سردار تھے۔ پس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباسؓ کو یہ حکم دیا کہ وہ مکہ میں ہی رہیں۔

فتح مکہ کے قریب حضرت عباسؓ نے عرض کیا یارسول اللہ! اب تو مکہ میں میری ضرورت باقی نہیں رہی اب تو مجھے ہجرت کی اجازت دے دیں۔ اِس پر آپ نے اجازت دے دی اور فرمایا یہ آخری ہجرت ہے اِس کے بعد اَور کوئی ہجرت نہیں ہوگی۔5 پس سقَایَۃُ الحآجّ بڑی اعلیٰ درجہ کی چیز ہے مگر اِس کا درجہ جہاد کے بعد رکھا گیا ہے کیونکہ اُس زمانہ میں سقَایَۃُ الحآجّ اور جہاد دونوں اکٹھے

نہیں ہو سکتے تھے۔ اُس زمانہ میں جہاد بالسیف تھا اور مکہ میں رہ کر انسان مکہ والوں سے لڑ نہیں سکتا تھا لیکن اب جہاد بالسیف کی بجائے جہاد بِالـلِّسان ہے یعنی لوگوں کو ہدایت اور صداقت پہنچانا اور انہیں اسلام کی تبلیغ کرنا۔ اس لیے اب سِقَایَۃُ الحآجّ اور جہاد دونوں چیزیں اکٹھی ہو سکتی ہیں بلکہ ہمارے جلسہ سالانہ کے دنوں میں سقایہ تو الگ رہا کھانا کھلانے کا فرض بھی آ جاتا ہے۔ چنانچہ ربوہ کے رہنے والے باہر سے آنے والوں کو ان دنوں پانی بھی پلاتے ہیں اور کھانا بھی کھلاتے ہیں۔ اور پھر وہ یہ بھی کر سکتے ہیں کہ اردگرد کے علاقہ میں جا کر دوسرے لوگوں کو سلسلہ سے روشناس کریں، انہیں سمجھائیں اور بتائیں کہ احمدیت کے متعلق لوگوں کو جو یہ غلط فہمیاں ہیں وہ کیوں ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ احمدیت کے مخالف ہیں وہ صرف اس لیے مخالفت کرتے ہیں کہ انہیں بعض لوگوں نے احمدیت کے متعلق غلط باتیں پہنچا دی ہیں ورنہ جو لوگ ہمارا لٹریچر پڑھ لیتے ہیں اُن کی تمام غلط فہمیاں دور ہو جاتی ہیں۔

مجھے یاد ہے پچھلے سال کچھ وکلاء لائلپور سے مجھے ملنے کے لیے آئے۔ اُن میں سے کسی شخص نے ایک سوال کیا تو اُنہی میں سے ایک دوسرا شخص کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا تم غلطی کر رہے ہو تم نے مرزا صاحب کی کتابیں نہیں پڑھیں۔ اگر تم پڑھتے تو تمہیں معلوم ہوتا کہ مرزا صاحب نے جہاد کو ضروری قرار دیا ہے۔ آپ نے صرف یہ کہا ہے کہ میں اسے عارضی طور پر ملتوی کرتا ہوں کیونکہ اِس زمانہ میں اسلام کے خلاف تلوار نہیں چل رہی۔ گویا مرزا صاحب نے جہاد کو منسوخ نہیں کیا بلکہ ایک وقت تک اسے ملتوی قرار دیا ہے۔ اگر اب پھر کُفّار اسلام قبول کرنے سے تلوار کے زور سے روکنے لگ جائیں اور جہاد کی شرائط پوری ہو جائیں تو پھر جہاد بالسیف شروع ہو جائے گا۔

تو دیکھو ایک غیر احمدی دوست نے خود اِس سوال کا جواب دے دیا کہ جہاد کو منسوخ کرنے کا اعتراض درست نہیں۔ مرزا صاحب کی کتب موجود ہیں، اُن کے مطالعہ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جہاد ایک وقت تک کے لیے ملتوی ہے منسوخ نہیں کیا گیا۔ تو ہمارے لیے خدا تعالیٰ نے اِس زمانہ میں دونوں رستے کھول دیئے ہیں۔ ہم باہر سے آنے والے مہمانوں کی خدمت بھی کر سکتے ہیں اور جہاد باللّسان بھی کر سکتے ہیں۔ پس جلسہ سالانہ پر آنے والے کسی ذاتی غرض اور منفعت کی بناء پر یہ سفر نہیں کرتے بلکہ محض خدا تعالیٰ کی خاطر کرتے ہیں اور ایک نیک مقصود ان کے ذہن میں ہوتا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کوئی شخص خدا اور اس کے رسول کے لیے ہجرت کرتا ہے اور اس کے نتیجہ میں خدا اور اُس کا رسول اسے مل جاتا ہے۔ اور کوئی شخص بیوی کے لیے ہجرت کرتا ہے اور اُسے بیوی مل جاتی ہے مگر یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ جس قسم کی کسی کی نیّت ہوگی ویسی ہی اُس کی ہجرت ہوگی۔6 جو لوگ یہاں جلسہ سالانہ پر اس لیے آتے ہیں کہ وہ خدا اور اُس کے رسول کی باتیں سنیں، قرآن کریم کی باتیں سنیں اور اسلام کی باتیں سنیں انہیں ایک ایسے شخص کا ثواب ملتا ہے جو اپنے وطن اور بیوی بچوں کو محض اس لیے چھوڑتا ہے کہ وہ خدا کی باتیں سنے۔ اور جو شخص انہیں پانی پلاتا ہے، کھانا کھلاتا ہے اور اُن کے آرام کے لیے اپنا مکان دیتا ہے وہ بھی بڑے بھاری ثواب کا مستحق ہوتا ہے۔

پچھلے سال یہ شکایت پیدا ہوئی تھی کہ یہاں کے رہنے والوں نے مہمانوں کے لیے بہت کم مکانات دیئے تھے جس کی وجہ سے مہمانوں کو تکلیف ہوئی۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ اِس سال دوست اس بات کا خاص خیال رکھیں گے۔ چند دن کے لیے تکلیف اُٹھانا بڑی بات نہیں۔ اگر کسی گھر میں دس پندرہ افراد کا بھی کنبہ رہتا ہو تو وہ زمین پر سو کر چند دن کے لیے ایک کمرہ میں گزارہ کر سکتے ہیں باقی کمرے وہ مہمانوں کو دے سکتے ہیں۔ جلسہ سالانہ کے افسروں کا کام ہے کہ ان گھروں میں قناتیں لگا کر پردہ کا انتظام کر دیں تا کہ گھر والوں کو تکلیف نہ ہو۔

پہلے مجھے ہر سال جلسہ سے پہلے یہ رپورٹ آجاتی تھی کہ کتنے مکان جلسہ کے لیے ملے ہیں اور کتنے معاون اور خدمتگار میسر آئے ہیں۔ یہ رپورٹ مجھے جلسہ سالانہ کا نائب افسر دیا کرتا تھا لیکن اِس سال اُس نے مجھے کوئی رپورٹ نہیں دی حالانکہ اصل نگران خدا تعالیٰ نے مجھے مقرر کیا ہے۔ چاہیے تھا کہ نائب افسر مجھے یہ رپورٹ دیتا کہ اِس وقت تک مہمانوں کے لیے کتنے مکانات ملے ہیں اور کتنے والنٹیئرز (Volunteers) مل گئے ہیں۔ بلکہ میں نے یہ بھی کہا تھا کہ چونکہ اب مہمان زیادہ تعداد میں آتے ہیں اور ربوہ کی آبادی کم ہے اس لیے باہر کی جماعتوں کو والنٹیئرز مہیا کرنے کی تحریک کی جائے۔ بہرحال جلسہ سے کافی دیر پہلے میرے پاس یہ رپورٹ آنی چاہیے تھی کہ جلسہ کے مہمانوں کے لیے کس قدر مکانات مل گئے ہیں اور کس قدر والنٹیئرز ملے ہیں تا کہ اگر کوئی کمی ہو تو میں اُس کے پورا کرنے کے لیے لوگوں کو تحریک کروں۔ یہاں کے رہنے والے ایماندار اور مخلص ہیں۔ اگر انہیں یہ بتایا جائے کہ خدا تعالیٰ کے مہمانوں کے لیے جگہ نہیں تو وہ اس بات کے لیے بھی تیار

ہو جائیں گے کہ وہ خود درختوں کے نیچے سو جائیں اور مکان مہمانوں کے لیے خالی کر دیں۔ ان کے متعلق یہ خیال کر لینا کہ وہ قربانی نہیں کریں گے بدظنّی ہے۔ وہ اُس وقت تک قربانی میں سُستی کرتے ہیں جب تک کہ حقیقت اُن پر ظاہر نہیں ہو جاتی۔ جب ان پر حقیقت ظاہر ہو جاتی ہے تو وہ بڑی سے بڑی قربانی کرنے کے لیے بھی تیار ہو جاتے ہیں۔ پس افسر جلسہ سالانہ کا کام ہے کہ مجھے مفصّل رپورٹ دے تا کہ میں وقت پر اُس کی مدد کر سکوں اور وقت سے پہلے لوگوں کو متنبہ کر سکوں"۔

(الفضل 9 دسمبر 1958ء)

1: الفاتحة:5

2: الفاتحة:6

3: تفسير الرازى زير آيت سورة التوبة آيت 19 اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ.......

4: اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ط لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ط (التوبة:19)

5: اسد الغابه فى معرفة الصحابة۔ زير عنوان عباس بن عبدالمطلب جلد2 صفحه530 بيروت لبنان 2006ء

6: بخارى كتاب بدء الوحى۔ باب كَيْفَ كَانَ بدء الوحى اِلٰى رَسُوْلِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

33

سورہ فاتحہ اسلام کی بہترین دُعاؤں میں سے ایک دُعا ہے

اگر ہم پورے اخلاص کے ساتھ اسے پڑھتے رہیں تو یقیناً اللہ تعالیٰ
اسلام کو تمام دیگر اَدیان پر کھلا کھلا غلبہ عطا کرے گا

(فرمودہ 5 دسمبر 1958ء بمقام ربوہ)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''سورہ فاتحہ اسلام کی بہترین دُعاؤں میں سے ایک دُعا ہے جس کی قرآن کریم میں خاص طور پر تعریف آئی ہے۔ چنانچہ اس کا ایک نام سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ 1 بھی رکھا گیا ہے کیونکہ اس کی سات آیتیں ہیں جو بار بار دُہرائی جاتی ہیں۔ مثانی کے معنے اعلیٰ کے بھی ہوتے ہیں اور مثانی کے معنے وادی کے موڑ کے بھی ہوتے ہیں۔ گویا یہ سورۃ انسان کو خدا کی طرف موڑ کر لے جانے والی ہے اور پھر بار بار دُہرائی بھی جاتی ہے۔ چنانچہ تہجد کو ملا کر روزانہ چھ نمازوں میں سورۃ فاتحہ پڑھی جاتی ہے۔ اگر نوافل کو شامل نہ کیا جائے تو صرف ظہر کی نماز میں آٹھ بار سورۃ فاتحہ پڑھی جاتی ہے کیونکہ دو سنتیں پہلے پڑھی جاتی ہیں، پھر چار فرض پڑھے جاتے ہیں اور پھر دو سنتیں پڑھی جاتی ہیں۔ گو فرض نماز سے پہلے چار سنتیں بھی پڑھ لی جاتی ہیں لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمیشہ دو سنتیں ہی پڑھا کرتے تھے۔ پس آٹھ رکعتیں ظہر کی ہوئیں، اس کے بعد عصر کی چار رکعتیں ہیں، مغرب کی پانچ رکعتیں،

عشاء کی چھ رکعتیں اور تین وتر ہیں اور آٹھ رکعتیں نمازِ تہجد کی ہیں۔ یہ کُل چونتیس رکعات بنتی ہیں جن میں سورۃ فاتحہ روزانہ پڑھی جاتی ہے۔ گویا اِس سورۃ کی عظمت اس بات سے ظاہر ہے کہ مسلمان اسے روزانہ چونتیس بار پڑھتا ہے۔

اس سورۃ کی پہلی آیت اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ 2 میں ہمیں یہ سبق دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کامل اور ہر قسم کی تعریف کا مستحق ہے۔ وہ کیوں کامل اور ہر قسم کی تعریف کا مستحق ہے؟ اس لیے کہ وہ رب العالمین ہے یعنی سارے جہانوں کا رب ہے۔ اگر وہ صرف مسلمانوں کا رب ہوتو ایک عیسائی اُس کی کیوں تعریف کرے گا؟ ایک یہودی اُس کی کیوں تعریف کرے گا؟ ایک ہندو اور سِکھ اس کی کیوں تعریف کرے گا؟ خدا تعالیٰ کامل اور ہر قسم کی تعریفوں کا اِسی صورت میں مستحق ہوگا جب وہ ہندو، مسلمان، سِکھ، عیسائی، یہودی، بدھ، بہائی اور دوسرے سب مذاہب کے لوگوں پر احسان کرے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کُلًّا نُّمِدُّ ھٰۤؤُلَآءِ وَھٰۤؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّکَ ؕ وَمَا کَانَ عَطَآءُ رَبِّکَ مَحْظُوْرًا 3 یعنی ہم کسی خاص فریق کی مدد نہیں کرتے بلکہ دنیا میں جتنے مذاہب اور اقوام ہیں اُن سب کی مدد کرتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی مدد کسی صورت میں بھی روکی نہیں جاتی۔ چنانچہ کون شخص ہے جو خدا تعالیٰ کی مدد کو روک سکے؟ ایک مسلمان باوجود اِس کے کہ وہ خدا تعالیٰ کا مقرب ہے یہ جرأت نہیں کرسکتا کہ یہ دُعا کرے کہ اے اللہ! تُو ہندوؤں کی مدد نہ کر۔ اور اگر وہ کہے بھی تو خدا تعالیٰ اس کی کیوں سنے گا؟ وہ عیسائیوں کو بھی رزق دیتا ہے، وہ ہندوؤں کو بھی رزق دیتا ہے، وہ سِکھوں کو بھی رزق دیتا ہے بلکہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرنے والوں یعنی مکہ اور خیبر کے رہنے والوں کو بھی رزق دیا کرتا تھا، مدینہ کے یہودی بھی آپ کی مخالفت کیا کرتے تھے لیکن وہ اُن کی بھی دنیوی مدد کرتا تھا اور اس امر کی پروا نہیں کرتا تھا کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن ہیں۔ وہ یہی سمجھتا تھا کہ یہ بیشک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن ہوں لیکن میرے بندے ہیں، اگر میں ان کی مدد نہ کروں تو میں رب العالمین نہیں ہوسکتا۔ غرض خدا تعالیٰ ہر ایک کی مدد کرتا رہا ہے، کرتا ہے اور قیامت تک کرتا رہے گا کیونکہ وہ رب العالمین تھا، رب العالمین ہے، اور قیامت تک رب العالمین رہے گا۔ اور جب وہ قیامت تک رب العالمین رہے گا تو قیامت تک جتنے بھی فرقے نکلیں گے وہ اُن کی مدد کرے گا بلکہ وہ

بندوں کے مرنے کے بعد بھی رب العالمین رہے گا کیونکہ وہ موت کے بعد بھی مسلمانوں، یہودیوں اور عیسائیوں میں سے جو نیک لوگ ہوں گے اُن کو جنت میں لے جائے گا اور اُن کی ربوبیت کرے گا۔

پھر فرماتا ہے اَلرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ۔ 4 خدا ساری تعریفوں کا کیوں مستحق ہے؟ اس لیے کہ وہ رحمان ہے۔ رحمان کے معنٰی ہیں ایسی وسیع مدد کرنے والا جس میں کسی فرقہ بندی کا خیال تک نہ ہو۔ گو یہ لفظ بھی رب العالمین کی تشریح کرتا ہے لیکن اَلرَّحِیۡمِ کا لفظ بتاتا ہے کہ یہ مدد ہمیشہ جاری رہے گی کیونکہ رحیم میں لمبائی پائی جاتی ہے اور رحمان میں چوڑائی پائی جاتی ہے۔ گویا رحمان سُبۡحَانَ رَبِّیَ الۡعَظِیۡمُ کا قائم مقام ہے اور رحیم سُبۡحَانَ رَبِّیَ الۡاَعۡلٰی کا قائم مقام ہے۔ یعنی رحیمیت اگلے جہاں تک بھی ممتد ہے۔

پھر فرماتا ہے مٰلِكِ يَوۡمِ الدِّيۡنِ 5 یعنی انجام خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہوا ہے تاکہ انسان کسی دوسرے پر ناجائز سختی نہ کرے۔ اگر انجام بندہ کے ہاتھ میں ہوتا تو وہ دشمن کو مار ہی ڈالتا اور اُس پر بالکل رحم نہ کرتا۔ چنانچہ دیکھ لو جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کیا تو خدا تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ اپنے دشمنوں کو معاف کر دو۔ اگر اُس وقت انسانوں کی بات مانی جاتی تو صحابہؓ کہتے سب مکہ والوں کو قتل کر دو مگر خدا تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا ہم نے تم کو سخت دل نہیں بنایا تم انہیں لَا تَثۡرِيۡبَ عَلَيۡكُمُ الۡيَوۡمَ 6 کہہ کر معاف کر دو۔ جنگ حُنین میں جو مال غنیمت ہاتھ آیا وہ آپ نے مکہ والوں میں تقسیم کر دیا۔ اِس پر ایک منافق نے کہا کہ آپ نے تقسیم میں انصاف سے کام نہیں لیا۔ حضرت عمرؓ کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے یَا رَسُوۡلَ اللّٰہ ! اگر اجازت ہو تو اس کا سر کاٹ دوں؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ مجھے خدا تعالیٰ نے اس کی اجازت نہیں دی 7 اور پھر خدا تعالیٰ کے علاوہ دنیا کا بھی تو خیال کرو اگر میں نے اس کو قتل کرا دیا تو لوگ کہیں گے یہ اچھا رسول ہے جو اپنے ساتھیوں کو مارتا پھرتا ہے۔ غرض اگر انجام لوگوں کے اختیار میں ہوتا تو وہ اپنے مخالفین کو مار ڈالتے۔

حضرت ابوبکرؓ کا ایک بیٹا جو بعد میں مسلمان ہوا تھا ابتدا میں وہ مسلمانوں کے خلاف لڑتا رہا۔ جنگ بدر میں وہ کُفّار کی طرف سے جنگ میں شامل ہوا تھا۔ اس نے ایک دفعہ حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ آپ ایک دفعہ لڑائی کرتے کرتے میرے پاس سے گزرے تھے۔ اُس وقت میں ایک پتھر کی اوٹ میں تھا، اگر میں چاہتا تو آپ کو مار سکتا تھا لیکن مجھے خیال آیا کہ اپنے باپ پر وار نہیں کرنا چاہیے۔

آپ نے فرمایا تیری قسمت اچھی تھی کہ تُو مجھے دکھائی نہ دیا ورنہ خدا کی قسم! اگر میں تجھے دیکھ لیتا تو میں نے تجھے ضرور مار ڈالنا تھا کیونکہ مجھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے والا کبھی پسند نہیں آیا۔ تو دیکھو حضرت ابوبکرؓ جو نہایت رحیم و کریم انسان تھے انہوں نے بھی اپنے بیٹے کے متعلق کسی رحم کے جذبہ کا اظہار نہیں کیا بلکہ فرمایا کہ اگر میں تجھے دیکھ لیتا تو ضرور قتل کر دیتا۔

پس اگر مسلمانوں پر چھوڑا جاتا تو وہ مکہ والوں کو کبھی زندہ نہ رہنے دیتے لیکن رب العالمین، رحمان و رحیم خدا نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ ان لوگوں کو زندہ رکھو۔ اُس وقت یہ بات مسلمانوں کو بُری لگی۔ چنانچہ حضرت خالدؓ بن ولید جس دروازہ سے مکہ میں داخل ہوئے اُس طرف بعض مشرک اُن کے سامنے آ گئے اور آپ نے اُنہیں قتل کر دیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو آپ نے سخت بُرا منایا اور فرمایا میں نے تو حکم دیا تھا کہ شہر میں گھستے ہوئے کسی کو قتل نہیں کرنا چاہیے۔ خالد بن ولید نے کہا یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! یہ لوگ ہمارا راستہ روک کر کھڑے تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہیں کس نے حکم دیا تھا کہ راستہ روکنے والوں کو مار ڈالو؟ جب میں نے حکم دیا تھا کہ کسی کو نہیں مارنا تو تم نے انہیں کیوں مارا؟ 8 پھر آخری فیصلہ جب خدا تعالیٰ نے آپ سے کرایا تو یہی کرایا کہ لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ یعنی تمہیں کوئی سزا نہیں ملے گی۔ جاؤ تمہیں معاف کیا جاتا ہے۔ 9

ابوسفیان جس نے ساری عمر آپ کی مخالفت کی اس کی بیٹی حضرت اُمِّ حبیبہؓ سے آپ نے شادی کر لی تھی۔ ایک دفعہ آپ گھر پر تشریف لائے تو آپ نے دیکھا کہ حضرت اُمِّ حبیبہؓ نے اپنے چھوٹے بھائی معاویہؓ کا سر اپنی ران پر رکھا ہوا ہے اور اُن سے پیار کر رہی ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر وہ شرما گئیں اور خیال کیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کہیں بُرا نہ منائیں لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا معاویہ تمہیں پیارا لگتا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! آپ نے فرمایا میں بھی اس سے پیار کرتا ہوں حالانکہ وہ آپ کے شدید ترین دشمن ابوسفیان کا بیٹا تھا جس نے اُحد کے موقع پر آپ کو زخمی کرایا تھا۔ خَود کا کیل آپؐ کے سر میں گڑ گیا تھا اور آپ کے بعض دانت بھی ٹوٹ گئے تھے۔ 10

پھر ابوجہل آپ کا کتنا شدید دشمن تھا؟ ابوجہل کے خلاف مسلمانوں میں اِس قدر جوش تھا کہ

حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ فرماتے ہیں کہ جنگ بدر کے موقع پر دو پندرہ پندرہ سالہ انصاری لڑکے میرے دائیں بائیں کھڑے تھے۔ میں لڑائی کے متعلق سوچ ہی رہا تھا کہ ایک لڑکے نے مجھے کُہنی ماری اور کہا چچا! مجھے بتاؤ ابوجہل کون ہے؟ میں نے سنا ہے وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑا دکھ دیا کرتا تھا، میں چاہتا ہوں کہ آج اُسے قتل کروں۔ حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ فرماتے ہیں میں نے ابھی اُسے کوئی جواب نہیں دیا تھا کہ مجھے دوسرے لڑکے نے کُہنی ماری اور کہا چچا! ابوجہل کون ہے؟ میں نے سنا ہے کہ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت دکھ دیا کرتا تھا، آج میں اُسے قتل کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ فرماتے ہیں یہ دونوں لڑکے پندرہ پندرہ سال کے تھے اور میں بڑا تجربہ کار جرنیل تھا لیکن میرے وہم میں بھی نہیں آتا تھا کہ میں ابوجہل کو قتل کروں گا۔ میں نے انگلی سے اشارہ کیا اور کہا وہ ابوجہل ہے جس کے سامنے دو جرنیل ننگی تلواروں سے پہرہ دے رہے ہیں۔ میرا اشارہ کرنے کی دیر تھی کہ وہ دونوں لڑکے باز کی طرح جھپٹا مار کر گئے اور ابوجہل تک جا پہنچے۔ ابوجہل کے آگے دو جرنیل تھے جن میں سے ایک اُس کا اپنا بیٹا عکرمہ تھا انہوں نے اُن لڑکوں پر حملہ کیا جس کی وجہ سے ایک لڑکے کا بازو کٹ کر جسم کے ساتھ لٹک گیا۔ اِس پر اُس لڑکے نے کٹے ہوئے بازو پر گُھٹنا رکھ کر زور سے اُسے جھٹکا دے کر جسم سے علیحدہ کر دیا اور خود ابوجہل پر جا کُودا اور اُسے زخمی کر کے نیچے گرا دیا۔<u>11</u>

تو دیکھو مسلمانوں میں ابوجہل کے متعلق کتنا جوش تھا مگر رب العالمین خدا کا یہ حال تھا کہ اُس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دکھایا کہ آپ کے لیے جنت سے انگوروں کا ایک خوشہ آیا ہے، اس کے بعد ایک اَور خوشہ لایا گیا۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ یہ خوشہ کس کے لیے ہے؟ فرشتہ نے کہا ابوجہل کے لیے ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میں یہ سن کر کانپ گیا کہ کیا خدا تعالیٰ کا رسول بھی جنت میں جائے گا اور اس کا شدید ترین دشمن ابوجہل بھی جنت میں جائے گا؟ یہ کس طرح ہوسکتا ہے؟ لیکن جب عکرمہ مسلمان ہوئے تو آپ نے فرمایا اب میں سمجھا کہ اس خواب کی یہی تعبیر تھی۔<u>12</u> گویا اللہ تعالیٰ نے ایک طرف تو ابوجہل کو سزا دی اور دوسری طرف اُس پر یہ احسان کیا کہ اُس کے بیٹے عکرمہ کو مسلمان بنا دیا جس نے اسلام کی خاطر بڑی بھاری قربانیاں کیں۔ اس کی قربانیوں کے وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو چکے تھے لیکن وہ مسلمانوں میں بہت مقبول اور

مکرّم و معزّز ہوا اور روم کے مقابلہ میں ایک جنگ میں اُس نے ایسا نمونہ دکھایا کہ وہ دوسرے صحابہؓ کو پانی پلانے کی خاطر خود پیاسا مر گیا۔13 تو دیکھو یہ خداتعالیٰ کا احسان ہے۔ خواب بھی خداتعالیٰ ہی دکھاتا ہے انسان خود بخود تو نہیں دیکھ سکتا۔

مجھے یاد ہے لالہ شرمپت رائے ایک آریہ تھے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پرانے دوستوں میں سے تھے۔ انہیں ایک زخم آ گیا۔ قادیان میں ایک نومسلم ڈاکٹر محمد عبداللہ صاحب تھے جو علاج معالجہ کرتے تھے۔ لالہ شرمپت بھی اُنہی سے علاج کرواتے رہے جس کی وجہ سے انہیں افاقہ بھی ہوا مگر بعد میں انہوں نے علاج کرانا ترک کر دیا۔ اِس پر ڈاکٹر صاحب کو خداتعالیٰ نے خواب دکھائی کہ لالہ شرمپت کے پاس فیس کے لیے روپیہ نہیں اِس لیے وہ آتے ہوئے شرماتا ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب نے لالہ شرمپت کو بلایا اور کہا آپ مجھ سے باقاعدہ علاج کرائیں۔ میں آپ سے کوئی فیس نہیں لوں گا۔ چنانچہ انہوں نے پھر علاج کرانا شروع کر دیا اور اس کے نتیجہ میں وہ زخم بالکل درست ہو گیا۔ تو دیکھو یہ خواب خداتعالیٰ نے ہی دکھائی تھی۔ لالہ شرمپت آریہ تھا لیکن رب العالمین خدا کے نزدیک ایک آریہ بھی ویسا ہی اُس کا بندہ ہے جیسے ایک مسلمان۔ اُس نے خواب میں ڈاکٹر عبداللہ صاحب کو بتا دیا کہ لالہ شرمپت سے فیس نہ لینا۔

پھر جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے ساتھیوں کو تنگ کرنے کے لیے مرزا نظام الدین اور مرزا امام الدین نے مسجد مبارک کے دروازہ کے سامنے دیوار کھنچوائی تو عدالت میں کئی سال تک مقدمہ چلتا رہا۔ آخر اس مقدمہ کا فیصلہ ہوا اور مقدّمہ کے اخراجات جو چار پانچ سو روپیہ کے قریب تھے مرزا نظام الدین اور مرزا امام الدین وغیرہ پر ڈالے گئے۔ جب ان کے خلاف جج نے ڈگری دی تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام گورداسپور میں تھے۔ آپ کو رؤیا میں دکھایا گیا کہ مرزا نظام الدین اور مرزا امام الدین مالی لحاظ سے بہت تنگ حالت میں ہیں۔ آپ نے فوراً ایک آدمی گورداسپور سے قادیان بھجوایا اور اُن سے کہا کہ میں تم سے روپیہ نہیں لوں گا۔

اب دیکھو! یہ سب کچھ رب العالمین خدا نے ہی کیا تھا۔ ان لوگوں نے ساری عمر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ظلم کیے اور ان میں سے ایک تو اتنا کٹر دہریہ تھا کہ حضرت خلیفہ اوّل سنایا کرتے تھے کہ ایک دفعہ مرزا امام الدین کے پیٹ میں درد ہوئی تو انہوں نے مجھے بلوایا۔ میں جب

گیا تو وہ کمرے میں لوٹ پوٹ رہے تھے اور کہہ رہے تھے ہائے امّاں! ہائے امّاں! میں نے کہا مرزا صاحب! آپ بوڑھے ہو گئے ہیں لیکن ابھی تک آپ امّاں امّاں ہی کہتے ہیں خدا کو نہیں پکارتے؟ کہنے لگا ماں کو تو میں نے دیکھا ہے اور اُس کی مہربانیوں کو بھی دیکھا ہے لیکن خدا تعالیٰ کو میں نے نہیں دیکھا۔ پھر اُس نے کہا مولوی صاحب! میں بچپن سے ہی بڑا سلیم الفطرت تھا۔ جب مسلمان لوگ مسجد میں جاتے اور چُوتڑ اوپر کر کے اور سر نیچے کر کے سجدہ کرتے تو میں اُن پر ہنسا کرتا تھا کہ یہ کیسے بیوقوف لوگ ہیں کہ اتنی عمر کے ہو کر بھی ایسے خدا کے سامنے سجدہ کر رہے ہیں جو انہیں نظر نہیں آ رہا۔

غرض ان لوگوں کی یہ حالت تھی مگر رب العالمین خدا نے ان کا بھی خیال رکھا اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دکھایا کہ ان کی حالت خراب ہے انہیں معاف کر دو۔ تو ہمارا خدا رب العالمین خدا ہے۔ وہ ہر ایک کے لیے اپنی ربوبیت کا نمونہ دکھاتا ہے۔ پرانے زمانہ میں بھی وہ رب العالمین تھا اور اِس زمانہ میں بھی وہ رب العالمین ہے اور آئندہ زمانہ میں بھی وہ رب العالمین رہے گا۔

پرانے زمانہ میں ایک بزرگ تھے۔ بغداد کا بادشاہ کہیں سفر پر گیا ہوا تھا۔ وہاں سے اُس نے ایک ہرکارہ بھجوایا کہ انہیں میرے پاس بلا لاؤ۔ وہ بیچارے بہت گھبرائے اور اُسی وقت خچر یا گھوڑے پر سوار ہو کر بادشاہ کی ملاقات کے لیے روانہ ہو گئے۔ شہر سے کچھ دور گئے تو بارش آ گئی۔ اردگرد کوئی مکان نہیں تھا اچانک انہیں ایک جھونپڑی نظر آئی۔ وہ اُس کی طرف چل پڑے اور وہاں پہنچ کر مکین سے اجازت لے کر اندر چلے گئے۔ جھونپڑی کے مالک نے اُن سے پوچھا آپ کون ہیں؟ اِس بزرگ نے جواب دیا کہ میں فلاں ہوں۔ اُس شخص نے دریافت کیا کہ آپ اِس وقت کدھر جا رہے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ اِس اِس طرح بادشاہ کی طرف سے پیغام آیا ہے اور میں اُس کی ملاقات کے لیے جا رہا ہوں۔ ویسے میں نے کوئی قصور نہیں کیا۔ جھونپڑی کا مالک ایک اپاہج تھا اور چل پھر نہیں سکتا تھا۔ وہ اُس بزرگ کا جواب سن کر ہنس پڑا اور کہنے لگا آپ بیشک واپس تشریف لے جائیے آپ کو خدا تعالیٰ بغداد سے یہاں صرف میرے لیے لایا ہے۔ میں کئی سال سے دُعا کر رہا تھا کہ اے خدا! میں تو اپاہج ہوں اور بغداد جا کر اس بزرگ کی زیارت نہیں کر سکتا، تُو مجھے ان کی یہیں زیارت کرا دے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے میری دُعا سن لی اور میری اس دُعا کے نتیجہ میں ہی وہ آپ کو یہاں لے آیا۔ چنانچہ واقع میں ایسا ہی ہوا۔ کچھ دیر کے بعد بادشاہ کا ایک دوسرا ہرکارہ آیا اور اُس نے کہا کہ نام میں غلطی ہو گئی ہے

بادشاہ نے کسی اَور شخص کو طلب کیا تھا مگر غلطی سے آپ کے نام پیغام بھیج دیا گیا۔ آپ بیشک تشریف نہ لائیں۔ تو دیکھو ہمارا خدا رب العالمین ہے۔ اس نے اس اپاہج کے لیے بھی اس بزرگ کی زیارت کا سامان کر دیا اور اس بزرگ کو اس کے پاس لیے گیا۔

پھر اس کے بعد فرماتا ہے اللہ ساری تعریفوں کا اِس لیے مستحق ہے کہ وہ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ بھی ہے اور اس کی تعریف کی یہ علامت ہے کہ جب مومن اس کے عظیم الشان احسانات دیکھتا ہے تو بے اختیار کہہ اٹھتا ہے اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ 14 یعنی اے خدا! تیرے اتنے بڑے احسانوں کے ہوتے ہوئے میں کسی اَور کی عبادت نہیں کر سکتا۔ اُس کو یہ بات نظر آ جاتی ہے کہ اس احسان کرنے والے خدا کو چھوڑ کر میں بُتوں کے سامنے کیوں جھکوں؟ انہوں نے مجھ پر کونسا احسان کیا ہے؟ خدا تعالیٰ کے تو مجھ پر بے شمار احسانات ہیں، میرے بیوی بچوں پر احسانات ہیں، میرے ہمسایوں پر احسانات ہیں بلکہ میرے دشمنوں پر بھی اُس کے احسانات ہیں، وہ مجھے اور میرے عزیزوں کو بھی رزق دیتا ہے، میرے دشمنوں کو بھی رزق دیتا ہے اس لیے وہ اس قابل ہے کہ میں اُسی کے آگے جھکوں۔ چنانچہ وہ بے اختیار ہو کر کہہ اٹھتا ہے اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ یعنی اے خدا! جب تُو مجھے بن مانگے دے رہا ہے تو میں کسی اَور سے کیوں مانگوں؟ میں تجھ سے ہی مانگوں گا۔ دوسرا کوئی میری ضرورت کو کیا پورا کرے گا۔ وہ تو مانگوں بھی تو کچھ نہیں دے سکتا اور تُو مجھے بن مانگے دے رہا ہے۔ اور پھر مجھے ہی نہیں دے رہا بلکہ ان کو بھی دے رہا ہے جو تیرے نبیوں کے دشمن ہیں اور تجھ کو بھی گالیاں دیتے ہیں۔

مجھے یاد ہے حضرت خلیفہ اوّل فرمایا کرتے تھے دیکھو! اللہ تعالیٰ نے انسان کو زبان عطا فرمائی ہے جس سے وہ اُسے گالیاں بھی دے لیتا ہے مگر وہ اس قانون کو کہ زبان کڑوے کو کڑوا اور میٹھے کو میٹھا چکھے کبھی تبدیل نہیں کر سکتا۔ گویا خدا تعالیٰ نے ایک طرف تو انسان کو اپنے قانون کا ایسا پابند بنایا ہے کہ وہ اُس کے خلاف نہیں کر سکتا اور دوسری طرف اسے ایسا بااختیار بنایا ہے کہ وہ چاہے تو اِس زبان کے ساتھ خدا تعالیٰ کو بھی گالیاں دے لے یا چاہے تو اُس کی تسبیح و تحمید کرے۔

پھر وہ کہتا ہے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ 15 اے خدا! تُو مجھے صراطِ مستقیم دکھا دے۔ اب سوال یہ ہے کہ جو لوگ خدا تعالیٰ سے صراطِ مستقیم مانگتے ہیں وہ صراطِ مستقیم کے لیے کوئی

کوشش بھی کرتے ہیں یا نہیں؟ یہ کتنے ظلم کی بات ہے کہ ہم خدا تعالیٰ سے صراطِ مستقیم تو مانگتے ہیں لیکن صراطِ مستقیم کے لیے کوشش نہیں کرتے۔ یہ تو منافقت کی علامت ہے کہ ہم چونتیس دفعہ خدا تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں اور کہتے ہیں ہمیں صراطِ مستقیم دکھا لیکن ہمارا طریق یہ ہے کہ اگر ہمارا کوئی دوست ذرا سی بات بھی خدا اور اُس کے رسول کے خلاف ہمارے کان میں ڈالے تو ہم اُسے تسلیم کر لیتے ہیں اور خدا اور اُس کے رسول کے مخالف ہو جاتے ہیں۔ اِس کے معنے یہ ہیں کہ ہم روزانہ نماز میں کھڑے ہو کر تیس سے زیادہ دفعہ جھوٹ بولتے ہیں اور کہتے تو یہ ہیں کہ اے اللہ! تُو ہمیں صراطِ مستقیم بخش! لیکن عملاً ہم ٹیڑھا رستہ اختیار کر لیتے ہیں حالانکہ ہم خالی رستہ بھی نہیں مانگتے بلکہ کہتے ہیں صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ 16 ہمیں نبیوں والی صراطِ مستقیم دکھا یعنی مانگتے تو یہ ہیں کہ ہمیں وہ طریق بتا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار کیا، وہ رستہ بتا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اختیار کیا، وہ رستہ بتا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تھا، جو حضرت زکریا علیہ السلام کا تھا، جو حضرت یحییٰ علیہ السلام کا تھا، جو حضرت حزقیل علیہ السلام کا تھا، جو حضرت یرمیاہ علیہ السلام کا تھا، جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تھا، جو حضرت نوح علیہ السلام کا تھا، جو حضرت آدم علیہ السلام کا تھا۔ گویا ہم کوئی چھوٹی بات نہیں مانگتے بلکہ سارے نبیوں کے کمالات مانگتے ہیں لیکن خود ایک منافق جتنا کام بھی نہیں کرتے۔ اِس کے معنے یہ ہیں کہ ہم اپنے منہ سے اپنے جھوٹا ہونے کا اقرار کرتے ہیں۔ اور جب ہم اپنے جھوٹا ہونے کا خود اقرار کرتے ہیں تو ہماری دُعا کیوں قبول ہو؟

پھر انسان کہتا ہے کہ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ 17 کہ الٰہی! ہمیں یہودیوں جیسا نہ بنائیو، ہمیں عیسائیوں جیسا نہ بنائیو بلکہ ہمیشہ اُن لوگوں میں شامل رکھیو جو تیری رضا حاصل کر چکے ہیں۔ اگر ہم اخلاص سے یہ دُعا مانگیں تو یقیناً ہمیں خدا تعالیٰ قیامت تک عیسائیوں اور یہودیوں کے نقشِ قدم پر چلنے سے بچائے گا اور اسلام کی فتح کے نقارے دنیا میں بجنے لگ جائیں گے۔

اِس میں کوئی شُبہ نہیں کہ اب احمدیوں کے ہاتھ سے کوئی اِکّا دُکّا مسلمان ہوتا ہے اور غیر احمدی اس سے بہت متأثر ہوتے ہیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ اس سے اسلام کا غلبہ نہیں ہوتا۔ غلبہ کے تو یہ معنے ہیں کہ اسلام اتنا پھیل جائے کہ دوسرے تمام مذاہب دب جائیں لیکن ابھی وہ بات پیدا نہیں ہوئی اور یہ نقص صرف اس لیے ہے کہ ہم سورۃ فاتحہ پورے اخلاص سے نہیں پڑھتے۔ اگر ہم سورۃ فاتحہ پورے

اخلاص سے پڑھیں تو یقیناً اللہ تعالیٰ اسلام کو ایسا غلبہ عطا کردے گا کہ دوسرے اَدیان اس کے مقابلہ میں بالکل بے حقیقت ہو جائیں گے اور جس طرح خدا تعالیٰ کی بادشاہت آسمان پر ہے ویسے ہی زمین پر بھی اُس کی بادشاہت آ جائے گی۔ اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ نشانات کے لحاظ سے ہمارے لیے زمین پر بھی خدا تعالیٰ کی بادشاہت ہے مگر ہم تو چاہتے ہیں کہ ظاہری بادشاہت بھی خدا تعالیٰ کی ہو اور ظاہری بادشاہت اُسی وقت نظر آ سکتی ہے جب روس بھی مسلمان ہو جائے، امریکہ بھی مسلمان ہو جائے، برطانیہ بھی مسلمان ہو جائے، جرمنی بھی مسلمان ہو جائے، ہندوستان بھی مسلمان ہو جائے اور اِس طرح ظاہری اور باطنی دونوں بادشاہتیں مل کر کفر کو دنیا سے مِٹا ڈالیں"۔

(الفضل 11 جنوری 1959ء)

1: الحجر: 88 2: الفاتحة: 2 3: بنی اسرائیل: 21

4: الفاتحة: 3 5: الفاتحة: 4 6: یوسف: 93

7: بخاری کتاب المناقب باب علامات النُّبُوَّةِ فی الْاِسْلَامِ

8: السیرة الحلبیة جلد 3 صفحہ 97 مطبوعہ مصر 1936ء

9: السیرة الحلبیة جلد 3 صفحہ 89 مطبوعہ مصر 1936ء

10: سیرت ابن ہشام جلد 3 صفحہ 858، 859 مطبوعہ دمشق 2005ء۔

11: بخاری کتاب المغازی باب فَضْلُ مَنْ شَہِدَ بَدْرًا

12: السیرة الحلبیة جلد 3 صفحہ 106، 107 مطبوعہ مصر 1935ء

13: الاستیعاب فی مَعْرفة الاصحاب جلد 3 صفحہ 191 مطبوعہ بیروت 1995ء

14: الفاتحة: 5 15: الفاتحة: 6 16: الفاتحة: 7 17: الفاتحة: 7

34

جلسہ سالانہ پر آنے والے دوست سردی سے بچاؤ کے لیے پورا بستر اور کپڑے ہمراہ لائیں

جلسے کے موقع پر کھانے کے سلسلے میں اگر دوستوں کو کوئی تکلیف ہو تو اُسے ثواب سمجھ کر برداشت کریں

(فرمودہ 12 دسمبر 1958ء بمقام ربوہ)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

"اِس سال موسم بہت خراب رہا ہے اور اب تک بھی خراب ہی چل رہا ہے اور جلسہ سالانہ کے دن بہت قریب آ گئے ہیں۔ پہلے جلسہ کے دنوں میں ربوہ میں کچھ گرمی ہو جاتی تھی مگر اس سال جس طرح گرمی زیادہ پڑی تھی خشک سردی بھی زیادہ پڑ رہی ہے۔ اس لیے قرآن شریف کے اِس حکم کے ماتحت کہ لَا تُلْقُوا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ 1 اور اس حکم کے ماتحت کہ خُذُوْا حِذْرَكُمْ 2 ہمیں بہت زیادہ احتیاط سے کام لینا چاہیے۔ نماز ایک بڑا اہم فریضہ ہے مگر خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر جنگ کے موقع پر تم نماز پڑھنے لگو تو ہتھیار ساتھ رکھ لیا کرو تا کہ وہ وقت پر کام آ سکیں۔ اب چونکہ جنگ کا زمانہ نہیں بلکہ ارشاد و اصلاح کا زمانہ ہے اس لیے اب "حِذْر" سے

مُراد تلوار نہیں بلکہ اِس موسم کو مدّنظر رکھتے ہوئے خُذُوْا حِذْرَكُمْ سے مُراد یہ ہے کہ تم اپنے کپڑے تیار رکھا کرو۔ سو میں دوستوں کو نصیحت کرنا چاہتا ہوں کہ جب وہ جلسہ سالانہ کے موقع پر ربوہ آئیں تو اپنا بستر اور پورے کپڑے ساتھ لائیں کیونکہ کئی جلسوں پر دیکھا گیا ہے کہ کمزور آدمی جلسہ کے دنوں میں سردی کی برداشت نہ کرنے کی وجہ سے واپس جاتے ہی نمونیا یا کسی اَور مرض میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور آپ لوگ جانتے ہیں کہ ایک ایک آدمی کا احمدی بنانا کتنا مشکل ہوتا ہے۔ سالہا سال کے بعد کہیں جا کر ایک آدمی تیار ہوتا ہے۔ پس اس کے ضائع ہونے پر اتنا ہی افسوس ہوتا ہے۔ سو ہماری جماعت کو اپنی جانوں کی حفاظت اور بچاؤ کے لیے پوری کوشش کرنی چاہیے۔

جنگ کے ماہرین کہتے ہیں کہ اسلامی جنگوں میں اسلامی لشکر اور غیر اسلامی لشکر میں یہی فرق ہوتا تھا کہ غیر اسلامی لشکر تہوّر سے کام لیتا تھا اور اسلامی لشکر جرأت سے کام لیتا تھا۔ جاپانیوں میں بھی یہی ہے کہ جو مر جائے اُس کی بڑی قدر کی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص بڑا بہادر ہے کیونکہ وہ قوم اور ملک کی خاطر مر گیا۔ مگر اسلامی جنگوں میں مرنے والے سے مارنے والے کی زیادہ قدر کی جاتی ہے اور یہ دیکھا جاتا ہے کہ کس نے کتنے آدمی مارے ہیں۔ اِسی طرح جلسہ کے دنوں میں قربان ہو جانا زیادہ قابلِ قدر چیز نہیں بلکہ جلسہ کے بعد لوگوں کو ہدایت کی طرف لانا قابلِ قدر چیز ہے تا کہ جماعت جتنی زیادہ پھیل سکے پھیل جائے۔ پس ہماری جماعت کو تہوّر نہیں دکھانا چاہیے بلکہ شجاعت دکھانی چاہیے۔ عربی زبان میں تہوّر اِس بات کو کہتے ہیں کہ جان کی پروا نہ کی جائے اور اندھا دھند قربانی کی جائے اور شجاعت اِس کو کہتے ہیں کہ ایسی دلیری سے کام کیا جائے کہ کام کرنے والا اپنی جان بھی بچائے اور دشمن کو بھی زیر کرنے کی کوشش کرے۔ غیر قوموں میں بے شک تہوّر کو بڑی قابلِ قدر چیز سمجھا جاتا ہے لیکن عرب قوموں اور اسلام میں شجاعت کو بڑا سمجھا جاتا ہے۔ پس ہمارا صرف یہ کام نہیں کہ ہم اسلام کے لیے اپنی جان قربان کر دیں بلکہ یہ کام بھی ہے کہ ہم زیادہ سے زیادہ ایسے آدمی کھینچ کر لائیں جو اسلام کے لیے قربانیاں کرنے والے ہوں۔

غرض جلسہ میں شمولیت بڑے ثواب کا کام ہے لیکن ساتھ ہی دوستوں کو یہ خیال بھی رکھنا چاہیے کہ جماعت کو بڑھانا اور حق کی اشاعت کرنا اِس سے بھی بڑا کام ہے۔ اپنی جان کی حفاظت کرنا

بُزدلی نہیں بلکہ بہادری ہے۔ پس ہماری جماعت کو جلسہ کے دنوں میں اچھی طرح تیاری کر کے آنا چاہیے۔ میں نے دیکھا ہے کہ جب جلسہ لمبا ہو جاتا ہے تو شام کے وقت سردی میں بھی دوست بیٹھے رہتے ہیں۔ میرے بہنوئی عبداللہ خان صاحب دو دفعہ جلسہ پر ربوہ آئے اور دونوں دفعہ ہی اُنہیں دل کا دورہ ہو گیا کیونکہ وہ شوق میں جلسہ سننے چلے جاتے تھے اور جلسہ میں سردی لگ جاتی تھی۔ میں نے پچھلے سال جلسہ سالانہ کے دنوں میں اپنے پہرہ داروں کو کہہ دیا کہ وہ دوپہر تک تو بیشک وہاں رہیں لیکن ذرا دھوپ کم ہو تو اُنہیں واپس بھیج دیا کریں کیونکہ وہ بیمار ہیں۔ ان کے لیے اَور حکم ہے اور تندرستوں کے لیے اَور حکم ہے۔ تندرستوں کے لیے تو یہ حکم ہے کہ وہ جلسہ سے پوری طرح فائدہ اٹھائیں اور ساری تقریریں سنیں۔

مجھے یاد ہے جب میں تندرست تھا تو بڑی لمبی لمبی تقریریں کرتا تھا۔ ایک دفعہ مولوی محمد اسماعیل صاحب چٹھی مسیح والے آئے اور کہنے لگے کہ آپ غریبوں کا بھی خیال رکھا کریں۔ وہ بہت بوڑھے ہو گئے تھے اور ان کے پراسٹیٹ گلینڈز بڑھ گئے تھے جس کی وجہ سے انہیں بار بار پیشاب آتا تھا۔ کہنے لگے آپ ہمارا بھی خیال رکھا کریں۔ میں نے کہا آپ ضرورت پر چلے جایا کریں۔ کہنے لگے مصیبت تو یہی ہے کہ جب میں اٹھنے لگتا ہوں تو آپ کوئی نیا نکتہ بیان کرنا شروع کر دیتے ہیں اور میں کہتا ہوں یہ سن لوں۔ اس کے بعد جب پھر اٹھنا چاہتا ہوں تو آپ کوئی اَور نکتہ شروع کر دیتے ہیں پھر میں بیٹھ جاتا ہوں کہ یہ سن لوں۔ اِسی طرح ہوتے ہوتے یہ کیفیّت ہو جاتی ہے کہ مجھے یوں معلوم ہوتا ہے کہ پیشاب کی وجہ سے میرا مثانہ پھٹ جائے گا۔ بہرحال جو دوست بیمار ہیں اُنہیں اپنی صحت کا خیال رکھنا چاہیے اور جو بیمار نہیں وہ بھی احتیاط رکھیں۔ دیکھو میں تندرستی میں ڈیڑھ ڈیڑھ، دو دو گھنٹہ بھی خطبہ کہہ لیتا تھا لیکن اب بعض دفعہ پانچ چھ منٹ ہی بول سکتا ہوں کیونکہ بیماری کی وجہ سے مجبوری ہوتی ہے۔ مجھے یاد ہے جب قادیان میں احرار کا جلسہ ہوا تو کئی دفعہ ایسا ہوا کہ میں خطبہ دینے کے لیے کھڑا ہوا تو عصر کا وقت آ گیا اور لوگوں نے کہا کہ جمعہ کے ساتھ عصر کی نماز بھی پڑھا دیں۔ تو یہ چیز تندرستی کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ دوستوں کو چاہیے کہ سردی سے بچاؤ کے لیے اپنے پورے بستر ساتھ لائیں اور کپڑوں کا بھی خیال رکھیں۔

پھر دوستوں کو یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اِس دفعہ حکومت کی طرف سے بعض ایسی

پابندیاں عائد ہیں جن کی وجہ سے ممکن ہے ہمیں کھانے میں کچھ ردّ و بدل کرنا پڑے۔ مثلاً کچھ دن گوشت کے ناغہ کے مقرر ہیں۔ افسرانِ جلسہ سالانہ حکومت کے افسروں سے مل کر کوشش تو کر رہے ہیں کہ ناغہ کے دنوں میں گوشت کی اجازت مل جائے لیکن اگر اجازت نہ ملی تو دال اور آلوؤں پر گزارہ کرنا پڑے گا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ مچھلی کا انتظام کرلیں لیکن اِتنی مچھلی بھی نہیں مل سکتی جو جلسہ سالانہ پر آنے والوں کے لیے کافی ہو سکے۔ آٹے کے متعلق حکومت نے وعدہ کیا ہے کہ اگر ہم ثابت کر دیں کہ ہمارا خرچ زیادہ ہے تو وہ گندم کی مقدار بڑھا دیں گے مگر سرِ دست جو اجازت انہوں نے دی ہے ہمارا خرچ اُس سے زیادہ ہوتا ہے۔ غرض کھانے میں اگر دوستوں کو کوئی تکلیف ہو تو اُسے برداشت کرنا چاہیے اور اِس کو ثواب سمجھنا چاہیے۔ یہ بھی ایک رنگ کی قربانی ہی ہے۔ اگر گورنمنٹ گوشت کی اجازت نہ دے تو دال اور آلوؤں پر گزارہ کرنا چاہیے۔ اور اگر گندم کی اجازت نہ دے تو دو روٹیوں کی بجائے ایک روٹی پر ہی گزارہ کرلینا چاہیے۔

قادیان میں بھی بعض اوقات گندم کے حصول میں ہمیں مشکلات پیش آ جاتی تھیں لیکن باہر سے گندم لانے کی اجازت ہوتی تھی تو میں اعلان کر دیا کرتا تھا کہ باہر سے جو احمدی آئیں وہ آٹا یا غلّہ وغیرہ ساتھ لائیں۔ مجھے یاد ہے ایک دفعہ جلسہ سالانہ کے موقع پر جب مہمان آ رہے تھے تو ایک احمدی دوست بوری اٹھائے ہوئے آئے۔ وہ امیر آدمی تھے اور ڈاکٹر تھے۔ میں نے کہا ڈاکٹر صاحب! آپ نے یہ بوری کیسی اٹھائی ہوئی ہے؟ انہوں نے کہا آپ نے جو کہا تھا کہ غلّہ لے آؤ میں آٹا لے آیا ہوں تا کہ جلسہ کے کام آ جائے۔ چنانچہ انہوں نے میرے سامنے ہی آٹا ایک طرف اُتار کر رکھ دیا۔ اب تو وہ فوت ہو چکے ہیں۔ بہرحال بڑے اخلاص سے لوگ آٹا ساتھ لے آتے تھے۔ لیکن اب تو باہر سے گندم لانا بھی منع ہے کیونکہ ہمارے ملک میں غلہ کی بہت کمی ہے۔ حکومت کوشش تو کر رہی ہے کہ پیداوار زیادہ ہو جائے لیکن وہ تو اگلے سال ہی ہوسکتی ہے اِس سال کوئی فائدہ نہیں ہوسکتا۔ اگلے سال کے حالات بھی اِس وقت تک تو خراب ہی نظر آتے ہیں کیونکہ ابھی تک بارش نہیں ہوئی۔ بارش کا یہ اصول ہے کہ اگر دس فروری سے پہلے پہلے ہو جائے تو غلّہ زیادہ ہوتا ہے اور اگر بعد میں ہو تو نئی شاخ نہیں نکلتی اور دانہ موٹا ہو جاتا ہے حالانکہ دانے کی زیادتی شاخ کے پیدا ہونے سے ہوتی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ فضل کر دے اور دس

فروری سے پہلے پہلے بارش ہو جائے تو پھر دانہ بھی موٹا ہو گا اور سِٹے بھی زیادہ لگ جائیں گے اور اِس طرح پیداوار میں زیادتی ہو جائے گی۔☆ مگر یہ حال صرف ہمارے ملک کا ہی نہیں بلکہ بعض دوسرے ممالک کا بھی یہی حال ہے۔ چنانچہ شام کے مبلّغ کا خط آیا ہے کہ میں یہاں کے سابق پریذیڈنٹ سے ملا اور اُس سے کہا کہ تم احمدیوں سے دُعا کراؤ کہ بارش ہو جائے۔ اُس نے مجھے لکھا کہ جنرل ناصر کو بھی تحریک کی جائے کہ ہم سے دُعا کرائیں کہ بارش ہو جائے کیونکہ اگر دُعا قبول ہو گئی تو انہیں ہم سے عقیدت ہو جائے گی۔ میں نے اُسے لکھا کہ اگر جنرل ناصر کو معجزہ دیکھنے کی خواہش ہوتی تو وہ آپ لکھتے، ہمیں لکھنے کی کیا ضرورت ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت دینا چاہتا ہے اُس کے دل میں وہ آپ تحریک کرتا ہے کہ دُعا کی درخواست کرے۔ اگر جنرل ناصر خود لکھتے کہ دُعا کریں مصر اور شام میں بارش ہو جائے تو پھر ہم دُعا بھی کرتے اور خدا کے فضل سے فائدہ بھی ہو جاتا لیکن اگر اُن کے دل میں خود یہ خواہش پیدا نہیں ہوئی تو ہمارا اُنہیں یہ بات لکھنا اپنے آپ کو ذلیل کرنا ہے۔ پھر سوال یہ ہے کہ جو معجزات پہلے ظاہر ہو چکے ہیں اُن سے اُنہوں نے کیا فائدہ اٹھایا ہے؟

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس ایک دفعہ ایک شخص آیا اور اُس نے کہا حضور! میں نے معجزہ دیکھنا ہے۔ میں بچہ ہی تھا اور آپ کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمانے لگے پہلے یہ بتائیے کہ خدا تعالیٰ جو ہزاروں معجزات دکھا چکا ہے اُن سے آپ نے کیا فائدہ اٹھایا ہے؟ اگر آپ نے اُن معجزات سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھایا تو خدا تعالیٰ آپ کے لیے نیا معجزہ کیوں دکھائے؟ اللہ تعالیٰ تو اپنے معجزات اُسے دکھاتا ہے جو اُن سے فائدہ اٹھائے۔ خدا تعالیٰ ہزاروں معجزات دکھا چکا ہے مگر آپ نے اُن سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا اور اب آپ نیا معجزہ مانگنے آ گئے ہیں، یہ تو اللہ تعالیٰ کا امتحان لینے والی بات ہے۔ اور خدا تعالیٰ طالب علم نہیں کہ اُس کا امتحان لیا جائے۔ آپ خدا تعالیٰ کے بندے ہیں۔

☆ خدا تعالیٰ کے فضل سے اس خطبہ کے بعد کچھ بارش ہو گئی اور گو زیادہ بارش نہیں ہوئی مگر بہر حال کچھ نہ کچھ بارش ہو گئی ہے۔

اُس نے آپ کے لیے پہلے ہزاروں معجزات دکھائے ہیں مگر آپ نے اُن سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھایا پھر وہ آپ کو نیا معجزہ کیوں دکھائے؟'' (الفضل 19 دسمبر 1958ء)

1: البقرۃ:196

2: النساء :103

35

ہماری جماعت کا فرض ہے کہ وہ خواتین کی دینی تعلیم کی طرف خصوصیت کے ساتھ توجہ کرے

جمعہ اسلام کے نہایت اہم ارکان میں سے ہے عورتوں کو اس امر میں ضرور شریک ہونا چاہیے

(فرمودہ 26 دسمبر 1958ء بمقام ربوہ)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''یوں تو عام طور پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کا خطبہ مختصر کیا کرتے تھے اور نماز لمبی پڑھاتے تھے1 اور اس کا آپ کے صحابہؓ پر اس قدر اثر تھا کہ جب حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو آپ خطبہ کے لیے ممبر پر کھڑے ہوئے اور کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد عربی کا خطبہ پڑھا اور نیچے اُتر آئے لیکن آج تو ضرورت کی وجہ سے بھی خطبہ مختصر پڑھنا چاہیے اور پھر میری صحت بھی اِس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ خطبہ مختصر ہو کیونکہ اگر خطبہ یا نماز لمبی ہو جائے تو بعد کی تقریروں میں نقص پیدا ہو جاتا ہے اس لیے مجبوری کے طور پر بھی جلسہ کے دنوں میں خطبہ کو مختصر کرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ آج میں اختصار کے ساتھ یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جمعہ، اسلام کے نہایت اہم ارکان میں سے ہے۔ قرآن کریم اِس کے متعلق فرماتا ہے کہ اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ2 یعنی

جب جمعہ کی اذان ہوتو تم جلدی جلدی باقی تمام کام چھوڑ کر جمعہ کی نماز کے لیے چلے جایا کرو۔ حقیقت یہ ہے کہ نماز جمعہ مسلمانوں کے لیے مدرسہ کے طور پر ہے۔ اس میں لوگ امام سے مختلف باتیں سنتے ہیں جن میں اُنہیں دین کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جماعت کا مرکزی حصہ مدینہ میں رہتا تھا۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں جماعت کا مرکزی حصہ قادیان میں رہتا تھا اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کبھی کبھی عورتوں میں بھی تقریر فرمایا کرتے تھے جس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی کبھی کبھی عورتوں میں تقریر فرمایا کرتے تھے۔ حضرت خلیفہ اوّل بھی عورتوں میں ہر تیسرے دن درس دیا کرتے تھے۔ اب ہماری باہر کی جماعتیں درس القرآن سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتیں کیونکہ ہمارے پاس نہ تو زیادہ عالم ہیں اور نہ مبلغ ہیں اس لیے عورتوں کو اسلام نے ہدایت دی ہے کہ وہ نمازِ جمعہ میں شامل ہوا کریں۔ مجھے یہ بات سن کر نہایت افسوس ہوا کہ ہزارہ کے مبلغ نے مجھ سے ذکر کیا کہ صوبہ سرحد میں عورتیں جمعہ میں نہیں جاتیں کیونکہ اُن کے مرد کہتے ہیں کہ ہم خان ہیں ہماری اِس میں ہتک ہوتی ہے۔☆ لیکن اسلام کا رتبہ خانوں اور پٹھانوں سے بھی بڑا ہے۔ اوّل تو ہمیں یہ فیصلہ کرنا چاہیے کہ مسلمان بڑا ہوتا ہے یا خان بڑا ہوتا ہے۔

نیک محمد خان صاحب پہلے پہلے قادیان آئے تو وہ چھوٹے بچے تھے، اُن کا باپ قندھار کا گورنر تھا۔ حضرت خلیفہ اوّل کا جب آپریشن ہونے لگا تو اِس خیال سے کہ لوگ ہجوم کریں گے اور اِس سے کہیں آپریشن خراب نہ ہو جائے نیک محمد خان کو کمرہ سے باہر پہرہ پر کھڑا کر دیا گیا۔ اکبر شاہ نجیب آبادی کا یہ دعوٰی ہوا کرتا تھا کہ میں حضرت خلیفہ اوّل کا بہت پیارا ہوں اس لیے وہ یہ سنتے ہی کہ حضرت خلیفہ اوّل کا آپریشن ہونے لگا ہے دوڑتے ہوئے آئے لیکن جب وہ کمرہ میں داخل ہونے لگے تو نیک محمد خاں نے روک لیا۔ اس پر وہ کہنے لگے تم نہیں جانتے میں کون ہوں؟ نیک محمد خاں کہنے لگے آپ کون ہیں؟ انہوں نے کہا میں پٹھان ہوں۔ اکبر شاہ خان یو۔ پی کے رہنے والے تھے اور نسلاً پٹھان تھے لیکن نیک محمد خان افغانستان سے تھوڑا ہی عرصہ پہلے آئے تھے۔

☆ اس خطبہ کے بعد پشاور کے جو موجودہ امیر ہیں اُنہوں نے کہا کہ یہ کسی خاص شہر کی بات ہوگی ورنہ ہمارے ہاں تو پشاور میں عورتیں جمعہ کے لیے باقاعدگی سے جاتی ہیں۔

نیک محمد خان نے کہا تم نہیں جانتے میں کون ہوں۔ اکبر شاہ نے کہا ہاں! بتاؤ تم کون ہو؟ انہوں نے کہا میں احمدی ہوں۔ اِس پر وہ شرمندہ ہو کر الگ ہو گئے۔ تو درحقیقت اسلام اور احمدیت کا رتبہ پٹھان اور خان سے بڑا ہے ورنہ ہمیں ماننا پڑے گا کہ ایک پٹھان نَعُوْذُ بِاللّٰہِ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی بڑا ہوتا ہے۔

ایک لطیفہ مشہور ہے کہ ایک پٹھان فقہ پڑھا کرتا تھا۔ اس نے فقہ کی کتاب ''کنز'' پڑھی ہوئی تھی اور اُس میں یہ لکھا ہوا تھا کہ مذہب حنفی یہ ہے کہ حرکتِ کبیرہ سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ اس کے بعد ایک دن اُس پٹھان نے حدیث میں پڑھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بعض دفعہ نماز پڑھتے اور حضرت حسنؓ اور حسینؓ رو پڑتے تو آپ اُنہیں اُٹھا لیتے۔ جب سجدہ میں جاتے تو اُنہیں زمین پر بٹھا دیتے اور جب سجدہ سے اُٹھتے تو دوبارہ اُٹھا لیتے۔3 اِس پر اُس پٹھان نے کہا ''خُو! محمد صاحب کا نماز ٹوٹ گیا''۔ کوئی سننے والا بھی پاس موجود تھا۔ اُس نے کہا کمبخت! محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ہمیں نماز سکھائی ہے اور تم کہتے ہو محمد صاحب کا نماز ٹوٹ گیا۔ اِس پر وہ کہنے لگا کنز میں اِسی طرح لکھا ہے۔

تو جن قوموں میں دین سے غفلت پیدا ہو جاتی ہے اُن میں ایسی باتیں آ جاتی ہیں۔ پس اگر یہ بات ٹھیک ہے کہ مردان، پشاور اور ہزارہ کی عورتیں جمعہ میں نہیں جاتیں اور وہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم بڑے ہیں اور خان ہیں تو انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ احمدی اور مسلمان اس سے بڑا ہوتا ہے۔ کوئی خان ہو یا پٹھان ہو بلکہ پٹھانوں کا بادشاہ بھی ہو تب بھی وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہے۔ کیونکہ اگرچہ وہ پٹھانوں کا بادشاہ ہے لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سب کے بادشاہ ہیں۔ پس پٹھان یا خان ہونے سے کسی کی بڑائی نہیں ہوتی۔ بڑائی اسلام اور احمدیت سے ہوتی ہے۔ اور اسلام اور احمدیت کے سیکھنے کا ذریعہ چونکہ جمعہ ہے اس لیے جلسہ کے موقع پر جبکہ پشاور، مردان اور ہزارہ وغیرہ کے علاقہ کے لوگ آئے ہوئے ہیں میں اُن سب کو نصیحت کرتا ہوں کہ اپنی بیویوں اور لڑکیوں کو جمعہ میں ضرور بھیجا کرو تا کہ وہ دین سیکھیں اور اِس سے واقف ہو جائیں۔ ورنہ اگر وہ دین سے واقف نہیں ہوں گی تو جماعت میں بہت سی خرابیاں پیدا ہو جائیں گی۔

ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فیصلہ کیا کہ آپ عورتوں میں تقریر فرمایا کریں گے۔ جس عورت نے تقریر کی تحریک کی تھی وہ اَن پڑھ تھی لیکن اس کا خاوند بڑا مخلص تھا۔ اب اُس

کا داماد☆ بہت مخلص ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام عام طور پر وفاتِ مسیح پر تقریر فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ آپ نے عورتوں میں چند تقریریں کیں۔ ایک دن آپ نے اُس عورت سے پوچھا کہ بتاؤ میں نے اپنی تقریروں میں کیا کچھ بتایا ہے؟ اُس نے کہا آپ نے خدا اور اُس کے رسول کی باتیں ہی بیان کی ہوں گی اَور کیا بیان کیا ہوگا۔ اِس کا آپ کو ایسا صدمہ ہوا کہ آپ نے عورتوں میں تقریریں کرنا ہی بند کر دیا۔

تو عورتوں میں تعلیم بہت کم ہوتی ہے۔ اوّل تو وہ تقریر اور خطبہ سن کر بھی یہی کہتی ہیں کہ خدا اور رسول کی ہی باتیں ہوں گی۔ کوئی معیّن مضمون ان کی سمجھ میں نہیں آتا۔ لیکن اگر وہ بار بار دین کی باتیں سنتی رہیں تو جب ایک جانور بھی بار بار سن کر ایک بات سمجھ لیتا ہے تو عورت تو آخر انسان ہے اور خدا تعالیٰ نے اُسے بڑا روشن دماغ دیا ہوا ہے۔ اگر وہ خدا اور اس کے رسول کی باتیں بار بار سنے گی تو وہ باتیں اُسے یاد ہو جائیں گی اور وہ پکی مسلمان ہو جائے گی لیکن اگر وہ دین کی باتیں بار بار نہیں سنے گی تو اس کا اسلام پختہ نہیں ہوگا وہ کچا رہے گا اور وہ موقع پر پوری طاقت نہیں دکھا سکے گی لیکن جو عورتیں اسلام کو سمجھ جاتی ہیں وہ بعض دفعہ اپنے ایمان میں اتنی پختہ ثابت ہوتی ہیں کہ انہیں دیکھ کر حیرت آتی ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تو اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں مگر میں نے کئی دفعہ سنایا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں بھی ایک اَن پڑھ عورت آئی اور کہنے لگی حضور! میرا بیٹا عیسائی ہو گیا ہے۔ آپ دعا کریں وہ پھر مسلمان ہو جائے۔ آپ نے فرمایا تم اُسے میرے پاس بھیجا کرو کہ وہ خدا کی باتیں سنا کرے۔ اُس لڑکے کو سِل کی بیماری تھی اور اُس کی والدہ اُسے قادیان میں حضرت خلیفہ اوّل کے پاس علاج کروانے لائی ہوئی تھی۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اُسے نصیحت کرتے رہے اور اسلام کی باتیں سمجھاتے رہے لیکن عیسائیت اُس کے اندر اتنی راسخ ہو چکی تھی کہ جب آپ کی باتوں کا اُس کے دل پر اثر ہونے لگا تو اُس نے خیال کیا کہ میں کہیں مسلمان ہی نہ ہو جاؤں۔ چنانچہ ایک رات وہ ماں کو غافل پا کر بٹالہ کی طرف بھاگ گیا جہاں عیسائیوں کا مشن تھا۔ جب اُس کی ماں کو پتا لگا تو وہ راتوں رات پیدل بٹالہ گئی اور اُسے پکڑ کر قادیان واپس لائی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے وہ عورت، حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے

☆ مولوی قدرت اللہ صاحب سنوری

قدموں پر گر جاتی تھی اور کہتی تھی مجھے اپنا بیٹا پیارا نہیں مجھے اسلام پیارا ہے۔ میرا یہ اکلوتا بیٹا ہے مگر میری خواہش یہ ہے کہ یہ ایک دفعہ مسلمان ہو جائے، پھر بیشک مر جائے مجھے کوئی افسوس نہیں ہو گا۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے اُس کی یہ التجا قبول کی اور وہ لڑکا مسلمان ہو گیا اور اسلام لانے کے چند دن بعد مر گیا۔

تو بعض عورتیں بعض مردوں سے بھی زیادہ اسلام میں پکی ہوتی ہیں۔ مرد بعض اوقات کمزوری دکھا جاتے ہیں مگر عورتوں میں بڑی ہمت ہوتی ہے۔ افریقہ سے ایک عورت آئی۔ وہ پینتیس سال کے بعد وطن واپس آئی تھی۔ وہیں اُس کا خاوند فوت ہو گیا تھا۔ واپس آئی تو اُس نے مجھے بتایا کہ میری یہاں ایک بہن ہے۔ اُس نے کہا ہے کہ میری لڑکیاں ہیں اُن سے اپنے بیٹوں کی شادی کر دو۔ میں نے کہا اِن کو لٹریچر دو تا کہ وہ اِس کا مطالعہ کریں اور انہیں احمدیت سے واقفیت ہو جائے تو پھر بیشک شادی کر دینا۔ اِس پر اُس نے کہا اگر غیر احمدی لڑکی سے شادی کرنا درست نہیں تو میں انہیں چھوڑ دیتی ہوں۔ مجھے ان کو چھوڑ دینا منظور ہے حالانکہ وہ پینتیس سال کے بعد واپس آئی تھی اور اپنی بہن سے ملی تھی۔ میں نے کہا تم جواب نہ دو انہیں لٹریچر دو اور کہو وہ اِس کا مطالعہ کریں۔ اگر تمہاری اور تمہاری بیٹیوں کی سمجھ میں آ جائے اور وہ احمدی ہو جائیں تو میں اپنے لڑکوں کی شادی تمہاری بیٹیوں سے کر دوں گی ورنہ نہیں کروں گی۔ اِس پر اُس نے کہا میں اِسی طرح کر لیتی ہوں۔ لیکن کئی مرد بڑی ضد کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہاں شادی کر لیں تو یہ فائدہ ہو گا کہ ایک اَور خاندان احمدیت میں داخل ہو جائے گا۔ اور وہ اتنا مغز کھاتے ہیں کہ انسان کے سر میں درد شروع ہو جاتی ہے۔ لیکن وہ عورت سنتے ہی کہنے لگی بس میں اپنی بہن سے کہہ دیتی ہوں کہ میں اس کی لڑکیاں نہیں لے سکتی۔

تو عورتیں بعض دفعہ خدا تعالیٰ کے فضل سے مردوں سے بھی اخلاص میں بڑھی ہوئی ہوتی ہیں۔ کئی مرد کمزوری دکھا جاتے ہیں اور عورتیں اپنے اخلاص کی وجہ سے اُن سے آگے بڑھ جاتی ہیں اور اِس کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ بعض مرد اپنی عورتوں کو دین کی باتیں سکھاتے رہتے ہیں۔

کراچی میں ایک احمدی دوست تھے۔ اُن کی بیوی غیر احمدی تھی۔ وہ جب کبھی جلسہ پر آتے تو لٹریچر ساتھ لے جاتے۔ ایک دن اُن کی بیوی نے کہا آپ اردو میں لٹریچر لایا کریں تا میں بھی پڑھا کروں۔ چنانچہ وہ اردو کا لٹریچر گھر لے جانے لگے۔ وہ عورت لٹریچر مطالعہ کرتی رہی اور کچھ عرصہ کے بعد احمدی ہو گئی اور اب تو وہ بہت مخلص ہے۔ اس نے اسی سال میری ایک بیوی کو لکھا تھا کہ میں جلسہ پر

آ رہی ہوں لیکن وہ بعض وجوہات کی بناء پر نہیں آ سکی۔ مجھے یاد ہے میں پچھلی دفعہ کراچی گیا تو وہ میرے پاس آ کر روتی تھی کہ میری بیٹی کالج میں پڑھتی ہے، کوئی ایسی کتاب دیں جو میں اُسے دوں اور وہ اُسے پڑھتی رہے۔ایسا نہ ہو کہ وہ کالج کے اثر کے نیچے دین سے دور چلی جائے۔

تو یہ چیز اللہ تعالیٰ کی ہی دین ہے اور چونکہ کئی عورتوں نے نہایت اعلیٰ نمونہ دکھایا ہے اس لیے کوئی وجہ نہیں کہ دوسری عورتوں کو دین کی باتیں سیکھنے سے محروم رکھا جائے۔ یہاں ربوہ میں عورتوں نے اپنا ایک ہال بنایا ہوا ہے۔ پھر انہوں نے ایک K.G.SCHOOL اور ایک سلائی کا سکول کھولا ہوا ہے۔K.G.SCHOOL میں لڑکے بھی پڑھتے ہیں لیکن لڑکے اکثر فیل ہو جاتے ہیں اور لڑکیاں پاس ہو جاتی ہیں۔

تو جس طرح عورتیں دنیا کے علوم حاصل کر سکتی ہیں اِسی طرح وہ دین کے علوم بھی حاصل کر سکتی ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ انہیں دین سیکھنے کے مواقع بہم پہنچائیں۔اگر ہم انہیں دین سیکھنے کے مواقع بہم نہیں پہنچائیں گے تو ہم مجرم ہوں گے، وہ مجرم نہیں ہوں گی۔ خدا ہمیں کہے گا تم گنہگار ہو۔ اِن عورتوں میں دین سیکھنے کی طاقت موجود تھی لیکن تم نے انہیں دین سیکھنے کے مواقع بہم نہیں پہنچائے۔ پس آپ لوگوں کا فرض ہے کہ آپ عورتوں کی دینی تعلیم کی طرف توجہ کریں۔ میں نے جب تفسیر صغیر لکھی تو اگرچہ میرا حق تھا کہ میں کچھ کاپیاں مُفت حاصل کروں مگر میں نے بہت سی کاپیاں خرید کر اپنی بیویوں اور بیٹیوں کو دیں اور کہا اسے پڑھو اور اس سے فائدہ اٹھاؤ تا کہ میری محنت غیروں کے ہی کام نہ آئے بلکہ میرے اپنے خاندان کے بھی کام آ جائے"۔ (الفضل 10 فروری 1959ء)

1: مسلم کتاب الجمعة باب تخفیف الصلوٰة و الْخُطْبَة

2: الجمعة:10

3: بخاری کتاب الصَّلوٰة باب اِذَا حَمَلَ جَارِيَةً صَغِيْرَةً عَلٰى عَاتِقِهٖ فِی الصَّلوٰة میں امامہ بنت زینب کا ذکر ہے۔

36

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ باوجود شدید بارشوں کے جلسہ سالانہ کے دوران موسم بہت اچھا رہا

ہماری جماعت کو اس لیے قائم کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزّت کو دنیا میں قائم کیا جائے

(فرمودہ 2 جنوری 1959ء بمقام ربوہ)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''جلسہ سالانہ کے موقع پر موسم کا سوال ایسا ہوتا ہے جو انسانی اختیار میں نہیں ہوتا اور نہ اس کے متعلق کوئی تدبیر کارگر ہوسکتی ہے۔ اِس دفعہ جلسہ سالانہ سے قبل اتنی بارش ہوئی کہ منتظمین گھبرا گئے اور انہوں نے کہنا شروع کر دیا کہ تمام تنور خراب ہوگئے ہیں اب ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کریں۔ صرف یہی ہوسکتا ہے کہ لنگر خانہ کے تنوروں پر گزارہ کیا جائے اور مہمانوں کو تلقین کی جائے کہ وہ تھوڑے کھانا پر اکتفا کریں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے عاجز بندوں کی دُعاؤں کو قبول کیا اور بارش کے بعد جلسہ سالانہ کے ایام بڑے آرام سے گزر گئے اور منتظمین نے مہمانوں کو کھانا بھی سہولت سے کھلا لیا۔

مجھے یاد ہے جب سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے الہامِ الٰہی سے جلسہ سالانہ

کی بنیاد رکھی ہے صرف 1928ء میں 28 دسمبر کو جلسہ کے موقع پر بارش ہوئی۔ جب بارش قریباً سارا دن جاری رہی تو میں نے ایک اعلان لکھا جس میں یہ ذکر کیا کہ چونکہ بارش کی وجہ سے سب دوستوں کا ایک جگہ جمع ہو کر دُعا کرنا مشکل ہے اس لیے سوا پانچ بجے میں دُعا کروں گا سب دوست اپنے اپنے کمروں میں اُس وقت دُعا میں شامل ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے کہ ابھی اُس اعلان کی نقلیں ہی ہو رہی تھیں کہ بارش بند ہو گئی اور اُس نے مجھے قریباً دو گھنٹہ تک اِس امر پر تقریر کرنے کی توفیق عطا فرما دی کہ قرآن کریم پڑھنے پڑھانے اور اُس کے مطالب کے سمجھنے کے لیے کن امور پر غور کرنا ضروری ہے۔ اگرچہ اس تقریر کے دوران میں بھی تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد بارش ہوتی رہی مگر لوگ شوق سے بیٹھے رہے اور اس طرح ہمارا جلسہ بخیر و خوبی گزر گیا۔

اِسی طرح 1946ء کے جلسہ سالانہ میں بھی آخری روز شدید بارش ہوئی مگر پھر بھی اللہ تعالیٰ نے مجھے تقریر کرنے کی توفیق عطا فرما دی۔ غرض اللہ تعالیٰ نے ہر جلسہ پر فضل کیا اور بارش کی وجہ سے اس میں کوئی روک پیدا نہیں ہوئی۔ جلسہ سالانہ کے بعد بالعموم سردی زیادہ ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اِس دفعہ بھی سردی زیادہ ہو گئی ہے اِس لیے جلسہ کی تقریروں اور ملاقاتوں کی وجہ سے جو کوفت مجھے ہوئی اُسے دور کرنے کا بہت کم موقع ملا۔ اِس کے علاوہ مجھے ٹانگ میں درد کی تکلیف تھی اور زبان پر زخم تھے۔ میرا خیال تھا کہ غالباً میں جلسہ سالانہ کے موقع پر تقریریں نہیں کر سکوں گا لیکن خدا تعالیٰ کے فضل سے میں نے جلسہ پر پچھلے سال سے بھی لمبی تقریریں کی ہیں اور اِس کے باوجود گو ابھی تکلیف موجود ہے لیکن خراش اور زخم زیادہ نہیں ہوئے اور جو تکلیف باقی ہے وہ بھی خدا تعالیٰ نے فضل کیا تو دور ہو جائے گی۔ گھبراہٹ اِس وجہ سے ہے کہ ٹانگ کی تکلیف پر دسواں مہینہ جا رہا ہے اور ابھی تک یہ تکلیف دور نہیں ہوئی۔ ایسا نہ ہو کہ یہ تکلیف مُزْمِن[1] ہو جائے لیکن اگر خدا تعالیٰ نے فضل کیا اور سردی کم ہو گئی تو جہاں عام کمزوری دور ہو جائے گی وہاں ٹانگ کی درد میں بھی کمی آ جائے گی اور جسم میں بھی طاقت پیدا ہو جائے گی۔ موجودہ بیماری کی وجہ سے میں زیادہ چل پھر نہیں سکتا لیکن اِس سے پہلے میں جب مری میں تھا تو دو دو میل تک سَیر کے لیے چلا جاتا۔ جابہ آیا تو وہاں ایک میل تک چلنا بھی دو بھر معلوم ہوتا تھا بلکہ بعض دفعہ دو تین فرلانگ چلنے سے تکلیف محسوس ہوتی تھی۔ گرمی کے آنے پر جسم میں طاقت آ گئی تو میں پھر اِنْشَاءَ اللّٰہُ چلنے پھرنے لگوں گا جس سے صحت میں فرق پڑ جائے گا۔ سارا دن بیٹھے رہنے

سے صحت پر کوئی اچھا اثر نہیں پڑتا۔ جو شخص ہر وقت بیٹھا رہتا ہے اس کی صحت بگڑ جاتی ہے۔ اس لیے جب تک مجھے چلنے پھرنے کی توفیق تھی میری طبیعت بحال رہتی تھی۔ اب بھی جب میں چلنے پھرنے لگوں گا تو طبیعت سنبھلنی شروع ہو جائے گی۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے اِس جلسہ کے موقع پر ہمیں سمجھایا ہے کہ سارے کام خدا تعالیٰ ہی کرتا ہے اور جب ہمارے سب کام اللہ تعالیٰ نے ہی کرنے ہیں تو ہماری جماعت کو ہمیشہ اپنی نظر خدا تعالیٰ پر رکھنی چاہیے۔ وہی جماعت کی ترقی اور اسلام کو دوبارہ غالب کرنے کے سامان کرے گا۔ اِس میں کوئی شُبہ نہیں کہ اِس وقت سب سے زیادہ مظلوم اسلام ہے اور باوجود اِس کے کہ اسلام نے سارے اَدیان کی تعریف کی ہے اور تمام پچھلے انبیاء کی عزّت کی ہے ان انبیاء کی امتوں کے لوگ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتے ہیں۔ یہ چیز اللہ تعالیٰ کی غیرت کو جوش میں لائی اور اُس نے آپ لوگوں کو اس لیے کھڑا کیا کہ اسلام کی خوبیاں بتا کر اور اس بات کو روشن کر کے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب انبیاء کی امتوں پر مہربان تھے آپ کی عزّت کو دوبارہ دنیا میں قائم کریں۔ یہ بات یاد رکھیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزّت قائم ہونے سے ہی خدا تعالیٰ کی عزّت دنیا میں قائم ہوگی۔

اِس میں کوئی شُبہ نہیں کہ خدا تعالیٰ ایک بالا ہستی ہے مگر اس میں بھی کوئی شُبہ نہیں کہ خدا تعالیٰ کی ہستی اور اس کی عظمت کو دنیا میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی قائم کیا تھا۔ جنگِ بدر کے موقع پر جب مسلمانوں پر کُفّار کا زور بڑھ گیا تو اُس وقت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دُعا کی وہ یہی تھی کہ اے اللہ! اگر یہ مختصر سا گروہ جو تیرے نام کو دنیا میں بلند کر رہا ہے ہلاک ہو گیا تو قیامت تک دنیا میں تیرا نام لینے والا کوئی نہیں رہے گا۔ 2 بیشک خدا، خدا ہی ہے اور بندہ، بندہ ہی ہے لیکن اِس میں بھی کوئی شُبہ نہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا تعالیٰ کی عزّت کو دنیا میں قائم کیا تھا اور اگر دنیا میں خدا تعالیٰ کا نام باقی رہ سکتا ہے تو اِسی صورت میں رہ سکتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسلام باقی رہے۔

پس اپنی جانوں کی خاطر ہی نہیں بلکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خدا تعالیٰ کی خاطر ہمیں یہ دُعائیں کرتے رہنا چاہیے کہ اے اللہ! جو کچھ ہم کر رہے ہیں اِس سے صرف ہمیں عزّت حاصل نہیں

ہوتی بلکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تیری ذات کو بھی عزّت حاصل ہوتی ہے۔ اِس لیے تُو ہماری مدد فرما اور ہماری تائید میں اپنے فرشتوں کو نازل فرما، تا تیرا نام بھی اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بھی دنیا میں روشن ہو اور قرآن کریم کی صداقت دنیا پر ظاہر ہو"۔

(الفضل یکم فروری 1959ء)

1: مُزمِن: پرانا، دیرینہ، کہنہ (خصوصًا مرض) (اردو لغت تاریخی اصول پر جلد 17 صفحہ 940 کراچی 2000ء)

2: صحیح مسلم کتاب الجهاد باب الامْداد بالملائكةِ فی غزوة بدْرٍ و اباحةِ الغنائمِ

37

بھارتی اخبار ''پرتاپ'' نے میری جلسہ سالانہ والی تقریر کو نہایت بگاڑ کر پیش کیا ہے

جماعت احمدیہ خدا تعالیٰ کی قائم کردہ جماعت ہے وہی اس کی حفاظت کرے گا

(فرمودہ 9 جنوری 1959ء بمقام ربوہ)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''آج صبح دفتر حفاظتِ مرکز قادیان نے بھارتی اخبار ''پرتاپ'' کا ایک کٹنگ میرے پاس بھجوایا ہے جس میں اُس نے میری جلسہ سالانہ والی تقریر کو نہایت بگاڑ کر پیش کیا ہے۔ آج میں اس کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں۔

میں نے جلسہ کے موقع پر کہا تھا کہ ہمارے ہاتھ میں تلوار تو ہے نہیں کہ ہم اس کے زور پر قادیان فتح کر لیں۔ قادیان کے دروازے اگر کھلے تو وہ اللہ تعالیٰ ہی کھولے گا۔ اور اگر خدا تعالیٰ پاکستان پر رحم کرے گا اور اس کی مدد کرنا چاہے گا تو وہ علاقے جہاں سے ہم ہجرت کر کے آئے ہیں وہ پاکستان کو پھر دلا دے گا۔ اِتنی بات تو اُس نے ٹھیک لکھی ہے۔

باقی میں نے کہا تھا کہ ہندوستان کے احمدی بھارتی حکومت کے وفادار ہیں۔

حکومتِ پاکستان نے سِکھوں کو جو جماعت احمدیہ سے بہت زیادہ طاقتور ہیں سینکڑوں کی تعداد میں ننکانہ صاحب آنے کی اجازت دی ہے۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ بھارتی حکومت احمدیوں کو جلسہ سالانہ کے موقع پر قادیان جانے کی اجازت نہ دے حالانکہ وہ بہت کمزور ہیں اور ان میں اِتنی طاقت نہیں کہ حکومتِ ہندوستان ان سے کوئی خطرہ محسوس کرے۔ اِس کی بجائے ''پرتاپ'' نے یہ لکھا ہے کہ گویا میں نے کہا ہے کہ بھارت قادیان اور اس کے اردگرد کا علاقہ پاکستان کو واپس کر دے۔

اوّل تو یہ بات غلط ہے۔ میں نے اپنی تقریر میں اِس کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ لیکن اگر یہ صحیح بھی ہوتی تب بھی میں پاکستانی ہوں اور پاکستانی ہونے کی صورت میں مَیں اگر یہ مشورہ حکومتِ ہندوستان کو دوں کہ وہ ایک علاقہ جس میں مسلمان بستے تھے پاکستان کو دے دے تو اِس میں کیا حرج ہے جبکہ خود بعض ہندوستانی بھی انہیں یہ مشورہ دے رہے ہیں۔ ہندوستان کی مشہور سوشل لیڈر مس مردولا سارابائی (MRIDULA SARABHAI)1 نے بھی یہ مشورہ دیا ہے کہ بھارت کشمیر کو آزاد کر دے۔ جس کے معنے یہ ہیں کہ کشمیر پاکستان کو دے دیا جائے۔ مس مردولا سارابائی ہندوستان کی مشہور لیڈر رہے اور گاندھی جی کی بہت دوست ہے۔ تقسیمِ ملک کے بعد گاندھی جی نے اِس عورت کو اپنا نمائندہ بنا کر میرے پاس بھیجا تھا اور وہ مجھے رتن باغ لاہور میں ملی تھیں۔ اس کے ساتھ مسٹر پنجابی انڈین ڈپٹی ہائی کمشنر بھی تھے۔ اس نے مجھے کہا کہ سنا ہے کہ احمدی کشمیر میں لڑ رہے ہیں؟ میں نے کہا اِس میں کیا حرج ہے؟ پاکستانی احمدی اگر پاکستان کی طرف سے لڑ رہے ہیں تو بھارت کو اِس پر اعتراض نہیں کرنا چاہیے۔ جب ہندوستانی احمدی ہندوستان کی مدد کرتے ہیں تو پاکستانی احمدی اگر پاکستان کی مدد کریں تو اِس میں کیا حرج ہے؟ میں نے اُسے یہ بھی بتایا کہ نہ صرف پاکستانی احمدی کشمیر کے لیے لڑ رہے ہیں بلکہ احمدی رضا کاروں کا افسر میرا اپنا بیٹا ہے جو میرے حکم سے وہاں گیا ہوا ہے۔ بعد میں وہ مسٹر پنجابی کو لے کر باہر چلی گئی اور مجھ سے اُس نے کہا میں نے آپ سے ایک پرائیویٹ بات کرنی ہے۔ چنانچہ واپس آ کر اُس نے مجھ سے کہا کہ گاندھی جی نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے اور دریافت کیا ہے کہ کیا آپ اپنے آپ کو ہندوستانی سمجھتے ہیں یا پاکستانی؟ میں نے اُن سے کہا آپ میری طرف سے گاندھی جی کو کہہ دیں کہ اِس میں شُبہ نہیں کہ ہم پہلے ہندوستانی تھے لیکن آپ لوگوں نے پولیس اور عوام سے ہم پر حملہ کروایا اور قادیان سے نکالا۔ اب ہم ہندوستان سے نکل آئے

ہیں اور پاکستان نے ہمیں پناہ دی ہے۔ اب کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ ہم پاکستان کی مخالفت کریں اور اِس کی حمایت اور مدد نہ کریں؟ اس صورت میں کیا ہم سمندر میں جا کر ڈوب مریں؟ مس مردولا سارا بائی نے مجھ سے کہا گاندھی جی چاہتے ہیں کہ آپ بیشک ہندوستان آ جائیں حکومت کچھ نہیں کہے گی۔ میں نے اُن سے کہا میں قیدی بن کر ہندوستان میں نہیں رہنا چاہتا میں ایک تبلیغی جماعت کا خلیفہ ہوں جو دنیا کے ہر حصہ میں پھیلی ہوئی ہے۔ اگر میں اکیلا قادیان آ جاؤں تو میں اسے برداشت نہیں کر سکتا۔ ہاں اگر گاندھی جی یہ اعلان کر دیں کہ قادیان اور اُس کے اردگرد کے علاقہ کے سب مسلمان ہندوستان واپس آ جائیں اور اُن کی جائیدادیں انہیں واپس دے دی جائیں گی اور انہیں امن سے وہاں زندگی گزارنے کی اجازت دی جائے گی تو پھر میں بیشک واپس آ سکتا ہوں۔

پھر ہمارا ایک وفد دہلی گیا تو مس مردولا سارا بائی نے کہا میں چاہتی تھی احمدیوں کی مدد کروں لیکن جب میں نے دیکھا کہ احمدی کشمیر میں لڑ رہے ہیں تو میں نے اِس خیال کو ترک کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے کہ اِسی عورت نے جس نے ہمارے کشمیر میں لڑنے پر خفگی کا اظہار کیا تھا خود لکھا ہے کہ بھارت کو چاہیے کہ کشمیر پاکستان کو واپس کر دے اور پنڈت نہرو نے اس کے متعلق تقریر میں کہا ہے کہ اِتنی ضدی عورت میں نے کوئی نہیں دیکھی۔ ہم نے اسے سمجھایا ہے اور پھر دھمکی بھی دی ہے کہ تمہیں نظر بند کر دیا جائے گا مگر وہ باز نہیں آتی۔ لیکن وہ عورت باز بھی کیسے آ سکتی ہے، وہ گاندھی جی کی چیلی ہے اور ہر وقت اُن کے پاس رہتی تھی۔

جب میں 1946ء میں گاندھی جی کو ملنے دہلی گیا تو ملاقات کے دوران میں دو عورتیں گاندھی جی کے پاس بیٹھی تھیں جن کا چہرہ میری باتوں پر غصہ سے سرخ ہو رہا تھا۔ جب وہ میرے پاس رتن باغ میں آئی تو میں نے اُس سے پوچھا کہ میری ملاقات کے وقت گاندھی جی کے پاس کونسی دو عورتیں بیٹھی ہوئی تھیں؟ اس نے کہا ایک تو میں تھی اور ایک ڈاکٹر عورت تھی۔ میں نے کہا پھر تم مجھ پر غصہ کیوں ہو رہی تھیں؟ انہوں نے کہا غصہ کیوں نہ ہوتی آپ میرے گُورُو[2] سے بحث کر رہے تھے۔ میں نے کہا گاندھی جی نے تو میری بات مان لی تھی پھر تمہارے غصہ ہونے کی کیا وجہ تھی؟ اُس نے کہا گاندھی جی نے بیشک آپ کی بات مان لی تھی لیکن ہم نے تو نہیں مانی تھی۔ بہرحال وہ عورت گاندھی جی کی دوست اور چیلی تھی اور ہندوستان میں بہت مقبول تھی لیکن اِس کے باوجود اس نے یہ لکھا ہے کہ

بخشی حکومت کو توڑ دیا جائے اور عبداللہ کی گورنمنٹ قائم کی جائے اور کشمیر کو آزاد کر دیا جائے۔اب اگر ہندوستان کی ایک باشندہ اور گاندھی جی کی دوست اِس قسم کا مشورہ دے سکتی ہے کہ کشمیر کو آزاد کر دیا جائے جس کے معنے یہ ہیں کہ اسے پاکستان کو واپس کر دیا جائے تو ایک پاکستانی اگر یہ مشورہ دے کہ قادیان اور اُس کے نواحی علاقے پاکستان کو دے دیئے جائیں تو اس میں کیا حرج ہے؟ زیادہ سے زیادہ اِس کے یہی معنے ہو سکتے ہیں کہ پنڈت نہرو اور اُن کی پارلیمنٹ اِس بارہ میں اپنا اختیار استعمال کرے۔اور اگر وہ اپنا اختیار استعمال نہیں کرتے تو وہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ غلط مشورہ ہے ہم اسے ماننے کے لیے تیار نہیں۔

بہرحال اِس بات پر غصہ ہونا اور یہ طعنہ دینا کہ ہم نے احمدیوں کو قتل نہیں کیا اور انہیں مارا نہیں درست نہیں۔

اِس موقع پر مجھے وہ واقعہ یاد آتا ہے کہ جب حضرت موسٰی علیہ السلام فرعون کے پاس خدا تعالیٰ کا پیغام پہنچانے گئے تو اس نے کہا کہ کیا تجھے یاد نہیں کہ تُو بچہ تھا اور ہم نے تیری پرورش کی؟ انہوں نے کہا اگر تُو نے مجھے بچپن میں پالا ہے تو کونسا احسان کیا ہے۔تم نے میری قوم کو سینکڑوں سال سے غلام بنایا ہوا ہے۔3 یہاں بھی یہی صورت ہے۔ بھارت کے سارے احمدی جو ہزاروں کی تعداد میں ہیں بھارتی حکومت کی خدمت کر رہے ہیں، اُسے ٹیکس ادا کر رہے ہیں اور مختلف ملازمتوں میں خدمت کر رہے ہیں۔اگر اِس کے بدلہ میں ہندوستان کی حکومت نے قادیان کے چند احمدیوں کو قتل نہیں کروایا یا مارا نہیں تو کیا احسان کیا ہے؟ فرعون کی طرح وہ یہ بات بھول گئے کہ وہاں بھارتی احمدیوں کی ہزاروں کی وفادار جماعت موجود ہے لیکن اپنی بات یاد رکھی کہ ہم نے قادیان کی جائیداد واگزار کر دی ہے اور احمدیوں کو قتل نہیں کیا۔کیا بھارتی احمدیوں کی خدمات کا یہ بدلہ دیا گیا ہے کہ اُن میں سے چند آدمیوں کی جانیں نہیں لی گئیں؟ کیا کوئی مہذب حکومت اِس بات کو برداشت کر سکتی ہے کہ وہ اپنی رعایا کو قتل کر دے؟ اِس سے تو وہ ساری دنیا میں بدنام ہو جائے گی۔ ہاں اُن کا یہ احسان ہے کہ انہوں نے میری کوٹھی دارالحمد جس کے ایک سَو چھوٹے بڑے کمرے ہیں اور کئی لاکھ کی جائیداد ہے ایک پناہ گزیں کو پندرہ روپیہ ماہوار کرایہ پر دے دی تھی۔ اگر وہ کوٹھی لاہور میں ہوتی بلکہ میں کہتا ہوں کہ وہ چنیوٹ میں بھی ہوتی تو پانچ چھ سو روپیہ کرایہ پر چڑھ جاتی۔ پھر انہوں نے چودھری ظفر اللہ خان صاحب

کی کوٹھی پانچ روپے کرایہ پر دے دی تھی۔ بعد میں انہوں نے کوٹھی تو خالی کرالی مگر یہ کہہ دیا کہ ہم نے اسے گورنمنٹ کے مہمانوں کے لیے وقف کر دیا ہے۔ یہ کونسا احسان ہے جو اِس وقت جتایا جا رہا ہے؟ ہندوستانی گورنمنٹ نے ہم پر کوئی احسان نہیں کیا۔ ہاں! ہم نے اُس کے موجودہ لیڈروں پر کئی احسان کیے ہیں۔ پھر اپنے ابتدائی دور میں خود کانگرس بھی ہم سے مدد حاصل کرتی رہی ہے۔ اگر وہ اِس بات کا انکار کرے تو میں اب بھی اِس بات کو ثابت کرنے کے لیے تیار ہوں۔ ڈاکٹر بھارگوا4 جو مشرقی پنجاب کے وزیراعلیٰ رہے ہیں ایک دفعہ میرے پاس آئے اور انہوں نے کانگرس کے انگریزی اخبار کے لیے مجھ سے مدد مانگی اور میں نے اُن کو مدد دی اور گو وہ اخبار جاری نہ ہوا یا جاری ہوا تو بعد میں بند ہو گیا مگر ہم نے اُن کو مدد دے دی۔ بہرحال ہم ہمیشہ کانگرس پر احسان کرتے رہے ہیں اور گاندھی جی اِس بات کو خوب جانتے تھے اور سمجھتے تھے کہ احمدیوں کے تعاون کے بغیر کام نہیں چلے گا۔

جب میں 1924ء میں ولایت گیا تو لوگوں نے مجھ سے کہا کہ آپ گاندھی جی سے کیوں نہیں ملے؟ آپ اُن سے مل لیں۔ اِس پر میں نے انہیں تار دی کہ میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔ وہ شریف آدمی تھے۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں اِس وقت دہلی میں ہوں اِس لیے آپ یہیں آ کر مجھ سے مل لیں۔ مجھے اطلاع مل چکی تھی کہ میری بیوی امۃ الحی مرحومہ بہت بیمار ہیں اس لیے میں دہلی نہیں جا سکتا تھا۔ میں نے انہیں لکھا کہ میں دہلی بعض وجوہات کی بناء پر نہیں ٹھہر سکتا۔ ہاں میرا جہاز بمبئی ٹھہرے گا۔ اگر بمبئی میں ملاقات کی صورت پیدا ہو جائے تو بہتر ہوگا۔ گاندھی جی نے میرا اِتنا لحاظ کیا کہ بمبئی آ گئے اور وہاں ہماری پہلی ملاقات ہوئی۔ بعد میں شملہ میں ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ مولانا محمد علی صاحب جوہر ابھی کانگرس میں ہی شامل تھے اُن کے بھائی مولانا شوکت علی صاحب مرحوم بہت جوشیلے تھے۔ جب گاندھی جی نے مجھ سے کہا کہ آپ کانگرس میں شامل کیوں نہیں ہوتے؟ تو میں نے انہیں جواب دیا کہ ہم تو مذہبی جماعت ہیں۔ لیکن اگر سیاست کا سوال ہو تو میں کانگرس میں کیسے شامل ہو سکتا ہوں؟ مسٹر محمد علی صاحب جناح کو آپ نے کانگرس سے صرف اس لیے نکال دیا ہے کہ انہوں نے کہہ دیا کہ میں کھدر نہیں پہنتا۔ وہ آپ سے اس بارہ میں متفق نہیں تھے۔ اُن کا خیال تھا کہ ملک مشینوں کے بغیر ترقی نہیں کر سکتا۔ جب آپ اِس قدر جبر کرتے ہیں تو میں کانگرس میں کس طرح شامل ہو سکتا ہوں؟ ہاں!! ہم آپ کی مدد کر سکتے ہیں بشرطیکہ آپ اِس بات کے لیے رستہ کھلا رکھیں کہ گو ہم

سیاسی جماعت نہیں مگر جب کبھی ہمیں کثرت حاصل ہو تو ہم کانگرس پر قبضہ حاصل کر سکیں۔ اس پر مولانا شوکت علی صاحب جو پاس ہی تھے مجھ سے جھگڑ پڑے۔ گاندھی جی نے اُنہیں چپ کرایا اور کہا اِنہوں نے جو کچھ کہا ہے درست کہا ہے۔ پھر گاندھی جی نے مجھ سے کہا آپ کانگرس کی اصلاح کا مشورہ دیں۔ میں نے کہا میرے پاس کانگرس کی کانسٹی ٹیوشن نہیں میں اِس کی اصلاح کا مشورہ کیسے دے سکتا ہوں؟ اُنہوں نے مجھ سے وعدہ کیا کہ میں کانسٹی ٹیوشن آپ کو بھیج دوں گا۔ لیکن بعد میں شاید وہ بھول گئے یا اُن کے سیکرٹری سے فروگزاشت ہوئی اور انہوں نے کانسٹی ٹیوشن مجھے نہ بھیجی۔ بہرحال انہوں نے اُس وقت مولانا شوکت علی سے کہا کہ آپ ناراض نہ ہوں یہ درست کہتے ہیں۔ جب تک انہیں یہ آزادی نہ ہو کہ وہ کسی وقت کثرت حاصل ہونے پر کانگرس پر قبضہ کر سکیں وہ کانگرس میں کیسے شامل ہو سکتے ہیں۔ میں نے اُنہیں یہی کہا تھا کہ جب تک یہ آزادی حاصل نہ ہو کانگرس آل انڈیا کانگرس نہیں کہلا سکتی۔ وہ ہندوستان کی اکثریت کی نمائندہ تو کہلا سکتی ہے مگر ہندوستان کی نمائندہ نہیں کہلا سکتی۔ ہندوستان کی نمائندہ کہلانے کی وہ تبھی مستحق ہو سکتی ہے جب ہندوستان کے تمام افراد کو اِس میں برابر کا حصہ لینے کا اختیار ہو۔

پھر یہی اخبار جس نے میری تقریر کو بگاڑ کر شائع کیا ہے اس کے بانی مہاشہ کرشن کے کیریکٹر اور ان کی لڑکی کے کیریکٹر پر ایک آریہ اخبار نے حملہ کیا تو اگرچہ یہ اخبار بیس سال سے ہمارا مخالف رہا تھا میں نے آریوں کی اِس حرکت پر احتجاج کیا اور لکھا کہ کسی شریف اور معزز آدمی کے گھر کے حالات شائع کرنا اور اُس پر گند اچھالنا اخلاق کے صریح خلاف ہے۔ میرے اِس احتجاج پر خود مہاشہ کرشن نے اِس مضمون کو اپنے اخبار میں شائع کیا اور ہمارے اِس نیک سلوک کی تعریف کی۔ اگر مہاشہ کرشن زندہ ہوں (اور میں نے سنا ہے کہ وہ زندہ ہیں) تو میں اُن سے پوچھتا ہوں کہ اُس زمانہ میں تو آپ نے ہماری تعریف کی تھی کہ ہم نے باوجود شدید مخالفت کے آپ کی تائید میں مضامین لکھے لیکن آج آپ اُس واقعہ کو بھول گئے اور آپ کا اخبار بجائے اِس کے کہ ہمارے لیے غیرت دکھائے ہم پر حملہ کرتا ہے۔ ہم نے تو ہندوستان کی حکومت سے صرف یہ کہا تھا کہ ہمیں ہر سال جلسہ سالانہ کے موقع پر قادیان جانے کی اجازت دے دیا کرو اور ہمارے جانے میں روک نہ ڈالا کرو اور میں نے ذکر کیا تھا کہ کئی سال سے ہندوستان کی حکومت نے ہمیں قادیان جانے کے لیے ویزا نہیں دیا۔ اِس سال جب

جلسہ سالانہ گزر گیا تو ہندوستان کی حکومت نے پاکستان کی گورنمنٹ کی معرفت ہمیں یہ اطلاع دی کہ اب ہم آپ لوگوں کو ویزا دینے کے لیے تیار ہیں لیکن اُس وقت قادیان کا جلسہ سالانہ گزر چکا تھا اور اس سہولت سے ہم کوئی فائدہ نہیں اُٹھا سکتے تھے۔ میں نے یہ کہا تھا کہ جب پاکستان کی گورنمنٹ سینکڑوں سِکھوں کو جو احمدیوں سے طاقتور ہیں ننکانہ صاحب آنے کی اجازت دے دیتی ہے تو کیا وجہ ہے کہ ہندوستانی حکومت احمدیوں کو جو سِکھوں سے کمزور ہیں اور اِن سے اُسے کوئی خطرہ نہیں اپنے ملک میں جانے کے لیے ویزا نہیں دیتی؟ جبکہ ہماری پالیسی یہ ہے کہ ہم کسی غیر حکومت کے خلاف اپنی حکومت کے پاس بھی کوئی رپورٹ نہیں کرتے۔

بہر حال ہمارے پاس کوئی طاقت نہیں خدا تعالیٰ ہی قادیان کا رستہ کھول دے تو کھول دے۔ اب اگر خدا تعالیٰ نے قادیان کا رستہ کھول دیا تو پنڈت نہرو اور اُن کی حکومت کیا کر سکتی ہے۔ لیکن اگر وہ خوشی سے ایک کمزور اور امن پسند جماعت کے افراد کو اُن کے مذہبی مرکز میں جانے کی اجازت دے دیا کرے تو اُس کی یہ حرکت دنیا میں اُس کی عزّت کا موجب ہوگی۔ اور اگر وہ ایسا نہیں کرے گی تو وہ دنیا کی نظروں میں ذلیل ہوگی۔ بہر حال مظلوم اور کمزور کی مدد دنیا کیا ہی کرتی ہے۔

میں جب علاج کے لیے انگلستان گیا تو رستہ میں شام میں کچھ دیر کے لیے ٹھہرا۔ وہاں ایک عورت مجھے ملنے کے لیے آئی۔ اُس نے بتایا کہ حکومتِ اسرائیل میرے خاوند کو یہاں آنے نہیں دیتی۔ اس کے بعد جب میں انگلستان گیا تو ایک اخبار کا نمائندہ مجھے ملنے کے لیے آیا۔ اُس اخبار کی اشاعت دس لاکھ تھی اور اب دس لاکھ سے بھی زیادہ ہے۔ اُس سے میں نے سرسری ذکر کیا تو اُس نے کہا یو۔این۔او میں میرے تعلقات ہیں، اگر آپ کوائف مہیا کر دیں تو میں اسرائیل گورنمنٹ سے جواب طلب کرواؤں گا۔ میں نے کہا میں کوائف تو مہیا کر سکتا ہوں مگر میں سیاسی آدمی نہیں ہوں اور کسی قوم سے میں ٹکّر لینا نہیں چاہتا۔ ہمارا خدا موجود ہے اگر وہ مدد دینا چاہے تو اسرائیل کی حکومت کو ہی نرم کر سکتا ہے اور اس طرح ناجائز قسم کی پابندیاں اٹھائی جاسکتی ہیں۔

اِسی طرح اگر اللہ تعالیٰ پنڈت نہرو اور ان کی حکومت کو نرم کر دے اور ان کے دلوں پر اثر ڈال دے اور وہ احمدیوں سے نیک سلوک کرنے لگ جائیں تو پرتاپ کیا کر سکتا ہے۔ لیکن اگر پرتاپ کے ایڈیٹر کو اس بات کا خیال ہے کہ وہ حکومت کو ہمارے خلاف اُکسا کر ہمارے لیے مشکلات پیدا کرنے

میں کامیاب ہو جائے گا تو اُسے یاد رکھنا چاہیے کہ جماعت احمدیہ خدا تعالیٰ کی قائم کردہ جماعت ہے۔ پرتاپ جس حکومت کے کھونٹے پر ناچ رہا ہے اُس کی گردن بھی اُسی طرح خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے جس طرح ایک کمزور سے کمزور انسان کی گردن۔ وہ اپنے ملک سے غداری کر رہا ہے اور اُسے خدا تعالیٰ سے لڑا رہا ہے اور اُس کا ملک یقیناً خدا تعالیٰ کے مقابلہ میں شکست کھائے گا جیتے گا نہیں۔ فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام سے لڑنے کے لیے تیار ہو گیا تھا تو کیا وہ جیت گیا تھا؟ جیتے حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی تھے اور شکست فرعون کو ہی نصیب ہوئی تھی۔ اِسی طرح اگر بھارت پرتاپ کے کہنے پر خدا تعالیٰ سے لڑائی کرنے کے لیے تیار ہو گیا تو اُسے اس کے مقابلہ میں حقیر چُوہے کی طرح گرنے کے لیے بھی تیار رہنا چاہیے۔ بہرحال پرتاپ اپنے ملک سے غداری کر رہا ہے اور ہندوستان کی حکومت کو خدا تعالیٰ سے لڑانا چاہتا ہے۔ اور اگر ہندوستان کی حکومت پرتاپ کی بات مان لے گی تو وہ یاد رکھے خدا تعالیٰ کی غیرت بھڑکے گی اور اُس کی فوجیں میدان میں اُتر آئیں گی۔ ہندوستان کی آبادی گو پینتالیس کروڑ کی ہے لیکن خدا تعالیٰ کا ایک فرشتہ بھی اِس ساری آبادی پر غالب آ سکتا ہے۔ پس اگر خدا تعالیٰ فرشتوں کی فوجیں نازل نہ کرے صرف ایک فرشتہ ہی اُتار دے تو وہ بھارت کو غارت کر دے گا۔ عاد اور ثمود کی عظیم قومیں خدا تعالیٰ کی جماعتوں سے ٹکرائیں تو کیا وہ قائم رہیں؟ خدا تعالیٰ نے اُنہیں تباہ کر کے رکھ دیا۔ پھر بھارت کی خدا تعالیٰ کے سامنے حیثیت ہی کیا ہے۔ اگر اس نے سر اٹھایا تو اس کا حشر بھی عاد اور ثمود کا سا ہو گا۔ بہار میں جب زلزلہ آیا تو اُس وقت کانگرس موجود تھی۔ پھر کیا اُس نے بہار کو بچا لیا تھا؟ پنجاب میں زلزلہ آیا تو کیا اُس وقت کانگرس نے پنجاب کو بچا لیا تھا؟ اب بھی اگر خدا تعالیٰ کوئی زلزلہ بھیج دے تو بھارت کو کون بچا سکتا ہے؟ خدا تعالیٰ کے غضب سے صرف ایک ہی چیز بچا سکتی ہے اور وہ استغفار اور ظلم سے اجتناب کرنا ہے۔ اگر ہندوستان کو یہ خیال ہے کہ اُس کے ساتھ بڑی طاقتیں ہیں تو یہ بات اُسے فائدہ نہیں دے سکتی۔ اگر ساری دنیا بھی اُس کے ساتھ ہو تب بھی وہ بچ نہیں سکتا۔ خدا تعالیٰ بڑی سے بڑی طاقت کے بھی ٹکڑے ٹکڑے کر سکتا ہے۔ مثلاً روس اگر چاند پر راکٹ پھینکنے میں کامیاب بھی ہو جائے تو کیا ہوا۔ جس خدا نے چاند اور دوسرے سیاروں کو پیدا کیا ہے وہ روس کو بھی تباہ کر سکتا ہے۔ بہرحال خدا تعالیٰ کا مقابلہ اچھا نتیجہ نہیں پیدا کیا کرتا۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر غالب ہے، زمین اور آسمان اُس کی مُٹھی میں ہیں اور روس تو دنیا کا ایک چھوٹا سا حصہ ہے۔ وہ تو چاند پر

راکٹ پھینکنے پر فخر کر رہا ہے لیکن خدا تعالیٰ کی مٹھی میں سب چیزیں ہیں۔ وہ چاند اور دوسرے سیاروں کو بھی پیس سکتا ہے اور جب وہ چاند اور دوسرے سیاروں کو بھی پیس سکتا ہے تو وہ کسی ملک کو بھی، چاہے وہ روس ہی ہو پیس سکتا ہے۔

پس کسی طاقت کی مدد پر ہندوستان کا غرور اور فخر کرنا لغو بات ہے۔ اگر مشرق اور مغرب کی تمام طاقتیں بھی بھارت کی مدد کریں تو وہ خدا تعالیٰ کے مقابلہ میں جیت نہیں سکتا۔ وہ اس کے مقابلہ میں بہرحال تباہ ہوگا۔ اُس کے لیے تباہی سے بچنے کا صرف ایک ہی رستہ ہے کہ وہ کمزوروں پر ظلم نہ کرے اور اُن کے مذہبی معاملات میں دخل نہ دے۔ بہرحال خدا کے مقابلہ میں اپنے ملک کی حکومت کو کھڑا کرنا اُس سے غداری کرنے کے مترادف ہے۔ پرتاپ ہم پر اعتراض کر رہا ہے لیکن دراصل وہ اپنی حکومت کو خدا کے مقابلہ میں کھڑا کر رہا ہے۔ ہم ہندوستان کے دشمن نہیں پرتاپ ہندوستان کا دشمن ہے جو اُسے ایسے مقام پر کھڑا کرنا چاہتا ہے جہاں وہ خدا تعالیٰ کے عذاب سے بچ نہیں سکتا۔ میں پرتاپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ میرے احسان کو یاد رکھے اور جماعت کے خلاف غلط پروپیگنڈا کرنے سے باز آئے۔ جیسا کہ میں نے بتایا ہے جب آریوں نے اس پر رکیک حملے کیے تھے تو میں نے اُن کے خلاف احتجاج کیا تھا۔ اب پرتاپ اِس بات کو تو بھول گیا اور اسے صرف یہ بات یاد رہ گئی کہ ہم نے قادیان میں احمدیوں کو قتل نہیں کیا۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سنایا کرتے تھے کہ کسی کے ہاں کوئی مہمان آیا۔ میزبان نے مہمان کی بہت خاطر مدارات کی اور کہا آپ کا یہ احسان تھا کہ آپ میرے گھر آئے اور مجھے خدمت کا موقع دیا لیکن مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کی پوری خدمت نہیں کر سکا۔ مہمان کہنے لگا آپ مجھ پر اتنا احسان نہ جتائیں آپ نے مجھ پر کوئی احسان نہیں کیا۔ میں نے آپ پر احسان کیا ہے۔ جب آپ میرے لیے کھانا لینے جاتے تھے تو اُس وقت اگر میں آپ کے گھر کو آگ لگا دیتا تو آپ کیا کر سکتے تھے؟ اِسی طرح پرتاپ ہمارے احسانات کو تو بھول گیا اور اسے صرف یہ بات یاد رہی کہ ہم نے قادیان والوں کو قتل نہیں کیا"۔ (الفضل 17 جنوری 1959ء)

1: مِس مردولا سارابائی (Mirdula Sarabhai): 1911ء-1974ء۔ ہندوستان کی آزادی کی سرگرم رکن اور سیاستدان۔ ان کا تعلق احمد آباد ہندوستان کی سارابائی انڈسٹریلسٹ فیملی سے تھا۔ (وکی پیڈیا۔ زیر لفظ "Mirdula Sarabhai")

2: گُورُو: گُر و: (ہندو) پنڈت، استاد، مہاتما، محترم، معزز، مذہبی پیشوا، گھر کا بزرگ
(اردو لغت تاریخی اصول پر جلد 15 صفحہ 18 کراچی 1994ء)

3: فَأْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۝ قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا وَّ لَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ ۝ وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِيْ فَعَلْتَ وَاَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ قَالَ فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّ اَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ ۝ فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِيْ رَبِّيْ حُكْمًا وَّ جَعَلَنِيْ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ وَ تِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۝ (الشعراء: 17 تا 23)

4: ڈاکٹر بھارگو: (گوپی چند بھارگوا۔Gopi Chand Bhargava) پیدائش 1889ء وفات 1966ء۔ بھارتی پنجاب کا پہلا وزیر اعلیٰ جو 15/اگست 1947ء سے 13 اپریل 1949ء تک وزیر اعلیٰ رہے۔ بعد ازاں 18/اکتوبر 1949ء سے 20 جون 1951ء تک دوسری مرتبہ اور پھر 21 جون 1964ء سے 6 جولائی 1964ء تک تیسری مرتبہ وزیر اعلیٰ رہے۔ وہ کانگرس کے ممبر تھے۔ (وکی پیڈیا زیر لفظ ''Gopi Chand Bhargava'')

38

ہمارا خدا زندہ خدا ہے وہ پہلے کی طرح اب بھی اپنے نشانات دکھا رہا ہے اور آئندہ بھی دکھاتا رہے گا

معجزات اور نشاناتِ سماوی کے بغیر ایمان محض رسم اور قصہ کہانی بن کر رہ جاتا ہے

(فرمودہ 16 جنوری 1959ء بمقام ربوہ)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل آیت قرآنیہ کی تلاوت فرمائی: قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ۙ-1

اس کے بعد فرمایا:

”قرآن کریم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ واقعہ آتا ہے کہ جب انہوں نے دیکھا کہ بُتوں کے پجاری شرک سے باز نہیں آتے اور ان کی ہر نصیحت بیکار جا رہی ہے تو انہوں نے ایک دن موقع پا کر سوائے بڑے بُت کے باقی تمام بُتوں کو توڑ پھوڑ دیا۔2 جب لوگوں کو اپنے بُتوں کی تباہی کا علم ہوا تو انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ یہ کس شخص کا کام ہو سکتا ہے۔ بعض لوگوں نے بتایا کہ ایک نوجوان ہے جس کا نام ابراہیم ہے۔ وہ ہمارے بُتوں کے خلاف باتیں کیا کرتا ہے۔ یہ کام اُسی کا ہو سکتا ہے۔ اس پر لوگوں نے فیصلہ کیا کہ آگ جلا کر حضرت ابراہیمؑ کو اس میں ڈال دیا جائے

اور اس طرح اپنے بُتوں کی مدد کی جائے۔ چنانچہ انہوں نے آگ جلائی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اُس میں ڈال دیا۔3 اِس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا یٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰۤى اِبْرٰهِيْمَ اے آگ! تُو ابراہیم کے لیے ٹھنڈی بھی ہو جا اور اس کے لیے سلامتی کا باعث بھی بن جا۔

حضرت خلیفہ اوّل اِس آیت کے یہ معنٰی کیا کرتے تھے کہ خدا تعالیٰ نے اُن کی مخالفت کی آگ کو ٹھنڈا کر دیا تھا۔4 مجھے یاد ہے 1903ء میں جب ایک شخص عبدالغفور نے جو اسلام سے مرتد ہو کر آریہ ہو گیا تھا اور اُس نے اپنا نام دھرم پال رکھ لیا تھا ''ترکِ اسلام'' نامی کتاب لکھی تو حضرت خلیفہ اوّل نے اُس کا جواب لکھا جو ''نورالدین'' کے نام سے شائع ہوا۔ یہ کتاب غالباً سیر میں روزانہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سنائی جاتی تھی۔ میری عمر اُس وقت کوئی پندرہ سال کی تھی لیکن میں بھی سیر میں ساتھ جایا کرتا تھا۔ مجھے یاد ہے حضرت خلیفہ اوّل زیادہ تیز نہیں چل سکتے تھے۔ یوں تو آپ کی صحت بہت اچھی تھی اور آپ کے قوٰی بڑے مضبوط تھے مگر معلوم ہوتا ہے کہ کوئی خلقی نقص تھا جس کی وجہ سے آپ چلنے میں کمزور تھے۔ سیر میں آپ بعض دفعہ پیچھے رہ جاتے تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے مولوی نورالدین صاحب کہاں ہیں؟ اِس پر آپ دوڑتے ہوئے آتے۔ جلدی میں آپ کی پگڑی گر جاتی اور آپ دوڑتے ہوئے پگڑی باندھتے جاتے اور جُوتی گھسیٹتے چلے جاتے۔ پس گو مجھے پوری طرح یاد نہیں مگر میرا خیال ہے کہ یہ کتاب کوئی اَور شخص حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو سنایا کرتا تھا غالباً شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی یا مفتی محمد صادق صاحب یہ کتاب سنایا کرتے تھے (مفتی محمد صادق صاحب نے اپنی روایات میں لکھا ہے کہ وہ یہ کتاب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو شام کی مجلس میں سنایا کرتے تھے مگر مجھے یہی یاد ہے کہ یہ کتاب سیر میں آپ کو سنائی جاتی تھی)۔ جب دھرم پال کا یہ اعتراض آیا کہ اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے آگ ٹھنڈی ہوئی تھی تو دوسروں کے لیے کیوں نہ ہوئی اور اِس پر حضرت خلیفہ اوّل کا یہ جواب سنایا گیا کہ اِس جگہ ''نار'' سے ظاہری آگ مُراد نہیں بلکہ مخالفت کی آگ مُراد ہے تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اِس تاویل کی کیا ضرورت ہے؟ مجھے بھی خدا تعالیٰ نے ابراہیم کہا ہے۔ اگر لوگوں کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے آگ کس طرح ٹھنڈی ہوئی تو وہ مجھے آگ میں ڈال کر دیکھ

لیں کہ آیا میں اس آگ میں سے سلامتی کے ساتھ نکل آتا ہوں یا نہیں؟5

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اِس جرح کی وجہ سے میں نے جہاں کہیں قرآن کریم کی اِس آیت کی تفسیر کی ہے میں نے یہ نہیں لکھا کہ خدا تعالیٰ نے مخالفت کی آگ کو ٹھنڈا کر دیا تھا بلکہ میں نے بھی لکھا ہے کہ مخالفوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا تھا لیکن وہ آگ ٹھنڈی ہوگئی۔ اور چونکہ اللہ تعالیٰ دنیا میں اسباب سے بھی کام لیا کرتا ہے اس لیے ممکن ہے اُس وقت بادل آ گیا ہو اور بارش ہوگئی ہو جس کی وجہ سے آگ بجھ گئی ہو۔ بہرحال ہمارا ایمان یہی ہے کہ دشمنوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے واقع میں آگ جلائی لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسے سامان کیے کہ جن کی وجہ سے اُن کی تدبیر کارگر نہ ہوئی اور آپ آگ سے محفوظ رہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عادت تھی کہ جب سلسلہ پر کوئی مشکل وقت آتا آپ بچوں کو بھی کہہ دیتے کہ دُعائیں کرو اور استخارہ کرو۔ غالباً لیکھرام کے متعلق جب آریوں نے شور مچایا اور تلاش کے لیے لیمارچنڈ سپرنٹنڈنٹ پولیس آیا تو اُس سے پہلے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو شُبہ پیدا ہو گیا تھا کہ چونکہ آریوں نے شور مچایا ہے اِس لیے کوئی نہ کوئی فتنہ پیدا ہونے کا احتمال ہے۔ چنانچہ اُس وقت مجھے بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ استخارہ کرو۔ اُس وقت میری عمر بہت چھوٹی تھی۔ چونکہ لیکھرام کا قتل 1897ء میں ہوا ہے اس لیے میں قریباً آٹھ نو سال کا تھا۔ بہرحال مجھے بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا کہ استخارہ کرو۔ چنانچہ میں نے دُعا کی تو میں نے رؤیا میں دیکھا کہ میں باہر سے گھر میں آیا ہوں۔ ہمارے مکان کی جو ڈیوڑھی تھی وہ اُس وقت وہاں نہیں ہوتی تھی جہاں قادیان سے آتے وقت تھی بلکہ وہ اُس وقت مرزا سلطان احمد صاحب کے گھر کے زیادہ قریب تھی۔ میں اُس میں سے داخل ہوا تو میں نے دیکھا کہ آگے تمام پولیس کے سپاہی کھڑے ہیں۔ پولیس والے مجھے اندر جانے سے روکتے ہیں مگر میں اُن کے روکنے کے باوجود اندر چلا گیا۔ ہمارے مکان میں ایک تہہ خانہ ہوا کرتا تھا جو ہمارے دادا صاحب مرحوم نے گرمیوں میں آرام کرنے کے لیے بنوایا تھا اور اس میں سیڑھیاں اُترا کرتی تھیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اِس خیال سے کہ بچے اندر جا کر کھیلتے ہیں اور اندھیری جگہ ہونے کی وجہ سے سانپ بچھو کا خطرہ ہوسکتا ہے اُس کی سیڑھیاں نصف تک بند کرا دی تھیں اور باقی حصہ میں عام طور پر گھر کی ردّی اشیاء رکھی

جاتی تھیں۔ میں نے دیکھا کہ پولیس والوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کھڑا کیا ہوا ہے اور آپؑ کے سامنے اوپلوں کا ڈھیر لگا دیا گیا ہے۔ پولیس والے آتے ہیں اور اوپلوں کو آگ لگانے کی کوشش کرتے ہیں۔ میں یہ دیکھ کر خواب میں بہت گھبرایا کہ اب کیا ہوگا۔ اتنے میں کسی شخص نے اشارہ کیا کہ اوپر دیکھو۔ میں نے اوپر دیکھا تو دہلیز کے اوپر لکھا ہوا تھا کہ جو خدا کے بندے ہوتے ہیں آگ اُن پر کوئی اثر نہیں کرسکتی۔ پھر میں نے دیکھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے زور سے اپنا ہاتھ مارا اور تمام اوپلے گر گئے اور آپ اُس میں سے باہر نکل آئے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بھی ایک الہام ہے کہ ''آگ سے ہمیں مت ڈرا آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی غلام ہے''۔6 آج جب میں نے حضرت خلیفہ اوّل کی کتاب ''نورالدین'' منگوائی اور اُس میں سے دھرمپال کے اِس اعتراض کا جواب سنا اور حضرت خلیفہ اوّل کے الفاظ دیکھے کہ تم ہمارے امام کو آگ میں ڈال کر دیکھ لو یقیناً خدا تعالیٰ اپنے وعدہ کے مطابق اُسے اِس آگ سے اُسی طرح محفوظ رکھے گا جس طرح اُس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو محفوظ رکھا7 تو مجھے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے یہ الفاظ یاد آ گئے کہ ہمیں بھی خدا تعالیٰ نے ابراہیم کہا ہے۔ اگر لوگوں کو اِس آگ کے ٹھنڈا ہونے میں کوئی شُبہ ہے تو وہ مجھے آگ میں ڈال کر دیکھ لیں کہ آگ ٹھنڈی ہوتی ہے یا نہیں۔

چنانچہ جیسے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں بارش برسا کر یا ہوا چلا کر اُس آگ کو ٹھنڈا کر دیا تھا اُسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے انگریزوں کو بھیج کر اس آگ کو ٹھنڈا کیا ہوا تھا۔ بیشک حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ چیلنج دیا تھا کہ یہ لوگ مجھے آگ میں ڈال کر دیکھ لیں مگر مخالف اِس بات سے ڈرتے تھے کہ اگر ہم نے ایسا کیا تو گورنمنٹ ہمیں پھانسی پر لٹکا دے گی۔ ہاں! ان لوگوں نے گورنمنٹ کے ذریعہ آپ کے مکان کی تلاشی کا انتظام کیا کہ شاید کوئی قابلِ اعتراض خط مل جائے جس کی وجہ سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف چارہ جوئی کی جا سکے۔ مجھے یاد ہے سپرنٹنڈنٹ پولیس لیمارچنڈ جب کمرہ سے باہر نکلا تو چونکہ اُس کا قد بہت لمبا تھا اور پھر اُس نے سولا ہیٹ8 پہنی ہوئی تھی جو بہت اونچی ہوتی ہے اس لیے اُس کا سر بڑے زور سے دہلیز سے ٹکرایا اور وہ لڑکھڑا کر گرنے لگا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

نے فرمایا آپ کچھ دیر آرام کرلیں میں آپ کے لیے دودھ منگواتا ہوں۔ اُس نے کہا نہیں نہیں، میں ڈیوٹی پر آیا ہوں اس لیے میں ایسا نہیں کر سکتا۔

مجھے یاد ہے ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چھوٹی مسجد میں یہ واقعہ سنایا اور فرمایا دیکھو! انگریزوں میں اپنی ڈیوٹی کا کیسا احساس پایا جاتا ہے۔ اگر کوئی ہندوستانی ہوتا تو فوراً مان جاتا بلکہ وہ خود کہتا کہ مجھے کچھ دودھ وغیرہ منگوا دیں لیکن لیمار چنڈ انگریز تھا اُس نے کہا میں آپ کی تلاشی کے لیے آیا ہوں اور گورنمنٹ کی طرف سے ڈیوٹی پر ہوں اس لیے میرے لیے جائز نہیں کہ آپ کے گھر سے کوئی چیز لے کر کھاؤں۔ حکیم محمد عمر صاحب بھی اُس مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے اور چونکہ وہ بڑبولے واقع ہوئے ہیں جب مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ لیمار چنڈ کا سر دہلیز سے ٹکرایا تو حکیم صاحب فوراً بول پڑے کہ حضور! اُس کے سر سے خون بھی نکلا تھا یا نہیں؟ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہنس پڑے اور فرمایا حکیم صاحب! میں نے اُس کی ٹوپی اُٹھا کر نہیں دیکھا تھا کہ اُس کے سر میں سے خون بھی نکلا ہے یا نہیں؟

اب دیکھ لو! حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ تک حضرت ابراہیم علیہ السلام کو گزرے چار ہزار سال ہو چکے تھے مگر چونکہ آپ کا بھی ابراہیم ہونے کا دعوٰی تھا اس لیے گو دشمنوں نے آپ کے لیے ہر قسم کی آگ بھڑکائی، آپ کے مکان کی تلاشی لی اور پوری کوشش کی کہ کسی طرح آپ پر کوئی الزام لگے اور آپ گرفتار ہو جائیں لیکن اُن کی کوئی کوشش کامیاب نہ ہو سکی۔ لاہور میں ایک ڈپٹی برکت علی خان صاحب تھے جو شاہ جہان پور کے رہنے والے تھے اور مسلمانوں کے بہت خیر خواہ تھے۔ آریوں نے مشہور کر دیا تھا کہ ڈپٹی صاحب کے گھر میں لیکھرام کا قاتل چُھپا ہوا ہے۔ اُس زمانہ کے ایک دوست اب بھی موجود ہیں اُن کی عمر اَسّی سال کے قریب ہے اور وہ انڈیا میں ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ آف پولیس بھی رہ چکے ہیں۔ وہ مری میں مجھ سے ملنے آئے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ میں اُن دنوں سب انسپکٹر پولیس تھا اور لاہور میں تھا۔ میں نے سنا کہ سپرنٹنڈنٹ پولیس نے ڈپٹی صاحب کی کوٹھی کے اردگرد گھیرا ڈالا ہوا ہے۔ میں بھی وہاں گیا اور دیکھا کہ ہزاروں مسلمان جوش میں وہاں کھڑے ہیں۔ وہ سمجھتے تھے کہ جس شخص نے بھی لیکھرام کو قتل کیا ہے اُس نے اسلام کی خدمت کی ہے اس لیے وہ جوش میں وہاں کھڑے تھے اور کہہ رہے تھے کہ ہم سب قتل ہو جائیں گے لیکن ڈپٹی صاحب کے

گھر میں پولیس کو گھسنے نہیں دیں گے۔ ڈپٹی صاحب بڑے نرم دل تھے۔ وہ باہر نکلے اور انہوں نے کہا نہیں صاحب! قاتل میرے گھر میں نہیں گھسا۔ پھر انہوں نے قسم کھائی تب جا کر لوگ ٹھنڈے ہوئے۔ پھر پولیس اندر داخل ہوئی اور اُس نے تلاشی لی تو وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ دراصل لیکھرام کو کسی آدمی نے نہیں مارا تھا کہ وہ ڈپٹی برکت علی خان صاحب کے گھر میں گھستا بلکہ اُسے فرشتے نے مارا تھا اور وہ کہاں پکڑا جا سکتا تھا۔ پہلے میں سمجھتا تھا کہ "برکت علی محمڈن ہال" اُن ملک برکت علی صاحب کے نام پر ہے جو مسلم لیگ کے سیکرٹری تھے لیکن ان ریٹائرڈ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس نے مجھے مری میں بتایا کہ یہ ہال اُن برکت علی خان صاحب کے نام پر ہے جن کے زمانہ میں لیکھرام کا واقعہ ہوا تھا۔

تو اللہ تعالیٰ ہر زمانہ میں اپنے نشانات دکھاتا ہے۔ پہلے زمانہ میں بھی وہ نشانات دکھاتا رہا ہے، اب بھی دکھا رہا ہے اور آئندہ بھی دکھاتا رہے گا۔ ہمارا خدا زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔ اُس پر نہ کبھی اونگھ آتی ہے، نہ نیند آتی ہے، نہ موت آتی ہے اور نہ کمزوری آتی ہے۔ اس خدا کے نشانات نہ کبھی کم ہوئے ہیں اور نہ کم ہوں گے۔ بیوقوف سمجھتے ہیں کہ وہ نشانات حضرت آدم علیہ السلام یا حضرت نوح علیہ السلام یا حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ختم ہو گئے حالانکہ وہ نشانات نہ حضرت آدم علیہ السلام پر ختم ہوئے ہیں، نہ حضرت نوح علیہ السلام پر ختم ہوئے ہیں، نہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ختم ہوئے ہیں، نہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ختم ہوئے ہیں، نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ختم ہوئے ہیں اور نہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوئے ہیں وہ نشانات قیامت تک چلتے چلے جائیں گے اور لوگوں کے ایمانوں کو تازہ کرتے رہیں گے۔ اگر خدا تعالیٰ کے معجزات، نشانات اور تائیداتِ سماوی مِٹا دی جائیں تو ایمان صرف رسمی اور قصہ کہانی بن کر رہ جائے اور قصہ کہانیوں کا ایمان انسان کو کوئی فائدہ نہیں دیتا۔ ایمان اُسی وقت فائدہ دیتا ہے جب وہ یقین کی حد تک پہنچ جائے اور اُسے یقین کی حد تک پہنچانا خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہے بندہ کے اختیار میں نہیں۔ اللہ تعالیٰ جس پر مہربانی کرے اُس کو یقینِ کامل حاصل ہو جاتا ہے اور جس کو اللہ تعالیٰ کی نُصرت نہ ملے اُس کو باوجود قرآن کریم کے پڑھنے اور ظاہری ایمان حاصل ہونے کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سا ایمان حاصل نہیں ہوتا۔ وہ اس دنیا میں اندھا ہی آتا ہے اور اندھا ہی اِس دنیا سے رُخصت ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ رحم کرے تو اس کی بخشش ہو سکتی ہے ورنہ وہ اپنے زور سے کسی بخشش کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ پس اللہ تعالیٰ سے دُعائیں کرتے رہنا چاہیے کہ وہ

ہمیں صرف اپنے نشانات ہی نہ دکھائے بلکہ اپنے نشانات پر علمِ یقین بھی پیدا کرے۔خالی نشان دیکھنا کوئی چیز نہیں۔

دیکھو! حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ کس قدر نشانات دکھائے گئے۔آپ فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے اِس بات کو ثابت کرنے کے لیے کہ میں اُس کی طرف سے ہوں اِس قدر نشان دکھلائے ہیں کہ اگر وہ ہزار نبی پر بھی تقسیم کیے جائیں تو اُن کی بھی اِن سے نبوت ثابت ہوسکتی ہے۔9

مگر اتنے بڑے نشانات کے باوجود آپ کے بعض ماننے والے ہی آپ سے منحرف ہو گئے۔اس لیے کہ انہوں نے نشانات تو دیکھے مگر حق الیقین تک اُن کی نوبت نہیں پہنچی تھی۔انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مانا اور پھر ڈگمگا گئے۔پس اللہ تعالیٰ سے دُعائیں کرتے رہنا چاہیے کہ وہ ہمیں یقینِ کامل عطا فرمائے اور ہمیں موت دے تو صالحین والی موت دے۔ حضرت یوسف علیہ السلام سے بڑھ کر کون ایماندار ہوگا؟ آپ نے اللہ تعالیٰ کے بڑے نشانات دیکھے تھے مگر پھر بھی آپ فرماتے ہیں فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۟ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ 10 یعنی اے زمین و آسمان کو پیدا کرنے والے خدا! تُو ہی دنیا اور آخرت میں میرا دوست اور مددگار ہے۔اس لیے میری تجھ سے التجا ہے کہ تُو مجھے اپنی کامل فرمانبرداری کی حالت میں وفات دیجیو اور پھر ایسی حالت میں موت دیجیو کہ میں صالحین کے طبقہ میں شامل ہو جاؤں۔انسان کو ہمیشہ یہ دعا مانگتے رہنا چاہیے تاکہ اللہ تعالیٰ اُس کا انجام بخیر کرے اور اِس دنیا میں بھی خدا تعالیٰ کی تائید اُسے حاصل ہو اور آخرت میں بھی وہ اس کے ساتھ ہو''۔ (الفضل 4 فروری 1959ء)

---

1 : الانبیاء: 70

2 : فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ۝ (الانبیاء: 59)

3 : قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ۝ (الانبیاء: 69)

4 : نورالدین مؤلفہ حضرت حکیم مولوی نورالدین صاحب صفحہ 146 سوال نمبر 65۔27 فروری 1904ء مطبع ضیاء الاسلام قادیان۔

5: تفسیر بیان فرمودہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود و مہدی معہودؑ سورۃ الانبیاء آیت 70
قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِي بَرْدًا.... جلد 3 صفحہ 260، 261

6: تذکرۃ صفحہ 324 ایڈیشن چہارم 2004ء

7: **نورالدین** سوال نمبر 5 صفحہ 146۔ 27 فروری 1904ء مطبع ضیاء الاسلام قادیان

8: **سولا ہیٹ**: ایک خاص طرز کا انگریزی ٹوپ جو سولا کی لکڑی کے گُدے سے بنایا جاتا ہے۔ اس میں کنارے چھجے کی طرح باہر کو نکلے ہوتے ہیں تاکہ دھوپ سے محفوظ رہا جاسکے۔ (اردو لغت تاریخی اصول پر۔ جلد 12 صفحہ 184 کراچی 1991ء)

9: چشمۂ معرفت روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 332 کمپیوٹرائزڈ ایڈیشن 2008ء

10: یوسف: 102

(39)

نکاح دنیوی لحاظ سے سب سے بڑا عقد ہے جو مرد اور عورت دونوں پر بعض اہم ذمہ داریاں عائد کرتا ہے

اِس عقد میں خاوند اور بیوی دونوں کے والدین اور عزیزوں کے ساتھ حُسنِ سلوک کا عہد بھی شامل ہے

(فرمودہ 23 جنوری 1959ء بمقام ربوہ)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل آیت قرآنیہ کی تلاوت فرمائی:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ۔1

اس کے بعد فرمایا:

''سورۃ مائدہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایک نہایت ضروری امر کی طرف توجہ دلائی ہے۔ وہ فرماتا ہے اے مومنو! تم اپنے عقود کو پورا کرو۔ یوں تو ہر مومن اپنے وعدہ کا پابند ہوتا ہے مگر عقد میں وعدہ سے زیادہ پختگی ہوتی ہے اور پھر وہ بعض شرائط کے ساتھ مشروط ہوتا ہے۔ یہ عقود دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک دینی اور دوسرے دنیوی۔ دینی عقد تو یہ ہے کہ ہر شخص مسلمان ہوتے وقت یہ کہتا ہے کہ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔

یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ گویا ایک مسلمان اسلام قبول کرتے وقت ساری دنیا کو بتا دیتا ہے کہ میرا یہ عقیدہ ہے۔ پس اس کے بعد جو شخص بھی اُس کے ساتھ یہ معاملہ کرتا ہے وہ یہ یقین رکھ کر کرتا ہے کہ وہ خدا کو ایک سمجھتا ہے۔ پھر خدا تعالیٰ کو ایک سمجھنے کے علاوہ وہ یہ بھی کہتا ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ کا بندہ اور اُس کا رسول سمجھتا ہوں۔ گویا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تعلیم دی ہے اُسے میں پوری طرح مانتا ہوں۔ اس کے بعد ہر شخص کو اُس کے ساتھ معاملہ کرتے وقت یہ پتا ہوتا ہے کہ وہ کیا رویہ اختیار کرے گا۔ کیونکہ اس نے اپنے عقیدہ کا اعلان کیا ہوا ہوتا ہے۔ اگر وہ شخص اِس اقرار سے پھرے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی تعلیم سے انکار کرے تو وہ دنیا کو دھوکا دینے والا سمجھا جائے گا۔

مجھے ایک دوست نے ایک بڑے افسر کے متعلق سنایا کہ میں اُس کے پاس ایک دفعہ کسی کام کے لیے گیا تو میں نے ایک اَور افسر کا نام لے کر کہا کہ اُس نے فلاں معاملہ میں انصاف سے کام نہیں لیا۔ اِس پر وہ ہنس کر کہنے لگا کہ وہ خدا تعالیٰ کو رازق نہیں سمجھتا ہوگا میں تو خدا تعالیٰ کو ہی رازق سمجھتا ہوں۔ اُس کا مطلب یہ تھا کہ میں اس بات کی پروا نہیں کرتا کہ میرا عُہدہ باقی رہے گا یا نہیں، میں خدا تعالیٰ کو رازق سمجھتا ہوں اور خدا کو رازق سمجھنے کی وجہ سے میں اس بات کی پروا نہیں کرتا کہ کوئی شخص مجھ پر خفا ہو جائے گا۔ گویا دوسرے لفظوں میں اُس نے اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ کی تشریح کی۔ یعنی میں خدا کو ایک سمجھتا ہوں اور اس کی صفات کو کسی بندے کی طرف منسوب نہیں کرتا۔ میں خدا تعالیٰ کو ہی رازق سمجھتا ہوں۔ یا مثلاً جس کارخانہ میں مَیں ملازم ہوں اُس کے مالک کو میں رازق نہیں سمجھتا۔ میں یہ نہیں سمجھتا کہ میرے ماں باپ میرے رازق ہیں بلکہ میرا رازق خدا تعالیٰ ہی ہے۔ اِسی طرح میں سمجھتا ہوں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تعلیم دی ہے وہ خدا تعالیٰ نے ہی آپ کو دی ہے۔ انہوں نے اپنے پاس سے کچھ نہیں کہا۔ میں انہیں اللہ تعالیٰ کا عبد مانتا ہوں مگر میں ساتھ ہی یہ بھی سمجھتا ہوں کہ خدا تعالیٰ نے ہی انہیں بھیجا تھا۔ پس جو کچھ انہوں نے کہا وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے کہا ہے اپنی طرف سے کچھ نہیں کہا۔ پھر "میں خدا کو ایک سمجھتا ہوں" کے یہ معنٰی بھی ہیں کہ اگر میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے احکام کے مخالف چلوں گا تو کوئی طاقت مجھے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچا نہیں سکتی۔

دنیوی عقود میں سے سب سے بڑا عقد بیوی کے ساتھ ہوتا ہے۔ نکاح کے وقت انسان اقرار

کرتا ہے کہ وہ اُس کے ساتھ حُسنِ سلوک کرے گا اور محبت سے پیش آئے گا۔ پھر اُس کے رشتہ داروں سے عقد ہوتا ہے۔ مگر مجھے افسوس ہے کہ کئی احمدی اِس معاملے میں پورے نہیں اُترتے۔ نکاح تو وہ کر لیتے ہیں مگر بعد میں بیویوں سے اُن کا سلوک اچھا نہیں ہوتا۔ بعض عورتیں میرے پاس آتی ہیں اور کہتی ہیں ہمارے خاوند ہم سے حُسنِ سلوک نہیں کرتے اور اگر ہم خلع کرانا چاہتی ہیں تو وہ ہمیں چھوڑتے بھی نہیں۔ حالانکہ اگر کوئی شخص واقع میں اپنے عہد کو پورا نہیں کرتا تو اُس کا فرض ہے کہ وہ اپنی بیوی کو چھوڑ دے۔ پھر بعض خاوند ایسے بھی ہوتے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہمیں اتنے ہزار روپے دیئے جائیں تو ہم چھوڑ دیں گے ورنہ نہیں، یہ سب بے ایمانیاں ہیں اور نفس کی خرابی کی علامتیں ہیں۔ مومن کا فرض ہے کہ اگر اُس کی عورت ذرا بھی انقباض ظاہر کرے تو وہ اُسے فوراً چھوڑ دے۔ احادیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک واقعہ آتا ہے کہ آپ نے ایک عورت سے شادی کی۔ جب آپ اُس کے پاس گئے تو اُس نے کہا اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْکَ۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تُو نے مجھ سے بڑی طاقت کی پناہ مانگی ہے اس لیے تمہیں میری طرف سے طلاق ہے۔2 بعد میں وہ عورت شکایت کرتی رہی کہ مجھے دھوکا دیا گیا ہے، مجھے کسی عورت نے سکھا دیا تھا کہ تُو اِس طرح کہیو، اِس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دل تیری طرف خاص طور پر مائل ہو جائے گا۔ لیکن بہرحال رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اُس نے اَعُوْذُ بِاللّٰہِ کہا اور آپؐ نے اُسے فوراً طلاق دے دی۔ تو مومن کا یہ کام ہے کہ اگر اُس کی عورت اُس کو ناپسند کرتی ہو تو فوراً اُسے چھوڑنے پر تیار ہو جائے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو وہ توحید کے بھی خلاف کرتا ہے کیونکہ اس کے یہ معنے ہیں کہ وہ سمجھتا ہے کہ اُس عورت کے بغیر اس کا گزارہ نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ توحیدِ کامل یہ کہتی ہے کہ خدا تعالیٰ کے سوا ہمارا کوئی گزارہ نہیں۔ اگر ہم کسی مرد یا عورت کے متعلق یہ سمجھتے ہیں کہ اُس کے بغیر ہمارا گزارہ نہیں تو ہم مشرک ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پر اعتماد اور یقین سے دور چلے جاتے ہیں۔

اِسی طرح عقود میں بیوی کے ماں باپ اور عزیزوں اور اِسی طرح خاوند کے ماں باپ اور عزیزوں کے ساتھ حُسنِ سلوک کا عہد بھی شامل ہے لیکن کئی مرد ہیں جو شادیاں تو کر لیتے ہیں لیکن اپنی ساس اور خسر کے ساتھ حُسنِ سلوک نہیں کرتے۔ بلکہ ہمارے ملک میں تو سُسر کو گالی سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ جب کسی کو بُرا بھلا کہنا ہو تو کہتے ہیں ''سہورا ہووے''۔ حالانکہ قرآن کریم سے پتا لگتا ہے کہ

حضرت شعیب علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی لڑکی دینے کا وعدہ کیا تو کہا تم دس سال میری خدمت کرو۔ جب تم یہ مدت پوری کر لو گے تو میں اپنی لڑکی کا تم سے نکاح کر دوں گا۔3 گو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی طرف سے کم کر کے کہا کہ اگر میں آٹھ سال بھی پورے کر دوں تو مجھ پر اعتراض نہیں ہوگا لیکن بہرحال انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے شرط کی تھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ نہیں کہا کہ میں اس شرط کو قبول نہیں کرتا بلکہ کہا کہ اگر میں دس سال کی مدت پوری نہ کر سکوں آٹھ سال بھی پورے کر دوں تو مجھ پر کوئی الزام نہیں ہوگا۔4 گویا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تو یہ حال تھا کہ وہ شادی کی خاطر اپنے خسر کی دس سال تک خدمت کرنے کے لیے تیار ہو گئے اور اب یہ ہے کہ تھوڑی سی بات پر لڑائی اور فساد ہو جاتا ہے۔ آخر بیوی پر اُس کے ماں باپ کا بھی حق ہے اور یہ ظاہر ہے کہ وہ کماتی نہیں، کماتا مرد ہی ہے اور وہ اُس کے گھر کا کام کرتی ہے اور بچوں کو پالتی ہے۔ اِس لیے اُس کے ماں باپ کے ساتھ حُسنِ سلوک کرنے کی ذمہ داری مرد پر ہے۔ اگر وہ اپنی ذمہ داریوں کو سمجھے تو اُس کا فرض ہے کہ اپنی ساس اور خسر کی ضرورتوں کو پورا کرے۔ بیشک قرآن کریم یہ فرماتا ہے کہ ہر شخص پر اُتنی ہی ذمہ داری ہوتی ہے جتنی اُس کی طاقت ہوتی ہے5 لیکن اگر وہ مقدور برابر بھی خدمت نہیں کرتا تو وہ عقود کا توڑنے والا ہو جاتا ہے اور خدا تعالیٰ کے سامنے مجرم ہوتا ہے۔ اِسی طرح اگر کوئی عورت اپنے خاوند کے ماں باپ کی عزّت نہیں کرتی تو وہ بھی عقود کو توڑتی ہے کیونکہ جب اُس نے ایک مرد کے ساتھ شادی کی تھی تو اُس نے یہ بھی اقرار کیا تھا کہ میں مرد کی ذمہ داریوں کو بھی پورا کروں گی اور مرد پر ذمہ داریاں اُس کی ماں کی بھی ہیں اور اُس کے باپ کی بھی ہیں۔ پس اُس عورت پر بھی اپنے خاوند کے ماں باپ کے ساتھ حُسنِ سلوک کرنے کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ اگر وہ اُن کی خدمت نہیں کرتی تو مجرم بن جاتی ہے۔

احادیث میں آتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک دفعہ دور سے سفر کر کے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ملنے گئے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو شکار کا شوق تھا۔ وہ شکار کو گئے ہوئے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے باہر سے آواز دی کہ اسماعیل ہے؟ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بیوی کسی عرب قوم سے تھی اس لیے وہ حیران ہوئی کہ یہ کون شخص ہے جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کا نام اِس بے تکلفی سے لے رہا ہے۔ اُس نے دریافت کیا کہ تم کون ہو؟ آپ نے فرمایا میں ابراہیم

ہوں۔ لیکن اُس نے یہ بے وقوفی کی کہ اُس نے یہ خیال نہ کیا کہ یہ دُور سے آئے ہیں، میں انہیں پانی پلاؤں اوران کی خاطر تواضع کروں۔ اُس نے صرف اِتنا پوچھا کہ آپ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو کیا پیغام دینا ہے؟ آپ نے فرمایا اُسے کہنا کہ تیری دہلیز بہت چھوٹی ہے اِس کو بدل دو۔ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام واپس آئے تو اُن کی بیوی نے بتایا کہ ایک شخص آیا تھا جو ابراہیم نام بتاتا تھا۔ جاتے ہوئے وہ یہ پیغام دے گیا تھا کہ تیری دہلیز بہت نیچی ہے اِس کو بدل دو۔ آپ نے فرمایا وہ میرے باپ تھے اور اُن کے پیغام کا یہ مطلب ہے کہ تُو نے اُن کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا۔ اِس لیے میں تمہیں رکھنے کے لیے تیار نہیں۔ میں تجھے طلاق دیتا ہوں۔6

تو عورت پر اپنے خاوند کے ماں باپ کی خدمت کرنا اور اُن کی نگہداشت کرنا ویسا ہی فرض ہے جیسے مرد پر فرض ہے کہ وہ اپنی بیوی کے ماں باپ کی خدمت کرے۔ اگر وہ دونوں اپنے فرائض کو ادا نہیں کرتے تو وہ عقود کو توڑتے ہیں اور عقود کے توڑنے کی وجہ سے خدا تعالیٰ کے مجرم بن جاتے ہیں۔ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے بندوں کے ہر قسم کے گناہ معاف کر دیتا ہے7 لیکن اگر کسی بندے کا قصور کیا گیا ہو تو خدا تعالیٰ اُس وقت تک اُسے معاف نہیں کرتا جب تک بندے سے بھی معافی نہ لی جائے۔ پس اگر انسان کامل توحید پر چلنے کی کوشش کرے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اطاعت بھی کرے لیکن وہ بندوں کے عقود کو مثلاً ماں باپ کے عقود کو، دوستوں کے عقود کو یا بیوی یا خاوند کے عقود کو پورا نہ کرے تو وہ خدا تعالیٰ کی نگاہ میں مجرم بننے سے بچ نہیں سکتا کیونکہ ان کا پورا کرنا بھی ضروری ہے''۔ (الفضل 12 فروری 1959ء)

1: المائدۃ:2

2: بخاری کتاب الطلاق باب من طَلَّقَ وَ هَلْ يُوَاجِهُ الرَّجُلُ امرأَتَهُ بِالطَّلَاقِ

3: قَالَ اِنِّیْۤ اُرِیْدُ اَنْ اُنْکِحَکَ اِحْدَی ابْنَتَیَّ هٰتَیْنِ عَلٰۤی اَنْ تَاْجُرَنِیْ ثَمٰنِیَ حِجَجٍ ۚ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ۚ (القصص:28)

4: قَالَ ذٰلِكَ بَیْنِیْ وَ بَیْنَكَ ؕ اَیَّمَا الْاَجَلَیْنِ قَضَیْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَیَّ ؕ (القصص:29)

5: لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ (البقرۃ:287)

6: بخاری کتاب الانبیاء باب يَزِفُّونَ. النَّسَلَانُ فِي الْمَشْيِ

7 : اِنَّ اللّٰہَ یَغۡفِرُ الذُّنُوۡبَ جَمِیۡعًا ؕ (الزمر:54)

40

اسلام دنیوی اور دینی دونوں معاملات میں زیادتی کو ناجائز قرار دیتا ہے

اپنے کاموں میں ہمیشہ عدل و انصاف کو ملحوظ رکھو اور گناہ اور بدی کے امور میں ہرگز تعاون نہ کرو

(فرمودہ 30 جنوری 1959ء بمقام ربوہ)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل آیت کی تلاوت فرمائی: وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۖ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ۔1

اس کے بعد فرمایا:

"پچھلے جمعہ ایک دوست نے بتایا کہ آپ کی تلاوت بالکل اُسی طرح تھی جس طرح صحت کی حالت میں قادیان میں ہوا کرتی تھی صرف اِتنی بات تھی کہ آپ جلدی جلدی تلاوت کرتے تھے۔ اگر اِس جلدی تلاوت کرنے کی عادت کو آپ روک لیں تو پھر وہی حالت ہو جائے گی جو قادیان میں تھی۔ لیکن

شاید اُس دوست کو پتا نہیں کہ یہی تو مجھے بیماری ہے۔ جس قسم کی بیماری کا حملہ مجھے ہوا تھا اُس کا خاصہ ہے کہ اس کے نتیجہ میں انسان ہر کام جلدی جلدی کرتا ہے۔ چلتا ہے تو اُس میں بھی جلدی کرنے کی کوشش کرتا ہے جس کے نتیجہ میں بعض دفعہ دروازہ سے مڑنے لگتا ہے تو اسے ٹھوکر لگ جاتی ہے۔ بعض ڈاکٹروں نے اِس کا علاج یہ بتایا ہے کہ جیپ پر چڑھ کر ایسی سڑکوں پر سفر کیا جائے جو خراب ہوں اور اس سے خوب جھٹکے لگیں۔ اِس سے اس مرض کو آرام آ جائے گا۔ لیکن تجربہ کے بعد معلوم ہوا کہ یہ علاج غلط ہے اور اِس سے کوئی فائدہ نہ ہوا۔ تو اصل میں اس بیماری کا یہی خاصہ ہے کہ اِس میں ہر کام جلدی جلدی کرنے کی عادت پڑ جاتی ہے۔ دوسرے یہ بات بھی ہے کہ بیماری کی وجہ سے ڈر آتا ہے کہ کہیں میں بھول نہ جاؤں۔ اِس وجہ سے بھی جلدی کرنی پڑتی ہے۔

میری بیماری کے متعلق ڈاکٹروں کا خیال تھا کہ شاید سردی کم ہو تو اِس میں افاقہ ہو جائے۔ جب جلسہ سالانہ کے موقع پر میری زبان پر چھالے پڑے تھے تو ڈاکٹروں کی یہ رائے تھی کہ اندرونی حصۂ جسم میں کسی جگہ زہر پیدا ہوا ہے جس کی وجہ سے زبان پر چھالے پڑ گئے ہیں۔ اُس وقت تو پتا نہیں لگا لیکن بعد میں مَیں نے عزیزم ڈاکٹر اعجاز الحق کو اپنا دانت دکھانے کے لیے لاہور سے بلایا تو اُن کے معائنہ سے معلوم ہوا کہ دانت میں ایک پرانی مرض ہوا کرتی تھی کہ بجائے اوپر سوراخ ہونے کے پہلو میں سوراخ ہو کر عصبہ کا سرا باہر نکل آتا تھا۔ انہوں نے کہا کہ اس دانت میں عصبہ کا وہی سرا ننگا ہو گیا ہے مگر کہا کہ اس دانت کو نکالنے کا فیصلہ ہم تبھی کر سکتے ہیں جب آپ لاہور آئیں اور وہاں دانت کا ایکسرے کرائیں۔ انہوں نے کہا میں کچھ علاج تو کر دیتا ہوں مگر پورا علاج ابھی نہیں کیا جا سکتا۔ اگر ایکسرے میں بھی یہی نکلا کہ دانت کو نکالنا چاہیے تو اسے نکالنا ہی پڑے گا کیونکہ اس کی وجہ سے ہر وقت بے چینی رہتی ہے۔ میں ہونٹوں کو ہلا بھی نہیں سکتا کیونکہ جس جگہ پر دانت آتا ہے وہاں درد ہوتی ہے۔ دوسرے کھانے کی بھی بڑی دقّت ہے۔ وہ کہتے ہیں دانت بڑی دیر میں بن سکیں گے اور چونکہ یہی دانت ڈنچر2 کے لیے سہارے کا کام دیتا ہے اس لیے اگر یہ سہارا نہ رہا تو دانتوں سے چبانا بالکل ناممکن ہو جائے گا۔ میں نے احتیاطاً ابھی سے حریرہ3 وغیرہ کھانا شروع کر دیا ہے تا کہ دانتوں سے چبانے کا سوال ہی پیدا نہ ہو اور ارادہ ہے کہ کچھ دنوں تک طبیعت اچھی ہوئی تو ایک دن لاہور جا کر ایکسرے کراؤں گا۔ اور اگر دانت نکلوانے کا فیصلہ ہوا تو اسے نکلوا دوں گا تا کہ روز روز کی تکلیف

دور ہو جائے۔☆

میں نے ابھی جو آیات پڑھی ہیں ان میں اللہ تعالیٰ ہمیں ایک بہت بڑا اخلاقی سبق دیتا ہے۔ دنیا میں کئی قسم کی مخالفتیں ہوتی ہیں۔ بعض مخالفتیں دنیاوی ہوتی ہیں اور بعض دینی ہوتی ہیں۔ دنیوی مخالفتوں کو تو انسان معاف بھی کر سکتا ہے لیکن دینی مخالفتوں میں بعض اوقات ضد آ جاتی ہے اور لوگ کہتے ہیں کہ ہم انہیں کیسے معاف کریں۔

مجھے یاد ہے کہ جب حضرت خلیفہ اوّل کی خلافت کا جھگڑا شروع ہوا اور میں ابھی خلیفہ نہیں ہوا تھا تو خواجہ کمال الدین صاحب نے شیخ یعقوب علی صاحب کو میرے پاس بھیجا کہ آپس میں صلح کر لی جائے۔ شیخ صاحب! جذباتی قسم کے آدمی تھے، جلدی متأثر ہو گئے اور آ کر کہنے لگے میں بڑی خوشخبری لایا ہوں۔ خواجہ کمال الدین صاحب کہتے ہیں صلح کر لی جائے۔ میں نے کہا شیخ صاحب اُن سے پوچھنا تھا کہ میرا اُن سے جھگڑا کیا ہے؟ میری کوئی جائیداد تو انہوں نے نہیں دبائی ہوئی۔ اگر جائیداد کا سوال ہوتو میں ابھی ساری جائیداد چھوڑتا ہوں لیکن اگر دین کا سوال ہے تو میرا اُسے چھوڑنے کا کیا حق ہے۔ یہ صرف خدا تعالیٰ کا حق ہے اور وہی اسے چھوڑ سکتا ہے میں نہیں چھوڑ سکتا۔ یہ بات اُن کی سمجھ میں آ گئی اور انہوں نے خواجہ صاحب کو بتا دیا۔

تو بعض دفعہ دنیا میں قوموں کے ساتھ دنیوی جھگڑے ہوتے ہیں اور بعض دفعہ دینی جھگڑے ہوتے ہیں۔ دینی جھگڑوں میں انسان بعض دفعہ ضد کر کے اَڑ جاتا ہے کہ میں صلح نہیں کرتا۔ جہاں تک اس بات کا سوال ہے کہ وہ صلح نہ کرے اور اپنے عقیدہ پر قائم رہے تو یہ بڑی اعلیٰ درجہ کی بات ہے لیکن بعض دفعہ لوگ دینی باتوں کی وجہ سے غصہ میں آ کر لڑ پڑتے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ایک دفعہ کسی یہودی سے کوئی معاملہ کر رہے تھے کہ اس نے باتوں باتوں میں کہہ دیا میں موسیٰ کی قَسم کھا کر کہتا

☆ بعد میں ڈاکٹر اعجاز الحق صاحب نے ایک اَور احمدی دوست کے ساتھ جو ایکسرے کے ایکسپرٹ ہیں معائنہ کیا اور فیصلہ کیا کہ یہاں مسوڑھے میں ایک دُنبل 4 پیدا ہو گیا ہے۔ چنانچہ چیرا دے کر اس میں سے پیپ نکال دی گئی۔ اس کے بعد گو زخم مندمل ہو چکا ہے اور دماغ میں جو ہتھوڑے لگتے تھے اس میں بھی کمی واقع ہو گئی ہے لیکن ابھی ہاتھ لگانے سے درد ہوتی ہے۔ ڈاکٹروں کا خیال ہے کہ کچھ دنوں تک آرام آ جائے گا۔

ہوں جسے خدا تعالیٰ نے سب نبیوں کا سردار بنایا ہے کہ یہ بات اِس طرح ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کو غصہ آ گیا کہ یہ شخص حضرت موسیٰ علیہ السلام کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر فضیلت دیتا ہے اور آپ نے اُسے تھپڑ مار دیا۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پتا لگا تو آپ خفا ہوئے اور فرمایا کہ اُس یہودی نے اگر اپنے عقیدہ کی وجہ سے یہ بات کہی تھی تو آپ کو اُسے تھپڑ مارنے کا کوئی حق نہیں تھا۔5

تو دینی معاملات میں بھی اسلام نے زیادتی کو ناجائز قرار دیا ہے۔ اِسی بات کی طرف اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں توجہ دلائی ہے۔ فرماتا ہے لَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْکُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔ کسی قوم کی اِس وجہ سے دشمنی کہ اُس نے تمہیں حج سے روکا ہے تم کو اِس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم اُس پر زیادتی کرنے لگ جاؤ۔ چاہے کوئی دینی جھگڑا ہو دوسرے پر زیادتی کرنا بالکل ناجائز ہے۔ تم حق کا قانونی مطالبہ کرو لیکن تمہیں یہ اختیار نہیں کہ قانون کو ہاتھ میں لے لو اور حد سے بڑھ جاؤ۔

پھر باقی مسلمانوں کو کہتا ہے کہ تَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی۔ کئی دفعہ دینی معاملات میں ایسا ہوتا ہے کہ ساری قوم اکٹھی ہو جاتی ہے۔ چنانچہ بغداد کی تباہی کا موجب بھی یہی ہوا کہ وہاں کا وزیر جس فرقہ کا تھا اُس کی شہ پر اُس فرقہ کے لوگوں نے دوسرے فرقہ کو تنگ کیا۔ اِس پر پہلے فرقہ کے لوگ بھی اکٹھے ہو گئے اور دوسرے فرقے والے بھی اکٹھے ہو گئے اور انہوں نے ایک دوسرے کا مقابلہ کیا۔ ایک فرقہ کو یہ خیال گزرا کہ دوسرے فرقہ والے ہمارے مذہب کی ہتک کرتے ہیں اور دوسروں کو یہ خیال ہوا کہ پہلے فرقہ والے ہمارے مذہب کی ہتک کرتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اُس وزیر نے ہلاکو خاں سے سازباز کی اور اُس نے حملہ کر کے بادشاہ اور ولی عہد کو قتل کر دیا اور اٹھارہ لاکھ مسلمان ایک دن میں مار ڈالے۔ اُس وقت لوگ کسی بزرگ کے پاس گئے اور اُن سے عرض کیا کہ دُعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو تباہی سے بچائے۔ اُس بزرگ نے جواب دیا میں تو پہلے بھی دُعا کرتا ہوں لیکن ہر دفعہ جب دُعا کرتا ہوں خدا تعالیٰ کے فرشتے مجھے آسمان پر یہ کہتے سنائی دیتے ہیں کہ اَیُّھَا الْکُفَّارُ اُقْتُلُوا الْفُجَّارَ۔ اے کافرو! یہ لوگ فاجر ہو گئے ہیں انہیں خوب مارو۔ اور جب خدا تعالیٰ کا یہ حکم ہے کہ فاجر مسلمانوں کو قتل کیا جائے تو میں دُعا کیا کر سکتا ہوں۔

تو اٹھارہ لاکھ مسلمان اُس موقع پر قتل کیے گئے بلکہ اِس قتلِ عام کی بعض ایسی تفصیلات بیان

کی جاتی ہیں کہ انہیں پڑھ کر انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ بہرحال ہلاکو خان کو بغداد پر فتح ایک وزیر کے ساتھ مل جانے کی وجہ سے ہوئی تھی۔ گو بعد میں ہلاکو خان نے اُس وزیر کو بھی قتل کروا دیا اور کہا جب تم نے اپنے بادشاہ سے غداری کی ہے تو تم میرے ساتھ کیوں نہیں کرو گے اور اِس طرح اُس وزیر کو سزا تو مل گئی لیکن اسلامی سلطنت تباہ ہو گئی اور سات آٹھ سو سال تک اس کا نشان مِٹا رہا۔ اب آ کر بغداد میں دوبارہ اسلامی حکومت قائم ہوئی تھی مگر دو تین سال کے اندر اندر جنرل قاسم کے ذریعہ سے تباہ ہو گئی۔

تو دیکھو بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ مذہبی جوش میں آ کر قوم کی قوم کھڑی ہو جاتی ہے اور کہتی ہے ہمارے مذہب کی ہتک ہو گئی۔ قرآن شریف فرماتا ہے کہ اگر وہ جوش نیکی پر ہے تو تعاون کرو۔ اور اگر وہ محض کسی ضِد کی وجہ سے پیدا ہوا ہے تو اُس سے عدمِ تعاون کرو۔ گویا با تقوٰی اور نیکی کی باتوں پر تعاون کیا کرو، گناہ اور بدی کی باتوں پر تعاون نہ کیا کرو۔ اگر دنیا اِس پر عمل کرنے لگے تو تم خود ہی اندازہ لگا لو کہ کتنا امن ہو جائے۔

پہلی جنگ عظیم اِس بات پر ہوئی تھی کہ آسٹریا کا ولی عہد جا رہا تھا، اُس پر سربیا(SERBIA) کے لوگوں نے بم پھینک دیا اور وہ مر گیا۔ اِس پر جنگ شروع ہو گئی جس میں انگریز بھی شامل ہو گئے، جرمن بھی شامل ہو گئے۔ حالانکہ جس علاقہ میں سے وہ گزر رہا تھا اور جن لوگوں نے اُسے مارا تھا حکومت اُن پر بڑا ظلم کر رہی تھی۔ تو یہ تعاون بظاہر تو عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى تھا لیکن بباطن عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ تھا کیونکہ لوگوں نے اُس ولی عہد کو حکومت کے ظلم کی وجہ سے مارا تھا۔

یہی دوسری جنگِ عظیم میں ہوا کہ ساری اتحادی قومیں ہٹلر پر پل پڑیں۔ بہانہ یہ بنایا کہ ہم پولینڈ کی مدد کرنے لگے ہیں۔ وہ پولینڈ کی کُلّی مدد تو نہ کر سکے لیکن پولینڈ کی مدد کرتے کرتے انہوں نے جرمنی پر حملہ کر دیا اور اب اُس کا یہ خمیازہ بھگتنا پڑ رہا ہے کہ اس کے بعد روس سے ایسا جھگڑا چھڑا ہے کہ وہ ختم ہونے میں ہی نہیں آتا اور روس دنیا کے ہر ملک میں فساد ڈلوا رہا ہے۔ امریکہ کو پہلے طاقت کا بڑا دعوٰی تھا لیکن وہ بھی اب کمزور ہو گیا ہے۔ ظاہر میں تو وہ یہ کہتا ہے کہ میں ہر مخالف کا مقابلہ کروں گا لیکن عملی طور پر اُس میں کمزوری پائی جاتی ہے۔ دراصل روس نے جو راکٹ پھینکے ہیں اُن کا اِتنا رُعب پڑ گیا

ہے کہ امریکہ جو اپنے آپ کو دنیا کی سب سے بڑی طاقت سمجھتا تھا اپنے آپ کو سیکنڈ گریڈ سمجھنے لگ گیا ہے۔

مگر اصل طاقت خدا تعالیٰ ہی کی ہے۔ چاہے روس ہو یا امریکہ اس کے مقابلہ میں جو طاقت بھی آئے گی تباہ ہو جائے گی۔ ہاں! کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی لاٹھی میں آواز نہیں وہ آہستہ آہستہ کام کرتا ہے۔ دیکھو! بچہ بھی ایک دن میں پیدا نہیں ہو جاتا وہ بھی 9 ماہ میں پیدا ہوتا ہے۔ اِسی طرح اللہ تعالیٰ کے فیصلے آہستہ آہستہ ظاہر ہوتے ہیں لیکن جب بھی وہ ظاہر ہوں گے حق ہی ظاہر ہوگا۔ اور جب تک وہ ظاہر نہیں ہوتے اُس وقت تک انسان کو انتظار کرنا پڑے گا اور سمجھنا ہوگا کہ اللہ کا جو فیصلہ ہو گا وہی اچھا ہوگا۔

پس ہم کو اپنے کاموں میں ہمیشہ عدل و انصاف سے کام لینا چاہیے۔ چاہے دینی معاملہ ہی ہو ہمیں اپنے مخالف سے سختی نہیں کرنی چاہیے اور ایسا جوش ظاہر نہیں کرنا چاہیے کہ وہ طیش میں آ کر اَور گمراہ ہو جائے۔ اگر کوئی شخص ہماری غلطی کی وجہ سے طیش میں آتا ہے اور گمراہ ہو جاتا ہے تو اُس کا گناہ ہمیں بھی ہوگا۔ حضرت مسیح ناصریؑ نے کہا ہے کہ وہ شخص جس کی وجہ سے کسی انسان کو ٹھوکر لگتی ہے وہ بھی بدقسمت ہے۔6 پس تم صرف یہ نہ دیکھو کہ تم کوئی ناجائز کام نہیں کر رہے بلکہ یہ بھی دیکھو کہ تمہاری وجہ سے کسی کو ٹھوکر نہ لگے کیونکہ اگر تمہارے کسی فعل کی وجہ سے کسی کو ٹھوکر لگتی ہے تو تم خدا تعالیٰ کے سامنے جوابدہ ہوگے''۔ (الفضل 21 مارچ 1959ء)

1: المائدۃ: 3

2: ڈنچر: (ڈھچر) ڈھانچا، انجر، پنجر (اردو لغت تاریخی اصول پر۔ جلد 10 صفحہ 225۔ کراچی)

3: حریرہ: ایک پتلی غذا جو بالعموم آٹے یا سوجی کو گھی میں بھون کر اور شکر اور پانی ڈال کر بنائی جاتی ہے۔ (اردو لغت تاریخی اصول پر جلد 8 صفحہ 134 کراچی 1987ء)

4: دُنبل: پھوڑا، دل دار پھوڑا، دُمل (اردو لغت تاریخی اصول پر جلد 9 صفحہ 537 کراچی 1988ء)

5: صحیح البخاری کتاب الانبیاء باب وفاۃ موسیٰ و ذکرہ بعدُ (میں حضرت ابوبکرؓ کی بجائے ایک صحابیؓ کا ذکر ہے)

6: متی باب 18 آیات 6، 7

41

ہماری جماعت کے زمینداروں کو چاہیے کہ وہ محنت اور ہمت سے کام لیتے ہوئے اپنے ملک کی زرعی پیداوار بڑھانے کی کوشش کریں

ہر جگہ ایک سیکرٹری زراعت مقرر کیا جائے جو مرکز میں باقاعدہ رپورٹ بھیجا کرے کہ اُس کے علاقہ میں اِس سلسلہ میں کیا کوشش ہو رہی ہے

(فرمودہ 6 فروری 1959ء بمقام ربوہ)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''میں نے جلسہ سالانہ کے موقع پر جماعت کو نصیحت کی تھی کہ وہ اپنے اور اپنے ملک کے فائدہ کے لیے زراعت کی طرف توجہ کریں۔ اُس وقت بڑی خوشکن خبریں آ رہی تھیں اور کہا جا رہا تھا کہ اس دفعہ غلّہ بہت پیدا ہوگا اور گورنمنٹ نے بھی غلّہ کا سٹاک کافی کر لیا ہے، اس لیے باہر سے غلّہ منگوانا نہیں پڑے گا۔ لیکن یہ علم نہیں تھا کہ گندم کی قلت کی مصیبت بہت جلد آ جائے گی۔ چنانچہ چند دن ہوئے میری ایک بیوی نے مجھ سے کہا کہ گھر میں گندم کا ایک دانہ بھی نہیں اور بازار سے ایک پاؤ آٹا بھی نہیں

ملتا۔ میں نے اُس وقت خیال کیا کہ عورتیں یونہی گھبرا جاتی ہیں لیکن بعد میں مجھے صدر عمومی ربوہ کی طرف سے چٹھی آئی کہ ربوہ میں گندم بالکل نہیں مل رہی۔ اس لیے مجھے افسران بالا سے ملنے کے لیے بھیجا جا رہا ہے تا کہ ربوہ میں راشننگ (RATIONING) کا انتظام کیا جائے۔☆ پھر مجھے پتا لگا کہ اتنی جلدی گندم کی قلت ہمارے ملک میں ہوگئی ہے اور اِس علاقہ میں جس کے قریب ہی سرگودھا اور لائلپور رہے جہاں بڑی مقدار میں گندم پیدا ہوتی ہے گندم کی قلت ہوگئی ہے۔ تحقیقات کرنے سے معلوم ہوا کہ سرگودھا میں اَور بھی حالت بُری ہے۔ وہاں گاؤں کے لوگوں کو بڑی مصیبت پیش ہے اور وہ جوار بڑے مہنگے بھاؤ خرید کر کھا رہے ہیں، گندم کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پھر ایک عورت شکایت لے کر آئی کہ ہمیں بیسن کی ضرورت تھی اور بازار سے بہت مہنگا بیسن ملا، جوار بھی چار روپے اور زیادہ سے زیادہ چھ روپے فی من مل جاتی تھی۔ اب کہتے ہیں کہ سرگودھا میں بارہ روپے فی من کے حساب سے زمیندار جوار خرید کر کھا رہے ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ بڑے بڑے آدمی آپس میں مل کر فیصلہ کر لیتے ہیں چھوٹے زمینداروں سے مشورہ نہیں لیتے جس کی وجہ سے اِس قسم کی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ مثلاً احمد نگر کی زمین میں میری گندم ہی کوئی دو من فی ایکڑ کے حساب سے پیدا ہوئی تھی لیکن افسروں نے ساری زمین پر دو من اوسط کا ٹیکس لگایا حالانکہ اس علاقہ میں زمین کو کُل پندرہ فیصدی پانی ملتا ہے اس لیے ساری زمین کا پندرھواں حصہ ہی ہماری زمین کاشت کی جا سکتی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ گو ہم زمیندار ہیں لیکن ہمارے گھر غلّہ کا ایک دانہ بھی نہیں۔ ایم۔ این سنڈیکیٹ (M.N.SYNDICATE) جو میری طرف سے اور میرے بیٹوں کی طرف سے ہماری زمین پر نگران مقرر ہے اُس نے وہی گندم جو گھروں میں خوراک کے لیے رکھی گئی تھی اُٹھا کر گورنمنٹ کو دے دی لیکن افسروں نے پھر نوٹس دے دیا کہ پانچ سَو من گندم اَور دو۔ ہم نے فوج کے پاس اپروچ (Approach) کی تو جھنگ میں جو اسسٹنٹ ایڈمنسٹریٹر تھے اُنہوں نے

☆ اِس عرصہ میں صدر عمومی افسران بالا سے ملے ہیں جس کے نتیجہ میں فوڈ ڈیپارٹمنٹ نے ربوہ کے متعلق بھی راشننگ کا حکم دے دیا ہے اور گندم کا انتظام کر دیا ہے۔ چنانچہ بڑوں کو چار چھٹانک اور بچوں کو دو چھٹانک روزانہ کے حساب سے گندم دی جا رہی ہے اور سنا ہے کہ یہ مقدار اَب زیادہ کرنے والے ہیں۔

کہا ہمارا اِس سے کوئی تعلق نہیں۔ آپ سِول کے افسروں کی طرف رجوع کریں۔ چنانچہ ہم لاہور میں فوڈ کے افسروں کے پاس گئے تو انہوں نے تحقیقات کر کے چنیوٹ کے افسر کو فون کر دیا کہ یہ گندم دے چکے ہیں ان سے مزید گندم کا مطالبہ نہ کیا جائے۔ اصل غلطی اس لیے لگی کہ ایم۔این سنڈیکیٹ ہماری زمینوں کا یہاں بھی انتظام کرتی ہے اور سندھ میں بھی انتظام کرتی ہے۔ سندھ میں جو ڈلیوری ہوئی تھی وہ غالباً ایم۔این سنڈیکیٹ کے نام پر ہوئی تھی میرے نام پر نہیں ہوئی تھی۔ اس لیے نوٹس مجھے دے دیا گیا کہ تم نے گندم جمع نہیں کروائی حالانکہ ایم۔این سنڈیکیٹ ان کے حق سے بھی دو ہزار پانچ سو من گندم زیادہ دے چکی تھی اور ایم۔این سنڈیکیٹ کی ایک انچ زمین بھی نہیں، وہ صرف میرے اور میرے بچوں اور میری بیویوں کی طرف سے انتظامیہ کمیٹی ہے۔ اُس پر کوئی گندم دینی واجب ہی نہیں تھی۔ جو گندم دی گئی وہ ہماری طرف سے دی گئی تھی۔ غرض صرف نام کی غلطی کی وجہ سے مجھے نوٹس دیا گیا۔ بہرحال ہمارے ملک کی حالت غلّہ کے لحاظ سے تسلّی بخش نہیں۔ فوج کے افسران کام تو بڑی عقلمندی سے کر رہے ہیں۔ انہیں چاہیے کہ وہ غلّہ کے بارے میں چھوٹے زمینداروں سے بھی مشورہ کر لیا کریں۔ صرف بڑے بڑے افسروں اور زمینداروں سے مشورہ کرنا صحیح نتیجہ پیدا نہیں کرتا۔

میں جماعت کے دوستوں سے بھی کہتا ہوں کہ قرآن کریم سے پتا لگتا ہے کہ فی ایکڑ پانچ سو پچیس من بلکہ اس سے بھی زیادہ گندم پیدا ہو سکتی ہے [1] لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ قواعد کی پابندی کی جائے اور دین کی خدمت کی جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا [2] یعنی دنیا میں کوئی بھی جاندار ایسا نہیں جس کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمہ نہ ہو۔

پس اصل طریق تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ہی دُعا کی جائے کہ اے اللہ! تُو نے رزق اپنے ہاتھ میں رکھا ہے اس لیے ہم پر جو تنگی آئی ہے اسے تُو ہی دور کر۔ اگر خدانخواستہ پیداوار کم ہو تو اس کا چندہ پر بھی اثر پڑے گا۔ پس اللہ تعالیٰ کی طرف خاص طور پر توجہ کرنی چاہیے اور اُس سے دُعا کرنی چاہیے اور ساتھ ہی محنت بھی کرنی چاہیے۔ ہمارے ملک میں زمیندار اتنا ہل نہیں چلاتا جتنے ہل چلانے ضروری ہیں۔ گندم کے لیے چھ ہل ضروری ہیں اور ہر دو ہلوں کے درمیان ایک ہفتہ کا وقفہ ضروری ہوتا ہے۔ یہ نہیں کہ ایک دن ہل چلایا اور پھر دوسرے دن بھی ہل چلانے چلے گئے اس سے فائدہ نہیں ہوتا۔ سات دن سورج کی دھوپ زمین پر پڑتی رہے اور اس کے بعد دوسرا ہل دیا جائے تب فائدہ ہوتا ہے۔

اِسی طرح کھاد سے بڑا فائدہ ہوتا ہے مگر اَب چونکہ مصنوعی کھاد کا رواج زیادہ ہو گیا ہے اِس لیے گورنمنٹ بھی اور زمیندار بھی اس کی طرف زیادہ توجہ دیتے ہیں حالانکہ امریکہ نے لمبے تجربات کے بعد معلوم کیا ہے کہ مصنوعی کھاد میں اگر جانور کی کھاد یا نباتاتی کھاد نہ ملائی جائے تو وہ بہت نقصان پہنچاتی ہے۔ میں نے جلسہ سالانہ پر بتایا تھا کہ نباتاتی کھاد کے لحاظ سے امریکہ کے تجربہ کے مطابق سورج مکھی بہترین خیال کی گئی ہے مگر سورج مکھی جون یا جولائی میں بوئی جاتی ہے اور اس کا فائدہ اگلے سال ہی ہو سکتا ہے کیونکہ اِس سال تو لوگوں نے بوئی نہیں۔ اس لیے ان کو برسیم یا کسی اَور چیز سے جسے انہوں نے بویا ہو فائدہ اٹھانا چاہیے یا جانوروں کی کھاد سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔

ہمارے ہاں سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ کھاد اوپلوں کی صورت میں عورتیں جلا دیتی ہیں حالانکہ روایتوں میں آتا ہے کہ اوپلے جلانا قوم کی ذلّت کی علامت ہے3 تو اوپلے جلانا درست نہیں لکڑی کا استعمال کرنا چاہیے۔ اصل میں جب گھر میں اوپلے جلانے کے لیے میسر آ جاتے ہیں تو لوگ درخت اُگانے کی طرف زیادہ توجہ نہیں دیتے اور اِس طرح ملک کو نقصان پہنچتا ہے۔

اس سال شروع میں قیاس کر لیا گیا تھا کہ فصل بڑی اچھی ہوگی کیونکہ شروع میں بڑی اچھی بارش ہوگئی تھی لیکن یہ پتا نہیں تھا کہ بارش اِس قدر زیادہ ہوگی کہ فصل خراب ہو جائے گی۔ چنانچہ پہلے تو فصل کے متعلق بڑی خوشکن خبریں آتی رہیں لیکن اب پھر یہ کہا جا رہا ہے کہ بارش زیادہ ہونے کی وجہ سے بعض علاقوں کی فصل خراب ہوگئی ہے اور چنا تو بالکل مارا گیا ہے مگر خدا تعالیٰ نے کل اور آج دھوپ لگا دی ہے۔ اگر دس بارہ دن اَور متواتر دھوپ لگ گئی تو خیال ہے کہ فصلیں دوبارہ کھڑی ہو جائیں گی لیکن یہ سب کچھ خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ دھوپ نہ میں نکالتا ہوں، نہ تم نکالتے ہو، نہ گورنمنٹ نکال سکتی ہے، دھوپ خدا تعالیٰ نکالتا ہے۔ اس لیے خدا تعالیٰ سے ہی دُعا کرو اور اُس وقت تک اپنی آمدنی کے اندازے نہ لگایا کرو جب تک وہ واقع میں پیدا نہ ہو جائے۔ انگریزوں میں ایک مثل مشہور ہے کہ "There is many a slip between the cup and the lip"۔ کہتے ہیں کوئی امیر آدمی چائے پینے بیٹھا تو چائے کی پیالی ابھی رکھی ہی تھی کہ اُس کی زمینوں کا منیجر آ گیا اور اُس نے کہا صاحب! ایک جنگلی سؤر آ گیا ہے۔ وہ چائے چھوڑ کر اُس سؤر کو مارنے چلا گیا اور بجائے اِس کے کہ وہ سؤر کو مار لیتا جنگلی سؤر نے اُسے مار دیا اور لوگ اُس کی نعش اُٹھا کر لائے۔ اس لیے یہ مثل مشہور ہوگئی

کہ ہونٹ اور چائے کی پیالی کے درمیان بھی ایک فاصلہ ہوتا ہے۔ بظاہر تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پیالی بھری پڑی ہے اور ہونٹ کے بالکل قریب ہے لیکن اگر بیچ میں موت آ جائے تو پھر چائے اور ہونٹ کا فاصلہ اتنا بڑھ جاتا ہے جو کسی طرح پُر نہیں کیا جاسکتا۔

بہرحال جب نئی فصل نکل آئے گی تب پورا پتا لگے گا کہ فصل اچھی ہوئی ہے یا نہیں۔ سِوِلین افسروں کا قاعدہ تھا کہ وہ شہریوں کو اپنا بچہ سمجھتے تھے اور دیہاتیوں سے وہ سوتیلا پن کا سلوک کرتے تھے۔ اب بھی یہی ہے کہ لاہور، ملتان، لائلپور اور چنیوٹ میں تو راشن مقرر ہے اور ربوہ میں نہیں۔ یہاں لوگوں کی یہ حالت ہے کہ ایک دانہ گندم کا بھی اِنہیں نہیں ملتا۔ اگر گورنمنٹ نے راشننگ کا انتظام نہ کیا تو نا معلوم کیا حال ہو۔ مگر یہ مصیبت تبھی دور ہوگی جب اگلی فصل کٹ جائے گی اور وہ مئی جون میں جا کر کٹے گی اور ابھی مئی جون میں چار پانچ ماہ باقی ہیں اور پانچ ماہ تک لوگ زندہ کیسے رہ سکتے ہیں سوائے اِس کے کہ گورنمنٹ جیسے اپنے ذخیروں سے بڑے بڑے شہروں کو خوراک مہیا کر رہی ہے اُسی طرح وہ ربوہ کے لیے بھی ایک حصہ مقرر کرے۔☆ جب پچھلی بارشیں ابھی نہیں ہوئی تھیں تو میں نے بہاولپور کے متعلق پڑھا تھا کہ وہاں ایسی فصل ہوئی ہے کہ پچھلے ساٹھ سال میں بھی اتنی اچھی فصل پیدا نہیں ہوئی لیکن بعد کی بارشوں نے ساری فصلیں تباہ کر دیں۔

پس تمام جماعت کو چاہیے کہ زرعی پیداوار بڑھانے کی کوشش کرے۔ اس کا ایک ذریعہ یہ بھی ہے کہ وہ ہر جگہ ایک سیکرٹری زراعت مقرر کرے جو مرکز میں باقاعدہ رپورٹ بھیجا کرے کہ اس کے علاقہ میں کیا کوشش ہو رہی ہے، کھاد کیسے ڈالی جا رہی ہے اور کتنے ہل دیئے جا رہے ہیں۔ اگر محنت اور دیانتداری کے ساتھ کام کیا جائے تو ایک سال کے اندر اندر ہمارے ملک کی حالت درست ہو جائے گی اور ہمارے چندے بھی کئی گنا بڑھ سکتے ہیں۔ اگر قرآن کریم کے بتائے ہوئے اصول کے مطابق ہی ہماری فصل پیدا ہو تو گو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم اس اندازہ سے بھی فصل بڑھا دیتے ہیں مگر نہ بڑھے تب بھی تحریک اور انجمن کی کئی ارب روپیہ کی آمد ہو جاتی ہے اور ہماری گورنمنٹ کی آمد تو کئی کھرب ہو جاتی ہے مگر ضرورت یہ ہے کہ لوگ تقوٰی سے کام لیں اور اللہ تعالیٰ کے حضور جھکیں۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کے حضور جھکیں اور جو تجربات سائنس نے کیے ہیں یا جو تجربات ان کے باپ دادوں کے ہیں

☆ اوپر بتایا جا چکا ہے کہ اب افسروں نے حکم دے دیا ہے کہ ربوہ میں بھی راشننگ ہو جائے۔

اُن سے وہ فائدہ اٹھائیں تو ان کی اپنی حالت بھی درست ہو جائے گی اور گورنمنٹ کی اقتصادی بدحالی بھی دور ہو جائے گی۔ اگر قرآنی اندازہ کے مطابق فصل پیدا ہونے لگ جائے تو سات ایکڑ والا زمیندار بھی اتنا اچھا گزارہ کر سکتا ہے جتنا ایک ڈپٹی کمشنر کرتا ہے۔ لیکن سوال تو یہ ہے کہ عملاً ایسا ہو جائے۔ عملاً جب تک ایسا نہیں ہوتا سات ایکڑ کا مالک چپڑاسی جیسا گزارہ بھی نہیں کر سکتا۔ چنانچہ جن ملکوں میں زراعت کی طرف توجہ نہیں کی جاتی وہاں چپڑاسی کی حیثیت ایک زمیندار سے زیادہ ہے۔

ایک دفعہ مغربی افریقہ کے ایک احمدی نے جو چپڑاسی کا کام کرتا تھا مجھے لکھا کہ میں ریاست کی نوابی کے لیے کھڑا ہو رہا ہوں میرے لیے دُعا کریں۔ میں نے لکھا تُم تو چپڑاسی ہو اور نوابی کے لیے کھڑے ہو رہے ہو؟ اُس نے لکھا کہ یوں تو میرا باپ یہاں کا نواب تھا لیکن چپڑاسی کو یہاں اِتنی تنخواہ مل جاتی ہے کہ زمیندارہ میں اتنی آمد نہیں ہوتی لیکن پھر بھی میری خواہش یہ ہے کہ میں نواب بن جاؤں۔ نواب بن جانے پر مجھے خود زمیندارہ نہیں کرنا پڑے گا۔ ہاں! ٹیکس وغیرہ کی آمدنی ہوگی۔ یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ اب تک دو احمدی مغربی افریقہ میں نواب ہو چکے ہیں۔ اب ایک بادشاہ کی جگہ خالی ہوئی ہے اور ایک لڑکے کا خط آیا ہے کہ میرے لیے دُعا کریں میں بادشاہ ہو جاؤں۔ ہمیں اس کے بادشاہ ہونے سے اتنی دلچسپی نہیں جتنی دلچسپی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اِس الہام سے ہے کہ

''بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے''4

ہم چاہتے ہیں کہ بعض جگہوں کے بادشاہ ہماری زندگی میں ہی احمدی ہو جائیں اور وہ برکت ڈھونڈنے لگ جائیں تا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ الہام ہم اپنی آنکھوں سے پورا ہوتے دیکھیں۔☆

بہرحال میں جماعت کو نصیحت کرتا ہوں کہ فوراً زراعت کے سیکرٹری مقرر کرے جو مرکز کو

☆ اِس کے بعد ایک خط امریکہ سے ایک نومسلمہ کا آیا جس میں اس نے ذکر کیا ہے کہ شاہِ فاروق کی والدہ ملکہ نازلی نے میرے خاوند کا جو وہاں مبلّغ ہے ایک عیسائی رسالہ کی تردید میں ایک مضمون پڑھا تو انہوں نے کہا کہ اسلام کی خدمت احمدیوں کے سوا اَور کوئی نہیں کر رہا۔ جب ایک ملکہ کو اس طرف توجہ پیدا ہوئی ہے تو بادشاہ کو بھی ہو سکتی ہے۔

باقاعدہ رپورٹ بھیجا کریں اور گورنمنٹ کے مقرر کردہ قواعد اور پھر اپنے باپ دادا کے تجربہ کے مطابق ہل چلائیں اور کھاد ڈالیں۔ یہ نہ ہو کہ اپنی سُستی کی وجہ سے وہ خود بھی مصیبت میں پڑیں اور ہم بھی مصیبت میں پڑیں۔ ان کو اس بارہ میں زیادہ چُستی دکھانی چاہیے تاکہ ان کی مصیبت بھی دور ہو، سلسلہ کی مصیبت بھی دور ہو اور ملک کی مصیبت بھی دور ہو"۔ (الفضل 8 مارچ 1959ء)

1: مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ (البقرة: 262)

2: ھود: 7

3: حزقی ایل باب 4 آیت 12 تا 15۔ (مفہومًا)

4: تذکرہ صفحہ 8۔ طبع چہارم

42

دوست تحریک جدید اور وقف جدید کے وعدے جلد سے جلد بھجوائیں

اپنے وعدوں کو بڑھا کر پیش کرنا دنیا میں اسلام کی ترقی اور خدا تعالیٰ کی خوشنودی کے حصول کا موجب ہے

(فرمودہ 13 فروری 1959ء بمقام ربوہ)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''میں نے پچھلے جمعہ کے خطبہ میں کہا تھا کہ بارش زیادہ ہونے کی وجہ سے ہمارے ملک میں غلّہ کی حالت بہت خراب ہوگئی ہے۔ اب اخباروں میں بھی چھپا ہے کہ گورنمنٹ کے محکمہ زراعت کا خیال تھا کہ چونکہ اس سال بارش وقت پر ہوگئی ہے اس لیے اس سال غلّہ باہر سے نہیں منگوانا پڑے گا لیکن اب چونکہ بارش زیادہ ہوگئی ہے اس لیے اس کا اثر فصلوں پر بہت زیادہ پڑے گا اور خطرہ ہے کہ کہیں غلّہ کی پیداوار اس سال بھی اُمید سے کم نہ ہو۔

مجھے ان بارشوں کی وجہ سے جو نقصان پہنچا ہے وہ یہ ہے کہ ڈاکٹروں کا خیال تھا کہ فروری اور مارچ کے مہینہ میں میری بیماری میں افاقہ ہو جائے گا لیکن ٹھنڈک کی وجہ سے میری ٹانگ کے درد میں

افاقہ ہونے کی بجائے زیادتی ہوگئی ہے اس لیے اس ہفتہ جن صحابیوں اور موصی عورتوں اور مردوں کے جنازے آئے اُن کی نماز جنازہ میں نہیں پڑھا سکا اور آج بھی مجھے تکلیف زیادہ ہے اس لیے اُن کی نماز جنازہ غائب نہیں پڑھا سکتا۔ چونکہ میں نے اگلے ہفتہ سندھ جانا ہے اس لیے میں کوشش کروں گا کہ اگلے جمعہ ان سب کی نماز جنازہ غائب پڑھا دوں۔ دوست تمام مرحومین کے لیے چاہے وہ صحابی تھے یا غیر صحابی، موصی تھے یا غیر موصی نماز جمعہ میں دُعا کر دیں کہ خدا تعالیٰ ان کی مغفرت کرے اور ان کے درجات کو بلند کرے، ان کے رشتہ داروں پر اپنا فضل نازل کرے اور انہیں اپنی پناہ میں رکھے۔

دوسری بات میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ دفتر تحریک جدید والوں نے مجھے اطلاع دی ہے کہ وعدوں کی آخری تاریخ اِس دفعہ 28 فروری مقرر ہے مگر اِس وقت تک وعدے بہت کم آئے ہیں۔ دوستوں کو چاہیے کہ وہ جلد سے جلد تحریک جدید کے وعدے بھجوائیں اور 28 فروری سے پہلے پہلے ان وعدوں کی مقدار کو پچھلے سالوں سے بڑھانے کی کوشش کریں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ تحریک جدید کا کام زیادہ تر پاکستان سے باہر ہے اور چونکہ اس کے لیے گورنمنٹ کی طرف سے ایکسچینج ملنے میں دقتیں ہیں اس لیے شاید دوستوں کا یہ خیال ہو کہ ابھی وعدے بھیجنے کی ضرورت نہیں مگر ان کا یہ خیال درست نہیں۔ گورنمنٹ کے حالات بدلتے رہتے ہیں۔ اگر کل کو گورنمنٹ کے حالات سُدھر جائیں اور وہ ایکسچینج دینے کے لیے تیار ہو جائے تو اگر تحریک جدید کے پاس روپیہ ہی نہ ہوا تو وہ ایکسچینج حاصل کر کے باہر روپیہ کس طرح بھیجے گی؟ اس لیے وعدے بہر حال آنے چاہییں اور چندہ کی وصولی بھی باقاعدہ ہونی چاہیے تاکہ جب بھی گورنمنٹ ایکسچینج دے تحریک جدید روپیہ باہر بھیج سکے۔ اگر گورنمنٹ نے ایکسچینج منظور کر لیا اور تحریک جدید روپیہ باہر نہ بھیج سکی تو گورنمنٹ کی نظروں میں بھی ہماری سُبکی ہوگی اور مبلّغ بھی روپیہ نہ ملنے کی وجہ سے تکلیف اٹھائیں گے۔ یہی مبلّغ ہیں جن کے کام پر ہماری جماعت فخر کرتی ہے۔

کل کسی نے اخبار ''صدقِ جدید'' کا ایک کٹنگ مجھے بھجوایا تھا کہ احمدی جماعت میں لاکھ برائیاں ہوں لیکن گزشتہ جلسہ پر انہوں نے 51 زبانوں میں جو تقریریں کروائی ہیں اور غیر ممالک میں وہ اشاعتِ اسلام کے لیے جو جدوجہد کر رہے ہیں ان کا یہی کام اگر ترازو کے ایک پلڑے میں رکھا جائے اور ان کی برائیوں کو جو لوگ بیان کرتے ہیں دوسرے پلڑے میں رکھا جائے تو ان کے اچھے کام

والا پلڑا ابوجہل ہوگا اوران کی برائیوں کا پلڑا کمزور ثابت ہوکر اوپر اٹھ جائے گا۔ اب دیکھو! یہ ہماری تبلیغ کا ہی اثر ہے۔ پاکستان کے وزراء اور سفراء باہر جاتے ہیں تو وہ بھی واپس آ کر ہمارے مبلغین کے کام کی تعریف کرتے ہیں۔

پچھلے دنوں ایک ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولیس ربوہ آئے تو انہوں نے بتایا کہ وہ ایک دفعہ ٹرینیڈاڈ گئے تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ احمدیت کے مبلّغ کی وجہ سے وہاں پاکستان کی لوگوں میں زیادہ شہرت ہے۔ اسی طرح پرسوں ایک خط آیا کہ کسی عیسائی نے اسلام کے خلاف اعتراضات کیے تو ہمارے مبلّغ شکرالٰہی صاحب نے اُس کا جواب شائع کیا۔ اُسے پڑھ کر شاہِ فاروق کی والدہ ملکہ نازلی نے کہا کہ اشاعتِ اسلام کا کام صرف احمدی مبلّغین ہی کر رہے ہیں ان کے سوا اَور کوئی یہ کام نہیں کر رہا۔ ان لوگوں نے ہی اس ملک میں اسلام کی عزّت کو قائم رکھا ہوا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہمارے مبلّغین کے ذریعہ غیر ممالک میں اسلام کو عظمت حاصل ہوتی ہے۔ غیر ملکوں مثلاً مشرقی افریقہ، مغربی افریقہ، جرمنی، سکنڈے نیویا، سوئٹزرلینڈ، ہالینڈ، امریکہ اور انگلینڈ میں ہمارے مبلّغ اسلام کی اشاعت کرتے ہیں اور جب ان کے ذریعہ سے غیر ممالک میں اسلام کی عزّت بڑھتی ہے تو ان کے کام پر جہاں احمدی فخر کر سکتے ہیں وہاں غیر احمدی بھی فخر کر سکتے ہیں۔ پچھلے دنوں انڈونیشیا سے ایک چینی لڑکا آیا تھا (انڈونیشیا میں چینی لوگ بھی آباد ہیں)۔ اس لڑکے نے بتایا کہ مجھے احمدی مبلّغوں کے ذریعہ ہی تبلیغ ہوئی تھی اور اسی کے نتیجہ میں مَیں مسلمان ہوا۔ وہ لڑکا بڑا مخلص تھا۔ تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے بیرونی ممالک میں ہر جگہ اسلام احمدی مبلغین کے ذریعہ سے تقویت پا رہا ہے اور ان کے لیے چندہ کے وعدے بھجوانا چاہییں وہ فوری طور پر ادا کیے جائیں۔ یہ ایک بڑی دینی خدمت ہے اور خدا تعالیٰ کی خوشنودی کا موجب ہے۔ اگر گورنمنٹ کی مالی حالت اچھی ہوگئی اور اس کے پاس ایکسچینج جمع ہوگیا تو وہ اس نے بہرحال تقسیم کرنا ہے۔ اگر انہوں نے کسی وقت ایکسچینج دے دیا لیکن تحریک جدید روپیہ باہر نہ بھیج سکی تو گورنمنٹ کے نزدیک بھی محکمہ کی سُبکی ہوگی اور مبلّغ بھی الگ تکلیف اٹھائیں گے۔

وقف جدید کے چندہ میں بھی ابھی دس بارہ ہزار روپیہ کی کمی ہے۔ دوستوں کو اس کی طرف بھی توجہ کرنی چاہیے۔ پچھلے سال انہوں نے نسبتاً بہت اچھا کام کیا تھا۔ اگر اِس سال بھی انہیں روپیہ مل

جائے تو اُمید ہے اگلے سال وہ اَور بھی اچھا کام کر سکیں گے۔

پس میں دونوں محکموں کے متعلق چندہ کی تحریک کرتا ہوں اور دوستوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اِن دونوں تحریکات میں چندہ دے کر خدا تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کریں۔ میں نے تحریک جدید کے متعلق اس غلط فہمی کا ازالہ کر دیا ہے کہ چونکہ ایکسچینج نہیں ملتا اِس لیے تحریک جدید کے وعدے کرنے اور پھر اُن کی وصولی میں کچھ دیر ہو جائے تو کوئی حرج نہیں۔ میں نے بتایا ہے کہ اِس میں بڑا سخت حرج ہے۔ علاوہ اِس کے کہ ہماری گورنمنٹ میں سُبکی ہوگی، ہمارے مبلّغ بھی بے بس ہو جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے فضل کیا ہے کہ آج دھوپ نکل آئی ہے۔ اگر یہ دھوپ کچھ دن اَور بھی نکلی رہی تو اُمید ہے فصلیں اچھی ہو جائیں گی۔ دوست خدا تعالیٰ کے اِس فضل کا شکریہ بھی ادا کریں اور دُعائیں بھی کریں کہ خدا تعالیٰ اپنے اس فضل کو جاری رکھے اور اسلام کی اشاعت کے لیے مالی امداد کے وعدے کر کے اِس فضل کو جذب کرنے کی کوشش کریں تا کہ اللہ تعالیٰ ان کے اِس سال کو پچھلے سال سے ہزاروں گنا اچھا کر دے۔ اُمید ہے کہ دوست اِن باتوں کا خیال رکھیں گے اور اپنے وعدوں کو بڑھا کر اسلام کی ترقی اور خدا تعالیٰ کی خوشنودی کے حصول کی کوشش کریں گے"۔

(الفضل 19 فروری 1959ء)

43

اللہ تعالیٰ کے فضل کو دائمی طور پر حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہماری جماعت ہمیشہ دُعاؤں میں لگی رہے

(فرمودہ 20 فروری 1959ء بمقام ربوہ)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''میری بائیں ٹانگ میں جو وجع المفاصل کی تکلیف تھی وہ ابھی تک بڑھتی چلی جارہی ہے۔ پچھلے دنوں تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد بارش ہوتی رہی ہے جس کی وجہ سے موسم زیادہ ٹھنڈا رہا اس لیے درد میں کوئی کمی نہیں ہوئی۔ کل اِنْشَاءَ اللّٰہُ میں سندھ جاؤں گا۔ وہاں سردی کم ہے اس لیے ممکن ہے گرمی کی وجہ سے میری اِس تکلیف میں کمی ہو جائے لیکن اس کا انحصار زیادہ تر خدا تعالیٰ کے فضل پر ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل شاملِ حال ہو تو ساری تکلیفیں دور ہو جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ کل سے دھوپ نکل آئی ہے ورنہ خطرہ تھا کہ متواتر بارش کی وجہ سے فصلوں کو نقصان پہنچے گا اور اس کی وجہ سے ملک میں غلّہ کی اَور کمی واقع ہو جائے گی۔ اگر اللہ تعالیٰ نے چند دن متواتر دھوپ نکال دی تو ملک میں فصل کی حالت اچھی ہو جائے گی۔ میں نے چند دن پہلے خطبہ جمعہ میں اِس خدشہ کا اظہار کیا تھا کہ متواتر بارش سے فصلوں کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہے اور اگر چند دن متواتر دھوپ نہ نکلی تو غلّہ کی زیادتی کے

متعلق جو اندازے لگائے گئے ہیں ان میں کمی آ جائے گی۔ چنانچہ یہی ہوا۔ بارشیں تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد ہوتی رہیں اور دھوپ نہیں نکلی جس کی وجہ سے اخباروں میں بھی یہ خبر شائع ہوئی ہے کہ اگر یہی حال رہا تو غلّہ میں کمی واقع ہو جائے گی۔ اب دھوپ نکل آئے تو شاید یہ خطرہ دور ہو جائے لیکن ابھی تک اِس قسم کی خبریں نہیں آئیں۔ بہرحال غلّہ کی کمی اور زیادتی کا انحصار خدا تعالیٰ کے فضل پر ہے۔ جلسہ سالانہ کے موقع پر میں نے بیان کیا تھا کہ غلّہ زیادہ اُگاؤ، کا تعلق اتنا سیاست سے نہیں جتنا مذہب سے ہے اور زراعت میں ترقی کا انحصار خدا تعالیٰ کے فضل پر ہے اور بعد کے واقعات نے اِس کی تصدیق کر دی ہے۔ پہلے جب وقت پر بارشیں ہوگئیں تو اخبارات میں اس قسم کی خبریں شائع ہوئی تھیں کہ بہاولپور کے علاقہ میں اِس قسم کی عمدہ فصل ہے کہ ایسی عمدہ فصل پچھلے ساٹھ سال میں بھی نہیں ہوئی لیکن اب پھر گھبراہٹ پیدا ہو رہی ہے اور غلّہ میں کمی واقع ہو جانے کا خطرہ پیدا ہو رہا ہے۔ اِس کی وجہ یہی ہے کہ بادل کا پتا نہیں کہ کب ہٹے اور مطلع صاف ہو تا کہ فصل کو فائدہ پہنچے۔ بادل نہ تو حکومت کے اختیار میں ہے اور نہ آپ میں سے کسی کے اختیار میں ہے بلکہ خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ اگر بارش ہو جائے اور بعد میں دھوپ نکل آئے تو اِس کا فائدہ ہوتا ہے لیکن یہاں یہ حالت ہے کہ روز بادل آتے ہیں اور دھوپ نہیں نکلتی جس کی وجہ سے فصل زرد پڑ جائے گی اور بالیوں میں دانے پورے نہیں بنیں گے۔ پس ہمیں دُعا کرنی چاہیے کہ وہ اپنے فضل سے ہمارے ان خدشات کو دور کر دے تا جہاں افراد اور ملک کی مالی حالت درست ہو وہاں صدرانجمن احمدیہ اور تحریک جدید کی مالی حالت بھی مضبوط ہو۔ ہمارے ملک میں اَسّی فیصدی زمیندار ہیں۔ اسی طرح ہماری جماعت میں بھی اَسّی فیصدی زمیندار ہیں اس لیے اگر فصل اچھی ہوئی تو جماعت کے چندے بھی بڑھیں گے، اِس کے سارے کام اچھی طرح چلتے رہیں گے اور اگر فصل خراب ہوگی تو لازمی طور پر اس کا اثر چندوں پر بھی پڑے گا اور اس سے صدر انجمن احمدیہ اور تحریک جدید کو نقصان پہنچے گا۔ پھر بیرونی ممالک کے مبلّغوں کو بھی نقصان پہنچے گا کہ انہیں وقت پر اخراجات مہیا نہیں ہو سکیں گے۔ اس لیے دوست دُعا کرتے رہیں کہ خدا تعالیٰ سلسلہ کی حفاظت کرے اور اسے ہر قسم کے خطرات سے محفوظ رکھے۔

جب سے جماعت احمدیہ قائم ہوئی ہے خدا تعالیٰ ہی اِس کی حفاظت کرتا رہا ہے۔ اِس وقت تحریک جدید اور صدرانجمن احمدیہ دونوں کا ماہوار چندہ پچاسی ہزار روپیہ کے لگ بھگ ہے لیکن شروع

میں اتنا چندہ سال میں بھی جمع نہیں ہوتا تھا۔ مجھے یاد ہے جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اِس بات کا علم ہوا کہ لنگر خانہ کا خرچ ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار تک پہنچ گیا ہے تو آپ بہت گھبرائے کہ یہ رقم کہاں سے آئے گی۔ پھر اللہ تعالیٰ جماعت کی آمد میں دن بدن ترقی عطاء کرتا چلا گیا۔ صرف میری خلافت کے شروع زمانہ میں سلسلہ پر مالی لحاظ سے ایک نازک دَور آیا۔ جب میں خلیفہ ہوا تو خزانہ میں صرف چند آنے تھے۔ اِس کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل سے سلسلہ کے چندوں میں ترقی ہوتی چلی گئی اور ہر سال پہلے سال سے زیادہ چندہ جمع ہوتا رہا اور اب بینکوں اور جماعت کے اپنے خزانہ میں جو روپیہ اِس وقت جمع ہے وہ دس لاکھ سے اوپر ہے اور یہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔

خدا تعالیٰ کا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ وعدہ تھا کہ یَنْصُرُکَ رِجَالٌ نُّوْحِیْ اِلَیْهِمْ مِنَ السَّمَاءِ 1 یعنی تیری مدد ایسے لوگ کریں گے جنہیں ہم آسمان سے وحی کریں گے۔ سو خدا تعالیٰ کا یہ وعدہ پورا ہو رہا ہے ورنہ لوگوں کا خیال تھا کہ یہ سلسلہ زیادہ دیر تک نہیں چلے گا، یہ چند دن کا کھیل ہے جو ختم ہو جائے گا۔ کل ہی ایک شخص مجھے ملنے کے لیے آیا۔ جب اُس نے اپنا وطن بتایا تو مجھے ایک واقعہ یاد آ گیا۔ ضلع گجرات کے ایک گاؤں چک سکندر کے بعض لوگ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں قادیان آیا کرتے تھے۔ اُن کے بڑے بڑے قد تھے۔ اُس زمانہ میں ابھی بہشتی مقبرہ نہیں بنا تھا اور لوگ تبرک کے طور پر باغ اور مساجد دیکھنے چلے جایا کرتے تھے۔ وہ بھی باغ دیکھنے کے لیے اُس سڑک پر جا رہے تھے جو بہشتی مقبرہ کو جاتی ہے۔ اُس زمانہ میں اس سڑک پر پختہ پُل نہیں بنا تھا۔ حضرت نانا جان نے لوہے کی ریلیں ڈال کر اُس جگہ پار گزرنے کے لیے راستہ بنایا ہوا تھا۔ اس پُل کے قریب ہماری سوتیلی والدہ کے بھائی مرزا علی شیر صاحب باغ لگایا کرتے تھے۔ وہ مذہبی قسم کے آدمی تھے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے شدید مخالف تھے۔ ممکن ہے اُن کی مخالفت کا یہ سبب ہو کہ آپ ان کی بہن پر سوکن لے آئے تھے لیکن بہرحال وہ آپ کے بڑے سخت مخالف تھے۔ انہوں نے چک سکندر کے ان لوگوں کو باغ کی طرف جاتے دیکھا تو انہیں آواز دے کر اپنے پاس بلایا۔ اُن کے آواز دینے پر ان میں سے ایک آدمی جو باقی ساتھیوں سے کچھ فاصلہ پر تھا یہ سمجھ کہ یہ بڑے بزرگ ہیں ان کی بات سن لی جائے ان کے پاس گیا۔ مرزا علی شیر صاحب نے اس سے کہا میاں! تم کہاں سے آئے ہو اور کس لیے آئے ہو؟ اس شخص نے جواب دیا ہم

گجرات سے آئے ہیں اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کرنے آئے ہیں۔ اِس پر مرزا علی شیر صاحب نے کہا میاں! مرزا غلام احمد میرا بھائی ہے اور اس کا واقف جتنا میں ہوں تم نہیں ہو۔ اور میں جانتا ہوں کہ اس نے محض دکان بنائی ہوئی ہے۔ تم کیوں یہاں اپنا دین خراب کرنے آ گئے ہو؟ اِس پر اُس شخص نے مرزا علی شیر صاحب کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا اور مرزا صاحب نے یہ سمجھ کر کہ یہ شخص ان کی باتوں سے متأثر ہو گیا ہے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا۔ اُس شخص نے ان کا ہاتھ بڑی مضبوطی سے پکڑ لیا اور اپنے دوسرے ساتھیوں کو آواز دی کہ جلدی آؤ جلدی آؤ۔ جب وہ آ گئے تو اس نے کہا میں نے آپ لوگوں کو اس لیے بلایا ہے کہ ہم قرآن کریم میں پڑھا کرتے تھے کہ کوئی شیطان ہے جو لوگوں کو گمراہ کرتا ہے لیکن ہم نے وہ دیکھا نہیں تھا، اب وہ شیطان مجھے مل گیا ہے اور اسے میں نے پکڑ رکھا ہے، اسے اچھی طرح دیکھ لو۔ مرزا علی شیر صاحب بہت گھبرائے لیکن اس شخص نے ان کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑے رکھا اور کہا ہمیں شیطان دیکھنے کی مدت سے آرزو تھی سوالْحَمْدُ لِلّٰہِ کہ آج ہم نے شیطان دیکھ لیا۔

غرض حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق غیر تو کیا اپنے قریبی رشتہ دار بھی یہی کہتے تھے کہ انہوں نے ایک دکان کھولی ہوئی ہے اور وہ آپ کی سخت مخالفت کرتے تھے۔ مجھے یاد ہے ہماری سوتیلی والدہ ہم سے بہت محبت کیا کرتی تھیں اور باوجود اِس کے کہ ہم اُن کی سوکن کی اولاد تھے وہ ہمارے ساتھ بڑی محبت کا سلوک کرتی تھیں۔ ان کی والدہ بھی جو ہماری دادی صاحبہ کے علاقہ کی تھیں ہم سے بہت پیار کرتی تھیں۔ جب ہمارے رشتہ دار مرزا امام دین صاحب اور ان کے لڑکے اور لڑکیاں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو گالیاں دیتے تھے تو چونکہ وہ بہت اونچا سنتی تھیں اِس لیے دریافت کرتی تھیں کہ یہ لوگ کس کو گالیاں دے رہے ہیں؟ اِس پر جب انہیں بتایا جاتا کہ یہ مرزا غلام احمد کو گالیاں دے رہے ہیں تو وہ رو پڑتیں اور کہتیں ہائے! یہ لوگ میری چراغ بی بی کے بیٹے کو گالیاں دیتے ہیں۔ غرض حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اپنے رشتہ دار بھی سمجھتے تھے کہ یہ ایک کھیل ہے جو کھیلا جا رہا ہے اور لوگ انہیں چھوڑ کر چلے جائیں گے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں لدھیانہ کے ایک نور محمد صاحب تھے جنہیں یہ خیال تھا کہ وہ مصلح موعود ہیں اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق کہتے تھے کہ

چونکہ وہ میرے روحانی باپ ہیں اس لیے جب میں اپنے روحانی باپ کے پاس جاؤں گا تو پونڈ اُن کی خدمت میں بطور نذرانہ پیش کروں گا۔ اِس غرض سے وہ روپیہ جمع کرتے رہتے تھے۔ جب ان کے مُریدان سے سوال کرتے کہ وہ اپنے روحانی باپ کے پاس کب جائیں گے؟ تو انہیں کہتے جب میں جاؤں گا تو تمہیں بتا دوں گا۔ جب انہوں نے اِس میں زیادہ دیر لگا دی تو ان کے مُریدوں نے کہا کہ آپ اگر نہیں جاتے تو ہمیں جانے کی اجازت دے دیں۔ اِس پر انہوں نے بعض مُریدوں کو اِس شرط سے قادیان آنے کی اجازت دی کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں سونا پیش کریں گے۔ چنانچہ وہ قادیان آئے۔ مرزا امام دین صاحب جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چچازاد بھائی تھے چُوہڑوں کے پیر بنے ہوئے تھے۔ اور اپنے آپ کو ان کے بزرگوں کا اوتار قرار دیتے اور کہتے کہ چوہڑوں کا لال بیگ میں ہوں۔ انہوں نے جب دیکھا کہ ادنیٰ اقوام کے بعض لوگ آئے ہیں تو انہوں نے انہیں بلایا اور ان کے آگے حُقہ رکھ دیا اور پوچھا کہ تم یہاں کیا لینے آئے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم حضرت مرزا صاحب کو ملنے کے لیے آئے ہیں۔ اِس پر مرزا امام دین صاحب نے کہا چُوہڑوں کا لال بیگ تو میں ہوں تم مرزا غلام احمد کے پاس کیوں چلے گئے؟ وہ تو ٹھگ ہے اور اُس نے یونہی دکان بنائی ہوئی ہے۔ تمہیں وہاں سے کیا ملا ہے؟ وہ لوگ اَن پڑھ تھے لیکن تھے حاضر جواب۔ انہوں نے جواب دیا مرزا صاحب! ہم ادنیٰ اقوام سے تعلق رکھتے تھے مرزا غلام احمد صاحب پر ایمان لائے تو لوگ ہمیں مرزائی مرزائی کہنے لگ گئے۔ آپ مغل تھے اور ایک معزز خاندان سے تعلق رکھتے تھے لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے انکار کی وجہ سے آپ چوہڑے کہلانے لگ گئے۔ اِس پر وہ گھبرا کر خاموش ہو گئے۔ غرض غیر تو غیر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اپنے قریبی رشتہ دار بھی یہ سمجھتے تھے کہ سلسلہ احمدیہ خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں بلکہ یہ محض دکانداری ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ کو بڑھایا اور دنیا کے کونہ کونہ میں اس کے پودے لگا دیئے۔

میں نے بتایا ہے کہ مرزا امام دین صاحب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سخت مخالف تھے لیکن جیسے اللہ تعالیٰ نے ابوجہل کے ہاں عکرمہؓ جیسا بزرگ بیٹا پیدا کر دیا تھا اُسی طرح مرزا امام دین صاحب کی لڑکی خورشید بیگم جو ہمارے بڑے بھائی مرزا سلطان احمد صاحب سے بیاہی ہوئی تھیں بڑی نیک اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور سلسلہ احمدیہ کی سچی عاشق تھیں انہوں

نے اپنی وفات تک ایسا اخلاص دکھایا کہ حیرت آتی ہے۔

ٹائن بی نے جو انگلستان کا ایک بہت بڑا مؤرخ گزرا ہے اسلام پر ایک کتاب لکھی ہے۔ اس کتاب میں وہ جماعت احمدیہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ یہ لوگ تھوڑے ہیں اور دوسرے لوگ زیادہ ہیں لیکن جیسے گھوڑ دوڑ میں بعض دفعہ ایک گھوڑا پیچھے سے آ کر آگے نکل جاتا ہے اِسی طرح میں سمجھتا ہوں کہ ممکن ہے یہ بعد میں آنے والے لوگ عیسائیوں کو مات کر دیں اور ان سے آگے نکل جائیں۔

اِسی طرح میں نے ایک خطبہ جمعہ میں بتایا تھا کہ آکسفورڈ یونیورسٹی نے افریقہ میں اپنے بعض طالبعلم اِس لیے بھیجے ہیں کہ وہ وہاں احمدیت کا مطالعہ کریں کیونکہ افریقہ میں ہماری جماعت جلد جلد پھیل رہی ہے۔ اِسی طرح ایک پادری نے ایک کتاب میں لکھا ہے کہ پہلے ہمارا خیال تھا کہ افریقہ میں عیسائیت بہت جلد پھیل جائے گی اور باقی سب مذاہب کو کھا جائے گی لیکن اب حالت اس کے برعکس ہے۔ افریقہ میں اسلام اِس کثرت سے پھیل رہا ہے کہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ وہ عیسائیت کو کھا جائے گا۔

غرض احمدیت جسے اپنے اور بیگانے ابتدا میں محض کھیل سمجھتے تھے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اِس کو اتنی ترقی عطا کی کہ اِس کے ذریعہ دنیا کے کونہ کونہ میں اسلام پھیل گیا۔ ایک دفعہ ایک نو مسلم انگریز نے مجھے لکھا ایک وقت تھا کہ میں عیسائیوں کی کتابیں پڑھ کر یہ خیال کرتا تھا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مذہب کو سخت نقصان پہنچایا ہے اس لیے میں سوتے وقت بھی آپؐ کو گالیاں دیا کرتا تھا لیکن اب خدا تعالیٰ نے مجھ پر فضل کیا ہے اور مجھے احمدیت کی نعمت سے نوازا ہے جس کی وجہ سے میں اُس وقت تک سوتا نہیں جب تک آپ پر درود نہ بھیج لوں۔

جب میں بیماری کے علاج کے سلسلہ میں انگلینڈ گیا تو وہاں مجھے ایک بہت بڑے ادیب ڈسمنڈ شا ملنے کے لیے آئے۔ ملاقات کے بعد جب میں اپنے کمرہ میں جانے لگا تو میں نے کسی کے پاؤں کی آہٹ سنی۔ میں نے پیچھے مُڑ کر دیکھا تو ڈسمنڈ شا میرے پیچھے آ رہے تھے۔ میں نے کہا میں نے تو آپ کو رُخصت کر دیا تھا پھر آپ میرے پیچھے کیسے آ رہے ہیں؟ انہوں نے کہا میں نے ایک بات دریافت کرنی ہے۔ میں نے کہا کیا بات ہے؟ انہوں نے کہا اگرچہ میں عیسائی ہوں اور ابھی تک

اسلام نہیں لایا لیکن جب میں اسلام کے متعلق تقریر کرتا ہوں تو میرے دل سے آواز آتی ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کے سب سے بڑے محسن ہیں لیکن جو لوگ عیسائی ہیں وہ یہ بات نہیں مانتے۔ میں نے کہا خدا تعالیٰ آپ کے دل پر نازل ہوتا ہے اُن لوگوں کے دلوں پر نازل نہیں ہوتا۔ جب اُن لوگوں کے دلوں پر بھی خدا تعالیٰ نازل ہونے لگ جائے گا تو وہ بھی یہ بات مان جائیں گے۔ اُس نے کہا اب میں یہ بات سمجھ گیا ہوں۔ یہ شخص بہت بڑا مصنف ہے۔ اس نے مجھے بتایا تھا کہ گو ایچ۔ جی ویلز زیادہ مشہور ہے لیکن میری کتابیں اُس سے زیادہ بِکتی ہیں اِس لیے کہ میں مذہب کا مؤید ہوں اور وہ مذہب کا مخالف ہے۔

غرض وہ سلسلہ جس کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ کے لوگ خیال کرتے تھے کہ یہ چند دن کا مہمان ہے اُس کے پودے دنیا کے کونہ کونہ میں لگ گئے ہیں اور اب غیر بھی اس کی تعریف کرتے ہیں۔ میرے زمانۂ خلافت میں جب پیغامی مولوی محمد احسن صاحب کو ورغلا کر لاہور لے گئے اور انہوں نے کہا میں نے ہی انہیں خلیفہ بنایا تھا اور اب میں ہی انہیں معزول کرتا ہوں تو اس کی وجہ سے جماعت میں ایک جوش پیدا ہو گیا۔ جلسہ سالانہ کے موقع پر ان کے متعلق ایک ریزولیوشن پاس ہوا تو میں نے انہیں جماعت سے خارج کر دیا۔ اُس موقع پر ایک دوست جو مخلص تھے مگر بات جلدی نہیں سمجھتے تھے کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے یہ بڑے بزرگ صحابی ہیں انہیں جماعت سے نہ نکالیں۔ اِس پر میں کھڑا ہو گیا اور میں نے کہا مولوی صاحب! پھر اِس کا مطلب یہ ہوا کہ مجھے جو خلیفہ ہوں معزول کر دیں اور مولوی محمد احسن صاحب کو جماعت میں رکھ لیں۔ اِس پر وہ دوست کہنے لگے اچھا! اگر یہ بات ہے تو پھر نکال دیں۔

مولوی محمد احسن صاحب کی طبیعت بھی ایسی ہی تھی۔ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بسراواں کی طرف سیر کے لیے تشریف لے گئے تو آپ نے فرمایا خدا تعالیٰ کے کلام میں اور بندہ کے کلام میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ آپ نے اپنا ایک الہام سنایا اور فرمایا دیکھو یہ بھی ایک کلام ہے اور اس کے مقابل پر حریری کا بھی کلام موجود ہے۔ مولوی محمد احسن صاحب نے بات کا آخری حصہ غور سے نہ سنا اور الہام کے متعلق خیال کر لیا کہ یہ حریری کا کلام ہے اور کہنے لگے بالکل لغو ہے لیکن جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ یہ تو خدا تعالیٰ کا الہام ہے تو مولوی محمد احسن صاحب

کہنے لگے سُبْحَانَ اللّٰہِ! یہ کیا ہی عمدہ کلام ہے۔ اِسی قسم کی طبیعت اس دوست کی بھی تھی۔ جب ریزولیوشن پاس ہوا تو وہ دوست کہنے لگے یہ پرانے صحابی ہیں انہیں جماعت سے نہ نکالا جائے۔ مگر جب میں نے کہا کہ اِس کا مطلب تو یہ ہے کہ مجھے جو خلیفہ ہوں معزول کر دیا جائے اور انہیں جماعت میں رکھ لیا جائے تو وہ کہنے لگے اچھا! پھر انہیں جماعت سے نکال دیں۔

تو یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہی ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جنہیں قادیان کے رہنے والے بھی نہیں جانتے تھے آپ کا نام دنیا کے ہر ملک میں پھیلا اور آج آپ کو ماننے والے دنیا کے کونہ کونہ میں پائے جاتے ہیں۔ قادیان میں ایک سِکھ میرے پاس آیا اور کہنے لگا آپ کے تایا مرزا غلام قادر صاحب تو بہت مشہور تھے اور ایک بڑے عہدہ پر فائز تھے لیکن مرزا غلام احمد صاحب غیر معروف تھے۔ انہیں کوئی جانتا نہیں تھا۔ میرے والد ایک دفعہ مرزا غلام مرتضیٰ صاحب کے پاس گئے اور کہنے لگے سنا ہے آپ کا ایک اَور بیٹا بھی ہے وہ کہاں ہے؟ انہوں نے کہا وہ تو سارا دن مسجد میں پڑا رہتا ہے اور قرآن پڑھتا رہتا ہے۔ مجھے اس کا بڑا فکر ہے کہ وہ کھائے گا کہاں سے؟ تم اُس کے پاس جاؤ اور اُسے سمجھاؤ کہ دنیا کا بھی کچھ فکر کرو۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ کوئی نوکری کر لے لیکن جب بھی میں اُس کے لیے کسی نوکری کا انتظام کرتا ہوں وہ انکار کر دیتا ہے۔ چنانچہ میرے والد گئے اور بڑے مرزا صاحب کی بات ان کو پہنچائی۔ وہ کہنے لگے والد صاحب کو تو یونہی فکر لگی ہوئی ہے میں نے دنیا کی نوکریوں کو کیا کرنا ہے، آپ ان کے پاس جائیں اور انہیں کہہ دیں کہ میں نے جس کا نوکر ہونا تھا ہو گیا ہوں۔ مجھے آدمیوں کی نوکریوں کی ضرورت نہیں۔

اس سِکھ پر اِس بات کا اِس قدر اثر تھا کہ جب بھی وہ آپؑ کا ذکر کیا کرتا تو اُس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگ جاتے۔ ایک دفعہ وہ چھوٹی مسجد میں آیا اور میرے پاس آ کر چیخیں مار کر رونے لگ گیا۔ میں نے کہا کیا بات ہوئی؟ وہ کہنے لگا آج مجھ پر بڑا ظلم ہوا ہے۔ میں آج بہشتی مقبرہ گیا تھا۔ جب میں مرزا صاحب کے مزار پر جا کر سجدہ کرنے لگا تو ایک احمدی نے مجھے اِس سے منع کر دیا حالانکہ اُس کا مذہب اَور ہے اور میرا مذہب اَور ہے۔ اگر احمدی قبروں کو سجدہ نہیں کرتے تو نہ کریں لیکن میں تو سِکھ ہوں اور ہم سجدہ کر لیتے ہیں۔ پھر اُس نے مجھے منع کیوں کیا؟ غرض آپ بالکل خلوت نشیں تھے اور جو لوگ آپ کے واقف تھے اُن پر آپ کی عبادت اور زُہد کا اتنا اثر تھا کہ وہ باوجود غیر مُسلم ہونے کے

وفات کے بعد بھی آپ کے مزار پر آتے رہے۔

جس طرح مولوی محمد احسن صاحب نے لاہور جا کر میرے متعلق کہا تھا کہ میں نے ہی انہیں خلیفہ بنایا ہے اور اب میں ہی انہیں معزول کرتا ہوں اِسی قسم کی بات مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق کہی تھی۔ دعویٰ سے پہلے وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بڑے مدّاح تھے لیکن جب آپ نے دعویٰ کیا تو مخالف ہو گئے اور کہنے لگے میں نے ہی مرزا صاحب کو بڑھایا تھا اور اب میں ہی انہیں نیچے گراؤں گا۔ چنانچہ وہ تمام عمر آپ کے خلاف پروپیگنڈا کرنے اور لوگوں کو آپ کے پاس آنے سے روکنے کی کوشش کرتے رہے مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں ناکام رکھا۔

پیرا نامی ایک پہاڑیہ تھا جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پاس بطور خدمت گار رہتا تھا۔ اُسے گنٹھیا کی بیماری تھی، اُس کے رشتہ داروں کو علم ہوا کہ قادیان میں مفت علاج ہوتا ہے تو وہ اُسے اُٹھا کر قادیان لے آئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُس کا علاج کیا اور جب وہ تندرست ہوا تو آپ کی خدمت میں ہی رہنے لگ گیا اور اپنے وطن واپس نہ گیا۔ وہ شخص اتنا اُجڈ تھا کہ دو چار آنے لے کر دال میں مٹی کا تیل ملا کر پی لیا کرتا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اسے کبھی کبھی بٹالہ بلٹی چھڑانے کے لیے بھیج دیا کرتے تھے اور بٹالہ سٹیشن پر روزانہ مولوی محمد حسین صاحب اس لیے جایا کرتے تھے کہ جو لوگ قادیان جا رہے ہوں انہیں ورغلانے کی کوشش کریں۔ ایک دن اتفاق ایسا ہوا کہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کو قادیان جانے والا کوئی شخص نہ ملا۔ انہوں نے پیرے کو ہی پکڑ لیا اور کہنے لگے پیرے! کیا تیری عقل ماری گئی ہے؟ تُو مرزا صاحب کے پاس کیوں بیٹھا ہے؟ وہ تو جھوٹا آدمی ہے۔ پیرا کہنے لگا مولوی صاحب! میں تو جاہل ہوں اور پڑھا لکھا نہیں لیکن ایک بات جانتا ہوں اور وہ یہ کہ مرزا صاحب اپنے گھر میں بیٹھے رہتے ہیں اور لوگ آپؑ سے ملنے کے لیے دور دور سے آتے ہیں۔ بعض دفعہ وہ یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ میری طبیعت ٹھیک نہیں یا مجھے ابھی فرصت نہیں اور لوگ پھر بھی آپ کے دروازہ کو نہیں چھوڑتے۔ دوسری طرف میں دیکھتا ہوں کہ آپ روزانہ یہاں آ کر لوگوں کو قادیان جانے سے روکنے کی کوشش کرتے ہیں اور شاید اس کوشش میں آپ کی جوتیاں بھی گھس گئی ہوں گی مگر لوگ پھر بھی قادیان جاتے ہیں۔ اِس سے میں سمجھتا ہوں کہ مرزا صاحب ضرور سچے

اور راستباز ہیں۔ تو مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی جو خود بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دوست تھے اور ان کے والد بھی آپ کے دوست تھے انہوں نے بھی کہا تھا کہ میں نے اِس شخص کو بڑھایا ہے اور اب میں ہی اِس کو نیچے گراؤں گا لیکن خدا تعالیٰ نے اُس کے نام کو تو مٹا دیا اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام کو دنیا میں پھیلا دیا۔ بعد میں اُس کا ایک بیٹا آریہ ہو گیا تھا۔ میں نے اُسے قادیان بلایا اور اُسے دوبارہ مسلمان کیا۔ مولوی محمد حسین صاحب نے شکریہ کا خط بھی مجھے لکھا۔

تو جماعت کانٹوں پر سے گزرتی ہوئی اپنی اِس حیثیت کو پہنچی ہے اور یہ چیز بتاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فضل اس کے شاملِ حال ہے لیکن اِس فضل کو دائمی طور پر حاصل کرنے کے لیے جماعت کو ہمیشہ دُعاؤں میں لگے رہنا چاہیے۔ بیشک دنیا کی نظروں میں ہم نے عظیم الشان کام کیا ہے لیکن ہمارا کام ابھی بہت باقی ہے۔ ہم نے ساری دنیا کو مسلمان بنانا ہے اور یہ کام بہت کٹھن ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو ہماری زندگی میں ہمیں وہ دن دکھائے جب یہ کام پورا ہو جائے اور ساری دنیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے تلے جمع ہو جائے۔ اور اسلام امریکہ میں بھی پھیل جائے، یورپ میں بھی پھیل جائے، روس میں بھی پھیل جائے، چین میں بھی پھیل جائے، ہندوستان میں بھی پھیل جائے۔ دلوں کا پھیرنا اُسی کا کام ہے کسی انسان کا کام نہیں۔ اس لیے ہمیں خدا تعالیٰ کے حضور ہی جُھکنا چاہیے اور اُس سے مدد طلب کرنی چاہیے کیونکہ مشکلات کو آسان کرنا اُسی کا کام ہے"۔

(الفضل 30 مئی 1959ء)

---

1 : تذکرہ صفحہ 39 ایڈیشن چہارم 2004ء

44

جمعہ اور مجلس شوریٰ کے اجتماع کی برکتوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے زیادہ سے زیادہ دُعائیں کرو

مجلس شوریٰ میں نمائندگی ایک بہت بڑا اعزاز ہے اس میں شمولیت خاص اہمیت رکھتی ہے

(فرمودہ 17 اپریل 1959ء بمقام ربوہ)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

"کراچی جانے سے پہلے تو میں خود سیڑھیوں سے اُتر کر نماز کے لیے آجاتا تھا لیکن سفر میں جو موٹر کا حادثہ پیش آیا تو اس کے نتیجہ میں وجع المفاصل کی ایسی تکلیف شروع ہوئی جس کی وجہ سے میں ابھی چل پھر نہیں سکتا مگر پھر بھی میں کُرسی پر بیٹھ کر آ گیا ہوں اور آج چونکہ شوریٰ ہے اس لیے نماز جمع ہوگی۔ کوشش کروں گا کہ جتنی دیر بیٹھا جا سکے وہاں بیٹھوں۔ گو جسم کا ضُعف ہے اس کی وجہ سے میرے لیے زیادہ دیر بیٹھنا مشکل ہے۔ وجع المفاصل کے سلسلہ میں جو دوائیاں کھائی جاتی ہیں مثلاً اے۔ پی۔ سی وغیرہ وہ چونکہ ضُعف پیدا کرنے والی ہوتی ہیں اس لیے مجھ سے زیادہ دیر تک بیٹھا نہیں جا سکتا۔

جمعہ کے لیے اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ جب اس کی اذان سنو تو اپنے تمام کاموں کو بند کرتے ہوئے ذکرِ الٰہی کے لیے مسجد کی طرف چل پڑو۔[1] اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ جمعہ

کی اسلام میں کتنی بڑی اہمیت ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جمعہ میں تمام محلّہ یا گاؤں کے لوگ جمع ہوتے ہیں مگر ہماری شوریٰ تو ایسی ہے جس میں سارے ملک کے لوگ جمع ہوتے ہیں۔ اِس لیے ان دنوں میں اَور بھی زیادہ ذکرِ الٰہی کی ضرورت ہے۔ ہم نے اِن دنوں سارے سال کے لیے پروگرام بنانا ہوتا ہے اور یہ فیصلہ کرنا ہوتا ہے کہ آئندہ سال ہم نے کس طرح اسلام کی خدمت کرنی ہے اور غیر ممالک میں کس طرح ذکرِ الٰہی بلند کرنے کے لیے مساجد تعمیر کرنی ہیں اور کس طرح اسلام کے دوسرے اداروں کو ترقی دینی ہے۔ پس دوستوں کو چاہیے کہ جمعہ اور شوریٰ کے اجتماع کی برکتوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے زیادہ سے زیادہ دُعاؤں پر زور دیں، جمعہ کے موقع پر بھی اور جمعہ کے بعد بھی، شوریٰ کے موقع پر بھی اور شوریٰ کے بعد بھی۔

پچھلے سال بعض دوستوں سے غلطی سرزد ہوئی تھی اور وہ شوریٰ سے بغیر اجازت حاصل کیے اِدھر اُدھر چلے گئے تھے۔ اُمید ہے کہ اِس سال اُن سے یہ غلطی نہیں ہوگی۔ پچھلے سال مجھے رائے لیتے وقت معلوم ہوا کہ جتنے نمائندوں کو دفتر کی طرف سے ٹکٹ جاری ہوئے تھے اجتماع میں اُس تعداد سے چھ نمائندے کم ہیں حالانکہ پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا تھا بلکہ قادیان میں جب سے میں نے شوریٰ شروع کی ہے کئی دفعہ ایسا ہوتا تھا کہ شوریٰ شروع ہونے سے قبل جتنے نمائندوں کو ٹکٹ جاری کیے جاتے تھے رائے لیتے وقت تعداد اُس تعداد سے بڑھ جاتی تھی۔ اور اِس کی وجہ یہ ہوتی تھی کہ کچھ لوگ بعد میں آ کر ٹکٹ لے لیتے تھے۔ مگر پچھلے سال دوستوں نے غفلت سے کام لیا اور مختلف عذرات کی وجہ سے اٹھ کر چلے گئے۔ جب رائے شماری کی گئی تو جتنے لوگوں کو ٹکٹ جاری کیا گیا تھا چھ نمائندے اُن سے کم نکلے۔ دوستوں کو آئندہ اِس قسم کی غلطی کا ارتکاب نہیں کرنا چاہیے۔

مجلس شوریٰ میں شمولیت تو ایسی چیز ہے کہ دوست اِس پر جتنا بھی فخر کر سکیں کم ہے۔ ہم تو دیکھتے ہیں کہ دنیوی پارلیمنٹوں کے ممبر بھی اجلاس میں سے باہر نہیں جا سکتے۔ چنانچہ انگلستان کی پارلیمنٹ کا یہ قاعدہ ہے کہ اگر کوئی ممبر کسی ضروری کام کی وجہ سے اجلاس سے باہر جانا چاہے تو وہ اُس وقت تک باہر نہیں جا سکتا جب تک کہ وہ حزبِ مخالف کا ایک آدمی بھی اپنے ساتھ نہ لے جائے۔ ہمارے ہاں تو چونکہ کوئی فریقِ مخالف ہوتا ہی نہیں اس لیے اِس قانون کو مدّنظر رکھتے ہوئے ہمارا کوئی ممبر اجلاس سے باہر جا ہی نہیں سکتا۔ بہرحال جب دنیا کی انجمنوں میں اِتنی سختی کی جاتی ہے تو جو انجمنیں

دین کی خدمت کے لیے بنائی جاتی ہیں ان میں تو بہت زیادہ قواعد کا احترام ہونا چاہیے اور ان میں شمولیت کو بہت زیادہ اہم سمجھنا چاہیے۔

درحقیقت اِس شوریٰ کی ممبری دنیا کی کئی بادشاہتوں سے بھی بڑی ہے اور جس کو شوریٰ کی ممبری نصیب ہو جاتی ہے وہ دنیا کے کئی بادشاہوں سے بھی زیادہ عزّت حاصل کر لیتا ہے کیونکہ شوریٰ کے ممبروں کو یہ بھی اختیار دیا گیا ہے کہ وہ آئندہ خلیفہ کا انتخاب کریں۔ گو اس کی نمائندگی کے قواعد مختلف ہیں۔ دیکھ لو حضرت مسیح ناصریؑ اگرچہ مسیح محمدی سے چھوٹے تھے مگر عیسائیوں میں پوپ کا اتنا احترام پایا جاتا ہے کہ نپولین جیسا بادشاہ جس نے دنیا کا ایک بڑا حصہ فتح کر لیا تھا اور جس نے روس جیسے ملک کے اکثر حصہ کو بھی فتح کر لیا تھا، جس سے بعد میں ہٹلر ہار گیا، ایک دفعہ اُس کو لوگوں نے مشورہ دیا کہ پوپ کو بلواؤ۔ جب پوپ آیا تو قاعدہ کے لحاظ سے چاہیے تھا کہ پوپ بادشاہ سے مقدّم ہوتا مگر نپولین کو اپنی عزّت بڑھانے کا بڑا خیال رہتا تھا اُس نے ہدایت دے دی کہ موٹر عین درمیان میں کھڑا کر دینا۔ جب موٹر آیا تو نپولین نے چاہا کہ اُس میں پہلے بیٹھ جائے لیکن پوپ نے بھی ہوشیاری کی اور وہ دَوڑ کر دوسری طرف چلا گیا اور جب نپولین نے بیٹھنے کے لیے دروازہ کھولا تو دوسری طرف سے پوپ اس میں داخل ہو رہا تھا۔ اِس طرح نپولین پوپ سے پہلے تو نہ بیٹھ سکا مگر اُس نے اِسی کو غنیمت سمجھا کہ وہ کم از کم پوپ کے برابر تو رہا ہے۔

غرض شوریٰ کی ممبری بادشاہوں سے ہی نہیں بلکہ شہنشاہوں کی عزّت اور مرتبہ سے بھی بڑھ کر ہے اس لیے دوستوں کو یہ فخر ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ اور چاہے جان چلی جائے اُنہیں اجلاس میں حاضر ہونے اور اِس سے فائدہ حاصل کرنے میں کوتاہی نہیں کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہماری جماعت کو اِس عظیم الشان نعمت سے جو اُس نے تیرہ سو سال کے بعد دوبارہ مسلمانوں کو عطا فرمائی ہے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے اور وہ خدا تعالیٰ کے فضلوں کا زیادہ سے زیادہ شکریہ ادا کریں تا کہ وہ دنیا میں بھی عزّت حاصل کریں اور آخرت میں بھی انہیں عزّت حاصل ہو"۔

(الفضل 10 مئی 1959ء)

1: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ (الجمعة: 10)

انڈیکس

مرتبہ : مکرم فضل احمد شاہد صاحب

1۔ آیات قرآنیہ	3
2۔ احادیث نبویہ	6
3۔ الہامات حضرت مسیح موعودؑ	7
4۔ اسماء	8
5۔ مقامات	15
6۔ کتابیات	20

آیات قرآنیہ

الفاتحة

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ (2) 282

الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ (3) 283

مٰلِكِ يَوۡمِ الدِّيۡنِ (4) 283

اِيَّاكَ نَعۡبُدُ (5) 288

اِيَّاكَ نَسۡتَعِيۡنُ (5) 275

اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ (6) 288،275

صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ (7) 289

البقرة

صِبۡغَةَ اللّٰهِ (137) 128

وَلِكُلٍّ وِّجۡهَةٌ (149) 82

فَاسۡتَبِقُوا الۡخَيۡرَاتِ (149) 42

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِيۡ عَنِّيۡ (187) 49

اُجِيۡبُ دَعۡوَةَ الدَّاعِ (187) 130

لَا تُلۡقُوۡا بِاَيۡدِيۡكُمۡ اِلَى التَّهۡلُكَةِ (196) 291

رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنۡيَا حَسَنَةً (202) 218

مَتٰى نَصۡرُ اللّٰهِ (215) 35

آل عمران

اِنَّ الدِّيۡنَ عِنۡدَ اللّٰهِ الۡاِسۡلَامُ (20) 139،31

قُلۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰهَ (32) 128

وَمَنۡ يَّبۡتَغِ غَيۡرَ الۡاِسۡلَامِ دِيۡنًا (86) 140

النّسآء

يُحَرِّفُوۡنَ الۡكَلِمَ (47) 161

خُذُوۡا حِذۡرَكُمۡ (103) 291

المائدة

وَلَا يَجۡرِمَنَّكُمۡ شَنَاٰنُ قَوۡمٍ (3) 331

تَعَاوَنُوۡا عَلَى الۡبِرِّ (3) 160،23

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَوۡفُوۡا بِالۡعُقُوۡدِ (2) 325

وَمَنۡ لَّمۡ يَحۡكُمۡ بِمَآ (46) 252

فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ
الْغَالِبُوْنَ(57) 185
الانعام
اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ هَدَی اللّٰهُ
(91) 30
الانفال
وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ یَحُوْلُ
(25) 209،95
وَاِذْ یُرِیْکُمُوْهُمْ
(45) 154
یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا
لَقِیْتُمْ (46) 152،70
وَلَا تَنَازَعُوْا(47) 71
فَاِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ مِّائَةٌ
(67) 196
التوبة
اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ
وَرُهْبَانَهُمْ(31) 85

قَاتِلُوا الْمُشْرِکِیْنَ
(36) 174
هود
وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ
(7) 339
یوسف
لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ
(93) 283
فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
(102) 323
الحجر
سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ
(88) 281
النحل
ثُمَّ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ
(124) 123
اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا
(129) 56،46

بنی اسرائیل
کُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ
(21) 282
الکهف
فَوَجَدَا فِیْهَا جِدَارًا
(78) 78
مریم
کَانَ یَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ
(56) 237،200
الانبیاء
یٰنَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا
(70) 317،194
الحج
یَاْتُوْکَ رِجَالًا(28) 230
اِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّکَ
(48) 132
یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا
(79،78) 259

النّور

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
لَا تَتَّبِعُوْا (22) 202

اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا
(32) 149

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ (36) 209

الفرقان

وَ قَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ
(31) 100

العنكبوت

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا
(70) 116

الاحزاب

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ
(48،49) 184

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ
(57) 119

الزّمر

لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ
(4) 83

الزّخرف

اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ
(6) 120

الواقعة

اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ
(78،79) 256

الحديد

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ
(4) 208

الجمعة

اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ
(10) 297

النّاس

اِلٰهِ النَّاسِ (4) 242

احادیث

ا

اِسۡتَفۡتِ قَلۡبَکَ 260

اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبۡ 134

ل

لَا تَثۡرِیۡبَ عَلَیۡکُمُ الۡیَوۡمَ 106

لَبَّیۡکَ نُصِرۡتَ 101

احادیث بالمعنیٰ

ابوبکر نماز پڑھادیں 31

اگر کسی مومن کے بھائی کو تکلیف پہنچے 36

انسان خدا کی عبادت ایسے رنگ میں کرے 46،51،59

صبح اور عصر کی نماز میں ملائکہ اکٹھے ہوتے ہیں 50

خدا آسمان سے اترتا ہے 50

عورتوں کی طرف جاؤ 57

کیا میں اس کا شکریہ ادا نہ کروں 57

میں خدا کے فضل سے بخشا جاؤں گا 57،69

تم نے میری عیادت نہیں کی 68

قرآن آسمان پر چلا جائے گا 80

دوزخ سال میں دو دفعہ سانس لیتا ہے 98،227

استخارہ کر لیا کرو 100

خزاعہ کا وفد میرے پاس آیا 101

جو اپنے گھر کے دروازے بند کرے گا 104

ابوسفیان کیا وقت نہیں آیا 104

اے مکہ کے لوگو تمھیں یاد ہے 105

تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے 118

اللہ تعالیٰ کے دل میں تڑپ 130

مہمانی تین دن 132

شیبہ ادھر آؤ 135

بیٹھ جاؤ 144

تجھے میرے ہاتھ سے کون بچا سکتا ہے 182،193،250

اشرفی کیوں واپس کر رہے ہو 183

گانا بجانا شیطان کے ذرائع ہیں 202

خدا بلال کے اسھد کہنے پر خوش 214

دجال پانی برسائے گا 242

اگر کسی کو خلیل بنانا جائز ہوتا 261

یہ آخری ہجرت ہے 277

جیسی کسی کی نیت ہوگی 279

مجھے خدا نے اس کی اجازت نہیں دی 283

میں یہ سن کر کانپ گیا 285

اگر یہ مختصر گروہ ہلاک ہو گیا 305

میری طرف سے طلاق 327

آپ کو تھپڑ مارنے کا حق نہیں 334

الہامات حضرت مسیح موعودؑ

عربی الہامات

ا

اَنتَ مِنّی بِمَنزِلَةِ تَوحِیدِی
113

ی

یَأتِی عَلَیکَ زَمَنٌ
205،197

یَنصُرُکَ رِجَالٌ
نُوحِی اِلَیھِم 350،247

اردو الہامات

بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت
ڈھونڈیں گے 342

پاس ہو جائے گا 224

میں تیری تبلیغ کو... 180

اسماء

ا

آدم علیہ السلام ۔حضرت 121، 244، 289، 322

ابراہیم علیہ السلام۔حضرت 30، 84، 121، 123، 126، 194، 230، 232، 244، 289، 317، 318، 320 تا 322، 328، 329

ابوالعباس احمد بن حسین 78

ابوالعطاء حضرت مولانا 6

ابو المنصور ثعالبی 78

ابوبکرؓ۔حضرت 53، 58، 59، 106، 134، 169، 214، 219 تا 221، 260 تا 262، 283، 333، 334،

ابوبکر۔ یوسف سیٹھ 231، 233

ابوجہل 90، 107، 154، 155، 157، 169، 266 تا 268، 284، 285، 352

ابوحنیفہؒ۔حضرت امام 234، 253، 256

ابوخراس 78

ابورویحہ 104

ابوسفیانؓ۔حضرت 101 تا 104، 277، 284

ابوعبیدہ۔حضرت 108، 157

ابومحمد یزیدی 79

احسن بیگ مرزا 64

اسامہؓ۔حضرت 262

اسحاق علیہ السلام۔حضرت 30، 121

اسحاق موسوی 158

اسلم بیگ مرزا 64

اسماعیل علیہ السلام۔حضرت 30، 200، 230، 237، 328، 329

اعجاز الحق ڈاکٹر 332، 333

اعظم بیگ مرزا 64، 65

افضل بیگ مرزا 65

اکبر شاہ نجیب آبادی 298، 299

اکرم بیگ مرزا 65، 66

الیاس علیہ السلام۔حضرت 30

امام الدین مرزا 286، 351، 352

امام الدین مولوی 247

امۃ الحی (حرم حضرت مصلح موعود) 132، 311

ام حبیبہؓ۔حضرت 102، 284

ام طاہر۔حضرت سیدہ 223

امیر حسین قاضی 6

امین الدین میاں 185

ایاز 169

ایلیا 121

ایوب علیہ السلام حضرت 30

ایوب انصاری حضرت 156

ب

برک۔مسٹر 222

برکت علی خان ڈپٹی 321، 322

برہان الدین۔مولوی 6

بزاز 164

بشیر احمد۔حضرت مرزا 255، 271

بلالؓ۔حضرت 104، 105، 213، 214

بہادر شاہ 203

بھارگوا۔ڈاکٹر 311

پ

پطرس 137،136

پنجابی۔مسٹر 308

پیرا 356

ت

تائی 62

ٹ

ٹائن بی 352

ٹیپوسلطان 53،52

ث

ثناءاللہ مولوی 124

ج

جلال الدین شمس۔
حضرت مولانا 6

جمال الدین خان نواب 191

چ

چٹومیاں 9

چراغ بی بی 351

چندریگر 186،185

ح

حباب 110

حزقیل علیہ السلام۔حضرت
289،121

حسنؓ۔حضرت امام 219،
299،254

حسن علی بھاگلپوری مولوی 7،6

حسینؓ۔حضرت امام 31،28،
32، 206، 218، 219، 299

حشمت اللہ۔حضرت ڈاکٹر
222،63

حمزہؓ۔حضرت 89تا91،
268،267،93

حوا 244

خ

خالد بن ولیدؓ۔حضرت 33،
105،108،109،156،
284

خالد رئیس بھوپال 191،189

خورشید بیگم اہلیہ مرزا سلطان احمد
حضرت 352

د

داؤد علیہ السلام۔حضرت
244،218،30

دھرم پال 320،318

ڈ

ڈسمنڈ شا 353،113

ڈگلس 186،
187

ذ

ذوالفقار علی خاں نواب 239

ر

رحمت اللہ شیخ 12،8

رستم علی چودھری 213،11،10

رفیع احمد۔مرزا صاحب زادہ 175

روشن علی۔حضرت حافظ 125،6

روم مولانا 13

ز

زکریا علیہ السلام۔حضرت
289،30

زین العابدین 32،28

زینبؓ۔حضرت 32

س

سرورشاہ حضرت مولوی 6،64
سعدی شیخ 13،17،60
سکارنو۔ڈاکٹر 178،211
سلطان احمد (حضرت مرزا) 61،63،64،194،224، 319،352
سلطان محمود غزنوی 169
سلیمان علیہ السلام۔حضرت 30
سلیمان بن عبدالملک 74،75

ش

شافعی۔امام 256
شبلیؒ 125
شرمپت۔لالہ 286
شعیب علیہ السلام۔حضرت 328
شکرالٰہی۔مبلغ 346
شوکت علی مولانا 311،312
شیبہ 135
شیر محمد میاں 276

ص

صدرالدین مولوی 12
صلاح الدین ایوبی 204

ظ

ظفر علی خان مولوی 15

ع

عائشہؓ۔حضرت 54،69،111، 112،148
عباسؓ۔حضرت 103،104، 158،277
عباس بن حسن 79
عبدالحکیم پٹیالوی 172
عبدالحی مولوی (فرنگی محل) 126
عبدالرحمان حاجی 26
عبدالرحمان بن ابی بکر 54،106
عبدالرحمانؓ بن عوف 285
عبدالرحمان سیٹھ مدراسی 10
عبدالرحیم درد۔حضرت مولانا 224،238
عبدالرحیم نیر۔حضرت مولوی 171
عبدالستار کپتی 189
عبدالستار مولوی 126
عبدالغفور 318
عبدالقادر پروفیسر 6
عبدالقادر جیلانی سید 124، 125
عبدالقادر مولوی 99
عبدالکریم سیالکوٹی۔حضرت مولانا 9،147
عبداللطیف۔شہید حضرت سید 9
عبداللہ 110
عبداللہ پروفیسر 8،9
عبداللہ بن ابی 110
عبداللہ بن سبا 205، 206،217،221
عبداللہؓ بن عباس حضرت 157
عبداللہ خان چودھری 38
عبداللہ خان نواب 293
عبدالماجد دریا آبادی 34
عبدالمطلب۔حضرت 135
عبدالمحی۔عرب 231
عبدالوہاب 233،234
عثمانؓ۔حضرت 205،206، 214،218،221،297
عزیر 84،85
عکرمہؓ۔حضرت 107 تا 109، 157،266،285،352

علیؓ۔حضرت 72، 102،
206، 218، 277
علی شیر مرزا 350، 351
عمرؓ۔حضرت 58، 103،
108، 111، 219، 260 تا
262، 265، 266، 276،
283
عمر بن عبدالعزیز۔حضرت 75
عیسٰی علیہ السلام۔حضرت
30، 31، 55، 85،
87، 98، 113، 114، 121،
124، 135 تا 137، 161،
162، 187، 215، 218،
242، 244، 264، 289،
322، 336، 360

غ

غلام احمد قادیانی۔
حضرت مرزا۔مسیح موعود علیہ السلام
7 تا 11، 19 تا 21،
25، 27، 28، 31، 34، 50،
52، 59، 61 تا 65، 75، 77،
98، 99، 112، 113، 122،
131، 133، 147، 148،
151، 161، 169، 170،
172، 180، 186 تا 189،
193، 194، 197 تا 199،
205، 217، 219، 221،
222، 224، 234، 236،
240، 242، 247، 248،
253، 255، 264، 271،
278، 281، 286، 287،
298 تا 300، 303، 315،
318 تا 321، 323، 342،
350 تا 352، 354 تا 357،
360
غلام احمد شیخ 6
غلام حسین ہدایت اللہ 242
غلام حیدر 187
غلام رسول حافظ وزیر آبادی 66
غلام عباس۔چودھری 162
غلام قادر۔مرزا 62، 355

ف

فاروق شاہ 342، 346
فاطمہؓ۔حضرت 106، 220
فرعون 197، 265، 268،
310، 314
فرزند علی مولوی 236
فریدالدین شکر گنجؒ 215
فرینک ڈگلس 166
فضل بن عباس 109،
157، 158
فضل دین مولوی 77
فضل کریم ڈاکٹر 66
فیروز خان نون 185

ق

قاسم جنرل 335
قدرت اللہ سنوری مولوی 300
قیصر 33، 104

ک

کرشن مہاشہ 312
کرم دین بھیں 193
کسریٰ 104، 156
کسائی 79
کمال الدین خواجہ 8، 11،
172، 193، 333

گ

گاندھی 164 تا 166،
308 تا 312

گوتم بدھ 129،135
گریفن مسٹر 224

ل

لال جی وال جی 10
لوتھر 178
لوط علیہ السلام۔حضرت
30،121
لیکھرام 319،321،322
لیمار چنڈ 319تا321

م

مارٹن کلارک 186،194
مالک۔حضرت امام 171
مبارکہ بیگم۔حضرت سیدہ
222،223
محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
(حضرت خاتم الانبیاء) 8،9،
18، 19، 28، 30 تا 33، 36،
46، 50، 53، 54، 57، 58،
69، 80، 81، 85، 89 تا 92،
98 تا 108، 110 تا 114،
117 تا 119، 121، 130،
131، 134، 135 تا 137،
140 تا 148، 151، 156،
157، 168، 180 تا 183،
192، 193، 197، 200،
202، 214، 219، 220،
225، 227، 230، 232،
249، 250، 253 تا 257،
260 تا 264، 266 تا 268،
276، 277، 279، 282 تا
285، 289، 297 تا 300،
305، 306، 322، 326 تا
329، 334، 354، 357
محمد ابراہیم۔سیالکوٹی مولوی
189، 190
محمد احسن مولوی 354، 356
محمد احمد مولوی بھوپال والے
189، 190
محمد اسماعیل ڈاکٹر گوڑیانی 25
محمد اسماعیل مولوی چٹھی مسیح والے
293
محمد بن قاسم 73تا76
محمد حسین بٹالوی۔مولوی 187،
188، 356، 357
محمد حسین قریشی
(موجد مفرح عنبری) 9
محمد سعید کیپٹن 39
محمد شاہ رنگیلا 203
محمد صادق حضرت مفتی 318
محمد ظفر اللہ خان۔حضرت سر۔
چودھری 16، 26، 211، 310
محمد ظہور الدین اکمل قاضی 247
محمد عبداللہ ڈاکٹر 286
محمد عبداللہ شیخ (شیرِ کشمیر)
164، 167، 310
محمد علی جوہر مولانا 165، 311
محمد علی جناح۔قائداعظم 311
محمد علی خان۔حضرت نواب
193، 210، 239
محمد علی۔مولوی (پیغامی لیڈر)
11، 12، 72، 73، 172،
206، 207
محمد عمر حکیم 99، 321
محمد قاسم نانوتوی مولانا 126
محمد یعقوب مولوی (زودنویس) 79
محمود احمد۔حضرت مرزا بشیر الدین۔
مصلح موعود 11، 18،
40، 44، 51 تا 53، 62، 63،

67، 75، 77، 79، 98، 99، 113، 114، 125، 126، 128، 129، 132، 133، 144، 150، 151، 165، 166، 176، 188، 189، 193، 194، 198، 206، 210، 215، 219، 222 تا 224، 228، 231 تا 234، 237، 238، 243، 244، 248، 249، 293، 295، 302 تا 304، 308 تا 311، 313، 318 تا 321، 351
مختار احمد شیخ 66
مردولا سارا بائی 164، 308، 309
مروان 205، 206
مریم علیہا السلام۔ حضرت 85، 135
مستعصم باللہ 203
مسولینی 166
مظفر الدین چودھری 222
معاویہؓ۔ حضرت 72، 284
معین الدین چشتیؒ۔ حضرت خواجہ 209، 210، 215
ممتاز دولتانہ 185
موسیٰ علیہ السلام۔ حضرت 30، 31، 77، 84، 121، 136، 137، 197، 198، 205، 253، 260، 264، 265، 268، 289، 310، 314، 322، 328، 333
مہتی 60
میر درد۔ حضرت خواجہ 219
میمونہ۔ حضرت 101

ن

نازلی۔ ملکہ 342، 346
ناصر۔ جنرل 295
ناصر احمد شیخ 213
ناصر نواب۔ حضرت میر (نانا جان) 190، 231، 233، 350
ناظم الدین۔ خواجہ 177
نبی بخش 66
نپولین 360
نذیر احمد علی مولوی 171
نصرت جہاں بیگم (حضرت اماں جان) 133، 147، 148، 219
نصیر۔ سید 190
نظام الدین اولیاء 215
نظام الدین۔ مرزا 61، 286
نوح علیہ السلام۔ حضرت 121، 289، 322
نور الحق ابوالمنیر 79
نور الدین۔ حضرت مولوی خلیفہ اول 13، 25، 58، 59، 147، 148، 172، 182، 188، 198، 206، 236، 248، 286 تا 288، 298، 300، 318، 320، 333
نور محمد 351
نہرو 165، 166، 309، 310، 313
نیک محمد خان 298، 299

و

ولنگڈن 224

ولید بن عبدالملک 74

ولی اللہ شاہ محدث 161

ولیم میور 143

ویلز۔ ایچ۔ جی 354

ھ

ہارون علیہ السلام۔ حضرت 30، 136

ہامان 156، 157

ہٹلر 335، 360

ہلاکو خان 156، 158، 180، 203، 334، 335

ہیڈلے۔ لارڈ 171

ی

یحییٰ علیہ السلام۔ حضرت 30، 289

یرمیاہ 121، 289

یزید 28، 31، 32، 74، 217

یسعیاہ 30

یعقوب علیہ السلام۔ حضرت 30، 121

یعقوب علی شیخ۔ حضرت عرفانی 63، 188، 318، 333

ینکسن 243

یوسف علیہ السلام۔ حضرت 30، 106، 121، 323

یونس علیہ السلام۔ حضرت 30

مقامات

ا

آرمینیا 156
آسٹریا 335
آکسفورڈ 353
اٹلی 20، 47، 87، 166، 215
اجمیر 209
احمد آباد 43
احمد نگر 338
اسرائیل 211
اعظم آباد 64
افریقہ 5، 6، 32، 66، 76، 170، 171، 232، 269 تا 271، 301، 342، 346، 353
افغانستان 298
الٰہ آباد 203
امرتسر 66، 147، 186، 187، 224
امریکہ 5، 6، 15، 20، 32، 35، 47، 48، 112، 118، 162، 163، 167، 177، 180 تا 183، 210 تا 212، 242، 269 تا 271، 290، 335، 336، 340، 342، 346، 357
اندلس 204
انڈونیشیا 20، 32، 175 تا 177، 211، 212، 271، 346
انگلستان 27، 87، 163، 166، 167، 177، 179، 242، 290، 313، 346، 353، 359
اوکاڑہ 40
ایبٹ آباد 39، 40، 228
ایران 111، 180، 209، 211، 215
ایشیا 125، 144

ب

باندھی 26
بٹالہ 198، 300، 356
برٹش گی آنا 5، 6، 177
بسراواں 354
بشیر آباد 43، 47
بصرہ 206
بغداد 156، 158، 180، 287، 334، 335
بمبئی 191، 213، 232، 233، 311
بنگال 4، 42
بوندی 64
بہار 314
بہاولپور 38، 40، 341، 349
بھوپال 189، 191
بھیرہ 25

پ

پاکستان 3، 5، 6، 15، 16، 18، 20، 34، 42، 118، 140، 158، 162 تا 164، 167، 176 تا 178، 197، 213، 237، 244، 249،

269، 307 تا 310، 313،
345، 346
پشاور 2، 11، 16، 38،
39، 41، 42، 298، 299
پنجاب 2، 3، 171، 185،
186، 211، 222، 223،
274، 311، 314
پولینڈ 335
پونا 243
پھگواڑا 276

ت

تُرکی 156
تھرپارکر 17
تیونس 74

ٹ

ٹانگانیکا 5، 170
ٹرینیڈاڈ 5، 177، 346
ٹھٹھہ 16، 26

ج

جابہ 30، 51، 79،
271، 304
جاپان 47، 125
جدہ 190، 231
جرمنی 15، 20، 87،
177 تا 179، 290، 335،
346
جہلم 237
جھنگ 185، 186، 338
جیکب آباد 98
جینیوا 15

چ

چیچہ وطنی 40
چشت 209
چک سکندر 350
چنیوٹ 310، 339، 341
چین 20، 27، 125،
156، 357

ح

حافظ آباد 199
حبشہ 107
حصار 221
حیدرآباد 17، 26، 38

خ

خیبر 282
خیرپور 38

د

دمشق 75
دہلی 193، 204،
309، 311

ڈ

ڈچ گی آنا 5، 6، 177
ڈلہوزی 243

ر

راجپورہ 65
راولپنڈی 39، 187،
207، 228
ربوہ 1، 23، 38 تا 41، 56،
70، 76، 97، 150، 198،
199، 216، 228، 232،
234، 235، 236، 240،
246، 252، 259، 270،
273، 278، 279، 281،
291 تا 293، 297، 302،
303، 307، 317، 331،
337، 338، 341، 344،
346، 358
روس 125، 163، 167،
180 تا 183، 242، 290،

314، 315، 335، 336،
357، 360
روم 15، 72، 155،
156، 158، 164، 180،
181، 215، 266، 286

ز

زیورچ۔زیورک 15، 213

س

سپین 73، 177
سربیا 335
سرحد 39 تا 41، 298
سرگودھا 210، 267، 338
سسلی 73
سکنڈے نیویا 346
سندھ 26، 41، 43،
44، 46، 73 تا 75، 199،
242، 339، 345، 348
سوئٹزرلینڈ 177، 346
سوات 233
سہارنپور 203
سیالکوٹ 199، 216، 243
سیرالیون 5، 6
سیلون 271

ش

شام 74، 125، 211،
262، 266، 295، 313
شاہجہانپور 321
شاہدرہ 64
شملہ 224، 238،
311
شورکوٹ 40

ع

عراق 156، 179
عرب 9، 35، 72، 105،
111، 155، 156، 181،
231، 232، 262، 277
عرفات 232

غ

غانا 5، 6

ف

فرانس 20، 87، 177
فرنچ گی آنا 5، 6، 177
فرنگی محل 126
فرینکفورٹ 15
فلپائن 177
فلسطین 125، 156،
211، 265

ق

قادیان 7 تا 12، 30،
65، 66، 124، 148، 150،
187، 188، 198، 234،
236، 255، 269 تا 271،
273، 286، 293، 294،
298، 300، 307 تا 310،
312، 313، 315، 319،
331، 350، 352، 355 تا
357، 359
قسطنطنیہ 156
قندھار 298

ک

کابل 64
کانپور 203
کانگڑہ 223
کبیروالا 40
کراچی 2، 16، 29، 34،
38 تا 40، 42، 51، 235،

301، 302، 358
کربلا 31، 32، 214
کشمیر 64، 162، 163، 167، 224، 308 تا 310
کلکتہ 203، 248
کلو 222
گنج پورہ 238، 239
کوفہ 147، 206
کینیا 5
کینیڈا 20

گ

گجرات 350، 351
گورداسپور 11، 186، 286

ل

لائل پور 278، 338، 341
لابنی 26، 44
لاہور 7، 8، 9، 11، 66، 82، 88، 93 تا 95، 112، 148، 150، 161، 207، 211، 212، 222، 244، 308، 321، 332، 339، 341، 354، 356
لدھیانہ 351
لطیف نگر 47
لکھنو 9، 125
لنڈن 15، 113، 171، 210، 211، 274

م

ماریشس 271
محمد آباد 43، 47
محمود آباد 43، 46
مدراس 6
مدینہ منورہ 19، 75، 101، 102، 108، 110، 111، 142، 143، 181، 192، 206، 214، 220، 233، 234، 249، 250، 262، 277، 282، 298
مردان 39، 299
مری 39، 116، 120، 123، 128، 139، 152، 160، 161، 168، 176، 235، 244، 304، 321، 322
مصر 74، 125، 144، 156، 204، 206، 211، 221، 231، 233، 295
مظفرگڑھ 17
مکہ 35، 83، 84، 90، 101، 102، 104 تا 107، 134، 155، 163، 189، 190، 213، 220، 231 تا 234، 265 تا 269، 277 تا 278، 282 تا 284
ملایا 177
ملتان 26، 38، 40، 74، 203، 205، 341
منالی 222
منٹگمری 40
منیٰ 190 تا 192، 232
میرٹھ 203
میاں چنوں 40
میسور 188

ن

نائیجیریا 5، 6
ناصر آباد 43
نخلہ 227، 228، 241
ندوہ 125

ننکانہ صاحب 313،308
نواب شاہ 39،38
نورنگر 47
نوشہرہ 39
نیپلز 15
نیویارک 227

و

وینس 15

ھ

ہالینڈ 346،47،17

ہزارہ 299،298،64
ہندوستان (بھارت) 9،15،
21،147،156،163،166،
167، 203، 209، 211،
215، 269، 271، 290،
307 تا 310، 312 تا 315،
357
ہنوور 15
ہیگ 15
ہیمبرگ 179،15

ی

یروشلم 161
یوپی 298،9
یورپ 15،32،35،
47، 48، 84، 112، 114،
118، 125، 144، 145،
166، 171، 176، 179،
210، 213، 227، 270،
271، 357
یوگنڈا 5

کتابیات

الف

احمدیت حقیقی اسلام 21

ازالہ اوہام 21

الحکم 276

الفضل 24

انجیل 162،161،136

ب

بائبل 161،137،136،68

بدر 59

براہین احمدیہ حصہ پنجم 21

بوستان 13

پ

پرتاپ (اخبار) 307،
315تا313،308

ت

تائید حق 6

تحفۃ الملوک 21

تحفہ شہزادہ ویلز 21

تحفہ گولڑویہ 21

ترک اسلام 318

تفسیر صغیر 79،77،34،21

تفسیر کبیر 98

تورات 161

توضیح مرام 21

ٹ

ٹائمز 161

چ

چشمہ معرفت 21

د

درثمین 21

دعوۃ الامیر 21

دیباچہ تفسیر القرآن 21

س

سرمہ چشم آریہ 21

سیر روحانی 21

ص

صدق جدید 345

ف

فتح اسلام 21

فقہ اللغۃ 79،78

ک

کتاب البریہ 224

کنز 299،255،254

گ

گلستان 13

ل

لائف آف محمد 143

م

مثنوی مولانا روم 169،13

ن

نور الدین 320،318